فتاویٰ علماء ہند

جلد- ۱۹

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۹)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جولائی ۲۰۱۹ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	**منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند**

یہ کتاب ''منظمة السلام العالمية'' کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

كتاب الزكاة والصوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾

(سورۃ التوبۃ:60)

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ.﴾

(سورۃالبقرۃ: 267)

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ

(صحیح البخاری: باب العشرفیمایسقی من ماء السماء:1/201)

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾

(سورۃ التوبۃ:29)

قال اللّٰہ عزوجل:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾

(سورۃ البقرۃ:185)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ غُمِّيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعَدَدَ.

(صحیح لمسلم،باب وجوب صوم رمضان لرؤیۃ الھلال،رقم الحدیث:1081)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵-۲۹)

حیلہ اور تملیک کا بیان (۳۷-۵۲)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

طلبہ واساتذہ پر زکوٰۃ خرچ کرنا (۵۳-۶۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نابالغ کو زکوٰۃ دینا (۶۷-۷۲)

سادات کو زکوٰۃ دینا (۷۳-۸۶)

متفرقات مصارف زکوٰۃ (۸۷-۱۱۶)

عشر کے احکام ومسائل (۱۱۷-۱۲۶)

عشر کا نصاب (۱۲۷۔۱۳۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

پیداوار کی زکوٰۃ (۱۳۷-۱۴۴)

عشری وخراجی زمین (۱۴۵-۱۵۸)

مال گزاری والی زمین (۱۵۹-۱۶۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات
(۲۸۲)	عندالاحناف صدقہ فطر میں صاع عراقی معتبر ہے	۲۱۴
(۲۸۳)	صدقہ فطر کے وزن کے بارے میں مدرسہ شاہی کا فتویٰ	۲۱۵
(۲۸۴)	کیا صدقۂ فطر کی مقدار سوا سیر گندم ہے	۲۱۶
(۲۸۵)	اسی تولہ کے وزن سے نصف صاع کے وزن میں اختلاف کا حل	۲۱۶
(۲۸۶)	بیوی بچوں کو نفلی صدقہ دینا	۲۱۶
(۲۸۷)	غنی کو نفلی صدقہ دینا	۲۱۷
(۲۸۸)	امداد کے خانہ میں عطیہ اور تعاون لکھوانا	۲۱۸
(۲۸۹)	صدقہ کا جانور کتنی عمر کا ہونا ضروری ہے	۲۱۸
(۲۹۰)	جانور صدقہ کرتے وقت کچھ گوشت اپنے لیے مختص کرنا	۲۱۸
(۲۹۱)	جس جانور کو صدقہ کر دیا ہو، اس کا گوشت کھانا	۲۱۹
(۲۹۲)	بیمار شخص نے بکرا صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی اور صدقہ کر دی بکری	۲۲۰
(۲۹۳)	غیر مسلم کو صدقہ فطر دینا	۲۲۰
(۲۹۴)	ہندو سائل کے ساتھ کیا معاملہ کریں	۲۲۱
(۲۹۵)	مصارف صدقہ فطر	۲۲۱
(۲۹۶)	امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں	۲۲۲
(۲۹۷)	اگر کسی کے ذمہ روپے باقی ہوں اور فطرے میں اس کو چھوڑ دے تو فطرہ ادا ہوگا، یا نہیں	۲۲۲
(۲۹۸)	فطرہ کن لوگوں کا حق ہے	۲۲۲
(۲۹۹)	صدقہ کی رقم بھانجی کو دینا	۲۲۳
(۳۰۰)	فطرہ کی آمدنی مسجد مدرسہ کی دیوار یا غسل خانہ میں لگانا	۲۲۳
(۳۰۱)	پورٹ بلیر جہاں قیدیوں کی آبادی ہے اور قانوناً اعانت منع ہے تو کیا ان کو صدقۂ فطر دے سکتی ہیں	۲۲۴
(۳۰۲)	جہاں قیدیوں کے سوا کوئی نہیں، وہاں صدقۂ فطر مساکین میں شمار ہے	۲۲۴
(۳۰۳)	کیا قیدیوں کا مساکین میں شمار ہے	۲۲۴

نمبر شمار	عناوین	صفحات

متفرقات زکوٰۃ (۲۲۷۔۲۵۰)

روزے کے فضائل ومسائل (۲۵۱-۲۸۵)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

رؤیت ہلال کے احکام ومسائل (۲۸۵۔۴۳۶)

نمبر شمار	عناوین	صفحات

نمبر شمار	عناوین	صفحات

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشكر

الحمد لله الذى فرض علينا الصيام كما فرضه على الذين من قبلنا، والصلاة والسلام على نبى الرحمة، خير من صلى وصام وقام، عليه من ربه أفضل الصلاة وأزكى السلام.

بفضلہ تعالی موسوعہ فتاویٰ علمائے ہند کی انیسویں جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے، جو ہمارے مفتیان کرام وعلماء عظام کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے، مولا کریم اپنے کرم سے اسے قبول فرمائے اور ہم سب کی نجات کا ذریعہ بنائے۔

روزہ دین اسلام کا تیسرا اور اہم رکن ہے۔ روزہ روک لینے کو کہتے ہیں، جب کہ شرعی اصطلاح میں عبادت کی نیت سے بوقت طلوع تا غروب اپنے آپ کو کھانے پینے اور نفسانی خواہشات سے باز رکھنے کا نام روزہ ہے۔

دراصل رمضان کے مہینے میں انسان کے اندر دینی مزاج اور صبر وتقویٰ پیدا کرنے کے لیے مخصوص دینی فضا پیدا ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے اس ماہ کو نیکیوں کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ اس مہینے کو اللہ پاک نے اپنا مہینہ کہا ہے۔ اس مہینے میں ہر مسلمان اپنے اپنے ایمان اور تقویٰ کے مطابق حصہ پاتا ہے، جس سے وہ قلبی سکون حاصل کرتا ہے۔ اس ماہ کی ایک اور فضیلت یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کا نزول بھی اسی بابرکت مہینے میں ہوا۔ اس مہینے میں جو روزوں کے ذریعے تقویٰ حاصل نہ کرے، وہ اس کتاب پاک سے جو متقیوں کے لیے باعث ہدایت ومغفرت ہے، کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

یہ خدمت بہت عالی اور عظیم ہے، بندہ کو ہمیشہ اپنی کم مائیگی کا احساس دامن گیر رہتا ہے اگر خداوند قدوس کی توفیق نہ ہو تو انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اللہ پاک محض اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں اور تمام ساعیان کو بہترین جزائے خیر عطا فرمائیں، قارئین کرام سے گزارش ہے کہ بندہ کو حیاو میتا دعاؤں میں یاد رکھیں۔

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ

یکم جمادی الاول ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معظمی ومحسنی محترم جناب مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ ہر طرح بخیر وعافیت ہو گے!

''فتاویٰ علماء ہند'' جو۴۳ر مستند ومعتبر فتاویٰ کا مجموعہ ہے، ان فتاویٰ کے یک جا ہو جانے سے ان سے استفادہ سہل ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے افادہ کو عام اور تمام فرمائے۔ یہ مجموعہ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب دامت برکاتہم ناظم امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ جن کی ترتیب، تحقیق اور تعلیق سے اور حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی صاحب دامت برکاتہم کی نگرانی میں وجود میں آیا، اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات اوران کے تمام معاونین کو صحت، عافیت اور سلامتی کے ساتھ رکھے، ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، دینی خدمات کو انجام دینے کی اور زیادہ توفیق عطا فرمائے، مغفرت کا زریعہ بنائے اور دنیا وآخرت میں اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین اللھم آمین

اس مفید ترین مجموعہ کی چوتھی، پانچویں اور چھٹی یعنی ۳رجلدیں بندہ کو موصول ہوئی ہیں، اس کے لیے میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دام ظلہ العالی کا بے حد ممنون ومشکور ہوں کہ ان کے ایما پر یہ گراں قدر سرمایہ موصول ہوا اور منظمۃ السلام العالمیہ کا بھی جس کے ذریعہ یہ مجموعہ زیور طبع سے آراستہ ہو کر شائع ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ باقی جو جلدیں ہیں، وہ بھی ارسال فرما کر مزید احسان فرمائیں گے۔ فقط

العارض

محمد کامل قاسمی

دارالقضاء جنوبی دہلی، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

محبّ گرامی قدر حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی زید مجدہ　　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج سامی بخیر ہوگا۔

آپ کا مرسلہ 'فتاویٰ علماء ہند' ۳ رجلدوں (۴ تا ۶) جو کتاب الصلوٰۃ کے عنوان پر مشتمل ہے، بذریعہ ڈاک موصول ہوا، ماشاء اللہ حسن صوری کے ساتھ ساتھ حسن معنوی سے بھی مزین ہے، مجموعہ ہذا اگر اپنے انتخاب میں منفرد، قدیم وجدید فتاوٰوں کے ذخیروں میں ممتاز، نیز اہل علم کے لیے گراں قدر تحفہ ہے تو وہیں فتویٰ نویسی کی مشق کرنے والوں کے لیے رہنما مفتی بھی ہے۔

زیر بحث مسائل کی ترتیب وتحقیق میں اتنی تفصیل وتنقیح کی گئی ہے کہ تمام متعلقات سامنے آجاتے ہیں، ہر جگہ حوالہ کتب معتبرہ کا مع عبارتوں کے پیش کر کے مستفیدین کے لیے گویا گلہائے رنگارنگ کا ایک نہایت حسین گلدستہ تیار کر دیا ہو، جس کی لذت وحلاوت قاری اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، اس میں عام مسلمانوں کے لیے سامان نہیں؛ بلکہ تشنگان علوم ومعارف کی سیرابی ودریائے علم وفن کے شناوروں کے لیے غیر معمولی غذا ہے۔

دوسوسالہ فتاویٰ کو یکجا جمع کرنے کے اس مبارک اقدام نے اہل علم حضرات کو بھی مسائل حاضرہ میں فتاوٰوں کی ضخیم کتابوں کی ورق گردانی اور نوادر کتب کے مطالعہ کی راہ آسان کر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی اور ناظم امارت شرعیہ حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی مدظلہ العالی کی مساعیٔ جمیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ حضرات کو حیات خضر فرمائے؛ تاکہ اس عظیم مشن کو باحسن وجوہ پورا کر سکیں، اس کرم فرمائی پر میں آپ کا تہہ دل سے ممنون ومشکور ہوں۔ (فجزاکم اللّٰہ عنی وعن سائر المستفیدین الجزاء الأوفی) فقط والسلام

اخوکم فی الدین

طالب دعا

محمد طیب ندوی

مجلس اتحاد امت، شہر اجین (ایم پی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ رب العزت نے انسان کو ایک ایسی مخلوق بنایا ہے، جس کو ارادہ واختیار کی وہ قوت عطا کی گئی ہے، جس کے استعمال کے نتیجہ میں وہ اپنی خواہش وچاہت کے مطابق کوئی بھی عمل کرسکتا ہے؛ لیکن اس کے ساتھ اس کو احکام الٰہی کا پابند بھی بنایا گیا ہے، اسے بے قید آزادانہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے، اس کو 'تکلیف شرعی' کہتے ہیں؛ یعنی انسان 'مجبور' تو نہیں؛ لیکن وہ 'مامور' ضرور ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خواہشات کا پرستار نہ بن کر پوری زندگی شریعت خداوندی کا پابند رہے؛ تاکہ دین ودنیا کی سرخروئی کا مستحق قرار پائے؛ اسی لیے انسانوں کو رب کی مرضیات ومنہیات سے باخبر کرنے کے لیے آسمانی کتابیں بھیجی گئیں اور قول وعمل کے ذریعہ ان کی توضیح وتشریح کی غرض سے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے گئے، جس کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوگیا، اب قیامت تک قرآن مجید 'کتاب ہدایت' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات 'اسوۂ حسنہ' ہے، پھر ہر دور کے اصحاب علم وفضل نے قرآن مجید اور اسوۂ نبوی کی تشریح کا فریضہ انجام دیا ہے، جس کو اجتہاد کہتے ہیں اور اجتہاد واستنباط کے ذریعہ پورا نظام حیات اس طرح مرتب کردیا جو ہر مرحلہ پر انسان کے لیے مشعل راہ ثابت ہو، جو دنیا میں انسان کی کامیابی کا ضامن اور آخرت میں اس کی نجات کا باعث ہو، جس کو اصطلاحی زبان میں 'فقہ' کہا جاتا ہے، گویا شریعت نام ہے اللہ ورسول کے فرامین کے مجموعہ کا، اور فقہ نام ہے شریعت کی مرتب شکل اور کتاب وسنت کے نچوڑ اور خلاصہ کا۔

خدا کا شکر ہے کہ یہ امت مسلمہ اب بھی اپنے دل میں کسی نہ کسی درجہ میں احساس مسئولیت اور دین پر عمل کرنے کی تڑپ رکھتی ہے، اسی وجہ سے وہ پیش آمدہ مسائل وجزئیات کے احکام معلوم کرنے کے لیے عصر حاضر کے علماء کرام اور مفتیان عظام کی طرف رجوع کرتی ہے؛ لیکن یہ بات واضح رہے کہ موجودہ زمانے میں لفظ مفتی کا وہ مفہوم نہیں ہے جو متقدمین کے زمانہ میں تھا؛ اس لیے کہ متقدمین کے عہد میں افتاء اجتہاد کا ہم معنی لفظ تھا اور مجتہد کو مفتی کہا جاتا تھا؛ لیکن جب مدون اور معتبر فقہی مذاہب کی تقلید واتباع کا دوسرا دور شروع ہوا اور علمی واخلاقی زوال کی وجہ سے بجا طور پر سلف صالحین نے عامۃ المسلمین کے لیے اس کو ضروری قرار دیا تو اب افتاء کے معنی نقل فتویٰ کے ہیں اور مفتی کے معنی ناقل فتویٰ کے ہیں؛ یعنی اب مفتی خود اجتہاد نہیں کرتا؛ بلکہ معتبر مجتہدین کے فتاویٰ کو نقل کرتا ہے، یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ مسلم معاشرہ کا لازمی جز ہے؛ لیکن نقل فتویٰ کے لیے بھی وقت اور محنت کی ضرورت ہے، وہ یوں کہ موجودزمانے پر سستی، غفلت اور سریع الوقتی کی دبیز چادر تنی ہوئی ہے، جس کے سبب ہر مفتی اور عالم مجیب اس کا متلاشی ہے کہ اسے کوئی ایسا مستند مجموعہ فتاویٰ مل جائے کہ جس کی مدد سے وہ کم وقت اور کم محنت میں مستفتی کو صحیح اور مستند جواب دے کر مطمئن کرسکے۔ الحمدللہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے زمانہ دراز سے فتاویٰ کے مجموعے تیار ہوتے رہے اور اس سلسلے میں عربی مجموعہ کے علاوہ اردو زبان میں فتاویٰ رشیدیہ، احسن الفتاویٰ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ خلیلیہ، فتاویٰ رحیمیہ اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے عظیم الشان اور قیمتی مجموعوں کو بطور استناد وثبوت کے پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فقہ وفتاویٰ کی اس عظیم خدمت کے اعتبار سے ہندوستان کو اور بالخصوص علماء اہل سنت والجماعت (علماء دیوبند) کو نمایاں اور امتیازی حیثیت حاصل ہے اور فقہ وفتاویٰ کی جو خدمات یہاں انجام پارہی ہیں، وہ اسلامی علوم کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے؛ اس لیے امت مسلمہ کی آنکھیں اب تک اس بات کا منتظر تھیں کہ اے کاش! کوئی ایسا مجموعہ بھی تیار ہوتا جس میں ملک ہندوستان میں زمانہ قدیم سے دیئے گئے علماء برصغیر کے فتاویٰ جات مجموعی طور پر موجود ہوں؛ تاکہ استفادہ اور زیادہ آسان ہوجاتا، الحمدللہ اللہ کے فضل وکرم سے امت کی یہ آرزو بھی پوری ہوئی اور زیر نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' اس مقصد کی تکمیل کے لیے منظر عام پر آنے لگی، جس میں پچھلے دوسالوں میں دیئے گئے علماء برصغیر کے چالیس سے زائد کتب فتاویٰ کو شامل کیا گیا، جسے قرآن وسنت اور فقہی عبارت کے حوالہ سے مزین کیا جارہا ہے۔

زیر نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' ان شاء اللہ عربی وانگریزی ترجمہ کے ساتھ تقریباً دوسو جلدوں میں پورا ہونے کی امید ہے، چوں کہ یہ کتاب ابھی ترتیب وکتابت کے مراحل سے گزر رہی ہے؛ اس لیے تمام جلدوں کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، البتہ بعض جلدوں کے مطالعہ سے جو تأثر پیدا ہوا ہے، وہ حسب ذیل ہے:

(الف) اس کتاب میں محولہ کتاب میں فتاویٰ کے سوال وجواب اور دلیل کے نقل کرنے میں انتہائی امانت داری سے کام لیا گیا ہے، احقر نے کئی کتب فتاویٰ کی عبارتوں کو اصل سے مراجعت کر کے دیکھا تو بعینہ پایا۔

(ب) ہر محولہ کتاب فتاویٰ کے جلد وصفحہ کو امانت داری کے ساتھ لکھا گیا ہے، جس سے اصل مرجع تک پہنچنا بہت سہل ہو گیا ہے۔

(ج) محولہ کتب فتاویٰ میں اگر کہیں صرف سوال وجواب ہے اور اس جواب کا کوئی عربی حوالہ نہیں ہے تو اس کتاب کے حاشیہ پر اس مسئلہ کی دلیل میں نصوص وفقہی عبارات کو جلد وصفحہ کی تعیین کے ساتھ نقل کر دیا گیا ہے۔

(د) محولہ کتب فتاویٰ کی عربی عبارت میں اگر کہیں حوالہ نہیں ہے تو اس کتاب کے حاشیہ پر جلد وصفحہ اور باب کی تعیین کے ساتھ اس کا حوالہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

(ہ) ہر مسئلہ کی دلیل میں حوالہ کی عربی عبارتیں بھی درج کر دی گئی ہیں، جس سے خاص کر علماء کو بہت نفع ہوگا۔

(و) حوالہ جات مفصل لکھے گئے ہیں، یعنی عربی کتاب کے جلد وصفحہ کے ساتھ اکثر مواقع پر باب کی بھی صراحت کر دی گئی ہے؛ تاکہ طباعتوں کے فرق کے باوجود حوالہ کی تلاش آسان ہو۔

(ز) مسائل کے ثبوت فقہی ابواب کے مطابق ہے۔

(ح) مسائل کے عنوانات ایسے واضح لکھے گئے ہیں کہ جن سے فتویٰ کا مضمون سمجھنا آسان ہو، اگرچہ اس کی وجہ سے کہیں کہیں عنوانات طویل ہو گئے ہیں، مگر یہ بامقصد ہے۔

(ط) محولہ کتب فتاویٰ میں مذکور مسائل کے علاوہ اس کتاب کے حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے، جس کی وجہ سے اس کتاب میں جدید وقدیم تمام اہم مسائل شامل ہو گئے ہیں۔

(ی) اس کتاب کے حاشیے میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو حوالہ کے ساتھ نقل کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مکمل، مدلل ومحقق ہو گئے ہیں، خلاصہ یہ کہ یہ فتاویٰ گویا عطار کی ایسی دکان ہے، جس میں دو سو سالہ باغ کے مختلف پھولوں سے کشید شدہ عطر اور مشک وعنبر کی الگ الگ خوشبوئیں موجود ہیں اور گویا پنساری کا ایسا دواخانہ ہے، جس میں ان شاء اللہ ہر روحانی مرض کی دوا مل جائے گی؛ اس لیے اگر ہم سے کوئی سوال کرے کہ کم وقت میں زیادہ مسائل وجزئیات حاصل کرنے کے لیے کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو اسے بے تأمل یہ جواب دیا جائے گا کہ ''فتاویٰ علماء ہند'' سے استفادہ کر لیا کریں۔

صد ہا قابل مبارک باد ہیں، اس فتاویٰ علماء ہند کے مرتب محقق حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی زیدت فیوضہ اور حامی ومنتظم حضرت مولانا محمد اسامہ شمیم صاحب ندوی دامت حسناتہ اور ان کے سرپرست ومعاون داعی کبیر جناب بھائی شمیم انجینئر صاحب مدظلہ العالی کہ اس عظیم خدمت کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان خوش نصیب بندوں کو منتخب فرمایا ہے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے ان مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت سے نواز کر ان سب کے لیے اس مجموعہ کو ذخیرہ آخرت بنائے اور اللہ پاک یسر وسہولت اور عافیت کے ساتھ اس عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور اللہ ہم سب کو اپنی رضا کے لیے زندگی کی آخری سانس تک دین کی فکر اور اس کی نشر واشاعت میں مشغول رکھے۔ آمین

(حضرت مولانا) ممتاز عالم المظاہری (صاحب)
مہتمم ادارہ فیض القرآن، محمود چوک ٹھکر یباڑی، اتر دیناجپور، مغربی بنگال (الہند)

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی فرض علینا صیام شھر رمضان، وفتح لنا فیه أبواب الجنة، وغلق أبواب النیران، والصلاة والسلام علی نبینا المصطفی العدنان وعلی آله وصحبه إلی یوم

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں، برکتوں، کامیابیوں اور کامرانیوں کا مہینہ ہے۔اپنی عظمتوں اور برکتوں کے لحاظ سے دیگر مہینوں سے ممتاز ہے۔رمضان المبارک وہی مہینہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ کی آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کا نزول لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر ہوا۔ ماہ رمضان میں اللہ تعالیٰ جنت کے دروازے کھول دیتا ہے اور جہنم کے دروازے بند کر دیتا ہے اور شیطان کو جکڑ دیتا ہے تا کہ وہ اللہ کے بندے کو اس طرح گمراہ نہ کر سکے جس طرح عام دنوں میں کرتا ہے اور یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ خصوصی طور پر اپنے بندوں کی مغفرت کرتا ہے اور سب سے زیادہ اپنے بندوں کو جہنم سے آزادی کا انعام عطا کرتا ہے۔رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ہے نبی کریم ﷺ نے ماہ رمضان اور اس میں کی جانے والی عبادات (روزہ، قیام، تلاوت قرآن، صدقہ خیرات، اعتکاف، عبادت لیلۃ القدر وغیرہ) کی بڑی فضیلت بیان کی ہے۔روزہ کی دوسرے فرائض سے یک گونہ فضیلت کا ندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ہوتا ہے ''الصوم لی وانا اجزء به'' یعنی روزہ خالص میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کا بدلہ دوں گا۔

رب ذوالجلال کے لاکھوں فضل وانعامات ہیں، جن کا احاطہ ممکن نہیں، محض اپنے لطف وکرم سے اس نااہل سراپا جہل ونابلد کو فتاویٰ علمائے ہند کی انیسویں جلد کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔خصوصاً اس جلد میں صدقہ فطر متفرقات زکوۃ اور روزہ کے احکام ومسائل بیان کئے گئے ہیں۔کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ قران وحدیث کے نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے، ان شاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کو فائدہ پہنچے گا۔حتی الوسع اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ دلائل وشواہد کے ذریعہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہو جائے۔

فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اور بھی زیادہ مدلل ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہو رہا ہے لیکن بہر صورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہو سکے۔ میں شکر گزار ہوں علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی۔

میرے اللہ تو اسے قبول فرما کر میرے لیے نجات کا ذریعہ بنا دے۔اور اس مجموعہ کے تیار ہونے میں جتنے بھی معاونین نے اپنا تعاون شامل رکھا، ان میں سے ہر ایک کو شرف قبولیت عطا فرما، ان کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرما۔

بندہ محمد اسامہ شمیم الندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی ممبئی الھند

۹ر جنوری ۲۰۲۰ء، ۱۴ر جمادی الاول ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد لله حمدًا طيبًا كثيرًا مباركًا فيه كما يحب ربنا ويرضاه، والصلاة والسلام على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه ومن اتبع سنته واهتدى بهداه، وبعد:

زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک صاحبِ نصاب مسلمان اپنے مال کی زکوٰۃ نکالتا ہے تو اس کے مال کے ساتھ اس کا دل بھی پاک وصاف ہوجاتا ہے اور مال میں خیر وبرکت آجاتی ہے، یہ بندے کا تعلق اللہ سے جوڑتی ہے۔ اس لیے زکوٰۃ کو حکومتوں کے ٹیکس کی طرح محض ایک ٹیکس نہیں سمجھنا چاہیے؛ بلکہ پوری خوش دلی کے ساتھ اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیے۔ جس طرح سونا، چاندی، مال تجارت اور مویشی وغیرہ پر زکوٰۃ ہوتی ہے کہ ان کا چالیسواں حصہ نکالنا فرض ہے، اسی طرح زمین کی بھی زکوٰۃ ہے، جسے ''عشر'' کہا جاتا ہے۔ عشر کے مستقل احکام شریعت میں بیان کیے گئے ہیں۔ بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر؛ یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور بعض میں نصف عشر؛ یعنی بیسواں حصہ؛ لیکن فقہا کے عرف میں دونوں کو ''عشر'' ہی کہتے ہیں۔ خراج وہ وظیفہ جو مسلمان حاکم قابل زراعت خراجی زمین پر مقرر کردیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب عراق وایران فتح ہوئے تو آپ نے حکم دیا کہ کاشت کاروں کو ان کی زمینوں سے بے دخل نہ کیا جائے اور ان سے حسب سابق خراج وصول کیا جائے۔ حکام خراج کا اناج پورے گاؤں، یا ضلع سے وصول کرتے تھے۔ پہلی صدی ہجری تک یہی طریقہ رائج رہا۔ مگر جب آہستہ آہستہ اس خطے کے سب لوگ مسلمان ہوگئے تو انھوں نے خراج دینا بند کردیا۔ وہ بہ حیثیت مسلمان عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرتے تھے۔ بعد میں خراج فقط باجگزار بادشاہوں یا راجاؤں سے وصول کیا جانے لگا۔

رمضان کا روزہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے؛ کیوں کہ اللہ جل شانہ نے اس کو اپنے بندے پر فرض کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھے'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیادی پانچ چیزوں کا تذکرہ کیا ہے اور اس میں سے رمضان کے روزہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''**فتاویٰ علماء ہند**'' کی زکوٰۃ کے مسائل سے متعلق ''جلد-۱۹'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی۔ احقر نے اس جلد میں زکوٰۃ کے سلسلے میں تملیک وحیلۂ تملیک، زکوٰۃ کے مصارف، عشر وخراج اور روزے سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۹/ویں) میں بھی فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کردیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔ امید ہے کہ علماء، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کا اہتمام کیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔

میں اس موقعہ سے محبّ گرامی جناب انجینئر شمیم احمد صاحب مدظلہ العالی اور مولانا محمد اسامہ شمیم ندوی ازہری زید مجدھم اور ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے، اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)
چیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، پھلواری شریف، پٹنہ

یکم جنوری ۲۰۲۰ء، مطابق ۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۱ھ

حیلہ اور تملیک کا بیان

حیلہ کے ذریعے زکوٰۃ کو مدرسہ پر خرچ کرنا:

سوال: مدرسہ اسلامی کے اندر زکوۃ دینی جائز ہے، یا نہیں؟ مدرسہ قوم کا ہے اور اس قوم کے بچے اور دیگر شہر کے بچے اسلامی تعلیم حاصل کرتے ہیں، آیا اس قومی مدرسے کے اندر صدقہ فطر، یا قربانی کی کھال، یا زکوۃ کا روپیہ صرف ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ قوم کے لوگ مالدار اور صاحب نصاب ہیں، ایسے مدرسوں میں زکوٰۃ لگ سکتی ہے، یا نہیں؟ دوسرے لوگ اگر بوجہ تعصب کے مدرسے کے اندر چندہ نہ دیں تو خطرہ ہے کہ مدرسہ بند ہو جائے گا۔ آیا اس صورت میں بھی زکوٰۃ لگ سکتی ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۴۳۵، مولوی عبدالرحمٰن، سیکر، ۲۸/ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ، مطابق ۳/اپریل ۱۹۳۵ء)

الجواب

زکوٰۃ کا روپیہ غریب ومسکین طالب علموں کے کھانے، یا کپڑے اور سامان تعلیم پر بطور تملیک طلبہ کو دینے کے لیے خرچ کیا جاسکتا ہے، مدرسین وملازمین کی تنخواہوں، یا تعمیرات میں خرچ نہیں ہوسکتا۔(۱) اگر اور کوئی آمدنی نہ ہو اور مدرسہ بند ہو جانے کا خطرہ ہو تو ایسے وقت زکوٰۃ کا روپیہ حیلۂ شرعیہ کے ساتھ خرچ کیا جاسکتا ہے؛ یعنی کسی مستحق کو تملیک کردی جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسے کو دے دے تو جائز ہوگا۔(۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۰۴/۴)

مدارس میں حیلۂ تملیک:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حیلہ شرعی کیا ہے؟ مدرسہ

(۱) فهي تمليك حال من فقير مسلم غير هاشمي، ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن الملک من كل وجه. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱۷۰/۱، ط: كوئٹة)

تجارت کی نیت کرے، تب بھی زکوٰۃ نہیں، ہاں جب اس کو بیچ دے گا تو اس وقت اس کی قیمت پر زکاۃ واجب ہوگی۔

ومن اشترىٰ جارية، ونواها للخدمة، بطلت عنها الزكاة،... وإن نواها للتجارة بعد ذلک، لم تكن للتجارة حتىٰ يبيعها، فيكون في ثمنها زكاة. (الهداية، كتاب الزكاة: ۱۸۷/۱، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(۲) وحيلة التعين بها التصدق علىٰ فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲۷۱/۲، ط، سعيد)

والے حیلہ کرکے اس پیسہ سے مدرسین کی تنخواہ دیتے ہیں، تعمیری کام کراتے ہیں، اس حیلہ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مدارس والے جو اسکول بھی چلاتے ہیں تو مدرسہ کی رقم حیلہ کرکے اسکول میں لگاتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟ جو مدارس گورنمنٹ سے ایڈ لیتے ہیں، ان میں بعض عالم کہتے ہیں کہ حیلہ کرکے جو رقم مدرسین کو تنخواہ میں دی جاتی ہے، اس سے بہتر وہ رقم ہے، جو ایڈیڈ مدارس میں مدرسین کو گورنمنٹ سے ملتی ہے۔

کچھ لوگ مدارس اسلامیہ کو زکوٰۃ کی رقم اس لیے نہیں دیتے ہیں کہ مدارس والے اس کا حیلہ کرکے غلط طور پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتے ہیں؛ اس لیے حیلۂ شرعی کی بھی وضاحت فرمادیں؛ تاکہ اس کی روشنی میں لوگوں کو سمجھایا جاسکے۔

نیز آج کل جگہ جگہ مساجد میں اور غیر مساجد میں مکاتب کھلے ہیں، جس میں مقامی بچے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی طلبہ بالکل نہیں ہوتے، ایسے مکاتب والے بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور حیلہ کرکے مدرسین کی تنخواہ اور تعمیر میں رقم خرچ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ کی رقم وصول نہ کی جائے تو یہ مکاتب کیسے چلیں گے، جب کہ لوگ عطیہ رقم دینے کو تیار نہیں ہیں؟

گوپال گنج میں ایک بڑے مدرسہ نے پندرہ بیس لاکھ کی زمین خریدی اور زکوٰۃ کی رقم پیشگی وصول کرکے حیلہ کرکے اس سے قیمت ادا کی گئی، جس کا اثر رمضان میں مدارس کے چندوں پر پڑا، ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟ امید ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں گے؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

پہلی بحث یہ ہے کہ حیلہ کرنا کب جائز ہے؟ تو اس سلسلے میں حکم یہ ہے کہ جہاں کوئی شرعی ضرورت ہو اور اس کی تکمیل حیلے کے بغیر ممکن نہ رہے تو اس جگہ حیلہ کرنے کی گنجائش ہے اور جہاں ضرورت نہ ہو، یا ضرورت تو ہو؛ مگر حیلے کے بغیر ضرورت پوری ہوسکتی ہو تو وہاں حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اسکول چلانے کے لیے، یا تعمیرات کے لیے، یا چھوٹے مکاتب کے کے لیے جن میں مقامی بچے پڑھتے ہیں، حیلہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس طرح کے سب کام عطیہ کی رقم سے پورے کرنے چاہیے۔

والحق أنه کان ذلک لغرض صحیح فیه وفق للمعذور، ولیس فیه إبطال لحق الغیر فلا بأس به من ذلک کما فی قولہٖ تعالیٰ: ﴿وخذ بیدک ﴾ وإن کان لغرض فاسد کإسقاط حق الفقراء من الزکاة بتملیک ماله قبل الحول لو لده أونحو ذلک فهو حرام أومکروه. (عمدة القاری: ۱۰/۹)

إن کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أولإدخال شبهة فیه أولتمویه باطل، فهی مکروهة، وکل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام أو لیتوصل بها إلیٰ حلال فهی حسنة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی المصارف: ۳۹۰/۶، درالفکر بیروت)

دوسری بحث یہ ہے کہ حیلہ کا طریقہ کیا ہو؟ تو اس سلسلے میں تین صورتیں اکابر کے زمانے سے جاری ہیں:

(الف) کسی غریب فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دے کر کے واقعتہً مالک بنادیا جائے، پھر اسے ترغیب دی جائے کہ وہ ضرورت کی جگہ پر اپنی جانب سے خرچ کرے۔

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء والحيلة من أراد ذلک أن يتصدق ينوي الزكاة علٰى فقير،ثم يأمربعد ذٰلک بالصرف إلٰى هٰذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذٰلک الفقير ثواب هٰذه الصرف. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۰۸/۳، زکریا)

والدفع إلى من عليه الدين أولٰى من الدفع إلى الفقير . (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فی المصارف: ۱۸۸/۱، دارالفکر بیروت)

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ فقیر سے کہا جائے کہ وہ کسی سے قرض حسنہ لے کر مدارس وغیرہ کی ضرورت میں لگا دے، پھر اس فقیر کا قرضہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا کر دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴۷۷/۹ ڈابھیل، آپ کے مسائل اوران کا حل جدید: ۱۶۱/۵-۱۶۰)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (الدرالمختار: ۲۷۱/۲، کراتشی، البحر الرائق: ۲۲۸/۲)

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ طلبہ کی فیس مقرر کی جائے اور ہر مہینے انہیں فیس کی رقم بمد زکوٰۃ دے کر پھر ان سے فیس کی رقم جمع کرالی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۰/۵، کفایۃ المفتی: ۲۹۳/۴)

وحيلة التكفين بها التصدق علٰى فقيرثم هويكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد . (الدرالمختار،کتاب الزکاة،باب المصرف: ۲۷۱/۲، کراتشی)

ہمارے نزدیک ان تینوں شکلوں میں سے تیسری شکل زیادہ مناسب اور بے غبار ہے۔ بہر حال ضرورت کے وقت اگر شرعی حیلہ کر کے وہ رقم مصارف ضروریہ میں لگائی جائے گی تو اس کا لگانا جائز ہوگا۔ (کتاب المسائل: ۲۷۳/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۲/۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۶۷/۷-۱۷۰)

جن کاموں پر زکوٰۃ جائز نہ ہو، وہاں حیلہ کر کے زکوٰۃ خرچ کرنا:

سوال (۱) زکوٰۃ کا روپیہ کیا مسجد میں شرعی حیلہ کر کے؛ یعنی کسی مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا روپیہ دے کر پھر اس سے لے کر مسجد میں لگا سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) یہ حیلہ شرعی کن کن امور میں ہوسکتا ہے؟

(المستفتی: ۲۳۲۴، حافظ محمد مسلم صاحب، آگرہ، ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ، مطابق ۱۹/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

ہاں سخت ضرورت کی حالت میں اس طرح حیلہ کر کے زکوٰۃ کی رقم مسجد میں خرچ کرنا جائز ہے کہ کسی مستحق زکوٰۃ کو

وہ رقم بطور تملیک دے دی جائے اور وہ قبضہ کر کے اپنی طرف سے مسجد میں لگا دے، یا کسی اور کام میں خرچ کر دے، جس میں براہ راست زکوٰۃ خرچ نہ کی جا سکتی ہو۔ (۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۰۵/۴)

بذریعہ حیلہ زکوٰۃ لینی درست ہے، یا نہیں:

سوال: اگر غنی برائے زکوٰۃ گرفتن بکدام وجہ حیلہ سازد چنانچہ مال خود را ملک زوجہ وغیرہ مثل ولد صغیر سازد تا بایں حیلہ صدقہ بگیرد، آیا ایں حیلہ کردن جائز است وصدقہ گرفتن او را حلال می باشد، یا نہ؟ واز ذمہ مصدق ساقط میشود، یا نہ؟

الجواب

بدیں حیلہ صدقہ گرفتن او را حلال خواہد شد اگر چہ ایں حیلہ مکروہ است "**لأنه لا زكاة على الواهب اتفاقاً لعدم الملك وهي من الحيل ومنها أن يهبه لطفله قبل اتمام بيوم.** (۲) ودر کراہت وعدم کراہت حیلہ اسقاط زکوٰۃ اختلاف بین الصاحبین معروف است، في الشامي: **قال أبويوسف لا يكره؛ لأنه امتناع عن الوجوب لا إبطال حق الغير وفي المحيط أنه الأصح وقال: محمد يكره واختاره الشيخ حميد الدين الضرير؛ لأن فيه إضراراً بالفقراء وابطال حقهم مآلاً وكذا الخلاف في حبلة رفع الشفعة قبل وجوبها وقيل: الفتوىٰ في الشفعة علىٰ قول أبي يوسف وفي الزكاة علىٰ قول محمد وهٰذا تفصيل حسن، إلخ.** (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵۶/۶)

حیلہ کے ذریعہ اصول وفروع پر زکوٰۃ صرف کرنا کیسا ہے:

سوال: مزکی اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے اصول وفروع کو جو مصرف زکوٰۃ نہیں ہیں، بحیلہ تملیک الغیر زکوٰۃ دے سکتا ہے، یا نہیں؟ ایسا حیلہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، یا نہیں؟

الجواب

کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: **وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء، الخ.** (۴) لیکن شامی میں ہے کہ اصول وفروع کو اس حیلہ سے زکوٰۃ دینا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱) وحيلة التعين بها التصدق علىٰ فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲۷۱/۲، ط: سعيد)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲۲۱/۳، دار الكتاب ديوبند

(۳) ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲۸٤/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاه، باب المصرف: ۸٦/۲، ظفير

''فرع یکره أن یحتال فی صرف الزکاة إلیٰ والدیه المعسرین بأن تصدق بها علیٰ فقیر ثم صرفها الفقیر إلیهما، کمافی القنیة، قال فی شرح الوهبانیة: وهی شهیرة مذکورة فی غالب الکتب، الخ. (ردالمحتار: ۶۳/۲)(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/ ۲۴۲-۲۴۳)

حیلہ تملیک کا شرعی ثبوت اور اس کے جواز کی صورتیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حیلہ تملیک کا شرعی ثبوت کیا ہے؟ حیلۂ تملیک کا کی اجازت کن صورتوں میں ہے؟ حیلۂ تملیک کا شرعی صحیح طریقہ جو اکابرین کے یہاں رائج ہو، کون سا ہے؟ نیز جن بستیوں میں بلاضرورت ومجبوری جدید مدارس پرانے مدرسہ سے علاحدہ ہو کر کھولے جا رہے ہیں، ایسے مدارس کے لیے صدقات واجبہ کی رقم وصول کرنا اور حیلۂ تملیک کے بعد ان مکاتب کی ضروریات میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ دینے والے اور وصول کرنے والے دونوں کا حکم شرعی تحریر فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ———— وباللّٰہ التوفیق

ضرورت کے وقت حیلہ اختیار کرنے کی اجازت قرآن وحدیث سے ملتی ہے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ اور حدیث میں خراب کھجوروں کے بدلہ میں اچھی کھجور لینے سے متعلق تدبیر موجود ہے۔ بریں بنا اگر غرض صحیح کو پیش نظر رکھتے ہوئے مجبوراً زکوٰۃ وغیرہ کی رقومات میں تملیک کا راستہ اپنایا جائے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے؛ لیکن جہاں ضرورت نہ ہو، یا مصرف زکوٰۃ موجود نہ ہو، وہاں حیلہ تملیک کا استعمال جائز نہ ہوگا اور ایسے مدرسہ والوں کے لیے زکوٰۃ کی رقم چندہ وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

عن أبی هریره رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم استعمل رجلاً علیٰ خیبر فجاء بتمر جنیب، فقال له رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: أکل تمر خیبر هٰکذا؟ قال: واللّٰه یا رسول اللّٰه! إنا لنأخذ الصاع من هٰذا بالصاعین والصاعین بالثلث، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: فلا تفعل! بع المجمع بالدراهم جنیباً. (الصحیح لمسلم: ۲۶/۲)

وأخرج البخاری حدیثاً طویلاً طرفه: فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: هولها صدقة ولا هدیة. (صحیح البخاری، کتاب الزکاة / باب الصدقة علی موالی أزواج النبی صلی الله علیه وسلم: ۲۰۲/۱، رقم: ۱۹۳ ٤)

والحیلة لمن أراد ذلک أن یتصدق ینوی الزکاة علیٰ فقیر، ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلیٰ هٰذه الوجوه فیکون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب هٰذا الصرف. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۰۸/۳، رقم: ٤١٤١، زکریا دیوبند)

والحق إنه کان ذلک لغرض صحیح فیه رفق للمعذور، ولیس فیه إبطال لحق الغیر فلابأس

(۱) ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف تحت قوله ولا إلیٰ من بینهما ولاد: ۸۷/۲، ظفیر

بـه مـن ذلك كما في قوله تعالىٰ ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ وإن كان لغرض فاسد كإسقاط حق الفقراء من الزكاة بتمليك ماله قبل الحول لولده أو نحو ذلك فهو حرام أو مكروه. (عمدة القاری: ۱۰/۹)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلىٰ حلال فهي حسنة. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۶/ ۳۹۰، دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۶/۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۱۶۵۔۱۶۶)

زکوٰۃ کی رقم سے غریب طلبہ کے والدین کو دے کر تملیک کرا کے فیس کے ذریعہ ان سے وصول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صوبہ اترا کھنڈ کاشی پور کے اطراف دیہی علاقہ میں ایک ادارہ بنا ''جامعۃ القرآن''، اپنے تعلیمی کام میں مشغول ہے، جو تقریباً پانچ سال قبل حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم، سابق نائب مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد کی زیر سرپرستی قائم ہوا تھا، ادارہ کے جملہ مصارف توکل علی اللہ پورے ہوتے ہیں، طریقہ کار کچھ اس طرح ہے:

جو رقومات زکوٰۃ کی مد میں آتی ہیں، منتظمین یہ کرتے ہیں کہ جتنے بھی طلبہ زیر تعلیم ہیں، ان سب کی فیس مقرر کر رکھی ہے، خواہ وہ غریب ہو، یا مالدار تو ان کے والدین کو بلا کر مذکورہ رقم سے ان کو دے دیا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے بچوں کی فیس، کتب وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، منتظمین اس طرح زکوٰۃ کی تملیک کرتے ہیں تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو طلبہ کے والدین کو دی جاتی ہے، اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طالب علم بیرونی ہو؛ بلکہ ابھی دار الاقامہ میں رہنے والے طلبہ کا نظم نہیں ہے؛ مگر جو مقیم طلبہ ہیں، وہ اطراف میں تین چار کلومیٹر سے آتے ہیں اور پھر اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں، ان میں جو غریب نادار بچے ہیں، ان کے والدین کو بطور تملیک کچھ رقم دے دی جاتی ہے؛ تاکہ یہ نادار بچے بھی تعلیم سے محروم نہ رہ سکیں، نصاب تعلیم میں قرآن پاک، دینیات، اردو، پرائمری تک کی تعلیم ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ـــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

حسب تحریر سوال جب کہ غریب نادار والدین کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا کر ان ہی کے ذریعے سے وہ رقم غریب بچوں پر خرچ کرائی جاتی ہے تو تملیک کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے اور اس طریقہ سے مالکین کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

هو فقير: وهو من له أدنىٰ شئي الخ، يعرف المزكي إلىٰ كلهم، أو إلىٰ بعضهم، ولو واحداً من أي صنف كان. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳/ ۲۶۲۔۲۶۳، بيروت)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هٰذه الأشیاء. (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲۹۳/۳-۲۹۱، زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۵/۷/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۷۴/۷-۱۷۵)

طلبہ مدارس کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ طلبہ مدارس کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی ہے، یا نہیں؟ اس تملیک کی شکل موجود ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر پہلے سے حیلہ تملیک اختیار کرنے کے بعد مطبخ میں کھانا پکایا گیا ہے تو اس کھانے کو بٹھا کر کھلانے میں حرج نہیں؛ لیکن اگر پہلے سے تملیک نہیں کی گئی ہے تو ایسے زکوٰۃ کے کھانے کو بٹھا کر طلبہ کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ کھلانا تملیک کا نہیں ہوتا؛ بلکہ اباحۃً ہوتا ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲۳۴/۶)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة، فلا یکفی فیها الإطعام إلا بطریق التملیک. (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲۹۱/۳، زکریا، کذا فی مجمع الأنهر: ۲۸٤/۱، بیروت، البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصرف: ٤۲٤/۲، رشیدیة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۱۲/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۷۶/۷)

مدرسہ کی ضروریات میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانے کے لیے شرعی حیلہ تملیک اختیار کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس عربیہ میں عام طور پر صدقات کی رقوم بمقابلہ امدادی رقوم کے زیادہ آتی ہے اور خرچ دوسرے مدات؛ یعنی امدادی رقوم کے زیادہ ہوتے ہیں، مثلاً ملازمین مدرسین کی تنخواہ ہیں، تعمیرات، نشرواشاعت وغیرہ، جن پر زکوٰۃ وصدقات کی رقوم خرچ نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا کیا صورت اختیار کی جائے کہ مدرسہ کے سبھی اموراور ضرورتیں بروقت پوری ہوتی رہیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر زکوٰۃ کا روپیہ لگائے بغیر مدارس کا چلانا دشوار ہو، جن میں فقہ وحدیث کی تعلیم ہوتی ہو اور ان میں زکوٰۃ کے مصرف طلبہ موجود ہوں تو مدارس کی دیگر ضروریات کی تکمیل کے لیے شرعی حیلہ تملیک اختیار کرنے کی گنجائش ہے؛ یعنی زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات کا وقعتہً کسی مستحق کو مالک بنادیا جائے، پھر وہ اپنی جانب سے برضا ورغبت مدارس کی ضروریات میں وہ رقم خرچ کرے۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنها قلت: کان فی بریرة ثلاث سنن ودخل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم

والبر مة تفور بلحم،فقرب إليه خبر وأدم من أدم البيت،فقال:ألم أربرمة فيها لحم؟ قالوا: بلیٰ! ولکن ذ لک لحم تصدق به علٰى بريرة،وأنت لا تأكل الصدقة،قال:هوعليها صدقة ولنا هداية. (صحيح البخاری،الطلاق،باب لايكون بيع الأمة طلاقاً،رقم: ۵۲۷۹،فتح الباری: ۵۰۰/۲،دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الملا على القاری:قال الطيبی:إذا تصدق على المحتا ج بشی ملكه،فله أن يهدی به إلٰى غيره إلخ،وهومعنى قول ابن الملک:فيحل التصدق علٰى من حرم عليه بطريق الهداية. (مرقاة المفاتيح شرح مشكا ة المصابيح: ۲۹۲/٤،دار الكتب العلمية بيروت)

لوأراد صرفها إلٰى بناء المسجد أوالقنطر لايجوز ،فإن أراد الحيلة فا لحيلة أن يتصدق به المتولی على الفقراء،ثم الفقراء يدفعو نه إلى المتولی،ثم المتولی يصرف إلٰى ذلک،كذا فی الذخيرة. (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فی المصارف: ٤٧٣/٢)

ولاتدفع الزكاة لبناء مسجد ؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطير وإصلاح الطرقات وكرى الآنها روالحج والجهاد،وكل مالا تمليک فيه،وإی أريد الصرف إلٰى هٰذه الوجوه صرف إلٰى فقير،ثم يأمربالصرف إليها فيثاب المزكی والفقير. (مجمع الأنهر: ۲۲۲/۱، دار إحياء التراث بيروت)

وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم. (الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف: ۲٤٥/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۴/۲/۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۷۶/۷-۱۷۸)

حیلہ تملیک کی اجازت عام نہیں ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ حیلۂ تملیک کی اجازت عام ہے، یا بدرجہ ضرورت ومجبوری ہے؟ اگر بصورت ضرورت ومجبوری ہے تو اس کی وضاحت فرمادیں؟

باسمه سبحانه تعالٰى الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

حیلۂ تملیک کی اجازت عام نہیں ہے؛ بلکہ صرف اسی وقت ہے، جب کہ اس بغیر ادارہ چلانا ممکن نہ رہے۔ (کتاب المسائل: ۱۹۲/۲، کفایۃ المفتی: ۲۸۵/۴)

وفی العيون وفی جامع الفتاویٰ:لايسعه ذٰلک،وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أوليتوصل بها إلٰى حلال فهی حسنة. (الفتاوٰی التاتارخانية: ۳۱۳/۱۰،زكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(کتاب النوازل: ۱۷۹/۷-۱۸۰)

مکتب کے مصارف کے لیے حیلۂ تملیک:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مکان چوں کہ بوسیدہ

ہے، اب اس کو مدرسین کی تنخواہوں اور طالب علم وغیرہ کی ضرورتوں کے لیے چندہ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر و چرم قربانی جمع کر کے علما کے مروجہ حیلہ تملیک کے طریقے کے بعد مذکورہ جگہوں پر خرچ کرنا درست ہے، یا نہیں؟

با سمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

حیلۂ تملیک کی تو ضرورت اس وقت پڑے گی، جب کہ مدرسہ اور مسجد کے لیے زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ دوسری رقومات سے چندہ نہ کیا جا سکتا ہو، لہٰذا پوری کوشش یہ کرنی چاہیے کہ زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ سے مدرسہ کی تعمیر کی جائے، اگر بالفرض کوئی صورت نہ نکل سکے تو مجبوری میں تملیک کی اجازت دی جائے گی۔

عن عطاء بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة أو لرجل له مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين لغني. (سنن أبي داؤد: ٢٣١/١، سنن ابن ماجة: ١٣٢/١)

أما الإحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفي: في الكافي عن محمد ابن الحسن قال: ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلىٰ إبطال الحق. (عمدة القاري: ١٠٩/٢٤)

من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلىٰ بناء المسجد أو القنطر لايجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلىٰ ذلك، كذا في الذخيره. (الفتاویٰ الهندية، باب السابع في المصارف: ٤٧٣/٢)

وأما الرجل الذي له جار مسكين فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين إلىٰ غني فإنما يحل له؛ لأنه ملكها بالهداية. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٢٠٣/٣، رقم: ٤١٣٤، زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ١٧/١١/١٤١٠ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۸۰/۷-۱۸۱)

بڑے مدارس پر قیاس کر کے مقامی بچوں کے مکتب کے لیے حیلۂ تملیک کر کے زکوٰۃ لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل نورانی قاعدہ کی لہر چل رہی ہے، جگہ جگہ مساجد میں دینی مکاتب قائم ہو رہے ہیں، جس میں صرف مقامی چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں، بیرونی طلبہ ایسے مکاتب میں بالکل نہیں ہوتے، ان مکاتب کو چلانے کے لیے زکوٰۃ کی رقمیں وصول کی جاتی ہیں اور شرعی حیلہ کر کے مدرسین اور انتظام پر خرچ کی جاتی ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے مدارس بھی حیلۂ شرعی کے ذریعہ مدرسین کو تنخواہیں دیتے ہیں، زمین خریدتے ہیں، بلڈنگیں بنواتے ہیں، جب ان کے لیے جائز ہے، تب دوسروں کے لیے عدم جواز کی وجہ کیا ہے؟

با سمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ایسے مکاتب جن میں صرف مقامی بچے پڑھتے ہوں، ان میں زکوٰۃ کا مصرف نہیں پایا جاتا، لہٰذا وہاں زکوٰۃ کا

استعمال جائز نہیں ہوگا اور بڑے مدارس میں چوں کہ دار الاقامہ کے اندر مقیم طلبہ رہتے ہیں؛ اس لیے وہاں زکوٰۃ کا مصرف پایا جاتا ہے، ان میں ضرورت کے وقت حیلۂ تملیک کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۴/۵)

ورکن الزکاۃ: ھو إخراج من النصاب إلی اللّٰہ تعالیٰ، وتسلیم ذلک إلیہ، یقطع المالک یدہ عنہ بتملیکہ من الفقیر وتسلیمہ إلیہ. (بدائع الصنائع: ۱٤۲/۲، زکریا دیوبند)

ولا یجوز الزکاۃ إلا بقبض الفقراء. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۲۰٦/۳، تحت رقم: ٤۱۳٦، زکریا دیوبند)

أخرج عبد الرزاق عن الشعبی أن شریحاً ومسروقاً کانا لا یجیزان الصدقۃ حتیٰ تقبض. (المصنف لعبد الرزاق: ۱۲۲/۹، رقم: ۱٦٥۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۵/۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۸۱/۷-۱۸۲)

روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملکیت ہیں، یا طلبہ کی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدرسہ میں اجتماعی طور پر طلبہ کو کھانا کھلانے کی صورت میں روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملکیت ہیں، یا طلبہ کی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر مدرسہ کی طرف سے بطور اباحت طلبہ کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور انہیں مالک نہیں بنایا جاتا تو ایسی صورت میں روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملک ہیں؛ کیوں کہ تملیک طلبہ کی نہیں پائی گئی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً. (ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲۹۱/۳، زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۱۲/۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۸۲/۷-۱۸۳)

زکوٰۃ حلال کرنے کے لیے بیوی سے تملیک کرانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میری پریشانی کی وجہ سے میرے ایک دوست نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے اور کہا ہے کہ اپنی اہلیہ سے تملیک کروالینا اور میری اہلیہ کا حال یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی سونا چاندی روپیہ نہیں ہے، البتہ ایک گھر کا پلاٹ ہے، جس کی قیمت پچاس ہزار روپیہ فی الحال ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ میں نے اپنی اہلیہ کو حج اس شرط پر کروادیا تھا کہ حج کی رقم قرض رہے گی، جب تمہارے پاس آجائے تو دینا ہوگا اور کچھ رقم ادا بھی کردی، فی الحال ۴۳/ ہزار کو الگ کردیں (جو قرض کے طور پر باقی ہے) تو پھر سات ہزار روپیہ باقی رہتے ہیں، اس کے علاوہ میری اہلیہ کے پاس دوسری کوئی جائداد کی رقم نہیں ہے تو کیا زکوٰۃ کی رقم وہ لے سکتی ہے اور میں ان کو دے سکتا ہوں، جب کہ سات ہزار روپیئے ساڑھے باون تولہ چاندی کے نصاب کے برابر نہیں ہے،

اگر اہلیہ کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہو تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے، اب میری اہلیہ وہ رقم قرض میں دینے کے بجائے اپنی خوشی سے مجھے (خاوند) کو ہدیہ کے طور پر دے تو کیا جائز ہے؟

اگر اوپر والی صورت آپ کے نزدیک ناجائز اور حرام کے درجہ تک ہو تو آپ صرف حرام اور ناجائز لکھ کر بھیج مت دینا؛ بلکہ میری پریشانی ہے اور میں نے اپنے ہمدرد کے سامنے رکھی ہے، علماء ہی امت کے سب سے بڑے ہمدرد ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

زکوٰۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، جو صرف مستحقین فقراء ومساکین ہی کے لیے لینا جائز ہے اور کسی بھی حیلہ بازی کے ذریعہ مستحقین کے حق کو تلف کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر آپ واقعۃً مستحق زکوٰۃ ہیں تو آپ کو بیوی وغیرہ کے ذریعہ تملیک کرانے کی ضرورت نہیں۔ براہ راست ہی زکوٰۃ وصول کریں اور اگر آپ خود مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں اور اپنے واسطے زبردستی زکوٰۃ کو حلال کرنے کے لیے حیلہ تملیک کا سہارا لے رہے ہیں تو اس طرح کا باطل حیلہ کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، آپ کو چاہیے کہ حیلہ بازی کا راستہ چھوڑ کر صاف ستھرا طریقہ اپنائیں، تعاون کرنے والے حضرات کے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کر کے مدد کے طالب ہوں؛ تاکہ کسی طرح کا کوئی شرعی اشکال نہ رہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ:﴿اِنَّمَاالصَّدَقَا تُ لَلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَا كِيْنِ﴾(التوبة : ٦٠)

عن النعمان بن بشيررضی اللّٰه عنه يقول:سمعت رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: الحلال بين والحـرام بين وبينهما مشتبهات،لايعلمها كثيرمن الناس فمن اتقی الشبهات استبراء لدينه وعرضه،ومن وقع فی الشبهات، كراع يرعی حول الحمی،يو شک أن يوم يواقعه،إلخ. (صحيح البخاری: ١٣٠/١،رقم:٥٢)

عـن الـنبـی صلی اللّٰه عليه وسلم قال:لاتحل الصدقة لغنی،ولا لذی مرة سوی .(سنن أبی داؤد، باب من يعطی من الصدقة وحد الغنی: ٢٣١/١،رقم : ١٦٣٤)

عـن ابـن الـفـراسـی أن الـفـراسـی رضی اللّٰه عنه قال لرسو ل اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم عليه وسـلـم:أسـال يـا رسـو ل الـلّٰـه؟ فـقـال الـنبـی صـلـی اللّٰه عليه وسلم: لا، وإن كنت لابد فسل الصالحين.(سنن أبی داؤد: ٢٣٣/١،رقم:١٦٤٦،سنن النسائی،رقم :٢٥٨٦)

أی وإن كـنـت تـريـد إن تسـأل الـنـاس ولا بدلک من ذلک لحاجة أوفاقة فسل الصالحين لكرمهم وكون رزقهم حلالاً.(لمعات التنقيح فی شرح مشكاة المصابيح: ٣١٦/٤،دارالنوادر)

عن عبدالمطلب بن ربيعة قال:قال رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم:إن هٰذه الصدقات إنما هی أوساخ الناس،إلخ.(الصحيح لمسلم،رقم:١٠٧٢،كذا عند إبی داؤد فی حديث طويل: ٤١٨/٢،رقم:٢٩٨٥)

نـقول:مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بهاالرجل لإبطال حق الغير،أولإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهی مكروهة.(الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فی المصارف: ٣٩٠/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۰/۷/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۸۳/۷۔۱۸۵)

زکوٰۃ لے کراس پیسے سے کسی اورکوز کوٰۃ خیرات دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص نے زکوٰۃ لی ہو، اس پیسے سے کسی اورکوز کوٰۃ خیرات وغیرہ کرسکتا ہے؟ ایک آدمی جوخودز کوٰۃ لے رہا ہے، اپنے سے بڑے کی مدد کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مستحق زکوٰۃ شخص خودزکوٰۃ لے کراپنی طرف سے دوسروں کی مدد کرسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی قصة بریرة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا: ہولہا صدقة ولنا ہدیة. (الصحیح لمسلم: ۳۴۵/۱) **قال الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی تحت قولہ: ''ولنا ہدیة'' أی إن أہدتہا إلینا بریرة فإذا تصدق علی الفقیر شی صار ملکہ، فلہ أن یہدیہ ویہبہ للغنی، ولکل من لاتحل لہ الصدقة.** (لمعات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح: ۲۹۲/۴، دارالنوادر)

وقال الملا علی القاری: قال الطیبی: إذا تصدق علی المحتاج بشئی ملکہ، فلہ أن یہدیہ بہ إلٰی غیرہ، إلخ، وہو معنی قول ابن الملک: فیحل التصدق علٰی من حرم علیہ بطریق الہدیة. (مرقاة المفاتیح شرح مشکٰوة المصابیح: ۲۹۲/۴، دارالکتب العلمیة بیروت) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۸۵/۷)

فقیرکودی ہوئی زکوٰۃ کی رقم سے زکوٰۃ دہندہ کا ولیمہ کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بہت سے لوگ شادی بیاہ کے وقت نقد رقم اور نقدی سامانوں کا مطالبہ کرتے ہیں، ایسی رقم کو لے کر دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ ولیمہ بھی کرتے ہیں تو ان پیسوں سے ولیمہ کرنا اور اس دعوت ولیمہ میں جان بوجھ کر جانا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

کسی فقیر شخص کواس کی ناداری کی وجہ سے تقریب میں تعاون کی غرض سے صدقہ کی رقم دی جائے اور پھر وہ فقیر اسی رقم سے ولیمہ کی دعوت کرے تو صدقہ دینے والے کے لیے اس کا کھانا جائز ہے۔

عن عائشة رضی اللّٰہ عنہا قالت: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ألم أر برمة لحم، قالوا: بلیٰ! ولکن ذٰلک لحم تصدق بہ علیٰ بریرة، وأنت لا تأکل الصدقة، قال: علیہا صدقة ولنا ہدیة. (صحیح البخاری: ۷۹۵/۲، رقم: ۵۰۷۹، ف: ۵۲۷۹)

قال الشیخ عبد الحق المحدث الدہلوی تحت قولہ: ''ولنا ہدیة'' أی إن أہدتہا إلینا بریرة فإذا تصدق علی الفقیر شی صار ملکہ، فلہ أن یہدیہ ویہبہ للغنی، ولکل من لا تحل لہ الصدقة. (لمعات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح: ۲۹۲/۴، دارالنوادر)

وفی روایة مسلم: فکرهُنا أن یعطی أن نطعمک منه فقال: هو علیها صدقة وهو منها لنا هدیة. (الصحیح لمسلم: ۱/٤٩٤) فقط واللّٰه تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۲/۱۱/۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۸۶)

بذریعہ حیلہ تملیک مدرسہ کے ملازمین پر زکوٰۃ خرچ کرنا کیسا ہے:

سوال: ایک مدرسہ جس میں مستطیع اور غیر مستطیع طلبہ تعلیم پاتے ہیں، مدزکوٰۃ سے جو روپیہ حاصل ہو، کسی نادار طالب علم کو دے دیا جاوے، وہ اس روپے کو اپنی جانب سے مدرسہ میں دے سکتا ہے، یا نہیں؟ اور اس کا صرف کرنا مدرسین وملازمین پر ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ علاوہ اس کے کوئی دوسری صورت جواز ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

اس حیلۂ تملیک کے بعد یعنی کسی نادار طالب علم کی ملک کردیا جاوے اور وہ اس کو داخل مدرسہ کردیوے، ملازمین اور مدرسین کی تنخواہ میں صرف کرنا اس مال زکوٰۃ کا درست ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۲۵۰)

بلا تملیک مطبخ سے کھانا دینا کیسا ہے:

سوال: اگر مہتمم مدرسہ زکوٰۃ کے روپے سے مطبخ قائم کرے اور بلا تملیک طلبۂ مدرسہ کو کھانا کھلائے تو اس صورت میں تملیک ہوجائے گی، یا نہیں؟ حالاں کہ طلبہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے کھانے کو لے جاویں، یا جس کو جی چاہے کھلاویں، اگر نہیں تو کون سی ایسی صورت ہوگی، جس سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے مصرف میں صرف ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور یہ صورت طلبہ کو کھانا کھلانے کی جو آپ نے لکھی ہے، تملیک کی صورت نہیں ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس کی تدبیر یہ ہے کہ اول نقد روپیہ، یا اجناس زکوٰۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۲۳۴)

کیا وکالت کے ذریعہ اہل مدارس زکوٰۃ کا تمام مصارف میں استعمال کرسکتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس میں صدقات واجبہ زکوٰۃ وغیرہ کی جو رقوم آتی ہیں، ان کے خرچ کے لیے مختلف حیلے اختیار کئے جاتے ہیں تو اگر مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج ہے، یا نہیں؟ وہ طریقہ یہ ہے کہ تمام بالغ ونابالغ طلبہ مہتمم مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم اپنے جملہ

---

(۱) وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکاته ثم یأخذها عن دینه وحیلة التکفین بها التصدق علیٰ فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۸٦، ظفیر)

(۲) وحیلة التکفین أن یتصدق بها علیٰ فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/۱٦، ظفیر)

مصارف میں خرچ کرنے کا وکیل بنادیں، پس مہتمم جس طرح طلبا کی طرف سے زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے (بقول حضرت مفتی شفیع صاحبؒ) اسی طرح وہ طلبہ کی جانب سے جملہ مصارف، مدرسین وملازمین کی تنخواہیں، تعمیرات، خرید کتب، لائٹ بل وغیرہ میں وکیل بن جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ داخلہ کے وقت داخلہ فارم میں ایک کالم پر کروایا جائے، جس میں طالب علم مہتمم مدرسہ کو صراحۃً وکیل بنادے۔اب سوال یہ ہے کہ اس طرح داخلہ فارم میں کالم پر کروانے سے مہتمم طلبا کی جانب سے خرچ کرنے کا وکیل بن جائے گا؟ اور کیا مہتمم کو صدقات واجبہ کی رقوم مدرسہ کے اخراجات میں بلاحیلۂ تملیک صرف کرنے کا اختیار ہوگا؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں گے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

داخلہ فارم میں توکیل نامہ لکھنے میں ہماری نظر میں دو خرابیاں واضح ہیں:

(۱) یہ توکیل خوش دلی سے نہیں ہوگی؛ بلکہ جبریہ ہوگی؛ اس لیے اس کے ذریعہ سے مصرف اور غیر مصرف میں زکوٰۃ کا استعمال شبہ سے خالی نہیں۔

(۲) اس طریقہ کار کا رواج سے غیر محتاط ذمہ داران مکاتب ومدارس زکوٰۃ کی رقومات کا بے دریغ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں گے استعمال کریں گے اور جو تھوڑی بہت احتیاط اس وقت تک ہورہی ہے، وہ بھی ختم ہوجائے گی؛ اس لیے ہماری نظر میں یہ فرضی توکیل کافی نہیں ہے، اس کی وجہ سے تملیک کی شرط بے اثر ہوکر رہ جائے گی، حالاں کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کی بنیادی شرط ہے، لہٰذا تملیک کی بہترین شکل یہی ہے کہ طلبہ کو وظیفہ کے نام پر رقم دے کر فیس کے نام پر وصول کرلی جائے۔

عن عطاء بن يسار أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة أولرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين لغني. (سنن أبي داؤد: ۲۳۱/۱، رقم: ۱٦۳۵، سنن ابن ماجة: ۱۳۲/۱، رقم: ۱۸٤۱)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲۹۳/۳، زكريا ديوبند) / **وحيلة التكفين بها التصدق علىٰ فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما.** (رد المحتار، اب المصرف: ۲۷۱/۲، کراتشی، فتاویٰ دارالعلوم ۱۹۷/٦، کتاب المسائل ۲۷۳/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۲ھ۔الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۷۰/۷-۱۷۱)

غریب طالبات کو زکوٰۃ کی رقم سے وظیفہ دے کر بطور فیس ان سے واپس لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے مدرسہ میں ڈھائی سو طالبات زیر تعلیم ہیں، جن کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، تمام طالبات مقامی ہیں، دینی تعلیم عربی سوم اور دنیوی تعلیم پانچویں کلاس تک دی جاتی ہے، اس کے ساتھ سلائی بھی سکھائی جاتی ہے، معاملات کی تنخواہیں بجلی فون، ودیگر اخراجات سالانہ چھ لاکھ سے زیادہ ہیں، معلمات وخدام کا عمل ۱٦/افراد پر مشتمل ہے، قدیم طالبات سے وقت داخلہ دوسو روپیہ اور جدید طالبات

سے تین سو روپیہ داخل فیس لے جاتی ہے، کتابیں خود خرید لیتی ہیں، تعلیم پر ماہانہ کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے، مفت تعلیم کا نظم ہے، اکثر طالبات غریب ونادار ہیں، بہت ہی کم طالبات حیثیت والی ہیں، مذکورہ اخراجات چندہ ہی سے پورے ہوتے ہیں، چندہ دہندگان اکثر زکوٰۃ ہی کی رقم دیتے ہیں، حبۃً للہ عطیہ بالکل ہی کم ہوتی ہے۔ دینی تعلیم سے اتنی لاپرواہی وبے رغبتی ہے کہ تعلیم پر ماہانہ فیس کا مطالبہ کیا جائے تو تعلیم موقوف کردیتی ہیں، دودینی تعلیم سے محرومی وخسران کا سبب ہے، جس کا انہیں احساس بھی نہیں۔ ان حالات کے پیش نظر کیا زکوٰۃ کی رقم حاصل کرکے غریب طالبات کا مالکہ بنائیں، وہ اپنی تعلیم فیس ادا کریں، جس کو مدرسہ کے مذکورہ اخراجات میں استعمال کریں، یا مہتمم صاحب سکریٹری صاحب طالبات کی طرف سے وکیل بن کر رقم زکوٰۃ حاصل کریں، اس کو اخراجات مدرسہ میں استعمال کرسکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ اگر نا جائز ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ یا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مسئولہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم غریب طالبات کو وظیفہ کے طور پر دے کر ان سے فیس کے عنوان سے واپس لے کر مدرسہ کی ضروریات پوری کرنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۵۹۰۔ ۲۰۶، ڈابھیل)

عن أبی سعید الخدری قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا تحل الصدقة لغنی إلا فی سبیل اللّٰہ أو ابن السبیل أو جار فقیر یتصدق علیہ فیھدی لک أو یدعوک. (أبو داؤد، کتاب الزکاۃ: ۱/۲۳۱، رقم: ۱۶۳۷)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد وکفن میت وقضاء دینه، والحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمرہ بفعل ھٰذہ الأشیاء. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳/۲۹۱۔ ۲۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۶/۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۷۱۔ ۱۷۳)

فارم کا اندراج غلط، یا جھوٹ ثابت ہوجانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم سے دیا گیا وظیفہ واپس لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ فارم پر کرا کر بمد زکوٰۃ جو تعلیمی وظیفے دئے جاتے ہیں، کیا فارم کے اندراج کے غلط، یا جھوٹ ہونے کی صورت میں دئے ہوئے وظیفے واپس لیے جاسکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر امکانی حد تک تحقیق کے بعد مستحق سمجھ کر تعلیمی وظیفہ زکوٰۃ سے دیا گیا ہے تو دینے والوں کو زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب بعد میں اگر اس کا غیر مستحق ہونا معلوم ہوا تو اس رقم کو واپس لینے، یا دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اس غیر مستحق شخص پر، یا نہ لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی لی ہوئی رقم مستحقین پر خرچ کردے، ورنہ عند اللہ مؤاخذہ دار رہے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ (التوبۃ: ۶۰)

حدثنا أبو الجویریة أن معن بن یزید رضی اللّٰہ عنه حدثه قال: بایعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أنا

وأبي وجدي وخطب علي فأنكحني وخاصمت إليه كان أبي يزيد أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته به، فقال: والله ما إياك أوردث، فخاصمت إلٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: لك ما نويت يا يزيد، ولك ما أخذت يا معن. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إذا تصدق علٰى ابنه وهو لايشعر رقم: ۱۴۲۲، فتح الباري: ۳۷۱/٤، بيروت)

دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أعاد، وإن بان غناه لايعيد؛ لأنه أتى بما في وسعه. (الدر المختار) وفي رد المحتار: ولايسترد في الولد والغني، وهل يجب له فيه خلاف، وإذا لم يطلب قيل يتصدق، وقيل: يرد على المعطي وفيه: واعلم أن المدفوع إليه لو كان جالساً في صف الفقراء يصنع صنعهم أو كان عليه زيهم أوسأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحري، وكذا في المبسوط: حتٰى لوظهر غناه لم يعد. (كتاب الزكاة، مطلب: أي الحوائج الأصلية: ۳۰۲/۳-۳۰۳، زكريا ديوبند)

دفع بتحر أي يظن أنه مصرف، فظهر كونه عبده أو مكاتبه يعيدها؛ لأنه بالدفع إلٰى عبده لم يخرجه عن ملكه، والتمليك ركن، ولوظهر غناه أو كفره أو أنه أبوه أو ابنه أو هاشمي لايعيدها؛ لأن الوقوف علٰى هٰذه الأشياء بالاجتهاد لا لقطع، فيبنى الأمر علٰى مايقع عنده كما إذا اشتبهت عليه القبلة، ولو أمر بالإعادة لكان مجتهداً فيه فلا فائدة فيه. (درر الحكام شرح غرر الأحكام، بناء المساجد من مال الزكاة: ۱۹۱/۱، المكتبة الشاملة، كذافي البحر الرائق: ۲٤۷/۲، كوئته) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۷۳/۷-۱۷۴)

بذریعہ حیلہ زکوٰۃ سے کنواں پل اور مسجد وغیرہ تعمیر کرنا:

سوال: زید کے پاس کچھ روپیہ زکوٰۃ کا ہے، زید ان روپوں کو مسلمانوں کے لیے ہال (۱) کنویں، پلیں، مساجد وغیرہ مصارف میں صرف کرنا چاہتا ہے؛ اس لیے زید نے مثل حیلۂ مروجہ فی المدارس ان روپوں کا حیلہ کیا تو ان مصارف مذکورہ میں خرچ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ حیلۂ مذکورہ کی صورت یہ ہوئی کہ زید نے روپیہ اٹھا کر کسی مستحق زکوٰۃ دے دیا اور اس نے ان روپوں کو لے بہ کراہت زید کو واپس دے دئے، اس کے علاوہ اور کوئی بہتر صورت حیلہ کی ہو تو مطلع فرمائیں؟

(المستفتی: ۵۰۲، اسمٰعیل یوسف گاردی، جوہانسبرگ، ۲۳/ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۶/جون ۱۹۳۵ء)

الجواب

حیلۂ مذکورہ سخت حاجت کے مواقع میں جائز ہے اور اس کی صورت یہی ہے، جو سوال میں مذکور ہے، مسلم ضروری اجتماعات کے لیے کوئی وسیع مکان بنانا بھی ایک معتبر ضرورت ہے، اس کے لیے یہ حیلہ کام میں لایا جا سکتا ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳۰۴/۴-۳۰۵)

---

(۱) یعنی بڑا مکان تقریر مواعظ اجتماع وغیرہ کے لیے۔

(۲) وحيلة التعين بها التصدق علٰى فقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذافي تعمير المسجد. (الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲۷۱/۲، ط: سعيد)

طلبہ واساتذہ پر زکوٰۃ خرچ کرنا

زکوٰۃ طلبہ پر خرچ کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر روپیہ زکوٰۃ درمصارف مدرسہ مثلاً خوردونوش ولباس وکتب وغیرہ طلبہ مساکین ادا کردہ شود زکوٰۃ ادا خواہد شد، یانہ؟ وبرائے یک طالب علم صدروپیہ صرف کردن جائز است، یانہ؟ وبرائے تنخواہ مدرسین وملازمین از زکوٰۃ کدام حیلہ است؟

الجواب

درزکوٰۃ تملیک فقراء شرط است، پس طلبہ اگر مساکین باشند درخوراک ولباس شاں صرف کردن زرزکوٰۃ درست است، وکتب اگراز زرزکوٰۃ خریدہ ملک اوشاں کردہ شود اینہم صحیح است،(۱) اگر بدیں طور یک طالب علم صدروپیہ صرف شوند صحیح شدو برائے تنخواہ مدرسین وملازمین ایں حیلہ جوازاست کہ اولا از زکوٰۃ بہ شخصے مسکین دادہ شودو آنکس بعد ملک از جانب خوددرتنخواہ مدرسین وغیرہ بدہد ایں جائزاست۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۱۰)

طلبہ کو زکوٰۃ دینے کے لیے ان کی اہلیت کی تفتیش کی جائے، یانہیں:

سوال(۱) زکوٰۃ طلبہ کو دینا بلا قید اہلیت زکوٰۃ جائز ہے، یانہیں؟ یعنی یہ دیکھنا کہ وہ صاحب نصاب ہے، یا سید ہے، یا قریشی ہے؟ اور یہ خیال کرنا کہ ان کے ماں باپ پرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں، یانہیں؟ اگر ان کے ماں باپ، یاپرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں؛ لیکن لڑکوں کو کتابیں کپڑے نہیں دیتے تو ایسے سامان کا دینا ان طلبہ کو جائز ہے، یانہیں؟

جن طلبہ کے متعلق معلوم نہیں کہ مستحق ہیں، یانہیں؟ انھیں زکوٰۃ دینا کیسا ہے:

(۲) اگر مہتمم کو یہ معلوم نہ ہو کہ ان کے ماں باپ، یاپرورش کرنے والے صاحب نصاب ہیں، یانہیں؟ تو ایسی حالت میں طالب علم کی استعانت مدزکوٰۃ سے جائز ہے، یانہیں؟

(۱) مصرف الزكاة،الخ،هوفقير،الخ، ومسكين، الخ، وفى سبيل الله،الخ، يصرف المزكى إلىٰ كلهم أوإلىٰ بعضهم، الخ، ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة.(الدرالمختار)وفى رد المحتار:فلايكفى الاطعام إلابطريق التمليك.(رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:۲/۷۶۔۸۵،ظفير)

(۲) وحيلة التكفين بها التصدق علىٰ فقيرثم هويكفن فيكون الثواب لهما وكذا فى تعمير المسجد وتمامه فى حيل الأشباه.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتا،كتاب الزكاة:۲/۱۶،ظفيرعفى عنه)

تاجر کی تملیک جو سردست صاحب نصاب نہیں:

(۳)　جو شخص صاحب نصاب نہیں ہے اور تجارت کرتا ہے، اور اس میں صرف منافع اس کو ملے گا جس کی مقدار اس کو معلوم نہیں ہے اور اس پر پورا سال بھی نہیں ہے، احتمال ہے کہ پچاس سے زائد ہو ایسی حالت میں اس کی تملیک جائز ہے یا نہیں۔

الجواب

(۱)　یہ قید طلبہ میں بھی ہے کہ وہ بھی مصرف زکوٰۃ ہوں؛ یعنی مالک نصاب نہ ہو، سید نہ ہوں اور اگر وہ طلبہ نابالغ ہیں تو ان کے والدین صاحب نصاب اور غنی نہ ہوں، بالغ کے لیے تو ماں باپ کا غنی ہونا مانع نہیں ہے، جب کہ وہ خود فقیر ہوں اور زکوٰۃ سے کپڑے، یا کتابیں اسی وقت دینا درست ہے کہ وہ مصرف ہوں، غنی نہ ہوں اور اغنیا کی اولاد صغار نہ ہوں، (۱) اس کی تحقیق کر لینی چاہیے۔ (۲)

(۲)　معلوم کرنا ضروری ہے؛ لیکن اگر طالب علم خود کہے کہ میں غریب ہوں اور میرے والدین بھی غریب ہیں تو موافق اس کے کہنے کے اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (۳)

(۳)　ایسی حالت میں اس کو اس وقت زکوٰۃ دینا درست ہے، (۴) اور جب اس کو نفع مل جاوے گا اور وہ بقدر نصاب ہوگا تو اگرچہ سال بھر نہ گزرے تو پھر اس کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۹/۶-۲۲۰)

صاحب نصاب طلبہ کے لیے زکوٰۃ لینا:

سوال:　طلبا میں سے اکثر ایسے ہوتے ہیں، جو نصاب شرعی کے مالک ہیں، جن پر صدقۃ الفطر وقربانی واجب ہوتی ہے اور سوال کرنا حرام ہوتا ہے؛ مگر اس کے باوجود طلبہ اپنا خرچ نہیں اٹھا سکتے، اس وجہ سے دارالعلوم سے امداد لیتے ہیں، بعض دوران تعلیم مقروض ہو جاتے ہیں، لوگ صراحۃً زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں، وہ لے کر اپنا قرض ادا کرتے ہیں، کیا ایسے طلبا امداد لے سکتے ہیں اور زکوٰۃ وصدقات واجبہ لے کر اپنی ضروریات قرض وغیرہ میں کام لا سکتے

---

(۱)　ولا إلٰى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان، الخ، ولا إلٰى طفله بخلاف ولده الكبير، الخ. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۸۸/۲-۹۰)

(۲)　لو دفع بلا تحر لم يجز إن أخطأ. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۹۳/۲)

(۳)　إذا شك وتحرى فوقع في أكبر رائه أنه محل الصدقة فدفع إليه أو سأله فدفع أو رآه في صف الفقراء فدفع فإن ظهر محل الصدقة جاز بالاجماع، وكذا إن لم يظهر حاله عنده. (الفتاوى الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱۹۰/۱، ظفير)

(۴)　مصرف الزكاة، الخ، هو فقير وهو من له أدنٰى شئ أي دون نصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۷۹/۲-۸۰، ظفير)

ہیں؟ اور دینے والوں کی زکوٰۃ وصدقات ادا ہو جاتے ہیں اور اگر ادا نہیں ہوتے تو ان طلبہ کو تکمیل تعلیم کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جو طلبہ اپنے وطن میں صاحب نصاب ہیں اور یہاں نہیں اور اپنے وطن سے منگا بھی نہیں سکتے، وہ زکوٰۃ، قیمت چرم قربانی، صدقۃ الفطر کے مصرف ہیں، ان کو یہ چیزیں اگر دی جائیں اور یقیناً دی جائیں اور یقیناً دی جاتی ہیں تو واجب ادا ہو جاتا ہے۔(۱) داخلہ کے وقت ان کے ساتھ اگر چہ ایک دن کھانے کی مقدار موجود ہو اور اس دن کے لیے ان کے لیے سوال کرنا ناجائز ہو؛ لیکن وہ صرف اس دن کے لیے سوال نہیں کرتے، نہ ان کا سوال اس دن پورا کر دیا جاتا ہے؛ بلکہ وہ تمام سال قیام کا ارادہ کرتے ہیں اور تمام سال کے مصارف ان کے ساتھ موجود نہیں اور کسی دوسری جگہ سے آمدنی کی توقع بھی نہیں؛ اس لیے ان کا حکم وہ نہیں جس کا شبہ ہوتا ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۳۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۱۳۸۷ھ۔(فتاویٰ محمودیہ: ۹/۶۰۰-۶۰۱)

مدرس وطالب علم کو زکوٰۃ لینا کیسا ہے:

سوال: مدرس اور طالب علم کو زکوٰۃ لینا جائز ہے یا نہیں، اگر چہ وہ غنی ہو۔

قال فی الدرالمختار :إن طالب العلم یجوز له أخذالزکاة ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب والحاجة داعیة إلیٰ مالابدمنه.

الجواب ـــــــــــــــــــ

أقول: قد رده فی ردالمحتاربقوله :وهٰذالفرع مخالف لاطلا قهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده أحد، ط،قلت:وهو کذلک والأوجه تقییده بالفقیرویکون طلب العلم مرخصًا لجوازسواله من الزکٰوة وغیرها وإن کان قادراًعلی الکسب،الخ.(۳)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ طالب علم غنی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں، طالب علم کی مشغولی کی وجہ سے صرف یہ رخصت ہے کہ کسب میں مشغول ہونا اس کو ضروری نہیں ہے، زکوٰۃ لے سکتا ہے، بوجہ فقر کے اور مدرس غنی کو عدم جواز کی ایک دوسری

---

(۱) وبهٰذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزله أخذ الزکاة ولو غنیاً إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الکسب،والحاجة دایة إلیٰ بدمنه،الخ.(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف: ۲/۳٤۰،سعید)

(۲) ولایحل أن یسأل شیئاً من القوت من له قوت یومه بالفعل أوبالقوة کالصحیح المکتسب،ولو سأل للکسوة أولاشتغاله عن الکسب بالجهاد،أوطلب أعلم جاز، أومحتاجاً.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۳٥٤،سعید)

(۳) دیکھئے: ردالمحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف تحت قوله والحاجة داعیة: ۲/۸۱،ظفیر

وجہ یہ بھی ہے کہ تنخواہ میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے اور بوجہ غناء کے بھی درست نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۴۴/۶)

اسکول کالج میں زکوٰۃ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زکوٰۃ جو مدارس میں دی جاتی ہے، کیا اس زکوٰۃ میں اسکول کالج وغیرہ بھی شامل ہوسکتے ہیں؟ چوں کہ مدارس کا کام بھی مذہب معلومات کی غرض سے مسلم قوم کے لیے ضروری ہے اور اسکول کالج وغیرہ بھی ایک تعلیمی مرکز ہے، جوہ کہ مسلم قوم کا مستقبل بناتا ہے تو اس طرح اسکول وکالج میں بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زکوٰۃ فقرا کا حق ہے، اور عام طور پر اسکول اور کالج میں تعلیم پانے والے فقرا نہیں ہوتے اور نہ ہی وہاں طلبہ پر تملیکاً زکوٰع خرچ ہوتی ہے؛ بلکہ فیس لے کر تعلیم دی جاتی ہے، جب کہ دینی مدارس میں طلبہ کی اکثریت غریب طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، نیز وہاں غیر مستطیع نادار طلبہ پر یہ زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے، لہذا مصرف پائے جانے کی وجہ سے مدارس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کالج اور اسکولوں میں دینا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَا تُ لَلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ﴾ (التوبۃ: ٦٠)

الزکاۃ ھو تملیک المال من فقیر مسلم. (البحرالرائق: ۲۰۱/۲)

مصرف الزکاۃ ھو الفقیر. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳۸۳/۳، زکریا دیوبند)

أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمین. (الدرالمختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۳۵۳/۲، کراتشی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۲/۹/۱۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۵۸/۷-۱۵۹)

کیا عالم غنی اور مالدار طلبہ کو زکوٰۃ دینا درست ہے:

سوال: درمختار میں ہے:

وبھٰذہ التعلیل یقوی ما نسب الواقعات من إن طالب العلم یجوز لہ أخذ الزکوٰۃ ولو غنیاً إذا فرغ نفسہ لافادۃ العلم، الخ.

اور نواب صدیق حسن خان کتاب روضۃ الندیہ میں لکھتے ہیں:

ومن جملۃ سبیل اللّٰہ الصرف فی العلماء الدین یقومون بمصالح المسلمین الدینیۃ فإن لھم فی مال اللّٰہ نصیباً سواء کانوا أغنیاء أو فقراء، الخ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم غنی اور طلبا اغنیاء کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور اس کی تائید ایک حدیث میں بھی ہے:

’’عن أبی سعید أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال:تحل الصدقة للغنی إذا کان فی سبیل اللّٰہ عزوجل.(أخرجه أبوداؤد الطیالسی،ص:۲۹۲)

الجواب

اقول وباللہ التوفیق:عالم غنی مالک نصاب کوزکوٰۃ وصدقات واجبہ دینااوراس کولینا صحیح مذہب کے موافق جائزنہیں ہے،(۱)اورفی سبیل اللہ میں اگرچہ طالب علم داخل ہوسکتے ہیں؛لیکن محتاج ہونااس کاشرط ہے۔

کما نقل الشامی: عن البدائع إذا کان محتاجاً،الخ.(۲)

وفیه أیضاً:(قوله لایملک نصاباً)قیدبه؛لأن الفقرشرط فی الأصناف کلها إلا العامل وابن السبیل إذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر،الخ.(۳)

وفیه أیضاً:عن النهرعلیٰ أن الأصناف کلهم سوی العامل یعطون بشرط الفقر،الخ.(۴)

پس باوجودان تصریحات کے عالم غنی کوجائزنہیں کہ وہ زکوٰۃ اورصدقات واجبہ لیوے اوربصورت اختلاف روایات بھی ارجح نہ لیناہوگا،کماہوظاہر۔فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۵۲/۶-۲۵۳)

جوطلبہ قوانین مدرسہ کی پابندی نہیں کرتے،ان کوزکوٰۃ دی جائے،یانہیں:

سوال: قواعدمدرسہ جوطلبہ پرضروری ہیں،اگروہ ان کے پوراکرنے میں کمی کریں توزکوٰۃ جوان کودی جاتی ہے، وہ اداہوجاتی ہے،یانہیں؟

الجواب

قاعدہ مدارس کایہ ہے کہ زکوٰۃ کے مال کی اول تملیک کرادی جاتی ہے،پھراس مالک کی طرف سے روپیہ مدرسہ کے مصارف کے لیے لےلیاجاتاہے،لہٰذاقواعدمدرسہ طلبہ کے متعلق جاری کرنے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کچھ فرق نہیں ہوتا،زکوٰۃ پہلے ہی بوقت تملیک اداہوجاتی ہے۔(۵)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۷/۶)

---

(۱) وهٰذا الفرع مخالف لاطلاقهم الحرمة فی الغنی ولم یعتمده أحدط قلت وهوکذالک والأوجه تقییده بالفقیرویکون طلب العلم مرخصاً لجواز سؤاله من الزکاة وغیرها وإن کان قادراًعلی الکسب،الخ.(رد المحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف:۸۱/۲،ظفیر)

(۲) ردالمحتار،کتاب الزکاة،باب المصرف:۸٤/۲،ظفیر

(۳) ردالمحتار،کتاب الزکاة،باب المصرف:۸۳/۲،ظفیر

(۴) ردالمحتار:۸٤/۲

(۵) ولایخرج عن العهدة بالعزل بل بالأداء للفقراء وحیلة التکفین بها التصدق علیٰ فقیرثم هویکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیرالمسجد.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،کتاب الزکاة،باب مصرف الزکاة والعشر:۱۵/۲-۱٦)

مدرسہ کا طالب علم:

سوال: کوئی طالب علم مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہو کر نصاب نظامیہ درسی کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اسی شوق علم میں ترک وطن کر کے مسافر ہوا تو ایسے طالب علم کی جاگیر وتعلیم کی نسبت شرعا کوئی قید ہے، یا نہیں؟ یا وہ مستحق جاگیر وتعلیم کا ہے؟

(۲) طالب علم مذکور کی حیثیت ذاتی کچھ نہیں ہے، ایسا طالب علم مستحق جاگیر وتعلیم کا ہے، یا نہیں؟

(۳) طالب علم مذکور صرف عربی مذہبی تعلیم صاصل کرنا چاہتا ہے، مورث صرف بصورت تعلیم انگریزی امداد خرچ کرنے کو تیار ہے، ایسا طالب علم مجبورا مستحق تعلیم وجاگیر کا ہے، یا نہیں؟

(۴) طالب علم کی حیثیت ذاتی کی تحقیقات لازمی ہے، یا محض طالب علم ہونے کی وجہ سے تعلیم وجاگیر کا مستحق ہے؟

(۵) مدرسہ اسلامیہ میں جاگیر خالی ہیں؛ لیکن مستحق طالب علم کو محروم کیا اور غیر مستحق کو دیا، یہ جائز تھا، یا نہیں؟

(۶) جو ابواب آمد جاگیر طلبا کے لیے ہیں، وہی تنخواہ مدرسین کے لیے بھی ہیں، دونوں کے لیے حکم واحد ہے، یا کیا؟

الجواب

(۱) جب کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، اگر چہ اس کے گھر پر مال ہو تو اس کو زکوٰۃ اور خیرات دینا درست ہے۔(۱)

(۲) ایسا طالب علم مصرف زکوٰۃ وصدقات واجبہ ہے۔(۲)

(۳) مستحق ہے۔(۳)

(۴) محض طالب علم ہونے کی حیثیت سے بلا تحقیق مستحق وظیفہ وجاگیر کا ہو سکتا ہے۔(۴)

(۵) باوجود گنجاوش کے مستحق طالب علم کو محروم کرنا بلا وجہ برا ہے۔

(۶) طلبہ کے لیے زکوٰۃ وخیرات کی آمدنی صرف ہو سکتی ہے اور مدرسین کی تنخواہ میں زر زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔(۵) ان کی تنخواہ چندہ دوامی ویکمشت سے علاوہ زکوٰۃ کے دی جاتی ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۵۵-۲۵۶)

(۱-۴) والغنی لایمنع من تناولها عند الحاجة کابن السبیل بحر عن البدائع وبهٰذا التعلیل یقوی ما نسب للواقعات من ان طالب العلم یجوزله أخذ الزکٰوة ولوغنیاً إذا فرغ نفسه لافادة العلم و استفادته لعجزه عن الکسب الحاجة داعیة إلٰی مالابدمنه. (الدر المختار)

وفی المبسوط: لایجوز دفع الزکاة إلٰی من یملک نصابا إلا إلٰی طالب العلم والغازی و منقطع الحج لقوله علیه الصلاة والسلام یجوز دفع لزکٰوة لطالب العلم وإن کان له نفقة أربعین سنة، آه. (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۸۱) یوں عامل ومسافر کے سوا اور لوگوں کے لیے فقر کی شرط ضروری قرار دی گئی ہے، "لأن الفقر شرط فی الأصناف کلها إلا العامل وابن السبیل إذا کان له فی وطنه مال بمنزلة الفقیر. (البحر الرائق، باب المصرف: ۲/۲۴۲، ظفیر)

(۵) مصرف الزکٰوة الخ وهو فقیر وهو من له أدنٰی شئی أی دون نصاب أوقدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۷۹-۸۰، ظفیر)

مستحق بالغ لڑکے کوزکوٰہ دی جائیگی خواہ اس کا باپ مستحق زکوٰۃ نہ ہو:

سوال: جومصرف زکوٰۃ نہیں،اس کالڑکا بالغ جس کے ساتھ کھاتا ہے،وہ مصرف زکوٰۃ ہے،یانہیں؟

الجواب

فقیر کالڑکا جوکہ خودبھی مالک نصاب نہیں ہے،مصرف زکوٰۃ وغیرہ ہے۔(۱)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۵۷۔۲۵۸)

طلبا کے لیے زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت:

سوال: میں ایک ہندومحلّہ میں متوکلا امام ہوں،عرصہ بارہ سال سے ، الحمدللہ میری گزراوقات اچھی ہورہی ہے،کوئی ذاتی غرض نہیں ہے،محض مسجد کی آبادی کے لیے کچھ میرا خیال ہے کہ چندطلبا بیرونی رکھ لیے جائیں، جودین سیکھیں گے، بصورت مدرسہ کے، ان کی سب ضروریات کے انتظام کا مال زکوٰۃ سے بعض احباب نے وعدہ کیا ہے، اس واسطے یہ مسائل دریافت کئے گئے ہیں،اگرمسئلہ کا جواب حوالہ جات سے تحریرفرمائیں تونوازہوگی، ورنہ ویسے بھی معتبرہوں گے؟ (عبدالعزیز،امام مسجدنور، جالندھرشہر)

الجواب حامداً ومصلیاً

مستحق طلبا کی ضروریات بصورت تملیک پوری کرنے کے لیے زکوٰۃ وغیرہ کا صرف کرنا شرعاً درست ہےاوراس سے زکوٰۃ ہوجاتی ہے،اس میں کسی حیلہ کی ضرورت نہیں،(۲) جس جگہ حیلہ کی ضرورت ہو،اس کوتحریرکرکے دریافت کرلیا جائے۔فقط واللہ اعلم

حررہ العبدمحمودعفی عنہ

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ،صحیح:عبداللطیف،مدرسہ مظاہرعلوم سہانپور،۲۴/ذی قعدہ/۱۳۶۲ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۵۹۹۔۶۰۰)

طلبہ کویکجابٹھاکرزکوٰۃ سے کھلانا:

سوال: جس مدرسے میں زکوۃ کے پیسے دیئے جاتے ہیں تومستحق زکوۃ کومطبخ سے جوکھاناکھلایا جاتا ہے،وہ امیر غریب سب کوساتھ بٹھاکرکھلانے میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوئی قباحت تونہیں آئے گی؟

---

(۱) ولایجوزإلٰی صغیر والدہ غنی فإن کان الابن کبیراً جازا.(الفتاوی الخانیة علٰی هامش الهندیة: ۱/۲۶٦،باب فیما توضع فیه الزکاة،ظفیر)

یعنی جوشخص مستحق زکوٰۃ نہیں ہے،اس کے اس بالغ لڑکے کوزکوٰۃ دینی درست ہے،جومالک نصاب نہیں۔ظفیر

(۲) مصرف الزکاة ... هو فقیر... وفی سبیل الله ... قیل: طلبة العلم ... یصرف المزکی إلٰی کلهم أو إلٰی بعضهم ... ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة ... آه.(الدرالمختار) "فلا یکفی فیها الاطعام إلا بطریق التملیک ، الخ".(الدرالمختارمع ردالمحتار، کتاب الزکاة،باب المسرف:۲/۳٤۰۔۳٤٤،سعید)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

زکوۃ کا کھانا مستحق کو بطور تملیک دینا لازم ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ اتنی مقدار میری ملک ہے، خواہ میں کھاؤں، یا فروخت کروں، یا کسی کو کھلاؤں، (۱) اور ایک ساتھ سب کو بٹھا کر کھلانے میں یہ بات نہیں ہوتی۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند (فتاوی محمودیہ: ۹/۲۰۱-۲۰۲)

زکوٰۃ کے روپے سے طلبہ کو کتابیں دلانا کیسا ہے:

سوال: زکوٰۃ کے روپے سے طلبہ کو کتابیں، یا پارے دلا دینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جائز ہے۔ (۲) فقط (فتاوی دار العلوم دیو بند: ۶/۲۰۰)

مطبخ سے بمد زکوۃ طلبہ کو کھانا دینا:

حضرت مفتی صاحب زید مجدکم العالی　　السلام علیکم

آپ کا مرسلہ جواب موصول ہوگیا، اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خوراک طلبہ سلسلہ کے دیگر اخراجات کی طرح تنخواہ باورچی بھی ایک خرچ ہے یعنی تنخواہ باورچی کی نوعیت درج ذیل اخراجات سے مختلف مثلاً طلبہ کے لیے راشن لانے کا صرفہ، گندم کی پسائی، سوختہ کی خریداری اور اس کی چرائی وغیرہ، کیا ان اخراجات کی نوعیت میں کچھ فرق ہے، اگر نہیں ہے تو ان سب کا مد زکوۃ سے دینا ناجائز ہوگا اور اگر ہے تو کیا اور کیوں؟ مدلل جواب کی ضرورت ہے۔ فقط　(زید)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

"(هی تـملیک)خرج الاباحة (جزء مال)خرج المنفعة، فلوأسکن ... فقیراً داره سنة ناویاً، لایجزیه،آه".

"(قوله:فلوأسکن) فی البحرإلی الکشف الکبیر،وقال قبله:والمال صرح به أهل الأصول، یتمول ویدخر للحاجة وهوخاص بالأعیان فخرج تملیک المنافع،آه". (۳)

---

(۱) **تـملیکاً لا إباحة کمامر) فلایکفی فیها الإطعام إلابطریق التملیک، ولوأطعمه عنده ناویاً للزکاة لا تکفی،الخ. (ردالمحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف: ۲/۳٤٤،سعید)**

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ، یا اجناس وغیرہ زکوۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کرکے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے۔ **"وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر، ثم هو یکفن، فیکون الثواب لهما، وکذا فی تعمیر المسجد". (الدرالمختار، کتاب الزکاة باب المصرف: ۲/۲۷۱،سعید)**

(۲) **یصرف المزکی إلیٰ کلهم أوإلیٰ بعضهم الخ تملیکا لا اباحة.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المختار، کتاب الزکاة،باب المصرف: ۲/۸۳،ظفیر)**

(۳) **الدرالمختار، کتاب الزکاة،باب المصرف: ۲/۲۵۷،سعید**

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ادائے زکوٰۃ کے لیے تملیک مال ضروری ہے، محض تملیک منافع سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، گندم پسائی اور سوختہ کی چرائی وغیرہ میں بھی مدز کوٰۃ سے صرف کرنا درست نہیں۔ یہی حال تنخواہ باورچی کا ہے، ان مواقع پر صرف کرنے سے طلبہ کی ملک میں مال نہیں پہنچتا؛ بلکہ ان کو منافع حاصل ہوتے ہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

اگر جواز کی صورت مطلوب ہے تو اس طرح کیا جائے (کہ) مدرسہ اپنی طرف سے غلہ سوختہ وغیرہ خرید کر کھانا تیار کرائے اور اس میں مدز کوٰۃ سے صرف نہ کرے پھر تیار شدہ کھانے کی قیمت لگا کر، یا طلبہ کے ہاتھ فروخت کرے اور طلبہ کو بصورت نقد مدزکوۃ سے وظیفہ دے کر کھانے کی قیمت ان سے وصول کرلے، یا وہ تیار شدہ کھانا مدزکوۃ کے جمع شدہ روپیہ سے بدل کر مدرسہ اپنا خرچ شدہ روپیہ (جس میں پسائی، چرائی، تنخواہ باورچی وغیرہ سب داخل ہیں) وصول کرلے اور اس زکوٰۃ میں یہ کھانا طلبہ کو دے دے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مدز کوٰۃ کا روپیہ منافع طلبہ میں خرچ ہوا؛ بلکہ تیار شدہ کھانا مدزکوۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا طلبہ کو دے دے، اس صورت میں یہ نہیں ہوگا کہ مدز کوٰۃ کا روپیہ منافع طلبہ میں خرچ ہوا؛ بلکہ تیار شدہ کھانا مدزکوۃ سے خرید کر (بدل کر) طلبہ کو دیا گیا ہے اور وہ کھانا دینا یقیناً تملیک المال ہے۔ (۱) تملیک المنفعۃ نہیں، لہٰذا ادائے زکوۃ میں خلجان نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/۱۳۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ ذی الحجہ/ ۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۶۰۲-۶۰۳)

غریب طلبہ کی کتابوں پر زکوۃ کو صرف کرنا:

سوال: یہاں ایک مدرسہ اسلامیہ ہے جس کا خرچ آمد سے زیادہ ہے؛ اس لیے چندہ کنا جاتا ہے، کچھ لوگ زکوٰۃ دیتے ہیں، ویسے ہم خورد زکوٰۃ کا روپیہ لینے سے احتیاط برتتے ہیں، تملیک کو ہم بہتر نہیں سمجھتے؛ اس لیے زکوٰۃ کم ہی آتی ہے۔ آپ ہمیں بتائیں کہ اگر اتفاق سے زکوٰۃ آجائے تو ہم اس کو کسی ایسے آدمی کے بچوں پر خرچ کر سکتے ہیں، جو بظاہر صاحب نصاب نہیں ہے اور خوددار اور وہ مجبوری ظاہر کرے، اس پر ہم اس سے کہیں کہ ہم ان کتابوں کا روپیہ زکوۃ کی مد سے ادا کردیں تو وہ اپنی خودداری کی وجہ سے اس پر آمادہ بھی نہ ہو تو ہم بغیر اس پر ظاہر کئے اس بچوں کو ماہانہ وظیفہ مدرسے دے سکتے ہیں، یا مدرسہ کے نام پر آتی ہوئی زکوٰۃ کو بیواؤں لاچاروں وتنگ دست کو دے سکتے ہیں؟

---

(۱) تملیکاً لا إباحة كمامر) فلايكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، ولو أطعمه عنده ناوياً للزكاة لا تكفي، الخ". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳٤٤، سعيد)

اس کی تدبیر یہ کی جائے کہ اول نقد روپیہ، یا اجناس وغیرہ زکوۃ کی تملیک کرادی جائے، پھر اس کی طرف سے داخل مدرسہ کر کے کھانا طلبہ کو کھلایا جائے۔

"وحيلة التكفين بها التصدق على فقير، ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد".

(الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۲۷۱، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

زکوۃ لینے سے جب آپ احتیاط کرتے ہیں تو بہتر یہی ہے کہ جو شخص دے، اس کو بھی انکار کردیں؛ تاہم نادار طالب علم کو زکوہ کا پیسہ، یا مدزکوۃ سے قاعدہ پارہ تملیکا دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، جب کہ وہ طالب علم سمجھدار ہو اور مالکانہ قبضہ کی اہلیت رکھتا ہو، بالکل چھوٹا ناسمجھ نہ ہو۔(۱) مدرسہ میں خرچ کرنے کے لیے جو زکوٰۃ آئے، اس کو بیواؤں اور مدرسہ سے غیر متعلق لاچاروں پر صرف کرنے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۲۷/۴/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۶۰/۹)

طلبہ کو مدزکوٰۃ سے وظائف دینا کیسا ہے:

سوال: زکوٰۃ کے روپے سے طلبہ کو وظائف دیئے جاسکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اولاً چند امور تمہیداً لکھے جاتے ہیں، ان کے بعد جواب سوالات نمبروار لکھا جائے گا۔

تمہید اول:

مصارف زکوٰۃ وصدقات واجبہ فقرا ومساکین وغیرہما ہیں، جو آیت: ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين﴾ (الآية) (۲) میں مذکور ہیں۔

دوم:

زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں تملیک؛ یعنی مالک بنانا شرط ہے، جیسا کہ ﴿للفقراء﴾ کے لام سے یہ مطلب مفہوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہ لام تملیک کا ہے اور تملیک نہ پائی جاوے گی، وہاں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، جیسے تعمیر ومرمت مساجد، یا تعمیر مدارس وغیرہ، یا تکفین میت کہ ان چیزوں میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ (۳)

سوم:

یہ کہ جن مصارف میں صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، جیسے تعمیر مساجد وغیرہ و تکفین میت ان میں صرف کرنے کے لیے فقہا نے یہ حیلہ لکھا ہے کہ اول کسی ایسے شخص کو جو مالک نصاب نہ ہو، رقم زکوٰۃ اس کی ملک کردی جائے

(۱) فی التمليك إشارة إلى انه لا يصرف إلى مجنون وصبي غير مراهق ... ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳٤٤/۲، سعيد)

(۲) سورة التوبة: ٦٠

(۳) ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا اباحة لايصرف إلى نحو بناء مسجد ولا إلى كفن ميت. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۸٥/۲، ظفير)

، بعد مالک ہونے کے وہ شخص اپنی طرف سے تعمیر ومرمت مسجد وغیرہ، یا تکفین میت پر میں صرف کر دیوے۔

كما في الدرالمختار : وحيلة التكفين بها التصدق علىٰ فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد. (۱)

اور حیلہ میت پر کفن ڈالنے کا مال زکوٰۃ سے یہ ہے کہ کسی فقیر کو مال زکوٰۃ دیا جاوے، پھر وہ اپنی طرف سے میت کے کفن میں صرف کرے۔ سو حاصل ہوگا ثواب دونوں کو اور یہی حیلہ ہے، تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنے کا اور شامی نے کہا کہ دونوں کو ثواب حاصل ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ دینے کا ثواب حاصل ہوگا اور کفن ڈالنے کا ثواب اس فقیر کو ہوگا، جس نے اپنی طرف سے کفن ڈالا، (۲) اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے کو تکفین کا بھی ثواب ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں ہے:

"الدال على الخير كفاعله". (۳)

ایسا ہی طحطاوی میں اور امام سیوطی نے جامع صغیر میں یہ روایت نقل کی ہے:

"لو مرت الصدقة علىٰ يدى مائةٍ لكان لهم من الأجر مثل أجر المبتدى من غير أن ينقص من أجره شيئًا". (۴)

(ترجمہ) اگر صدقہ سو ہاتھوں پر کو گزرے تو ہر ایک کو ان میں سے ابتداءً دینے والے کی برابر ثواب ہوگا، بدون اس کے کہ ابتدا کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی ہو اور سو ہاتھوں پر گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے نے کسی کو صدقہ دیا، پھر اس نے دوسرے کو دے دیا اور اس نے تیسرے کو دے دیا، اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔

چہارم:

یہ کہ اگر کسی کو محتاج سمجھ کر زکوٰۃ دی گئی اور بعد میں ثابت ہوا کہ جس کو زکوٰۃ دی گئی، وہ غنی صاحب نصاب تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، دوبارہ دینا لازم نہیں اور دینے والے کو ثواب پورا ہوا۔

درمختار میں ہے:

"دفع بتحرٍ لمن يظنه مصرفاً فبان عبده، الخ، اعادوان بأن غناه، الخ، لايعيد". (۵)

اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر اپنے گمان میں کسی کو مصرف سمجھا اور وہ مصرف سمجھ کر اس کو زکوٰۃ دی تو اگر بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ زکوٰۃ دینے والے کا غلام ہے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے اور اگر اس کا غنی صاحب نصاب

---

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب الصرف: ۱۶/۲، ظفير

(۲) أى ثواب الزكاة للمزكى وثواب التكفين للفقير. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، كتاب الزكاة: ۱۶/۲، ظفير)

(۳) ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱۶/۲، ظفير

(۴) ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۱۶/۲، ظفير

(۵) الدرالمختار علىٰ هامش ردل المحتار، باب المصرف: ۹۲/۲، ظفير

ہونا ظاہر ہوا تو زکوۃ ادا ہوگئی، دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے اور مشکوۃ شریف میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ صحیح بخاری ومسلم سے نقل کیا ہے:

أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال :قال رجل لأن تصدقن بصدقةٍ فخرج بصدقته فوضعها فى يد سارق فأصبحوا يتحدثون تصدق الليلة علىٰ سارق فقال اللّٰهم لك الحمد علىٰ سارق لآتصدقن بصدقة فخرج بصدقته فوضعها فى يدزانية فأصبحوا يتحدثون تصدق الليلة علىٰ زانيةٍ فقال: اللّٰهم لك الحمد علىٰ زانية لاتصدقن بصدقة فخرج بصدقةفوضعها فى يد غنىٰ فأصبحوا يتحدثون تصدق الليلةعلىٰ غنى فقال اللّٰهم لك الحمد علىٰ سارق وزانية وغنىٰ فأتىٰ فقيل له أما صدقتك علىٰ سارق فلعله أن يستعف عن سرقته وأما الزانية فلعلها ان تستعف عن زناها وأما الغنىٰ فلعله يعتبر فينفق مما أعطاه اللّٰه متفق عليه ولفظه للبخارى. (۱)

اس حدیث سے جیسا کہ غنی کو بوجہ لاعلمی کے زکوۃ ودیگر صدقات کے ادا ہوجانے کا علم ہوا، ایسا ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ سارق اور زانیہ کو بوجہ لاعلمی کی زکوۃ وصدقات دینے سے ثواب حاصل ہوگا اور زکوۃ ادا ہوجاوے گا۔

اور شامی میں ہے کہ جس کو زکوۃ دی جائے، اگر وہ صورت فقیرانہ ومفلسانہ رکھتا ہے، یا فقیروں کے ساتھ ہوکر آیا، یا اس نے سوال کیا اور اس پر زکوۃ دینے والے نے اس کو زکوۃ دے دی تو زکوۃ ادا ہوگئی، اگرچہ بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ غنی تھا اور مصرف زکوۃ نہ تھا۔ عبارت شامی یہ ہے:

واعلم أن المدفوع إليه لوكان جالساً فى صف الفقراء يصنع صنعهم أوكان عليه زيهم أوسأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحرى،كذا فى المبسوط حتىٰ لوظهرغناه بعدلم يعد. (۲)

پنجم:

یہ کہ تندرست کمانے اور محنت کی طاقت رکھنے والے کو اور اس شخص کو جس کے پاس ایک دن کا کھانے کو ہو، سوال کرنا حرام ہے اور تندرست کمانے کی طاقت رکھنے والے کو عندالبعض دینا بھی گناہ ہے؛ لیکن طالب علم وغیرہ کو بوجہ مشغولی تحصیل علم باوجود صحیح مکتسب ہونے کے دینا اور اس کو لینا درست ہے۔ درمختار میں ہے:

ولايحل أن يسئل شيئًا من القوت من له قوت يومه بالفعل أوبالقوة كالصحيح المكتسب ويأثم معطيه ان علم بحاله العانته على المحرم ولوسال للكسوة أولاشتغاله عن الكسب بالجهاد أوطلب العلم جازلومحتاجًا. (۳)

اور عندالبعض کی قید اس لیے لگائی گئی کہ بعض فقہا نے فرمایا ہے کہ قیاس اگرچہ اس کو مقتضی ہے کہ ایسے لوگوں کو دینا

(۱) مشكاةالمصابيح،باب الانفاق وكراهية الإمساك،الفصل الأول،عن أبى هريرة،ص:١٦٥،ظفير

(۲) رد الحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:٩٢/٢،ظفير

(۳) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:٩٥/٢،ظفير

گناہ ہو؛ لیکن بتاویل ہبہ اس کو جائز کہہ سکتے ہیں اور غنی اور غیر محتاج کو بھی کرنے میں گناہ نہیں ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ زکوۃ میں یہ تاویل نہیں چل سکتی۔ الغرض حاصل یہ ہے کہ باوجود علم کے دینا نہ چاہیے اور لاعلمی میں دیا جاوے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے، ان تمہیدات کے بعد جواب مسائل نمبروار تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر وہ گدا گر بصورت حال محتاج معلوم ہوتے ہیں تو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی، اگر چہ فی الحقیقت وہ مستحق نہ ہوں۔(۱)

(۲) دینے والے کو بہ قاعدہ ''إنما الأعمال بالنيات'' ثواب حاصل ہوگا اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جاوے گی۔

(۳) گمان غالب اگر ایسا ہے تو بے شک ان کو زکوٰۃ وخیرات دینا نا جائز ہے اور گناہ ہے؛ کیوں کہ یہ اعانت علی المعصیۃ ہے اور اعانت علی المعصیۃ حرام ہے۔

قال للّٰه تعالیٰ: ﴿وتعاونوا على البر والتقوىٰ لا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾(۲)

(۴) طالبان علم دین اس زمانہ میں بہترین مصارف زکوٰۃ سے ہیں، چناں چہ فی سبیل اللہ میں فقہا نے طالب علم کو داخل فرمایا ہے اور طلبہ ابن سبیل میں بھی داخل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طالبان علم دین کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کی وصیت فرمائی ہے اور تاکید فرمائی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

من خرج في طلب العلم فهو في سبيل اللّٰه.(۳)

وعن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من الناس لكم تبع وإن رجالا يأتونكم من أقطار الأرض يتفقهون في الدين فإذا أتوكم فاستوصوا بهم خيراً. (رواه الترمذي)(۴)

(۵) مساجد کا حکم تمہید دوم سے معلوم ہوا کہ مال زکوٰۃ کو تعمیر ومرمت مساجد اور فرش وغیرہ ضرویات مساجد میں صرف کرنا درست نہیں ہے؛ مگر بہ حیلۂ مذکورہ تمہید سوم؛ لیکن مکاتب ومدارس دینیہ اور یتیم خانوں کے طلبہ ویتامیٰ غربا کو زکوٰۃ دینا درست ہے اور بہترین مصارف میں سے ہے۔(۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۲۵/۶-۲۳۰)

---

(۱) واعلم أن المدفوع إليه لو كان جالساً في صف الفقراء يصنع صنعهم أو كان عليه زيهم أو سأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحري، كذا في المبسوط، حتىٰ لو ظهر غناه بعد لم يعد. (رد المحتار، باب المصرف: ۹۲/۲، ظفير)

(۲) سورة المائدة: ۱

(۳) مشكاة المصابيح، كتاب العلم، ص: ۳٤، ظفير (سنن الترمذي، باب فضل طلب العلم، رقم الحديث: ۲٦٤۷/ مسند البزار، مسند أبي حمزة أنس بن مالك، رقم الحديث: ٦٥۲۰، انیس)

(۴) مشكاة المصابيح، كتاب العلم، ص: ۳٤، ظفير (سنن الترمذي، باب ماجاء في العلم، رقم الحديث: ۲٦٥۰/ سنن ابن ماجة، باب الوصايا بطلبة العلم، رقم الحديث: ۲٤۹، انیس)

(۵) وفي سبيل اللّٰه، الخ، وقيل: طلبة العلم، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۸۳/۲)

زکوٰۃ کی رقم حافظ کو مشاہرہ میں دینا درست نہیں ہے:

سوال (۱) اپنی زکوٰۃ میں سے اگر کسی حافظ کو جو عام طور پر تعلیم قرآن شریف دے، نوکر رکھ لوں تو جائز ہے، یا نہیں؟ اور ایسے نوکر سے اپنے لڑکے کو بلا تنخواہ پڑھوا سکتا ہوں، یا علاحدہ اجرت دوں؟

زکوٰۃ کا روپیہ طلبہ مدرسہ پر کس طرح صرف کیا جائے:

(۲)　مدرسہ میں جو روپیہ زکوٰۃ کا آتا ہے، اس کو مہتمم مدرسہ نقد طلبہ کو دے، یا کتابیں اور کپڑا خرید کر بھی دے سکتا ہے، یا نہیں؟

بذریعہ منی آرڈر روپیہ بھیجنے سے زکوٰۃ کیسے ادا ہوتی ہے:

(۳)　زکوٰۃ کا روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں بجنسہ روپیہ تو پہنچتا نہیں، پھر بھیجنے والے کی زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　جائز نہیں۔ (کما فی الدر المختار)(۱)

(۲)　نقد دے خواہ کپڑا خرید کر تقسیم کر دے، یا کتابیں خرید کر دے، سب جائز ہے۔(۲)

(۳)　زکوٰۃ اس طرح بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں ادا ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ مالک کی طرف سے مبادلہ کی اجازت ہو جاتی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۴/۶-۲۱۵)

☆ ☆ ☆

---

(۱)　کیوں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تملیک بغیر عوض شرط ہے؛ اس لیے تعلیم قرآن کے عوض میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ آمین

(۲)　وجاز دفع القيمة في زكٰوة وعشر وخراج وفطرة نذر وكفارة غير الاعتاق وتعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء، الخ. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲۹/۲)

ويشترط ان يكون الصرف تمليكا. (الدر المختار، باب المصرف: ۸۵/۲، ظفير)

(۳)　ولو خلط زكٰوة مؤكليه ضمن وكان متبرعاً، الخ. (الدر المختار)

قال في التتارخانية: إلا إذا وجد الإذن الخ وقال الشامي في اٰخر البحث ومقتضاه أنه لو وجد العرف فلا ضمان لوجود الإذن حينئذٍ دلالة. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۱۲/۲)

نابالغ کوزکوٰۃ دینا

نابالغ کوزکوٰۃ:

سوال: زکوۃ کا پیسہ اگر نابالغ یتیم بچے کو دے دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر وہ یتیم قبضہ کرنے کی اہلیت رکھتا ہے تو اس کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ وہ مصرف زکوٰۃ ہو؛ یعنی وہ غنی ہاشمی وغیرہ نہ ہو۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمود گنگوہی، ۱۳۵۳/۲/۲۵ھ۔

صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/صفر/۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۳/۹)

نابالغ کوزکوٰۃ دینے کی صورتیں:

سوال: ایک شخص عیدو قوم جولا باقوت ہو گیا اور ایک بیوی ایک لڑکا اور ایک لڑکی چھوڑ گیا، عیدو کے تین چچازاد بھائی ہیں؛ مگر حقیقی کوئی نہیں ہے۔ عیدو مذکور کی وفات کے بعد اس کی بیوی نے گھر کا تمام اثاثہ جو صرف زیور ہی تھا، برباد کر دیا، لڑکی کا متوفی کے چچازاد بھائیوں نے نکاح کر دیا؛ یعنی اس کی شادی کر دی اور بیوہ نے ایک دوسری جگہ خاوند کر لیا۔ متوفی کا لڑکا تا حال اپنی ماں کے پاس رہتا ہے۔ متوفی کے پاس سوائے زیور کے اور تو کوئی جائیداد نہ تھی، زیور عورت نے برباد کر دیا، اب متوفی کا لڑکا بالکل حالت ناداری میں ہے؛ لیکن اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ہاں رہتا ہے؛ لیکن اس غریب کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے، جو ایسی حالت میں عموماً ہوا کرتا ہے؛ یعنی بدسلوکی۔

(۱) اب سوال یہ ہے کہ یتیم مذکور کے ہر سہ چچا کم وبیش زکوٰۃ دینے والے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ہم زکوٰۃ کے روپے اس یتیم کو کیوں نہ دے دیں، جب کہ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ:

﴿وآتی المال علی حبه ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل﴾ (۲)

---

(۱) قال العلامة الحصکفی رحمه اللّٰه تعالیٰ: "ولا إلیٰ من بینهما ولاد أو زوجیة. (الدر المختار مع تنویر الأبصار)
وقال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: "قید بالولاد لجوازه لبقیة الأقارب کالأخوة والأعمام والأخوال الفقراء". (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳٤٦/۲، سعید)

(۲) سورة الابقرة: ۱۷۷

یعنی پہلا حق رشتہ داروں کا ہے، آپ تحریر فرمادیں کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس کو دے سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ وہ قریبی بھی ہے اور یتیم بھی؟

(۲) اس (یتیم) کو روپیہ دینے کی صورت کیا ہوسکتی ہے، اگر اب اس کو دیا جاوے تو وہ نابالغ ہے، اگر اس کی ماں کو دیا جاوے تو وہ وہی سلوک کرتی ہے، جو اپنے خاوند کے زیور پر کیا تھا، اگر سوتیلے باپ کو بطور امانت دیا جائے تو کسی کا آج کل کیا اعتبار ہے۔ اب اگر اس کو دیا جائے تو کس طرح؟ کیا یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ دینے والے اس یتیم کے حصہ کا روپیہ علاحدہ ایک جگہ جمع کر کے ایک شخص اپنے پاس جمع بطور امانت جمع کرلے؛ یعنی دینے والا خود اپنے پاس ہی علاحدہ بطور امانت رکھ لیوے، جس کو خرچ خود بالکل نہ کرے، کیا یہ جائز ہوگا، یا نہیں؟

(۳) یا اس کے حصہ کے روپے کو سیونگ بینک، ڈاکخانہ میں اس کے ہی نام سے جمع کرادیا جائے، لہذا اس کا وہ شخص جس نے زکوٰۃ دی ہے، سرپرست مقرر کردیا جائے، جب بالغ ہوجائے گا، اپنے روپیہ کا حقدار ہوجائے گا، وصول کرلیوے۔ کیا یہ بھی جائز ہے، یا نہیں؟

(۴) اگر یتیم کے واسطے زرزکوٰۃ نمبر:۳، یا نمبر:۲ کسی طرح جمع کیا جائے تو کیا زکوٰۃ دینے والے کے زکوٰۃ دینے میں تو کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا، اگرچہ زکوۃ دینے والے کے پاس ہی امانت ہوگی؛ مگر وہ اس کا حقدار نہ ہوگا۔ کیا یہ صورت جائز ہوگی؟

(۵) اگر وہی نمبر:۱، کا یتیم لڑکا اپنے ایک چچا کے پاس بود وباش کرنے لگ جاوے اور وہ ہی زکوٰۃ دیتا ہو، اب وہ بالکل اپنے پاس جمع کرسکتا ہے، یا نہیں؟ جو بصورت بالغ ہونے کے اس کو ادا کردیا جائے؟

(۶) اگر یتیم بچہ ایک چچا کے پاس رہتا ہے اور زکوٰۃ دینے والے کے پاس نہیں ہے، کیا زکوٰۃ دینے والا اپنے پاس رکھ سکتا ہے، جو ایک ہزار دوسو بصورت بالغی اس کو ادا کردے؟

(۷) ایک شخص کے پاس صرف بارہ بیگھہ جائیداد ہے اور وہ بارہ سوروپے کا مقروض بھی ہے اور نہایت خستہ حال اور غریب ہے، کیا ہو زکوٰۃ لے سکتا ہے اور قوم سے راجپوت ہے، دست سوال دراز نہیں کرسکتا ہے۔ جواب باصواب سے جلد از جلد مطلع فرمادیں؟

(امام الدین، ہیڈ ماسٹر سکول تلاکور، ڈاکخانہ مصطفیٰ آباد انبالہ، مورخہ ۱۳۳۴/۱۲/۳ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) صورت مسئولہ میں زکوٰۃ اس لڑکے کو دینا درست ہے؛ بلکہ اگر اس سے زیادہ قریبی رشتہ دار مستحق زکوٰۃ موجود نہ ہو تو اس لڑکے کو زکوٰۃ دینا افضل ہے۔

”والأفضل فی الزکوة والفطر والنذور الصرف أولا إلی الأخوة والأخوات، ثم إلٰی أولادھم،

ثم إلى الأعمام والعمات،ثم إلٰى أولادهم،ثم إلى الأخوال والخالات،ثم إلٰى أولادهم، إلخ". (۱)

(۲) اگر وہ لڑکا سمجھ دار ہے، روپیہ پر قبضہ کرسکتا ہے تو خود اس کو دینا جائز ہے، پھر اگر ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سے بطور امانت لے کر رکھ سکتا ہے اور اگر وہ ناسمجھ ہے کہ روپیہ کو کہیں پھینک دے گا، یا کسی اور طرح ضائع کردے گا تو پھر اس کو دینا درست نہیں؛ بلکہ وہ جس کی پرورش میں ہے، اس کو لڑکے کے لیے دے دیا جائے، اگر وہ قابل اعتماد نہ ہو تو پھر کوئی سا چچا اس روپیہ پر لڑکے کے پرورش کرنے والے کا قبضہ کرا کے بطور امانت رکھ سکتا ہے۔ (۲)

(۳) لڑکے کو خرچ کی ضرورت اس وقت ہے، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے، بنک میں جمع کرنے سے وہ وقتی ضرورت کیسے پوری ہوگی؟ لیکن اگر زائد ہو تو بعض علما کے نزدیک لڑکا سمجھ دار ہو اور پرورش کرنے والا اگر ناسمجھ ہو، قبضہ کرا کے بنک میں جمع کرنا درست ہے۔

(۴) اگر ولی نے لڑکے کی طرف سے زکوٰۃ کا روپیہ اپنے قبضہ میں رکھا ہے تو اس میں کوئی نقصان نہیں؛ لیکن جو رروپیہ خود ولی نے زکوٰۃ کا نکالا ہے، وہ جب تک بطور تملیک لڑکے کی ضرورت میں صرف نہ کردے گا، زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

(۵) اگر وہ لڑکا سمجھدار ہے تو اس کو فی الحال ہی زکوٰۃ دینا جائز ہے، اگر ناسمجھ ہے تو چچا اس کی ضروریات میں صرف کرسکتا ہے، بطور تملیک بلوغ کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ (۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فى المصارف: ۱۹۰/۱،رشيدية

(۲) وإذا دفع الزكاةإلى الفقير،لايتم الدفع مالم يقبضها،أويقبضها،أو يقبضها للفقيرمن له ولاية عليه نحو الأب، والوصى يقضان للصبى ... ولو قبض الصغير،وهومراهق،جاز،وكذا لو كان يعقل القبض بأن كان لايرمى ولا يخدع عنه،الخ. (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فى المصارف: ۱۹۰/۱،رشيدية)

(۳) فلوأطعم يتيماً ناوياً الزكٰوة،لايجزيه،إلا مذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه بشرط أن يعقل القبض،إلا إذا حكم عليه بنفقتهم. (الدرالمختار)وقال ابن عابدين رحمه اللّٰه تعالىٰ:"(قوله:بشرط أن يعقل القبض) قيد فى الدفع والكسوة كليهما.وفسره فى الفتح وغيره بالذى لايرمى به ولايخدع عنه، فإن لم يكن عاقلا فقبض عنه أبوه أووصيه أو من يعوله قريباً أوأجنبياً أوملتقطه، صح،كما فى البحروالنهر،وعبربالقبض؛لأن المتليك فى التبرعات لا يحصل إلا به،فهوجزء من فهوصه،فلذا لم يقيد به أولا،كما أشارإليه فى البحر". (ردالمحتار،كتاب الزاة،باب المصرف: ۲۵۷/۲،سعيد)

"لأن تمليك الصبى صحيح،لكن إن لم يكن عاقلاً،فإنه يقبض عنه وصيه أوأبوه أومن يعوله قريباً أوأجنبيا أو المتقط،كما فى الولوالجية، وإن كان عاقلاً فقبض من ذكر،أو قبضه بنفسه". (البحرالرائق، كتاب الزكاة: ۳۵۳/۲،رشيدية)

ولم (يشترط) العقل والبلوغ لما مر أن تمليك الصبى العاقل صحيح وفسره فى (فتح القدير) بالذى لا يرمى به ولا يخدع عنه فإن لم يكن عاقلاً فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله قريباً أو أجنبياً أو ملتقطه صح والدفع إلى المعتوه يجزء واحترز بقوله بشرط (قطع المنفعة عن المملك من كل وجه) عن الدفع لأصله وإن علا وفرعه وإن سفل ومكاتبه وأحد الزوجين لآخر لما سيأتى مفصلاً فى/ المصرف وأما الدفع إلى نحو الأخ فتجوز بشرط أن لا تجب نفقته عليه فيحتسبها من النفقة لأن الواجب لا يجزء عن واجب آخر كما فى (الولوالجية)، (لله تعالى) متعلق بتمليك بين به اشتراط النية لما أنها عبادة وكل عبادة لا بد لها من النية ينتج المطلوب. (النهرالفائق شرح الكنز، كتاب الزكاة: ۴۱۲/۱،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

(۶)　جس چچا کے پاس لڑکا رہتا ہے، اس کو دینا بھی درست اور خود بھی لڑکے کی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے اور کچھ روپیہ بچ گیا تو اس کو امانت رکھنا بھی درست ہے۔

(۷)　اگر آمدنی جائیداد کی اتنی نہیں ہے کہ قرض ادا کر کے ایک نصاب موافق بچ جائے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۶؍رمضان ۱۳۵۳ھ۔ صحیح: عبد اللطیف عفا اللہ عنہ، ۱۱؍رمضان ۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۳۶/۹-۵۳۷)

نابالغ بچہ پر زکوٰۃ صرف کرنا:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی نابالغ بچے کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ جب کہ وہ خود اس رقم کو تصرف میں لائے، آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؟

باسمه سبحانه وتعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر بچہ سمجھدار اور تمیز والا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۳۷/۹-۵۳۳ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ ۳۶۸/۷)

ولو قبض الصغير وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱۹۰/۱)

ويصرف إلىٰ مراهق يعقل القبض. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲۹۱/۳، زكريا ديوبند)

سئل عبد الكريم عمن دفع زكاة ماله إلىٰ صبي؟ قال: إن كان مراهقاً يعقل الأخذ يجوز، وإلا فلا، وفي الخانية: وكذا لو كان الصبي يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه. (الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۱۱/۳، رقم: ۴۱۵۰، زكريا ديوبند)

ودفع الزكاة إلى صبيان أقاربه برسم عيد جاز. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف ۳۰۷/۳، زكريا)

ويصرف إلىٰ مراهق يعقل الأخذ. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۴۴/۲، كراتشي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ۔ (کتاب النوازل: ۴۸/۷-۴۹)

نابالغ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یا نہیں:

سوال:　نابالغ کو زکوٰۃ دی جاتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱)　ومديون لا يملك نصابا فاضلاً عن دينه ... الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير". (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳۴۳/۲، سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نابالغ محتاج کوزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ اداہوجاتی ہے۔(۱) فقط

(اگروہ قبضہ کرنے کوجانتا ہوکہ لے کر پھینک نہ دے، ورنہ اس کے ولی کے سپرد کرنی چاہیے۔ظفیر)(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۴۶/۶)

یتیم بچوں کی کفالت میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اوران کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے،اس کے تین بچے ہیں،جن کی عمریں بالترتیب درج ذیل ہیں:لڑکے کی عمر ۸/سال،دوسرے لڑکے کی مر۵/سال،جب کہ لڑکی کی عمر ۶ /سال ہے،عدت کی مدت گذرنے کے بعدعورت نے اپنا زیور۲۴/ ہزارروپۓ میں فروخت کیا،اوروہ رقم ایک کاروبار میں لگائی،جس سکے۵۰۰/روپۓ ماہانہ منافع ملتاہے،جب کہ ان ۵۰۰/روپیوں میں گزارا ممکن نہیں،اگروہ عورت اپنی گذربسر کرنے کے لیے کاروبار میں سے اپنے پیسے واپس لے کرخرچ کردے تو پھرآئندہ کیا کرے؟ آپ سے غرض یہ ہے کہ اتنا بتادیں کہ ان کوزکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے،یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگروہ بچے مالک نصاب نہیں ہیں توان پرزکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا شرعاً جائز ہے۔

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قالوا:فمن المسكين يارسول اللّٰه؟ قال:الذی لايجد غنی يغنيه ولايفطن له فيتصدق عليه (رواه الشيخان ،تفسير ابن كثير،ص:٦١٦،دار السلام رياض)

يصرف العشر والخراج إلٰى ما نص اللّٰه فی كتابه وهوقوله تعالٰی:والفقير الذی لايسال؛لأن عنده ما يكفيه للحال،والمسكين الذی يسأل؛لأنه لايجد شيئاً .(الفتاویٰ السراجية،ص:٥٣،دارالعلوم زكريا أفريقيا)

فی الدرالمختار:ولا إلٰی طفله بخلاف ولده الكبير،وطفل الغنية فيجوزلانتقاء المانع،وفی الشامية:بخلاف الكبيرفإنه لايعد غنياً بغنيی أبيه،ولاالطفل بغنی إمه (رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:٣٥٠/٢،زكريا،٢٩٨/٣-٢٩٩،كراتشی)

وفی معراج الدرية:قوله:ويجوزدفعها إلٰی من يملک أقل من ذلک،ولكنه لايطيب لآخذ وهوغيرصحيح؛لأن المصرح به فی غاية البيان وغيرها أنه يجوزأخذها لمن ملک أقل من النصاب كما يجوزدفعها.(البحرالرائق،كتاب الزكاة،باب المصرف:٢٤٥/٢،كراتشی،كذافيی الفتاویٰ الهندية:١٨٩/١)

---

(۱) دفع الزكاة إلٰی صبيان أقاربه برسم عيد،الخ، جاز.(الدرالمختار)

(قوله:إلٰی صبيان أقاربه)أی العقلاء وإلا فلايصح إلا بالدفع إلٰی ولی الصغير.(رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:٩٥/٢)معلوم ہوا کہ نابالغ اس عمر میں ہوکہ وہ پیسے کوجانتا ہو،ضائع نہ کرے،ظفیر)

المصرف وهو من له أدنى شيء دون النصاب،فيجوز الدفع له ولو كان صحيحاً مكتباً. (مجمع الأنهر: ۲۲۰/۱،دار إحياء التراث بيروت،الدرمختار على الشامي: ۲۸۳/۳،زكريا)**فقط والله تعالىٰ أعلم**

كتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۱/۳/۲۰ھ۔(کتاب النوازل:۷/۶۵-۵۸)

اپنے بالغ لڑکے کو قیمت چرم قربانی دینا درست نہیں:

سوال: زید غنی ہے اور قربانی کرتا ہے، اس کے ایک لڑکا بالغ غریب ہے، زید اپنے لڑکے مذکورہ کو قربانی کا چمڑا، یا اس کی قیمت دے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

چمڑے کا دے دینا جائز ہے اور قیمت چرم قربانی کا دینا درست نہیں، مثل زکوٰۃ کے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۵۰)

☆ ☆ ☆

(۱) **ولا إلى من بينهما ولاد.** (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف: ۸۶/۲،ظفير

نوٹ: اگر چرم قربانی کا تبادلہ ایسی چیز سے کیا جائے، جو استعمال کرنے سے ختم ہو جاتی ہے تو ایسی چیز سے چرم کا تبادلہ کر کے وہ چیز استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں، جیسے رقم کے عوض چرم دینا، ظاہر ہے کہ رقم اسی وقت استعمال کی جا سکتی ہے، جب وہ کسی کو دے کر اس کے عوض مطلوبہ چیز حاصل کی جائے، لہٰذا رقم کے عوض چرم کا تبادلہ (فروخت) کر کے رقم استعمال کرنا از روئے شرع درست نہیں۔ چرم کا تبادلہ رقم کے عوض کیا جائے تو اس کی رقم تنگ دستوں اور ضرورت مندوں کو دینا ضروری ہے، یعنی مستحق حضرات کو اس کا مالک بنانا۔

چرم قربانی کو اپنی اصلی حالت پر باقی رکھتے ہوئے استعمال کیا جائے تو شریعت مطہرہ میں اس کی اجازت ہے، جیسے اس سے مشکیزہ، جائے نماز، کوٹ، ٹوپی، یا دستر خوان وغیرہ بنا لے تو کوئی مضائقہ نہیں، اسی طرح چرم قربانی کے بدلہ دیگر کوئی ایسی چیز لینا درست ہے، جو استعمال کرنے پر بھی جوں کی توں باقی رہتی ہو، جیسے کتاب وغیرہ۔ چرم قربانی کسی کام کے عوض نہیں دی جا سکتی۔

(ويتصدق بجلدها أويعمل منه غربال وجراب) وقربة وسفرة ودلو(اويبدله بما ينتفع به باقيا) كمامر (لابمستهلك) كدراهم (فان بيع اللحم اوالجلدبه) اى بمستهلك(اوبدراهم تصدق بثمنه... ولايعطى اجر الجزار منها) لانه كبيع. (ردالمحتار: ۲۳۱/۵، كتاب الأضحية)

بالعموم چرم قربانی کو فروخت کیا جاتا ہے اور فروخت کرنے کی صورت میں اس کی رقم واجب التصدق ہو جاتی ہے؛ اس لیے وہ مستحق افراد کو دینا ضروری ہے اور چوں کہ اپنے لڑکے کو صدقہ واجبہ اور زکوٰۃ نہیں دیا جا سکتا ہے؛ اس لیے چمڑا اصلی حالت میں دیا جا سکتا ہے، رقم نہیں۔ انیس

سادات کوز کوٰۃ دینا

سادات کوز کوۃ دینا:

سوال: سیدوں کوز کوۃ،عشر،صدقات واجبہ مثل فطرہ،نذرو نیاز دینی جائز ہے،یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جائز نہیں۔

"(ولا إلٰى بنى هاشم) ... (وجازت التطوعات من الصدقات،إلخ) قيدبهاليخرج بقية الواجبات كالنذر والعشروالكفارات". (۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۵۵۱/۹)

سید کوز کوٰۃ دینا:

سوال: سید کوز کوٰۃ دینی ناجائز ہے، جب کہ آج کل ہندوستان بھر میں کہیں بھی بیت المال کا سلسلہ نہیں تو ان کی امداد کیسے ہوسکتی ہے؟ وہ بیچارے کہاں جاویں؟ کیا وہ اس صورت میں زکوٰۃ کے مستحق ہوسکتے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اغنیا کو ان کی خدمت تبرعات سے کرنا چاہیے، زکوٰۃ تو میل کچیل ہے، سادات کی شان اس سے ارفع ہے کہ ان کو میل کچیل کھلایا جائے۔

"ولا تدفع إلٰى بنى هاشم لقوله عليه السلام:"يا بنى هاشم! إن الله قد حرم عليكم غسالة الناس وأوساخهم،آه". (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

صحیح: عبد اللطیف، الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳۵۶/۱۰/۱۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۵۲/۹-۵۵۳)

---

(۱) الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف: ۳۵۱/۲،سعيد
ولا يدفع إلٰى بنى هاشم،وهم آل على،وآل عباس وآل جعفر،وآل عقيل،وآل الحارث بن عبد المطلب ... هٰذا فى الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأما التطوع،فيجوزالصرف إليهم"(الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فى المصارف: ۱۸۹/۱،رشيدية)

(۲) الهداية: ۲۰۶/۱، باب من يجوزدفع الصدقة إليه ولايجوز،شركت علمية

==

سیدکوزکوٰۃ دینا:

سوال(۱)اس زمانہ میں سیدکوزکوٰۃ دیناجائزہے،یاناجائز؟

(۲) کیاحضرت امام ابوجعفروامام فخرالدین رازی نے اپنے زمانوں میں سیدوں کوزکوٰۃ دینی جائزکردی تھی، یانہیں؟شرح ترمذی میں کہیں لکھاہے،یانہیں؟

(۳) کیاحضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سےبھی کوئی روایت شامی وفتح القدیرمیں سیدوں کوزکوٰۃ دینے کے جوازمیں ہے،یانہیں؟

(۴) ''**من لم یکن عالماً بعرف زمانه فهو جاهل**'' یہ کوئی فقہ حنفیہ میں بنیادی،یااصولی مسئلہ ہے، زمانۂ حال کے بموجب ضروریات کومدنظررکھتے ہوئے مجتہد،یامفتی بعض احکام میں ردوبدل کرسکتے ہیں،یانہیں؟اس سےقبل مجتہدوں ومفتیوں نے کچھ احکام میں ردوبدل کیاہے؟

(۵) اگرکسی شخص نے بعض مفتی علماکے کہنے پرسیدوں کوزکوٰۃ دےدی اورکچھ عرصہ کے بعدمعلوم ہواکہ سیدوں کو زکوٰۃ دینی جائزنہیں تووہ دی ہوئی زکوٰۃ کودوبارہ دے،یانہ دے؟اگرنہ دےتوگناہ ہوگا،یانہیں؟اورایسےعلماجیسےمولاناانور شاہ صاحب،حضرت مولاناشفیع الدین صاحب مہاجرمکی خلیفۂ حضرت حاجی امداداللہ صاحب ودیگرعلما،مولانامفتی عتیق الرحمٰن صاحب دیوبندی ندوۃ المصنفین،مولوی محمدمعصوم صاحب،مولوی عبدالغفورصاحب مدنی جیسےحضرات نےسیدوں کوزکوٰۃ دینی جائزفرمائی تواس کودی ہوئی زکوٰۃ کولوٹاناواجب ہے،یانہیں؟اگرنہ لوٹائےتوبتایئےگناہ گارہوگا،یانہیں؟

(۶) بہشتی زیور(۱)میں یہ مسئلہ ہے کہ''ایک شخص کومستحق سمجھ کرزکوٰۃ دےدی تھی،پھرمعلوم ہواکہ وہ مالدار ہے،یاسیدہے،یااندھیری رات میں کسی کودےدی،پھرمعلوم ہواکہ وہ تومیری ماں،یامیری لڑکی تھی،یااورکوئی رشتہ دارتھا،جس کوزکوٰۃ دیدی جس کودینادرست نہ تھا،ان سب صورتوں میں زکوٰۃ اداہوگئی،دوبارہ اداکرناواجب نہیں،اگر دینے کے بعدمعلوم ہواکہ جس کودیاہے،وہ کافرہےتوزکوٰۃ دوبارہ اداکرے۔(۲) (المستفتی:حافظ محمدسعید،دہلی)

== **قال فی البحر:''أطلق الحکم فی بنی هاشم،ولم یقید بزمان ولابشخص للإشارة إلی الرد علٰی روایة أبی عصمة عن الإمام أنه یجوزإلٰی بنی هاشم فی زمانه،وللإشارة إلی الرد علٰی روایة أنه یجوز للهاشمی أن یدفع زکاته إلٰی مثله؛لأن ظاهرالروایة المنع مطالقا،آه''.(البحرالرائق:۴۳۱/۲،باب المصرف،رشیدیة)**

(۱) بہشتی زیور،حصہ دوم،ص:۳۴۹،کتاب الزکوۃ،جن لوگوں کوزکوٰۃ دیناجائزہےان کابیان،المکتبۃ المدینۃ،لاہور

(۲) **دفع بتحر لمن یظنه مصرفافبان أنه عبده أو مکاتبه أوحربی ولومستأمنا أعادها.(الدرالمختار،کتاب الزکوة، باب المصرف:۳۵۲/۲،سعید)**

''والحق المنع فقد قال فی غایة البیان مغریاً إلی التحفة:''وأجمعوا أنه إذا أظهرأنه حربی ولو مستأمنا لا یجوز''.(البحرالرائق:۴۳۲/۲،کتاب الزکاة،باب المصرف ، رشیدیة)/(الهدایة: ۲۰۷/۱،کتاب الزکوة، باب من یجوز دفع الصدقات إلیه ومن لایجوز ، شرکة علمیة،ملتان)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) سید کو زکوہ دینا درست نہیں۔

"أی لایجوز دفعها إلیٰ بنی ها شم لقوله علیه السلام:"إن هٰذه الصدقات إنماأوساخ الناس، و إنها لاتحل،لمحمد ولا لاٰل محمد". {رواه مسلم} وقال علیه الصلاة والسلام:"نحن أهل بیت، لا تهل لنا الصدقة". {رواه البخاری}آه". (۱)

(۲) جی ہاں"عقدالجید" سے نقل کیا ہے؛(۲)لیکن ابوجعفرؒ نے"شرح معانی الاثار" میں تین ورق کے قریب بنی ہاشم کے لیے زکوٰۃ کے ناجائز ہونے پر تحریر فرمائے ہیں،(۳)اوراسی شرح ترمذی میں ہے۔(ص:۲۹۲،باب کراهة الصدقة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم وأهل بیته وموالیه،المسئلة متفق علیها)(۴)اورامام رازیؒ شافعی المذہب ہیں۔(۵)

(۳) فتح القدیر (۶)اورشامی (۷)وغیرہ میں ابوعصمہ کی روایت امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ سے جواز کی نقل کی ہے، جوکہ ظاہرالروایہ کے خلاف ہے۔(۸)

(۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جن احکام کا مدار عرف پر ہوتا ہے، وہ عرف کے بدلنے سے بدلتے رہتے ہیں، لہٰذا مفتی کوعرف کا پہچاننا ضروری ہے؛ تاکہ اس کے موافق خود عمل کرے اور دوسروں کو بتلائے، اگر عرف کو نہیں پہچانے گا تو غلطی کا احتمال زیادہ ہے، اس کی نظیریں زمانۂ گذشتہ اور موجودہ میں بکثرت موجود ہیں۔(۹)

---

(۱) تبیین الحقائق: ۱۲۶/۲، باب المصرف، دارالکتب العلمیة، بیروت

(۲) باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته و موالیه المسئلة متفق علیها،الخ، وأما النافلة ففیها اختلاف،قال الزیلعی شارح الکنز: إنها لایجوزللهاشمی،وتبعه ابن الهمام، وأماغیره فیجوز هاله ...آه".

"وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیة وفخر الدین الرازی من الشافعیة بجوازالزکاة لهاشمی فی هٰذه الصورة، وأما النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فلا تجوز له النافلة أیضاً".(العرف الشذی علیٰ هامش الترمذی،باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ۱۴۳/۱،سعید)

(۳،۴) شرح معانی الآثار،کتاب الزکاة، باب الصدقة علیٰ بنی هاشم: ۳۴۷/۱ ـ ۳۵۳،سعید

(۵) باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم وأهل بیته وموالیه المسئلة متفق علیها،إلخ وأما النافلة ففیها اختلاف، قال الزیلعی شارح الکنز: إنها لایجوز للهاشمی، و تبعه ابن الهمام،وأماغیره فیجوزها له،آه".

"وفی عقد الجید: أفتی الطحاوی من الحنفیة وفخر الدین الرازی من الشافعیة یجوز الزکاة لهاشمی فی هٰذه الصورة،وأما النبی صلی اللّٰه علیه وسلم، فلا تجوز له النافلة أیضاً".(العرف الشذی علیٰ هامش الترمذی،باب کراهیة الصدقة للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ۱۴۳/۱،سعید)

(۶) فتح القدیر: ۲۷۲/۲،باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز،مصطفی البابی الحلبی مصر

(۷) ردالمحتار،کتاب الزکاة،باب المصرف: ۳۵۰/۲، سعید

(۸) ولا یدفع إلیٰ بنی هاشم "هٰذا ظاهرالراویة وروی أبوعصمة عن أبی حنیفة أنه یجوز فی هٰذا الزمان".(فتح القدیر: ۲۷۲/۲، کتاب الزکاة، باب من یجوز دفع الصدقة إلیه ومن لا یجوز،مصطفیٰ البابی الحلبی،مصر)

(۹) "واعلم ان اعتبار العادة والعرف رجع إلیه فی مسائل کثیرة حتیٰ جعلوا ذلک أصلاً،فقالوا فی الأصول، ==

(۵-۶) میں نے ان علماء کی کوئی تحریر اس مسئلہ میں ایسی نہیں دیکھی، جس سے معلوم ہوتا ہو کہ سید کو زکوٰۃ دینی جائز ہے؛ بلکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کی عبارت جواب نمبر:۲ میں منقول ہے؛ تاہم اگر کسی ناواقف نے ان حضرات سے فتویٰ لے کر سید کو زکوٰۃ دی ہے اور اس کا یہی اعتقاد ہے کہ ان حضرات نے صحیح بتایا ہے تو اس کے ذمہ اس زکوٰۃ کا اعادہ ضروری نہیں۔ رہا ان حضرات اپنے علم کے مطابق جو کچھ فتویٰ دیتے ہیں، اپنی ذمہ داری پر دیتے ہیں۔

نمبر (۵) کا حکم مستقلا معلوم ہو گیا، اس مسئلہ کو نمبر:۶ والے مسئلہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں؛ اس لیے نمبر (۶) اور نمبر (۵) میں علم واعتقاد ہی غلط ہے اور عمل جو کچھ کیا ہے، اعتقاد کے مطابق کیا ہے اور اعتقادی غلطی، نیز ایسی غلطی جو کہ اعتقادی غلطی پر مرتب ہو، شرعا معاف نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۰/۹ھ۔ الجواب صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۱/۱۰/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ:۵۵۳/۹-۵۵۶)

سید کی زکوٰۃ سید کو دینا:

سوال: کیا سید مالدار اپنے غریب مسکین رشتہ داروں کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر سید طالب علم سفر میں ہو تو زکوٰۃ کے مال سے کچھ کھا پی سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ناجائز ہے، یہی صحیح اور صواب ہے۔

"ولا إلٰى بني هاشم ظاهر المذهب إطلاق المنع، وقول العيني: والهاشمي يجوز دفع زكاته لمثله، صوابه: لايجوز، نهر، آه". (۱) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۵۵۶/۹-۵۵۷)

زکوٰۃ سے سید کا قرض ادا کرنا:

سوال: زید جو نسباً سید ہے اور عمر کا مقروض ہے، بکر صاحب نصاب ہے، وہ اگر زکوٰۃ کے روپیہ سے زید کا قرض

== في باب ما تترك به الحقيقة: تترك الحقيقة بدلالة الاستعمال والعادة، هكذا ذكر فخر الإسلام". (رسائل ابن عابدين: ١١٤/٢، سهيل اكادمي لاهور)

نوٹ: بعینہ یہی سوال سوال کفایۃ المفتی میں موجود ہے، مزید برآں جواز کے فتویٰ دینے والے علماء کرام کے فتاویٰ بھی موجود ہیں، تفصیل کے لیے دیکھئے: (کفایت المفتی :۲۷۱/۴، مصارف زکوٰۃ، دار الاشاعت)

(۱) الدر المختار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٣٥٠/٢، سعيد

"وإطلاقه يفيد أنه لافرق بين دفع غير هم لهم ودفعهم بعضهم بعضاً، وجوز الثاني دفع بعضهم لبعض، وهو رواية عن الإمام، وقول العيني: والهاشمي يجوز له أن يدفع زكاته إلٰى هاشمي مثله عند أبي حنيفة خلافاً لأبي يوسف، صوابه: لايجوز. (النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٤٦٦/١، إمدادية)

ادا کر دے اس طرح سے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عمر کو دے دے تو کیا یہ جائز ہے؟ اور بکر کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس طرح قرض تو ادا ہو جائے گا؛ مگر زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔(۱) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۷/۹)

سادات اور انگریزی پڑھنے والے طلبہ کو زکوٰۃ دینا:

سوال: کیا اس زمانہ میں سادات کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ انگریزی تعلیم پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ابوعصمہ کی روایت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے یہ ہے کہ ''بیت المال سے حصہ (خمس الخمس) نہ ملنے کی وجہ بنو ہاشم کے لیے زکوٰۃ درست ہے۔(۲) امام طحاوی نے بھی اس کو اختیار کیا ہے۔(کذا فی مراقی الفلاح) (۳) لیکن ظاہر روایت یہ ہے کہ درست نہیں،(۴) اگر مستحق کو تملیک کر دیجائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگر چہ وہ انگریزی پڑھتا ہو؛ لیکن دیندار کو دینا افضل ہے۔(۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۵۵۹/۹)

---

(۱) وجازت التطوعات من الصدقات والأوقاف لهم أى لبنى هاشم،سواء سماهم الواقف أولا علىٰ ما هو الحق كما حقيقة فى الفتح؛ لٰكن فى السراج وغيره إن سماهم جاز،وإلا لا. (الدرالمختار مع ردالمحتار، باب المصرف: ۳۵۱/۲،سعيد)

”ولايدفع إلى بنى هاشم وهم: آل على وآل عباس، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبدالمطلب هٰذا فى الواجبات كالزكاه والنذر والعشر والكفارات، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم“.(الفتاوىٰ الهندية: ۱۸۹/۱، الباب السابع فى المصارف ، رشيدية)

(۲) وروى أبوعصمة عن الإمام أنه يجوز الدفع إلىٰ بنى هاشم فى زمانه؛لأن عوضها وهو خمس الخمس لم يصل إليهم.(ردالمحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف: ۳۵۰/۲،سعيد)

(۳) واختار الطحطاوى دفعها لبنى هاشم،وكذا روى أبوعصمة عن الإمام:يجوز،الخ.(حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح،ص: ۲۷۱، باب المصرف،قديمى)

(۴) ولا يدفع إلىٰ بنى هاشم“ هٰذا ظاهر الرواية.(فتح القدير: ۲۷۲/۲،كتاب الزكاة،باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز،مصطفى البابى الحلبى،مصر)

(۵) وكره نقلها إلا إلىٰ قرابة أوأحوج أوأصلح أوأورع أو أنفع للمسلمين ... أو إلىٰ طالب علم.وفى المعراج: التصدق على العالم الفقير أفضل، الخ.(الدرالمختار،كتاب الصلاة،باب المصرف: ۳۳۹/۲_۳۴۶،سعيد)

سادات کو بینک کا سود اور زکوٰۃ دینا:

سوال: پچھلے دنوں شری وردھن سے ایک استفتا بھیجا گیا تھا، اس سلسلہ میں چند باتیں دریافت طلب ہیں:
سوال یہ تھا کہ بینک جو سود دیتا ہے، وہ لیا جائے، یا نہیں؟ لینے کی صورت میں کیا کیا جائے؟ ضائع کیا جائے، یا غربا کو دیا جائے، سادات کو دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ یا اسکول کی تعمیر، یا اسکول کے لیے پیشاب خانہ، بیت الخلا، یا عام لوگوں کے لیے پیشاب خانہ، بیت الخلا بنایا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

جواب کا ماحصل یہ ہے کہ بینک سے ملنے والا سود لیا جائے، غربا کو دیا جائے، غربا میں سادات اور دینی مدارس کے طلبہ کو دینا بالکل درست ہے؛ لیکن اسکول کی تعمیر، اسکول کے لیے پیشاب خانے، بیت الخلا بنانا بالکل درست نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ بنک جو سود دیتا ہے، کیا وہ اس سود کی تعریف میں نہیں آتا، جو قرآن میں مذکور ہے؛ یعنی بینک کا سود سود ہے، یا نہیں؟ جب کہ اس کی حرمت کے فتوے دیئے جاتے تھے، اگر بینک کا سود حرام ہے؛ بلکہ اشد فی الحرمۃ ہے تو سادات اور علوم دینیہ کے طلبا کے لیے بالکل درست اور اسکول اور اس کی ضرورت کے لیے ناجائز کیوں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سود کی حرمت منصوص بنص قطعی ہے، بینک کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا؛ اس لیے وہ حرام ہے، بینک سے اگر سود وصول نہ کیا جائے تو وہ خلاف اسلام مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا ضرر ظاہر ہے، اس ضرر سے تحفظ کے لیے وہاں سے وصول کرلیا جائے، پھر خود استعمال نہ کیا جائے؛ کیوں کہ حرام ہے، حرام مال واجب التصدق ہوتا ہے، جو شخص ایسے واجب التصدق مال کا مستحق ہو، اس کو دے دیا جائے، جو غربا طلبا وغیرہ ایسے ہوں کہ ان کے گزارے کی کوئی صورت نہ ہو، وہ اس کے مستحق ہیں۔ (۱)

سادات کا اکرام واحترام لازم ہے؛ اس لیے ان کو زکوٰۃ وصدقات واجبہ دینے سے احتراز کا حکم ہے؛ کیوں کہ ایسا مال اوساخ الناس کہلاتا ہے؛ لیکن جو سادات اس قدر حاجت مند ہوں کہ گزارے کے لیے بھیک مانگنے پر مجبور ہوجائیں، ان کے احترام پر زد پڑتی ہے، اس سے زیادہ تر بھیک مانگنے میں ہے، یہ سب کی نگاہوں میں بڑی ذلت ہے، اس بڑی ذلت سے بچانے کے اگر ان کو زکوٰۃ دے دی جائے تو یہ اہون ہے، اگر چہ یہ قول ظاہر الروایت نہیں ہے اور عامۃ اس کو فتوے کے لیے اختیار نہیں کیا جاتا؛ لیکن سخت مجبوری اور محتاجگی کی حالت میں اس پر عمل کرنے کی دیگر اکابر کے کلام میں گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

---

(۱) لومات الرجل وكسبه من بيع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولٰى، ويردونها علٰى أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد علٰى صاحبه". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٣٨٥/٦، سعيد)

حضرت مولانا انورشاہ صاحبؒ کے کلام کا خلاصہ "فیض الباری" (۱) اور "العرف الشذی" (۲) میں منقول ہے: تاہم جہاں تک ہوسکے سادات کرام کو اس سے بچانا اعلیٰ وافضل ہے اوران کے احترام کا تقاضا ہے، اسکول کی تعمیراور پیشاب پاخانے وغیرہ مستحق نہیں ہوتے، جوکہ تصدق کا حاصل ہے؛ اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔ مستحق کو مالک بنا کردے دیا جائے، پھروہ جودل چاہے، جہاں چاہے، خرچ کرے۔ سابقہ فتویٰ نمبر: ۵۰۵۴، مورخہ ۱۳۹۲/۱۱/۲۵ھ میں اختصار کی وجہ سے تفصیل نہیں آسکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۵۵۹-۵۶۱)

سیدکوزکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادانہیں ہوگی:

سوال: سیدکوزکوٰۃ دینے کی سورت میں زکوٰۃ اداہوجائے گی، یانہیں؟ اور دینے والا گناہ گارتو نہ ہوگا؟

الجواب

دینے والا گناہ گارتو نہ ہوگا؛ مگراس کی زکوٰۃ ادانہ ہوگی دوبارہ اداکرنی ہوگی۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کا غفرلہ (کفایت المفتی: ۴/۲۷۱)

سیدکوزکوٰۃ دیناجائزنہیں:

سوال (۱) سیدکو بحالت عسروفقر زکوٰۃ کا روپیہ بلاحیلہ شرعی کے دینادرست ہے، یانہیں؟

تملیک کرکے زکوٰۃ کومدرسے کے دوسرے کاموں میں خرچ کرسکتے ہیں:

(۲) ایک شخص ایک مدرسہ میں زکوٰۃ کا روپیہ بھیجتا ہے، اب وہاں کوئی طالب علم ایسانہیں ہے، جس کوزکوٰۃ دی جائے تو یہ روپیہ کسی دوسرے مدرسہ کو، یاایسے اشخاص کو جوضرورت مندہوں باجازت زکوٰۃ دہندہ، یابلااجازت دینا درست ہے، یانہیں؟

---

(۱) قلت: وأخذ الزكاة عندي أسهل من السوال، فأفتىٰ به أيضاً. (فيض الباري: ۵۲/۳، باب ما يذكر في الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وآله، خضرراه بک ڈپو، ديوبند)

(۲) العرف الشذي علىٰ هامش جامع الترمذي: ۱۴۳/۱، باب كراهية الصدقة للنبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وأهل بيته ومواليه، سعيد)

(۳) ولا تدفع إلىٰ بني هاشم. (الهداية، كتاب الزكاة، باب من يجوز دفع الصدقات إليه ومن لا يجوز: ۲۰۶/۱، شركة علمية، ملتان)

"ولايدفع إلى بني هاشم وهم: آل علي وآل عباس، وآل جعفر، وآل الحارث بن عبدالمطلب هٰذا في الواجبات كالزكاة والنذر والعشر والكفارات، فأما التطوع، فيجوز الصرف إليهم". (الفتاوىٰ الهندية: ۱۸۹/۱، الباب السابع في المصارف، رشيدية)

امین، یا وکیل زکوٰۃ کو اپنی خرچ میں لائے تو ادائیگی کی صورت:

(۳) اگر کوئی شخص وکیل، یا امین زکوٰۃ کے روپے کو اپنے صرف میں لے آیا ہو تو اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہے؟
(المستفتی: سید ظفریاب حسن نگینہ، ضلع بجنور، ۳۰ر محرم ۱۳۶۴ھ)

الجواب

(۱) سید کو زکوٰۃ وعشر کا روپیہ، یا غلہ دینا درست نہیں۔(۱) ہاں حیلہ کر کے دیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سید غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ فلاں سید کو دینا تھا؛ مگر وہ سید ہے، اس کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں، لہٰذا تم کو دیتے ہیں، اگر تم یہ کل، یا بعض اس کو بھی اپنی طرف سے دے دو تو بہتر ہے اور وہ لے کر دے دے تو سید کے لیے جائز ہے۔(۲)

(۲) زکوٰۃ کی تملیک کر کے مدرسہ کے کسی دوسرے کام میں خرچ کر سکتے ہیں۔(۳)

(۳) جس قدر زکوٰۃ کی رقم اپنے خرچ میں لے آیا ہے، اس کا ضامن ہے، اتنی رقم بطور ضمان کے ادا کر دے تو زکوٰۃ کی ادائیگی ہو جائے گی۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۸۹/۴)

موجودہ زمانہ میں سید کو زکوٰۃ دی جائے، یا نہیں:

سوال: اس زمانہ میں جب کہ خمس کا نام بھی لوگ بھول گئے، غریب اولاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ عند امام بوحنیفہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ کا مذہب صحیح یہ ہے کہ اس زمانہ میں بھی جب کہ خمس الخمس بھی بنی ہاشم کو نہیں دیا جاتا، زکوٰۃ دینا ان کو یعنی سادات بنی ہاشم کو درست نہیں، جیسا کہ درمختار میں ہے:

ولا إلٰی بنی هاشم إلٰی أن قال ثم ظاهر المذاهب إطلاق المنع. (الدرالمختار) **يعنی سواه فی ذلک كل الأزمان وسواء فی ذلک دفع بعضهم لبعض ودفع غيرهم لهم،الخ.** (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۷/۶)

---

(۱) ولایدفع إلٰی بنی هاشم،وهم آل علی،وآل عباس،وآل جعفر،وآل عقيل،وآل الحارث بن عبد المطلب كذا فی الهندية .(الفتاویٰ الهندية،كتاب الزكاة،باب المصارف: ۱۸۹/۱،ط: كوئتة)

(۲،۳) وحيلة التكفين بهاالتصدق علٰی فقير،ثم هويكفن،فيكون الثواب بهما،وكذا فی تعمير المسجد.(الدر المختار، كتاب الزكاة،باب المصرف: ۲۷۱/۱،ط: كوئتة

(۴) ولوخلط زكة مؤكليه،ضمن،وكان متبرعاً،إلا إذا وكله الفقراء.(وفی الشامية:) لكن قد يقال،تجزی عن الآمر مطلقًالبقاء الإذن بالدفع .(ردالمحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:۲۶۹/۲،ط:سعيد)

(۵) ردالمحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف: ۹۰/۲-۹۱

زکوۃ سادات کے لیے کب درست ہے:

سوال: عام طور سے مشہور ہے کہ زکوۃ وصدقہ کا مال آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حرام ہے، حال میں ایک صاحب نے یہ فرمایا کہ ایسا مال آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعض حالات میں مباح بھی ہے اور اندریں باب علما نے فتوی دے دیا ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کن حالات میں مال زکوۃ وصدقہ سادات بنی فاطمہ کے لیے حرام ہے اور اگر مباح ہے تو کن حالات میں؟

الجواب

مفتیٰ بہ مذہب یہی ہے کہ سادات کو اس زمانہ میں بھی زکوۃ اور صدقات واجبہ مثل قیمت چرم قربانی وصدقۂ فطر وغیرہ دینا حرام ہے اور زکوۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أن ھٰذہ الصدقات إنما ھی أوساخ الناس وأنھا لا تحل لمحمد ولا لاٰل محمد. (رواہ مسلم)(۱)

اور درمختار میں ہے:

ولا إلٰی بنی ھاشم، إلخ، ثم ظاھر المذھب إطلاق المنع، الخ. (وھٰکذا فی الشامی)(۲)

پس یہ قول صحیح نہیں ہے، جو کہ کسی نے کہا کہ بعض حالات میں مباح ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۲۳۹-۲۴۰)

سید کا قرضہ زکوۃ سے ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں:

سوال (۱) ایک سید کے ذمہ ایک مسلمان کا قرض ہے، آیا وہ قرضہ مد زکوۃ سے ادا کر سکتا ہے؟

ہندو مفلس کا قرضہ زکوۃ سے ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں:

(۲) ایک ہندو مفلس کے ذمہ کسی غریب مسلمان کا قرضہ ہے، یہ قرضہ زکوۃ سے ادا ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱،۲) ان دونوں صورتوں میں زکوۃ کے روپے سے قرضہ ادا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۲۴۲)

---

(۱) مشکاۃ المصابیح، باب عن لاتحل لہ الصدقۃ، الفصل الأول، ص: ۱۶۱، ظفیر

(۲) الدر المختار علٰی ھامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲/ ۹۰-۹۱، ظفیر

(۳) ولا إلٰی بنی ھاشم، الخ ثم ظاھر المذھب إطلاق المنع. (الدر المختار)

سواء فی ذلک کل الأزمان وسواء فی ذلک دفع بعضھم لبعض ودفع غیرھم لھم. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲/ ۹۰-۹۱)

ولا تدفع الٰی ذمی لحدیث معاذ. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲/ ۹۲، ظفیر)

بنو ہاشم کوزکوٰۃ دینا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: کفایہ وغیرہ میں اس زمانہ میں بنی ہاشم کوزکوٰۃ دینا جائز لکھا ہے۔ یہ قول آپ کے نزدیک کیسا ہے؟

الجواب

احقر فتوی منع پر ہی دیتا ہے، اگر ضرورت ہوتو تملیک کر کے بنی ہاشم کو دے دی جاوے۔

کما قال صاحب الدر المختار :ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع،الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۵۱)

سیدکوزکوٰۃ لینا درست نہیں اور نہ صاحب نصاب کو:

سوال (۱) زید کا چچا قوم کا سید ہے، غریب آدمی ہے دوسوروپے کا قرضدار ہے، سود بڑھتا جاتا ہے، دولڑکیاں نابالغہ ہیں اور زید کی چچی قوم کی پٹھان ہے، سوروپے کا زیور موجود ہے جو کہ پچیس روپے میں گروی ہے، زید اپنے چچا، یا چچی وغیرہ کو مال زکوٰۃ دے سکتا ہے، یا نہیں؟

کسی مستحق زکوٰۃ کوزکوٰۃ کی رقم دے کہ وہ سیدکو دے دے، یہ جائز ہے:

(۲) کسی غریب مستحق کو مال زکوٰۃ اس شرط پر دینا کہ تم زید کے چچا کو دے دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(او۲) سید غریب کوزکوٰۃ دینے کے جواز کی یہ صورت ہے کہ کسی غریب شخص کو جو کہ سید نہ ہو، زکوٰۃ دی جاوے اور اس کو مالک بنادی جاوے، پھر وہ اپنی طرس سے اس سید کو دے دیوے، یہ صورت جواز کی ہے اور درمختار میں یہ حیلہ جواز کا لکھا ہے، (۲) اور چچی پٹھان کے پاس جب کہ زیور سوروپے کا موجود ہے تو اس کوزکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، اگر وہ صاحب نصاب نہ رہے تو اس کوزکوٰۃ دینا درست ہے؛ مگر بحالت موجودہ درست نہیں ہے؛ کیوں کہ پچیس روپے قرض کے وضع کر کے پھر بھی نصاب باقی رہتا ہے۔ (۳) فقط

(نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی، یا اس کی قیمت ہے۔) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۱۴)

---

(۱) الدرالختار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۹۰، ظفیر

(۲) وحیلة التکفین بها التصدق علٰی فقیر ثم هو یکفن فیکون الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد. (الدر المحتار علٰی هامش ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۱۶، ظفیر)

(۳) ولا إلٰی غنی یملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلیة من أی مال کان. (الدر المحتار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲/۸۸، ظفیر)

وَالْحِیلَةُ فِی التَّکْفِینِ بِهَا التَّصَدُّقُ بِهَا عَلَی فَقِیرٍ ثُمَّ هُوَ یُکَفِّنُ، فَیَکُونُ الثَّوَابُ لَهُمَا، وَکَذَا فِی تَعْمِیرِ الْمَسَاجِدِ. (الأشباه والنظائر، السادس فی النکاح، ص: ۲۵۱، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس)

سیدرشتہ داروں کوزکوٰۃ دینازکوٰۃ تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا سال گزرنے سے پہلے دینا:

سوال: اپنے سب عزیز سیدوں کوزکوٰۃ دینی جائز ہے، یانہیں؟ اورصدقہ خیرات دے سکتے ہیں، یانہیں؟ زکوٰۃ اگر کوئی اکٹھی ادا نہ کر سکے، تھوڑی تھوڑی ماہوارادا کی جاسکتی ہے، یانہیں؟ ایک زیوراگرکسی کے پاس دس مہینے رہا، پھراس نے اپنی بہوکوبطور چڑھاوادے دیاتواس کی زکوٰۃ اس پرواجب ہے، یابہوکےوالدین پر؟

(المستفتی: ۲۷۵، والدہ ابن احمد صاحب رہتک، ۲۱؍محرم ۱۳۵۳ھ، مطابق ۶؍مئی ۱۹۳۴ء)

الجواب

سوائے اصول وفروع یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اوراولا داوراولا د کی اولا د کے دوسرے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینی جائز ہے۔ بھائی، بہن، بھانجے، بھتیجے، چچا، خالہ، پھوپھی، ماموں ان سب کوزکوٰۃ دینی جائز ہے۔ والدین کو نہیں دی جاسکتی، سیدکوزکوٰۃ دینی جائز نہیں۔(۱) زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات نافلہ اور خیرات سیدوں کوبھی دے سکتے ہیں، (۲) اوروالدین کوبھی مدرسے میں زکوٰہ کا روپیہ غریب طلبہ کے طعام ولباس وسامان تعلیم میں خرچ کرنے کے لیے دیا جاسکتا ہے زکوٰۃ اکٹھی ادا نہ ہوسکے تو ماہوار بھی دی جاسکتی ہے، (۳) اوراخیر میں حساب کرلیا جائے دس مہینے زیورملک میں رہنے کے بعد بہوکودیدیا تواس کی زکوٰۃ دینے والے کے ذمہ نہیں بہوکے پاس جب سال پورا گزرے گا تواس پرواجب ہوگی۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۸/۴-۲۷۹)

جس کی بیوی سید ہو، اس کے بچوں کوزکوٰۃ دینا:

سوال: کیافرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی بیوی سید ہے، زید سید نہیں ہے، زید کا انتقال ہو چکا ہے، زید کی بیوی اور بچے حیات ہیں جوکہ صاحب نصاب نہیں ہیں اور پریشان حال ہیں تو کیازید کی سید بیوی سے بچے سید کہلاسکتے ہیں؟ اورزید کی سید بیوی سے جو بچے ہیں، ان کوزکوٰۃ، یاصدقہ دے سکتے ہیں؟

(۱)　ولایدفع إلٰی بنی ہاشم، وہم آل علی، وآل عباس، وآل جعفر، وآل عقیل، والحارث بن عبد المطلب کذافی الہدایۃ إلخ. (الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، باب المصارف: ۱۸۹/۱، ط: رشیدیۃ کوئتۃ)

(۲)　فأما التطوع، فیجوزالصرف إلیہم. (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۱۸۹/۲، ط: کوئتۃ)

(۳)　وتجب علی الفورعند تمام الحول حتٰی یأثم بتاخیرہ من غیرعذر. (الفتاویٰ الہندیۃ، الباب السابع فی المصارف: ۱۷۰/۱، ط: کوئتۃ)

(۴)　وشرطہ أی شرط إفتراض أدائہاحولان الحول. (الدرالمختار، باب مصرف الزکاۃ والعشر: ۲۶۷/۲، ط: سعید)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لا زکوۃ فی مال امرئ حتی یحول علیہ الحول. (سنن الدار قطنی، باب وجوب الزکوۃ بالحول: ۷۶/۲، رقم الحدیث: ۱۸۷۰، انیس)

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

شرعاً نسب باپ سے چلتا ہے، لہذا مسئولہ صورت میں جب کہ باپ غیر سید ہے تو اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینی درست ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی حدیث طویل: إن الصدقة لاتبتغی لآل محمد إنما هی أوساخ الناس. (الصحیح للمسلم: ۳٤٤/۱، رقم: ۱۰۸۲) (۱)

قال عبدالمطلب: فانطلقت أنا والفضل حتٰی أتینا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال لنا: إن هٰذه الصدقة إنما هی أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد ولا لآ ل محمد. (سنن النسائی، باب استعمال آل النبی علی الصدقة رقم: ۲٦۰۵)

من کانت أمها علویة مثلاً وأبوهاء عجمی یکون العجمی کفواً لهاوإن کان لها شرف لأن النسب للآباء ولهٰذا جازدفع الزکاة إلیها. (رد المحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءة: ۳۱۰/٤، زکریا، ۸۷/۳، کراتشی)

(**وبنی هاشم وموالیهم**) **أی لا یجوز الدفع لهم لحدیث البخاری نحن أهل بیت لاتحل لنا الصدقة ولحدیث أبی داؤد مولی القوم من أنفسهم وأنا لاتحل لنا الصدقة أطلق فی بنی هاشم.** (البحر الرائق: ۲٤٦/۲، کراتشی) فقط واللّٰہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۹/۱۴۱۷ھ۔ (کتاب النوازل: ۱۱۷/۷)

---

(۱) عَنْ مَالِكٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ بْنِ نَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، حَدَّثَهُ أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ بْنَ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، حَدَّثَهُ قَالَ: اجْتَمَعَ رَبِيعَةُ بْنُ الْحَارِثِ، وَالْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَا: وَاللّٰهِ، لَوْ بَعَثْنَا هَذَيْنِ الْغُلَامَيْنِ قَالَا لِي وَلِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاس إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَلَّمَاهُ، فَأَمَّرَهُمَا عَلَى هَذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَأَدَّيَا مَا يُؤَدِّي النَّاسُ، وَأَصَابَا مِمَّا يُصِيبُ النَّاسُ، قَالَ فَبَيْنَمَا هُمَا فِي ذَلِكَ جَاءَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَوَقَفَ عَلَيْهِمَا، فَذَكَرَا لَهُ ذَلِكَ، فَقَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: لَا تَفْعَلَا، فَوَاللهِ، مَا هُوَ بِفَاعِلٍ، فَانْتَحَاهُ رَبِيعَةُ بْنُ الْحَارِثِ فَقَالَ: وَاللهِ، مَا تَصْنَعُ هَذَا إِلَّا نَفَاسَةً مِنْكَ عَلَيْنَا، فَوَاللّٰهِ، لَقَدْ نِلْتَ صِهْرَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا نَفِسْنَاهُ عَلَيْكَ، قَالَ عَلِيٌّ: أَرْسِلُوهُمَا، فَانْطَلَقَا، وَاضْطَجَعَ عَلِيٌّ، قَالَ: فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ سَبَقْنَاهُ إِلَى الْحُجْرَةِ، فَقُمْنَا عِنْدَهَا، حَتَّى جَاءَ فَأَخَذَ بِآذَانِنَا، ثُمَّ قَالَ: أَخْرِجَا مَا تُصَرِّرَانِ، ثُمَّ دَخَلَ وَدَخَلْنَا عَلَيْهِ، وَهُوَ يَوْمَئِذٍ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ، قَالَ: فَتَوَاكَلْنَا الْكَلَامَ، ثُمَّ تَكَلَّمَ أَحَدُنَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنْتَ أَبَرُّ النَّاسِ وَأَوْصَلُ النَّاسِ، وَقَدْ بَلَغْنَا النِّكَاحَ، فَجِئْنَا لِتُؤَمِّرَنَا عَلَى بَعْضِ هَذِهِ الصَّدَقَاتِ، فَنُؤَدِّيَ إِلَيْكَ كَمَا يُؤَدِّي النَّاسُ، وَنُصِيبَ كَمَا يُصِيبُونَ، قَالَ: فَسَكَتَ طَوِيلًا حَتَّى أَرَدْنَا أَنْ نُكَلِّمَهُ، قَالَ: وَجَعَلَتْ زَيْنَبُ تُلْمِعُ عَلَيْنَا مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ أَنْ لَا تُكَلِّمَاهُ، قَالَ: ثُمَّ قَالَ: »إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِآلِ مُحَمَّدٍ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، ادْعُوَا لِي مَحْمِيَةَ – وَكَانَ عَلَى الْخُمُسِ – وَنَوْفَلَ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: فَجَاءَاهُ، فَقَالَ لِمَحْمِيَةَ: أَنْكِحْ هَذَا الْغُلَامَ ابْنَتَكَ لِلْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ فَأَنْكَحَهُ، وَقَالَ لِنَوْفَلِ بْنِ الْحَارِثِ: أَنْكِحْ هَذَا الْغُلَامَ ابْنَتَكَ لِي فَأَنْكَحَنِي وَقَالَ لِمَحْمِيَةَ: »أَصْدِقْ عَنْهُمَا مِنَ الْخُمُسِ كَذَا، وَكَذَا « قَالَ الزُّهْرِيُّ: وَلَمْ يُسَمِّهِ لِي. (صحیح لمسلم، باب ترک استعمال آل النبی علی الصدقة، رقم الحدیث: ۱۰۷۲، انیس)

سید کی بیوہ جو شیخ ہو، اسے زکوٰۃ دے سکتے ہیں:

سوال: ایک عورت شیخ اور اس کا شوہر سید تھا، وہ مرگیا، چند بچے اور بیوہ چھوڑی ہے، اب اس عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ عورت نہایت مفلس ہے اور میری رشتہ دار ہے، دوسری ایک عورت قوم شیخ شوہر سید زندہ ہے، عورت مفلس ہے، اس کو زکوۃ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ اور زکوٰۃ منی آرڈر میں روانہ کرنے سے ادا ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

ان دونوں عورتوں کو جو کہ مفلس ہیں، زکوٰۃ دینا درست ہے، شوہر کے سید ہونے کی وجہ سے عورت کو جو کہ خود مفلس ہے اور مالک نصاب نہیں ہے، زکوٰۃ دینا منع نہیں ہے؛ بلکہ زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے اور قرابت دار مفلس کو زکوٰۃ دینے میں ثواب زیادہ ہے اور سوائے اولاد و ماں باپ اور زوجین کے سب قرابت دار مفلسوں کو زکوٰۃ دینا درست ہے، (۱) اور منی آرڈر کے ذریعہ سے زکوٰۃ کا روپیہ بھیجنے سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۲۳-۲۲۴)

کیا مجبوری میں اور لاچاری میں سادات کے لیے زکوٰۃ لینا جائز ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کیا سید اور سادات کے لیے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی گنجائش ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ـــــــــ وبالله التوفيق

سادات کو زکوٰۃ لینی کسی حال میں جائز نہیں ہے، اگر سادات ضرورت مند ہوں تو ان کی مدد عطیات سے کرنی چاہیے۔

عن أبي جعفر قال: لابأس بالصدقة من بني هاشم بعضهم على بعض. (المصنف لابن أبي شيبة، باب مارخص فيه من الصدقة بني هاشم: ٦٢/٧، رقم: ١٠٣٨)

وقول العيني: والهاشمي يجوزله دفع زكاته لمثله صوابه لايجوز. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢٩٩/٣)

(قوله: وبني هاشم ومواليهم) أي لايجوزالدفع لهم لحديث البخاري: نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة، ولحديث أبي داؤد: مولى القوم من أنفسهم . (البحر الرائق: ٢٣٦/٢، بدائع الصنائع: ١٦٢/٢، والحديث عند أبي داؤد تحت رقم: ٢٦٥٠)

---

(۱) ومصرف الزكاة، الخ، هو فقير هو من له أدنىٰ شئى أى دون نصاب أوقدرنصاب غير نام مستغرق في الحاجة. (الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر: ٧٩/٢-٨٠)

ولا إلىٰ من بينهماولاد. (الدرالمختار) وفي الرد: قيد بالولولاد لجوازه لبقية الأقارب، إلخ، بل هم أولىٰ؛ لأنه صلة وصدقة. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٨٦/٢، ظفير)

أوهاشمي أى لايجوز دفعها إلٰى بني هاشمي،لقوله عليه السلام: إن هٰذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس،وإنها لا تحل لمحمد،ولا لآل محمد. {رواه مسلم}وقال عليه السلام:نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة.{رواه البخاري}(تبين الحقائق باب المصرف: ۳۰۳/۱، إمدا ديه ملتان، بحوالہ:تعلیقات فتاویٰ محمودیہ:۱۸۷/۱۴، میرٹھ،وكذا في الدر المختار على رد المحتار: ۲۵۸/۲، كراتشي ،الفتاوٰى التاتارخانية:۲۱۳/۳،زكريا،طحطاوى: ۷۲۰،دار الكتاب ديوبند)

ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب.(الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع في المصارف: ۱۸۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (کتاب النوازل:۱۱۹/۷-۱۲۰)

مجبور سید زکوٰۃ لے، یا نہیں:

سوال: جس سید کے کنبہ بہت ہو اور وہ نابینا حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق اور ظاہر الروایۃ کے مطابق سید کو کسی حال میں زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔

"كما في الدر المختار:ثم ظاهر المذهب اطلاق المنع". (۱) فقط

(ایسے مجبور سید کو بطور حیلہ زکوٰۃ لینے کی گنجائش ہے۔ظفیر) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۱۲/۶)

☆ ☆ ☆

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف:۹۰/۲-۹۱،ظفير

متفرقات مصارف زکوٰۃ

بچے والی عورت کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے:

سوال: ایسی عورت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ جس کے تین بچے ہوں اور بوجہ اپنے خاوند کی عیاشانہ زندگی کے اور شراب خواری کی وجہ سے نہایت ہی عسرت میں ہے؟

الجواب

اس عورت کو جب کہ وہ محتاج ہے اور مالک نصاب نہیں ہے، زکوٰۃ دینا درست ہے؛ بلکہ ایسے محتاج بچوں والی عورت کو زکوٰۃ دینے میں زیادہ ثواب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۲۳)

بیوہ کو زکوٰۃ سے وظیفہ دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: کسی مسماۃ بیوہ کی تنخواہ (یہاں تنخواہ سے مراد وظیفہ ہے) ماہانہ مقرر کی جائے اور نیت یہ ہو کہ یہ تنخواہ زکوٰۃ میں سے دی جاوے گی، جو آئندہ واجب الادا ہوگی، یہ کارروائی اس حیثیت سے اداءِ زکوٰۃ کے واسطے کافی ہے، یا کیا؟

الجواب

ادائے زکوٰۃ کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس وقت اس بیوہ کو ماہوار کچھ دیا جاوے، یا اس کے دینے کے لیے کچھ روپیہ مثلاً سال بھر، یا چھ ماہ کا علاحدہ رکھ دیا جاوے اور بوقت علاحدہ کرنے کے نیت زکوٰۃ کی کی جاوے، پھر وقتاً فوقتاً اگر اس میں سے اس بیوہ کو کچھ دیا جاوے گا تو پھر نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔(۲)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۳۸-۲۳۹)

زکوٰۃ کے روپے سے غریب لڑکیوں کی تعلیم درست ہے، یا نہیں:

سوال: زکوٰۃ کے روپے سے غریب لڑکیوں کی تعلیم مذہبی وتدریس جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) مصرف الزکاۃ،الخ،ھو فقیر وھو من له أدنٰی شئی أی دون نصاب قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة.(الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ،باب المصرف: ۲/۷۹-۸۰،ظفیر)

(۲) وشرط صحة أدائها نیة مقارنة له أی للأداء،الخ.(الدر المختار علٰی هامش ردالمحتار ،کتاب الزکاۃ،باب المصرف: ۲/۱٤،ظفیر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

زکوٰۃ میں تملیک شرط ہے؛ یعنی کسی محتاج کو اس کا مالک بنادینا چاہیے، پس غریب لڑکیوں کو اگر نقد، یا کپڑا، یا کھانا زکوٰۃ سے دے دیا جاوے تو درست ہے؛ لیکن معلّمہ کی تنخواہ، یا دیگر ملازمین کی تنخواہ دینی زکوٰۃ سے درست نہیں ہے، اور باقی زکوٰۃ کے مسائل کی تحقیق اور اس کے مصارف کی تفصیل دہلی کے علما سے پوری طرح تحقیق کر لیے جاویں، یا بہشتی زیور وغیرہ کتابوں میں دیکھ لیا جاوے، تحریر میں سب امور کا لانا اور سمجھنا دشوار ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۲۰۴-۲۰۵)

یتیم لڑکی جو خادمہ کی حیثیت سے ہے اس کا زیور بنانا کیسا ہے:

(۲)　زید کے یہاں ایک یتیم لڑکی صرف روٹی کپڑا پاتی ہے تو زید زکوٰۃ کے روپے سے اس کے لیے کچھ کپڑا، یا زیور بنا سکتا ہے اور جو عورت زکوٰۃ کو معاوضہ خدمت کا سمجھے، اس کو دینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　زکوٰۃ کا روپیہ مدرسہ کی تعمیر میں اور مدرسین کی تنخواہ میں بدون حیلہ کے صرف کرنا درست نہیں ہے، (۲) البتہ طلبہ کی خوراک و پوشاک میں صرف ہوسکتا ہے۔

(۲)　اور یتیم لڑکی جس کی تنخواہ مقرر نہیں کی گئی، صرف روٹی کپڑا دینا مقرر کیا ہے، اس کو زیور زکوٰۃ سے بنوا دینا درست ہے، یا اس کو نقد دے دے، یہ بھی درست ہے۔ (۳)

کپڑا جو اس کا مقرر ہے، وہ زکوٰۃ میں سے نہ بناوے اور اس دوسری عورت خادمہ کو دینا درست نہیں ہے، جو اس کو معاوضہ اپنی خدمت کا سمجھے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۲۱۰-۲۱۱)

مستحق کو لڑکی کی شادی کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینی درست ہے:

سوال (۱) ہندہ پر اس کے زیور کی زکوٰۃ دو سال کی واجب ہے، جو قریب چالیس روپے کے ہوتی ہے، اس کے پاس ایک لڑکی کئی سال سے رہتی ہے، جس کو اس نے قرآن شریف پڑھایا ہے اور اس کے کھانے کے کپڑے وغیرہ صرفہ بھی برداشت کرتی ہے اور وہ لڑکی ہندہ کا کام بھی کرتی ہے، اس لڑکی کے والدین جو مستحق زکوٰۃ ہیں اور اس کی شادی کرنے والے ہیں، ہندہ چاہتی ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ اس لڑکی کی شادی میں اس کو زیور، یا برتن، یا کپڑے بنا دے تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟

(۱،۲)　ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر فلا تصرف إلٰى بناء نحو مسجد وإلٰى كفن ميت وقضاء دينه. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۸۵/۲، ظفير)

(۲)　مصرف الزكاة، الخ، هو فقير، إلخ، ومسكين، الخ. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب المصرف: ۷۹/۲، ظفير)

یہ کہنا کہ اس سے لڑکی کا زیور بنا دو:

(۲)　یا زکوٰۃ کا روپیہ لڑکی کے والدین کو دے کر کہہ دیا جاوے کہ اس لڑکی کی شادی میں زیور وغیرہ میں صرف کر دیں؟

بغیر ہدایت روپیہ دینا:

(۳)　اگر کچھ ہدایت نہ کی جاوے اور روپیہ زکوٰۃ کا دے دیا جاوے تو کیا حکم ہے؟

اگر کچھ دیا جائے:

(۴)　اگر کل رقم اس کے واسطے صرف نہ کی جاوے؛ بلکہ کوئی جزو صرف کیا جاوے تو کیا حکم ہے؟

لڑکی کو نقد دیا جاوے تو کیا حکم ہے:

(۵)　اگر قبل یا بعد شادی کے اس لڑکی کو نقد دے دیا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱،۲)　اس لڑکی کے والدین کو زکوٰۃ کا روپیہ دے دیا جاوے کہ وہ اس لڑکی کے نکاح میں صرف کر دیں، یہ درست ہے اور خود اس لڑکی کو اگر برتن وغیرہ خرید کر دے دیئے جاویں تو یہ بھی درست ہے۔(۱)

(۳)　کچھ ہدایت کی جاوے، یا نہ کی جاوے، ہر طرح درست ہے۔

(۴)　کل رقم بھی صرف کرنا اور دینا جائز ہے۔

(۵)　یہ بھی جائز ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۲۴۶-۲۴۷)

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینا:

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر زید جو کہ ایک مدرسہ کا ناظم ہے، اپنی تجارت میں یہ رقم لگائے تو کیا یہ درست ہے، جب کہ اکثر مدارس والے اپنا کل روپیہ جس میں زکوٰۃ وفطرہ شامل ہوتا ہے، بینک میں رکھتے ہیں اور بینک والے بھی یہ روپیہ تجارت ہی میں لگاتے ہیں، اگر یہی صورت زید اختیار کرے تو کیا یہ درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مدرسہ کا ناظم مدرسہ کی رقومات کا امین ہے، اسے اس امانت (زکوٰۃ وغیرہ) میں تصرف کرتے ہوئے اسے بطور قرض

---

(۱)　مصرف الزكاة،الخ،هو فقير وهو من له أدنىٰ شئ أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحجة ومسكين من لا شئ له،الخ.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار،كتاب الصلاة،باب المصرف :۲/۷۹-۸۰،ظفير)

دینا، یا تجارت میں لگانا جائز نہیں، بینک والے کیا کرتے ہیں، اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور زید ناظم مدرسہ اپنی تحویل میں امانت کا خود مسئول ہے؛ اس لیے بینک کے خلاف شرع معمول سے اس کے لیے وجہ جواز پیدا نہیں ہوسکتی۔ (مستفاد فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۸/۶، فتاویٰ محمودیہ: ۵۲۶/۱، ۱۰۸/۱۶)

متولی الوقف إذا رهن الوقف بدين لايصح،وفي جامع الفتاویٰ: وكذالک أهل الوقف إذا رهنوا، لايجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية،باب تصرف القيم في الاوقات: ٧٦٠/٥،إدارة القرآن كراتشي، كذافي الفتاویٰ الهندية،الباب لخامس في ولاية الوقف: ٤٢٠/٢،رشيدية)

سئل أبو القاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلو المسجد رحبة والرحبة مسجداً ،أو يتخذ واله باباً،أويحولوا بابه عن مو ضعه،وأبی البعض ذلک،قال: إذا اجتمع أكراهم وأفضلهم ،ليس للأقل منعهم. (ردالمحتار ،كتاب الوقف /مطلب في جعل شئی من المسجد طريقاً: ٣٧٨/٤،كراتشي)

إن القيم ليس له إقراض مال المسجد. (البحرالرائق،كتاب الوقف: ٢٣٩/٥،كراتشي،الفتاویٰ الهندية، الوديعة: ٤٦٧/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۷/۶/۱۴۱۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۱۲۵/۷-۱۲۶)

صاحب نصاب کا زکوٰۃ کی رقم سے قرض مانگنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کچھ لوگ ہمارے پاس سے زکوٰۃ کی رقم قرض کی نیت سے مانگتے ہیں، حالاں کہ وہ خود صاحب نصاب ہیں تو کیا ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

صاحب نصاب شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں اور زکوٰۃ کی رقم قرض کے طور پر بھی نہ دی جائے؛ کیوں کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے، جو پسندیدہ نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾ (التوبة: ٦٠)

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة :لغاز في سبيل اللّٰه،أولعامل عليها،أو لغارم. (سنن أبو داؤد،باب من يجوز له أخذالصدقة وهو غني: ٢٣١/١، رقم: ١٣٥،الفتاویٰ التاتارخانية: ٢٠٢/٣،رقم: ٤١٣١،زكريا ديوبند)

ولا إلی غني يملک قدرنصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أی مال كان. (الدرالمختار مع رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف: ٢٩٥/٣،زكريا ديوبند)

ذكر الحاكم الشهيد في المنتقی: أن وجوبها علی الفور عند أبي يوسف ومحمد،وفي الخلاصة: وهو الأصح. (الفتاویٰ التاتارخانية: ١٣٥/٣،زكريا ديوبند)

وقیل: فوری أی واجب علی الفور، وعلیه الفتویٰ ،فیأثم بتأخیرها بلاعذر. (الدر المختار: ۱۹۱/۳-۱۹۲،زکریادیوبند) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲۴/۱۱/۱۴۳۲ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ - (کتاب النوازل: ۱۲۶/۷-۱۲۷)

ضرورت مند کو زکوٰۃ کی رقم قرض حسنہ کہہ کر دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زکوٰع کو قرض حسنہ کہہ کر صرف اس لیے دینا کہ ضرورت مند مستحق اپنی ناک کی خاطر سے لینے سے انکار کردے گا، جب کہ دینے والے کی نیت ادائیگی زکوٰۃ ہے اور اس نے سوچ لیا ہے کہ اگر واپس کرے گا تو پھر کسی دیگر مستحق کو دے دی جائے گی، کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

زکوٰۃ کا قرض حسنہ کہہ کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، بعد میں وہ رقم مستحق زکوٰۃ سے واپس نہ لی جائے۔

ومن أعطی مسکیناً دراهم وسماها هبة،أوقرضاً ونوی الزکاة ،فإنها تجزیه وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندیة،الباب السابع فی المصارف: ۱۷۱/۱)

ولا یشترط علم الفقیر أنها زکاة علی الأصح،حتی لوأعطاه شیأً وسماه هبة أو قرضاً ونوی به الزکاة صحت . (مراقی الفلاح: ۳۹۰،مجمع الأنهر: ۱۹۶/۱،البحرالرائق: ۳۷۰/۲،زکریادیوبند)

وشرط صحةً أدائها نیة مقارنة له أی للأداء. (الدرالمختار)

وتحته فی الشامیة:قوله نیة: أشارإلی أنه لا اعتبارللتسمیة فلوسماها هبة أوفرضاً تجزیه فی الأصح . (رد المحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف: ۱۸۷/۳،زکریادیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۰/۱/۱۴۳۰ھ - الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ - (کتاب النوازل: ۱۲۷/۷)

قرض دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا اور واپسی پر دوسرے کو زکوٰۃ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے پاس کوئی شخص قرض کے لیے آیا، ہم نے اس کو اپنے پاس زکوٰۃ نکلی ہوئی رقم میں سے قرض دے دیا اور یہ نیت کرلی کہ جب یہ ادا کرے گا تو پھر ہم زکوٰۃ کے مستحق کو دے دیں گے، نہیں تو یہ اسی کو زکوٰۃ دے دی تو کیا وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی؟ آپ ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مسئولہ صورت میں اگر قرض دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے اور یہ ارادہ ہو کہ اس سے یہ رقم کبھی واپس نہیں لینی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اگر یہ نیت کی کہ واپس کرے گا تو دوسری جگہ صرف کردوں گا، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا

گیا ہے، اس طرح دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

نوی الزكاة إلا أنه سماه قرضاً جازفی الأصح؛لأن العبرة للقلب لا اللسان،الخ. (الدرالمختار، كتاب الخنثى: ١٠/٤٥٥،زكريا ديوبند)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (رد المحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف:٣/٢٩١،زكريا ديوبند)

ومن أعطى مسكيناً دراهم وسماهم هبة،أوقرضاً ونوى الزكاة ،فإنه تجزيه وهو الأصح. (الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع فى المصارف: ١/١٧١)

ولايشرط علم الفقر أنها زكاة على الأصح حتىٰ لو أعطاه شيئاً وسماه هبة أوقرضاً ونوىٰ به الزكاة صحت. (مراقى الفلاح: ٣٩٠،مجمع الأنهر: ١/١٩٦،البحر الرائق: ٢/٣٧٠،زكرياديوبند)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أى للأداء. (الدرالمختار)**وتحته فى الشامية:قوله نية:أشارة إلىٰ أنه لا اعتبارللتسمية فلوسماها هبة أوفرضاً تجزيه فى الأصح.** (رد المحتار، كتاب الزكاة،باب المصرف:٣/١٨٧،زكرياديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۳/۱۱/۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۷/۱۲۸۔۱۲۹)

ملازم پر قرض کی رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مزدور ایک کارخانہ والے مالک کے پاس کام کرتا تھا، اس نے کام کے دوران کچھ رقم قرض کے طور پر لیا تھا، اب اس مزدور کی حیثیت نہیں ہے کہ وہ رقم قرض والی ادا کرسکے تو کیا کارخانہ دار اس رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑ سکتا ہے، اگر زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑ سکتا ہے تو حیلہ کی کوئی صورت ہو تو وضاحت فرمادیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

مسئولہ صورت میں قرض کی رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑنا تو جائز نہیں ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ مالک مذکور مقروض ملازم کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اسے مالک بنادے اور پھر اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے اور اس سے قرض وصول کرے۔

ولوأبرأرب الدين المديون بعد الحول فلا زكاة. (الدرالمختار،باب زكاة المال: ٣/٢٤٠،زكرياديوبند)

ولايجزى عن الزكاة دين أبرى عنه فقيربنيتها والحيلة أن يعطى المديون زكاة ثم يأخذها عن دينه. (حاشية الطحطاوى،ص: ٣٩٠)

وحيلة الجوازأن يعطى مديونه الفقير زكاته ثم يأخذهاعن دينه، ولو امتنع المديون مداً يده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الزكاة: ٣/١٩٠،زكرياديوبند، كذافى البحرالرائق، كتاب الزكاة: ٢/٣٧٠) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۴/۴/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۷/۱۲۹۔۱۳۰)

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کے دولڑ کے ملازمت کرتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں کا کافی مقروض ہے اوراس کی دو بیٹیاں جوان گھر میں ہیں، کیا ایسے آدمی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ نیز اس کے پاس میرا قرض ہے، اگر میں نیت کرلوں قرض میں سے زکوٰۃ کی رقم اسے چھوڑتا ہوتو کیا میری طرف سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مسئولہ صورت میں جب کہ یہ مقروض شخص مالک نصاب نہ ہو، یا مالک نصاب تو ہو؛ لیکن قرضہ اس سے کہیں زیادہ ہے تو اس مقروض کو اتنی زکوٰۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ قرضہ ادا کردے، پھر بقدر نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن مقروض کو زکوٰۃ کی نیت کرکے قرض سے بری کرنا ادائے زکوٰۃ کے لیے کافی نہیں؛ البتہ اگر مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے، پھر اس سے قرض میں وصول کرلی جائے تو درست ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ﴾ (التوبة: ٦٠)

عن قبيصة بن مخارق قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ياقبيصة! أن المسئلة لاتحل إلا لأحد ثلاثة ورجلٌ أصابته جائحةٌ احتاحت ماله فحلت له المسئلة، إلخ. (الصحيح لمسلم: ٣٣٤، بحواله: لمعات التقيح في شرح مشكاة المصابيح: ٣٠٠/٤، دارالنوادر)

مديون لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولٰى منه للفقير. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢٨٩/٣، زكريا ديوبند)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال بحيث لوفرقه عليهم لايخص كلا، أولا يفضل بعد دينه نصاب فلايكره. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٣٠٤/٣، زكريا، مجمع الأنهر الزكاة، في بيان أحكام المصارف: ٣٣٣/١، بيروت)

قوله: والمديون أطلقه كالقدوری، وقيده في الكافي بأن لايملك نصاباً فاضلاً عن دينه؛ لأنه المراد بالغارم في الآية وهو في اللغة: من عليه دين لايجد قضاء كما ذكره القتيبي وفي الفتاویٰ الظهيرية: الدفع إلٰى من عليه الدين أولٰى من الدفع إلى الفقير. (البحر الرائق، باب المصرف: ٢٤٢/٢، كراتشی)

سئل الشيخ أبوحفص الكبير عمن يعطى الزكاة إلى الفقراء أحب أم إلٰى من عليه دين ليقضى دينه! قال: إلٰى من عليه الدين ليقضى دينه. (الفتاویٰ التاتارخانية: ٢٢١/٣، رقم: ٤٨٣، زكريا ديوبند)

ولو أبرأرب الدين المديون بعد الحول فلازكاة. (الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢٤٠/٣، زكريا ديوبند)

وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکاته ،ثم یأخذها عن دینه .(الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف:۱۹۰/۳،زکریادیوبند)

ولو قضیٰ دین الفقیر بزکاة ماله إن کان بأمره یجوز. (الفتاویٰ الهندیة،الباب السابع فی المصارف:۱۹۰/۱)

فإن کان مدیوناً فدفع إلیه مقدارما لوقضٰی به دینی لایبقی له شیء أویبقی دون المائیین لابأس به. (الفتاویٰ الهندیة،الباب السابع فی المصارف:۱۸۸/۱،فتح القدیر:۲۷۸/۲،بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۳/۷/۱۴۳۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل:۱۳۰/۷-۱۳۱)

بینک کے مقروض کو زکوٰۃ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ ہیں، مثلاً بکر ہے، ان کے پاس مکان اور فیکٹری ہے؛ مگر یہ سب جائداد بینک میں گروی ہے اور جو بینک سے اس کے عوض لیا تھا، وہ سب نقصان ہوگیا، یہ مقروض ہے، دوسری کوئی جائیداد بھی نہیں، بکر کے پاس جو فروخت کر کے بینک کے قرض سے سبک دوش ہوجائے۔ اب اس حال میں زید اپنی زکوٰۃ کی رقم کو بکر کی زندگی کے گزاران کے لیے اور بکر کے بچوں کی شادی بیاہ کے لیے اور بکر کی جائیداد کو بینک سے نکالنے کے لیے دے سکتا ہے، یا نہیں؟ ایسے لوگوں پر استعمال کرسکتا ہے، یا نہیں؟ شریعت کی نظر میں ایسے لوگوں پر زکوٰۃ استعمال کرنے پر زید کی زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

اگر بکر کے پاس اتنی مالیت ہو کہ بینک کے کل قرض کو ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال نقدی، یا مال تجارت کی شکل میں موجود رہے تو اسے زکوٰۃ دینی درست نہیں اور اگر قرض کی رقم اس کی موجودہ مالیت سے زائد ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، پھر بھی قیمت نصاب (۶۱۲ رگرام،۳۶۰ رملی گرام چاندی، یا اس کی قیمت۔ (ایضاح المسائل، ص:۱۰۲) کے بقدر دینا مکروہ ہوگا، بہتر ہے کہ ایک وقت میں ایک شخص کو نصاب سے کم ہی زکوٰۃ دی جائے۔

ومدیون لایملک نصاباً فاضلاً عن دینه. (الدرالمختار:۲۸۹/۳)

ویکره أن یدفع إلٰی رجل مائتی درهم فصاعداً وإن دفعه جاز .(الفتاویٰ الهندیة،الباب السابع فی المصارف:۱۸۸/۱، کذافی الهدایة:۲۰۷/۱)

الدفع للمدیون إولی منه الفقیر،أی أولی من الدفع للفقیر الغیر المدیون لزیا دة احتیا جه .(الدر المختار، کتاب الزکاة،باب المصارف:۲۸۹/۳،زکریا، کذافی الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۳۹۲، کراتشی)

وأما الغارمون فهم الذین لزمهم الدین فهم محل الصدقة،وإن کان فی أیدیهم مال إذا کان المال لا یزید علی الدین قدرمائتی درهم فصا عداً. (الفتاویٰ التا تارخانیة ۲۰۲/۳،رقم: ۴۱۳۱،زکریا)

أخرج مسلم حديثاً طويلاً فيه: يا قبيصة:إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة : رجل تحمل حما لة فحلت له المسئلة ،حتى يصيبها ثم يمسكها. (الصحيح لمسلم،باب من تحل له المسئلة: ۳۳٤/۱، رقم: ۱۰٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۵/۱۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۱۳۲۔۱۳۳)

مقروض صاحب جائیداد کا زکوٰۃ لینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص ہے،جس کے اوپر تقریباً ۶۵/ ہزار روپیہ قرض ہے،نوعیت اس کی طرح سے ہے،اس کے پاس ایک کھیت سولہ ۱۷/ بیگھہ کا ہے،اس کھیت میں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہوسکتی،اس وجہ سے وہ بک بھی نہیں سکتا ہے،ایک دوسرا کھیت ہے،جو تقریباً ڈھائی بیگھہ ہے،جس سے وہ اپنا گزر بسر کررہا ہے،مکان بھی اس کا خود کا ہے،جو اس کی ضرورت کے مطابق رہنے کی لائق ہے،کیا یہ شخص زکوٰۃ لے کر اپنا قرض ادا کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

برتقدیر صحت واقعہ مذکورہ مجبور شخص بقدر ضرورت زکوٰۃ لے کر اپنا قرض ادا کرسکتا ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ۷/۲۷۳)

عن عطاء بن يسار أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قال:لاتحل الصدقة لغني إلا لخمسة لغازفي سبيل الله،أولعامل عليها،أولغارم. (سنن أبوداؤد،باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني: ۲۳۱/۱،رقم : ۱٦۳۵،الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۰۲/۳،رقم: ٤۱۳۱،زكريا ديوبند)

ومنها الغارم:وهومن لزمه دين ولا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه والمدفع إلٰى من عليه الدين أولٰى من الدفع إلى الفقير. (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فى المصارف: ۱۸۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۷/۱۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۱۳۳۔۱۳۴)

زکوٰۃ کی رقم سے میت کا قرض ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید مقروض تھا اور اس کا انتقال ہوگیا ہے،زید کے مقروض ہونے کا علم اس کے گھر والوں کو ہے،یا نہیں؟ (واللہ اعلم) عمر زید کا قریبی دوست ہے،عمر کو زید کے مقروض ہوے کا علم ہے،کیا زید کی طرف سے عمر اپنی زکوٰۃ کی رقم سے زید کا قرض ادا کرسکتا ہے،یا نہیں؟ اور اس صورت میں عمر کی زکوٰۃ ادا ہوگی،یا نہیں؟ یا عمر کو اپنی زکوٰۃ کی رقم کا تملیک کرانا ضروری ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

میت کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم سے قرض لے کر ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی،اس کے لیے تملیک لازم ہے اور

اگر میت نے اپنے قرض کی ادائیگی کی وصیت کی ہے اور ترکہ چھوڑا ہے تو اسی ترکہ سے اس کے قرض کی ادائیگی ہونی چاہیے، زکوٰۃ کا پیسہ ایسے شخص کے قرض کی ادائیگی میں نہیں لگانا چاہیے۔ (مستفاد احسن الفتاویٰ ۲۶۰/۴، فتاویٰ محمودیہ: ۶۷/۹)

أخرج عبد الرزق عن الثوری قال: الرجل لایعطی زکاۃ مالہ من یجس علی النفقۃ من ذوی أرحامہ ولایعطیھا فی کفن میت ولا دین میت. (المصنف لعبد الرزاق، باب لمن الزکاۃ: ۱۱۳/٤، رقم: ۷۱۷۰، بیروت)

إذا قضی دین غیرہ من زکاتہ، فإن قضی بأمر المدیون وکان المدیون فقیراً یجوز، وإن أدی بغیر أمرہ لایجوز، ولایتصور قضاء الدین عنہ إلا بعد تملیک قدر الزکاۃ عنہ؛ لأنہ لم یرض بوقوع الملک لہ، فلا یمکن أن یجعل ھٰذا تملیکاً منہ؛ فلھٰذا لایخرج عن العھدۃ. (المحیط البرھانی: ٤٨٠/٢، کوئتہ)

ولا یقضی بھا دین المیت. (الفتاویٰ الھندیۃ: ١٨٨/١، تبیین الحقائق: ١٢/٢)

ولا إلٰی کفن میت وقضاء دینہ لعدم صحۃ التملیک منہ. (الدر المختار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ٣٤٤/٢، کراتشی)

ولا یقض بھا دین میت. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ٢٠٨/٣، رقم: ٤١٤٠، زکریا دیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۱/۲/۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۴/۷-۱۳۵)

مجبور اور لاچار شخص کا زکوٰۃ کے لے کر قرض ادا کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کے پاس ایک دوکان ہے، جس میں ۵۶/ ہزار روپیہ کا مال ہے اور اس کے اوپر اور لوگوں کے ۶۱/ ہزار روپئے ہیں، جو اس کے ذمہ قرض ہیں اور زید کا قرض جو لوگوں پر ہے اور اس کو لینا ہے، وہ ۴۴/ ہزار ہے، جس میں سے صرف بارہ ہزار روپیہ ملنے کی امید ہے، وہ بھی ہلکی سی اور باقی ڈوب جانے کی امید ہے اور وہ ۱۲/ ہزار روپیہ بھی پتہ نہیں کب ملیں گے اور دوکان بھی اپنی نہیں ہے، دوسرے شخص کی ہے اور زید سارا مال بیچ کر بھی قرضہ ادا کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے اس نے کوشش بھی کی؛ مگر وہ بھی اکٹھا کر کے وہ جلد سے جلد قرض ادا کردے، آمدنی بھی صرف اتنی ہوتی ہے، جس سے بمشکل اور بہت کفایت سے گھر کا خرچ ہی چل پاتا ہے، گھر بھی رہائش کے لیے کرایہ کا ہے، اپنا نہیں ہے تو گھر کا خرچ اور مکان کا کرایہ بھی بڑی مشکل سے دوکان سے نکل پاتا ہے۔ حالات بہت نازک ہیں اور دوکان کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے اور بیوی کے پاس زیور بھی نہیں ہے، جس کو بیچ کر قرض ادا کردے تو کیا ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق بنتا ہے؛ یعنی وہ زکوٰۃ کے مال کو لے کر اپنے اوپر خرچ نہ کر کے صرف قرضہ کی ادائیگی میں دے کر قرض سے سبکدوش ہوسکتا ہے، یا نہیں؛ یعنی زکوٰۃ کے مال سے قرض ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

پہلے آپ اپنی دوکان میں موجود ۵۶/ ہزار روپیہ کا سامان فروخت کر کے قرض ادا کریں اور اس دوران آپ اپنا

قرضہ جو دوسروں پر ہے، اسے وصول کرنے کی کوشش کرتے رہیں اور جیسے جیسے قرضہ وصول ہوتا رہے، اس سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کرتے رہیں، اگر یہ سب مال دینے کے باوجود بھی آپ کا قرضہ رہ جائے تو اس مجبوری کی صورت میں بچے ہوئے قرضہ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ لے سکتے ہیں، اس کے بغیر لینا جائز نہیں۔

عن معقل قال: سألت الزهوی عن ﴿الْغَارِمِيْنَ﴾ قال: أصحاب الدين ﴿وَابْنَ السَّبِيْلِ﴾ وإن كان غنياً. (المصنف لابن أبی شيبة: ۴۲۴/۲، رقم: ۱۰۶۶۲، بيروت)

ولا يجوز دفع الزكاة إلٰى من ملك نصاباً سواء كان من النقود أو السوائم أو العروض. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲۹۷/۳، زكريا، الهداية، باب من يجوز دفع الصدقات إليه: ۷۸/۲، مكتبة البشریٰ كراتشی)

ولا يجوز دفع الزكاة إلٰى من يملك نصاباً أی ما ل كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضاً لـلتجارة أو لغير التجارة فا ضلاً عن حاجته فی جميع السنة، هٰكذا فی الزا هدی. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع فی المصارف: ۱/ ۱۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۲/۱۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۵/۷-۱۳۶)

مقروض کو یک مشت نصاب سے زائد رقم دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک مقروض ضرورت مند شخص کو پندرہ ہزار روپئے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

اگر وہ ضرورت مند شخص مقروض ہے تو اسے ایک مشت نصاب سے زائد رقم دینا بھی جائز ہے۔

ويكره لمن عليه الزكاة أن يعطی فقيراً مائتی درهم، وليس عليه ولا له عيال، فإن كان عليه دين فلا بأس بأن يتصدق عليه قدر دينه وزيادة مادون المائتين. (بدائع الصنائع، دفع الزكاة لمالك نصاب يخاف الحاجة: ۱۶۰/۲، نعيمية ديو بند)

فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدارما لو قضٰی به دينه لايبقی له شئی ء أو يبقی دونه المائتين لا بأس به. (الفتاویٰ الهندية: ۱۸۸/۱، الدر المختار مع الشامی، باب المصرف: ۳۰۳/۳، زكريا، مجمع الأنهر، الزكاة، فی بيان أحكام المصارف: ۳۳۳/۱، بيروت، كذافی الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۲۱/۳، رقم: ۴۱۸۵، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۷/۹/۱۸ھ۔ (کتاب النوازل: ۱۳۶/۷-۱۳۷)

مستحق زکوٰۃ کو کاروبار کے لیے نصاب سے زائد رقم دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید، عمر، عبداللہ صاحب

نصاب ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کی زکوٰۃ کی رقومات تقریباً پچاس ہزار، ایک لاکھ، پانچ لاکھ کے قریب ہوتی ہے، جو کہ تقسیم کردی جاتی ہے؛ لیکن فی الوقت اپنی ہی قرابت دار مستحق زیادہ ہوتے جارہے ہیں، حالاں کہ یہ پہلے کبھی اس قدر زیادہ نہ تھا، زید عمر عبداللہ کی خواہش ہے کہ زکوٰۃ کی ان رقومات سے مستحق لوگوں کو یہ رقم پوری پوری دے کر کاروبار کرادیا جائے؛ تاکہ آنے والے سالوں میں وہ خود مستحق زکوٰۃ نہ رہ کر صاحب نصاب ہوجائیں اور خود زکوٰۃ ادا کرنے والے بن جائیں، براہ کرم قرآن وحدیث کے دلائل سے جواباً مطلع فرمائیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

شریعت میں زکوٰۃ کا منشا فقرا اور محتاجین کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے اور ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ فقرا اور ضرورت منداس رقم سے مستفیذ ہوں، یہ مقصود نہیں ہے، جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے، وہ خود مال دار بن جائے، شریعت کی اس سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرات فقہاء نے کسی ایک مستحق زکوٰۃ کو جب کہ وہ مقروض نہ ہو، نصاب سے زائد رقم یک مشت دینے کو مکروہ لکھا ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر زید عمر عبداللہ اپنی زکوٰۃ کی مکمل رقمیں ایک ایک مستحق کو یک مشت دے دیں تو گو کہ ان کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ مگر ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

ويكره أن يدفع إلىٰ رجل مائتي درهم فصا عداً وإن دفعه جاز. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱/۱۸۸)

ويكره لمن عليه الزكاته أن يعطى فقيراً مائتى درهم أو أكثر، ولو أعطٰى جازو سقط عنه الزكاة فى قول أصحابنا الثلاثة ولنا: أنه إنما يصير غنياً بعد ثبوت الملك له، فأما قبله فقد كان فقيراً فالصدقة لا قت كف الفقير فجازت، وهٰذا لأن الغنيا يثبت بالملك والقبض شرط ثبوت الملك، فيقبض ثم يملك المقبوض ثم يصير غنياً، ألا ترى أنه يكره؛ لأن المنتفع به يصيرهو الغنى. (بدائع الصنائع: ۲/۱۶۰، نعيمية ديوبند)

سئل الشيخ أبوحفص الكبير عمن يعطى الزكاة إلى الفقراء أحب أم إلىٰ من عليه دين ليقضى دينه؟ قال: إلىٰ من عليه الدين ليقضى دينه. (الفتاویٰ التا تارخانية: ۳/۲۲۱، رقم: ۴۸۳۱، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۷/۹/۱۴۱۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۳۷-۱۳۸)

چندہ محصلین کی شرعی حیثیت کیا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس اسلامیہ کے محصلین کی شرعاً حیثیت کیا ہے؟ کیا ان سے زکوٰۃ کی رقم کی رسید حاصل کرلینے سے زکوٰۃ دینے والا بری الذمہ ہوجاتا ہے؟ یا یہ کہ جب تلک طلبہ پر صرف نہ ہو، اس وقت تک ادا نہیں ہوتی ہے، اگر کسی محصل کا روپیہ چوری ہوجائے، یا گر جائے تو جن لوگوں نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

چندہ محصلین جس طرح چندہ دہندگان کے وکیل ہیں، اسی طرح مہتمم مدرسہ کے توسط سے طلبہ مستحقین کے بھی وکیل ہیں؛ اس لیے ان کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے چندہ دہندگان کا ذمہ فی نفسہ بری ہو جائے گا، چندہ دینے کے بعد ان محصلین کی حیثیت امین کی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر امانت امین کے ہاتھ میں لاپروائی کی وجہ سے ضائع ہوجائے تو امین اس کا ضامن ہوتا ہے، اور اگر حفاظت کے تمام انتظامات کے باوجود ضائع ہوجائے تو امین ضامن نہیں ہوگا، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر یہ رقم بلا تعدی ضائع ہوئی ہے تو چندہ دہندگان کی زکوٰۃ ادا سمجھی جائے گی اور کسی پر اس کا ضمان نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر: ۲/۵۱ جدید، فتاویٰ خلیلیہ: ۳۱۹، امداد الفتاویٰ: ۳/۳۱۵، جواہر الفقہ: ۴/۳۸۷، امداد المفتیین ۱۰۸۵، فتاویٰ محمودیہ: ۹/۵۱۴، ڈابھیل)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه أنه قال: أتی رجل من بني تمیم إلٰی رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: فقال: یارسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم! إذا أدیت الزکاة إلٰی رسولک فقد برئت منها إلی اللّٰہ وإلٰی رسوله، فقال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: نعم إذا أدیت الزکاة إلٰی رسولي فقد برئت منها لک أجرها وإثمها علٰی من بد لها. (السنن الکبریٰ للبیهقي، الزکاة، باب الزکاة تتلف في یدث الساعي: ۵/۰۲، رقم: ۷۳۸۰، المصنف لعبدالرزاق، الزکاة، با ب موضع الصدقة: ۴/۴۵، رقم: ۶۹۱۹)

بخلاف ما إذا ضاعت في ید الساعي؛ لأن یده کید الفقراء. (رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۷۰، کراتشي)

في النوازل: إذا قال المودع: سقطت الودیعة أو "بیفتاد أزمن" لا یضمن، ولو قال: لا أدری أضعتها أو لم أضع یضمن. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع في المصارف: ۴/۳۴۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۸۷-۱۸۸)

کیا سفراء کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ دینی مدارس کے لیے سفیر حضرات رسید بک لے کر کثیر تعداد میں دوسرے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے چندہ مانگنے آتے ہیں، ان میں سے کثیر حضرات چندہ کی رقم میں سے حصہ مقررہ پر چندہ کرتے ہیں اور بعض کی تنخواہ ہوتی ہیں، اگر زکوٰۃ کی رقم ان کو دی جائے تو کیا زکوٰۃ کا فرض ادا ہوجائے گا، یا نہیں؟ کیوں کہ سننے میں آیا ہے کہ چندہ مانگنے والوں میں بعض کا حصہ ہوتا ہے تو پوری رقم مدرسہ میں نہیں پہنچتی ہے۔ نیز مسئلہ بتایا جاتا ہے کہ مدارس میں جو زکوٰۃ دی جاتی ہے، اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کریں گے تو زکوٰۃ ادا ہوگی، ورنہ نہیں اور یہ معلوم ہوتا بہت مشکل ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو سفیر کو دی گئی ہے، اسے صحیح مصرف میں خرچ کیا جاتا ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ چندہ مانگنے کے لیے جن مدارس کی طرف سے یہ اپنے کو سفیر بتاتے ہیں، ان مدارس والے حضرات کو کوائف سے صحیح واقفیت کا حاصل ہونا کارے دارد ہے، ایسے میں اطمینان قلب کی کیا صورت ہو؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر آپ کو کسی سفیر یا مدرسہ کے بارے میں اطمینان ہو جائے اور آپ بلا تکلف اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دیں تو آپ کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، اب سفیر پر لازم ہے کہ وہ پوری رقم حسب ضابطہ مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرے، اس کے بعد ہی اپنا طے شدہ حق المحنت حاصل کرے، اگر وہ سفیر اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا اور زکوٰۃ دینے والوں کو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ:۹/۵۱۳ ڈابھیل، کفایۃ المفتی:۴/۲۵۶)

حدثنا أبو الجويرية أن معن بن يزيد رضي اللّٰه عنه حدثه قال: بايعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنا وأبي وجدي وخطب علي فأنكحني وخاصمت إليه كان أبي يزيد أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته بها، فقال: واللّٰه ما إياك أردت، فخاصمت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: لك ما نويت يا يزيد، ولك ما أخذت يا معن. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب إذا تصدق على ابنه وهو لا يشعر: ۱/۱۹۱، رقم: ۱۴۲۲، فتح الباري: ۴/۳۷۱، بيروت)

سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلى رجل ليبيعها فقال القابض أنا أربها تاجراً لأعراف قيمتها فضاعت الجواهر قبل أن يريها قال: إن ضاعت أو سقط بحركته ضمن، وإن سرقت منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غيره لم يضمن. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۴/۳۴۲، دار الفكر بيروت)

ولو دفع بتحر فبان أنه غني أو هاشمي أو كافر أو أبوه أو ابنه صح لحديث البخاري لك ما نويت يا يزيد! لك ما أخذت يا معن! حين دفعها يزيد إلى ولده معن. (البحر الرائق: ۲/۲۴۷، كراتشي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۵/۲/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۸۸-۱۹۰)

کمیشن طے کر کے زکوٰۃ وصول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ رمضان وغیرہ میں زکوٰۃ کی وصول یابی پر مقرر کردہ محصلین کے لیے فیصد اور کمیشن طے کر کے زکوٰۃ وصول کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز ایسے مدرسوں کو جن کی زکوٰۃ وصول کرنے والے کمیشن پر کام کرتے ہوں، زکوٰۃ دی جائے تو ادا ہوگی، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

کمیشن پر زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ اور جو ذمہ داران مدارس زکوٰۃ کے مال سے کمیشن دیتے ہیں اور جو سفرا کمیشن لیتے ہیں، ان سے عنداللہ مواخذہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ فقیر طلبہ کے وکیل بن کر ان کی حق تلفی کرنے والے ہی؛ تاہم زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ کیوں کہ انہوں نے فقرا کے وکیل کے قبضہ تک زکوٰۃ کو پہنچا دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۶/۴۶۷)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ أن رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نہٰی عن استیجار الأجیریعنی حتٰی یبین لہ أجرہ. (السنن الکبریٰ للبیہقی،باب لا تجوز الإجارۃ حتٰی تکون معلومۃ: ۳۹/۹،رقم: ۱۱۸۵۵)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال: نہٰی عن عسب الفعل؛زاد عبید اللّٰہ وعن قفیز الطحان. (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۵/ ۵۵٤،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

الإجارۃ ھی بیع منفعۃ معلومۃ بأجرۃ معلومۃ. (البحرالرائق: ۳۷۲/۸،زکریا)

لأنہا استئجاربعض مایخرج من علمہ فتکون بمعناہ،وقد نہٰی عنہ رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم،وھوأن یستأجررجلاً لیطحن لہ کذا من الحنطۃ بقفیزمن دقیقہا. (رد المحتار،کتاب المزارعۃ: ۳۹۸/۹،زکریا،ردالمحتار: ۲۷۵/٦،کراتشی)

لوھلک المال فی ید العامل سقط حقہ وأجزی عن الزکاۃ. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۱۹۹/۳، رقم: ٤۱۲٤،زکریا،الفتاویٰ الھندیۃ: ۱۸۸/۱، أحسن الفتاویٰ: ٤٦۷/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۲/۱۱/۱۴۳۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۹۰/۷۔۱۹۱)

زکوٰۃ کی رقم سے چندہ کنندگان کا اپنی تنخواہ وصول کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں چند مدارس ایسے ہیں، جن مین قانون ہے کہ اساتذہ اپنی اپنی تنخواہ چندہ کرکے لیں گے، مدرسہ کی طرف سے نہیں دی جائے گی تو پوچھنا یہ تھا کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں جمع نہیں ہو پاتی کہ اساتذہ سفر میں، یا اپنے گھر کی ضرورتوں میں خرچ کرڈالتے ہیں تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟ جب کہ وہ اساتذہ اور چندہ کرنے والے غریب اور شرعاً زکوٰۃ کے مستحق بھی ہیں، بصورت دیگر جواز کی شکل بھی تحریر فرمائی جائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ فقیر اور مستحق کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنایا جائے، بریں بنا مذکورہ صورت میں اساتذہ کا چندہ کرکے زکوٰۃ کی رقم مہتمم، یا ذمہ مدرسہ کے حوالہ کئے بغیر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا اور اوراس سے اپنی تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں؟ اور اگر یہ رقم براہ راست استعمال کرلی، یا اس سے تنخواہ کے بقدر روپئے الگ کرلیے تو خرچ کرنے والا اس کا ضامن ہوگا اور اتنی رقم مدرسہ میں جمع کرانی ہوگی اور مدرسہ میں جمع کرانے کے بعد انجام کار زکوٰۃ ادا کرنے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ۲۵۲/۲)

عن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنہ أنہ قال: أتٰی رجل من بنی تمیم إلٰی رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: یا رسو ل اللّٰہ!إذا أدیت الزکاۃ إلٰی رسولک فقد برئت منہا إلٰی رسولہ،فقال

رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: نعم! إذا أدیت الزکاۃ إلی رسو لی فقد برئت منھا، لک أجرھا وإثمھا علی من بدلھا. (السنن الکبریٰ للبیھقی: ۱٦٤/٤، رقم: ۷۲۸۳، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

مستفاد: عن أبی حمید الساعدی رضی اللّٰہ عنہ قال: استعمل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم رجلاً من بنی أسد یقال لہ ابن الأتبیۃ علی صدقہ، فلما قدم قال: ھٰذا لکم، وھٰذا أھدلی، فقام النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی المنبر ثم قال: ما بال العامل نبعثہ فیأتی فیقول: ھٰذا لک وھٰذا لی، فھلا جلس فی بیت أبیہ وأمہ فینظر أیھدی لہ أم لا؟ والذی نفسی بیدہ لایأتی بشئی إلا جاء بہ یوم القیا مۃ یحملہ علی رقبتہ، الخ. (صحیح البخاری، کتا ب الا حکام، باب ھدایا العمال: ۱۰٦٤/۲، رقم: ۷۱۷٤، فتح الباری: ۲۰٤/۱٦، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عن بریدۃ مرفو عاً: أیما عامل استعملناہ وفرضنا لہ رزقاً فما أصاب بعد رزقہ فھو غلول. (رواہ الحاکم فی المستدرک کذا فی التلخیص الحبیر: ٤۰۳/۲، ومثلہ عند أبی داؤد فی سنۃ، رقم: ۲۹٤۳، إعلاء السنن: ۸۹/۱۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحۃ. (الدر المختار: ۳٤۷/۲، کراتشی، الفتاویٰ الھندیۃ: ۱۸۹/۱)

لایجوز الزکاۃ إلا إذا قبضھا الفقیر أو قبضھا من یجوز القبض لہ لو یتہ علیہ. (المحیط البرھانی: ٤۳٤/۲، کوئتۃ)

لا یجوز إلا إذا قبضہ من یقبض لہ. (فتاویٰ السراجیۃ، ص: ۱۵۳)

إذا ضاعت الودیعۃ أو ھلکت لزم الضمان. (شرح المجلۃ: ٤۳۳/۱، رقم: ۷۸۲)

سئل عمر الحافظ رجل دفع إلی الآخر مالاً، فقال لہ ھٰذا زکوٰۃ ما لی فأدفعھا إلی فلان، فدفعھا الوکیل إلی الآخر، ھل یضمن؟ فقال نعم، لہ التعیین. (الفتاویٰ التاتارخانیۃ: ۲۸۸/۳، زکریا، ردالمحتار: ۲٦۹/۲، کراتشی، البحر الرائق: ۳۷۱/۲) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۳/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۱۹۱/۷-۱۹۳)

کیا کمیشن پر چندہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس کے لیے جو احباب کمیشن کے ذریعہ چندہ وصول کرتے ہیں، ان کو چندہ میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ اجارہ مجہولہ ہے، سفیر پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول شدہ پوری رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرے، جب تک وہ پوری رقم جمع نہ کرے اسے معاوضہ وغیرہ لینا جائز نہیں ہے؛ تاہم چوں کہ وہ مدرسہ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل ہے؛ اس لیے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اب اگر وہ

جمع کرنے میں کوتاہی کرے گا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۱۵/۱۷۵-۶۷ ڈابھیل، ایضاح المسائل: ۱۲۲)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا لْأَمَانَا تِ إِلىٰ أَهْلِهَا﴾ (النساء: ٥٨)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه إنه قال: أتي رجل من بني تميم إلىٰ رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: فقال: یارسو ل اللّٰہ !إذا أدیت الزکا ۃ إلیٰ رسولک فقد برئت منها إلی اللّٰہ وإلیٰ رسوله، فقال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: نعم إذا أدیت الزکاۃ إلیٰ رسولي فقد بر ئت منها ولک أجرها وإثمها علیٰ من بدلها. (السنن الکبریٰ للبیهقي، الزکاۃ، باب الزکاۃ تتلف في یدی الساعي: ٥/٢٠٥، رقم: ٧٣٨٠، المصنف لعبد الرزاق، ا لزکاۃ، باب موضع الصدقة: ٤/٣٥، رقم: ٦٩١٩)

عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ عن أن رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم نهی عن استیجار الأجیریعني حتیٰ یبین له أجره. (السنن الکبریٰ للبیهقي، باب لا تجوز الإجارۃ حتیٰ تکون معلومة: ٩/٣٩، رقم: ١٨٥٥)

عن أبي سعید الخدري رضي اللّٰہ عن قال: نهیٰ عن عسب الفعل، زاد عبید اللّٰہ وعن قفیز الطحان. (السنن الکبریٰ للبیهقي: ٥/٥٥٤، دارالکتب العلمیة بیروت)

الأجارۃ هي بیع منفعة معلومة بأجرۃ معلومة. (البحر الرائق: ٨/٥، زکریادیوبند)

وأما حکمها فو جوب الحفظ علی المود ع وصیر ورۃ المال أمانة في یده روجوب أدائة عند الطلب مالکه والودیعة لا تود ع ولا تعار ولا تو اجر ولا ترهن وإن فعل شیئاً فیها ضمن. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع في المصارف: ٤/٣٣٨، البحر الرائق: ٧/٤٦٧) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۱۱/۲۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۱۹۳-۱۹۴)

زکوٰۃ کی رقم سے سفیر کو ڈبل تنخواہ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس اسلامیہ میں ماہ رمضان میں سفراوصول یابی کے لیے جس میں زکوٰۃ کی وصولی خاص ہوتی ہے، اس کارکردگی کی وجہ سے ماہ رمضان کی ڈبل تنخواہ ملتی ہے اور یہ ڈبل تنخواہ مذکورہ سے ملتی ہے تو ڈبل تنخواہ مدز کوٰۃ سے لینا دینا جائز ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

زکوٰۃ کی رقم سے سفیر، یا کسی بھی ملازم کو اصل، یا ڈبل کوئی بھی تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، اگر مجبوری کی حالت ہو تو پہلے زکوٰۃ کی رقوم کی شرعی ضوابط کے مطابق تملیک کرانی ہوگی، اس کے بعد ہی وہ رقم تنخواہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبة: ٦٠)

لأن الزکاۃ یجب فیها تملیک المال؛ لأن الإیتاء في قو له تعالیٰ: ﴿وَآتُوْا لزَّكٰوةَ﴾ یقتضي التملیک. (تبیین الحقائق: ٢/١١٨، البحر الرائق: ٢/٢٠١، کوئته)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا یصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلیٰ کفن میت إلیٰ قولہٖ لعدم التملیک وھو الرکن.(رد المحتار، کتاب الزکاۃ،باب المصرف:۲۹۱/۳-۲۹۳،زکریادیوبند،۳۴۴/۲،کراتشی)

ولا یعطی أجر الجزار منہا؛لأنہ کبیع؛لأن کلا منہما معاوضۃ؛لأنہ إنما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ، والبیع مکروہ، فکذا ما فی معناہ.(الدر المختار مع رد المحتار: ۴۷۵/۹،زکریادیوبند، البحر الرائق:۱۷۸/۸، الھدایۃ الأضحیۃ: ۴۵۰/۴)

قولہ:وإلا لا،أی لأن المدفوع یکون بمنزلۃ العوض.(کذا فی الشامی:۲۵۶/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۵/۱۱/۲۳ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۱۹۴/۷-۱۹۵)

امام،موذن کی تنخواہوں میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے شہر میں ماہ رمضان المبارک میں مسجدوں کے امام اور موذن کی امداد کے لیے چندہ کیا جاتا ہے،اس چندہ میں مسجد کے امام اور موذن کے لیے بطور امداد زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور چرم قربانی کی رقم دینا کہاں درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــ وباللہ التوفیق

امام،موذن کی تنخواہوں میں زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کی رقومات صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ہاں کوئی امام،یا موذن غریب اور مستحق زکوٰۃ ہو تو اسے بطور مد زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۱۳/۶)

قال اللہ تعالیٰ:﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾(التوبۃ:۶۰)

لأن الزکاۃ یجب فیہا تملیک المال؛لأن الإیتاء فی قولہ تعالیٰ:﴿وَآتُوا الزَّكوٰةَ﴾ یقتضی التملیک.(تبیین الحقائق:۱۱۸/۲،البحر الرائق:۲۰۱/۲،کوئٹہ)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لایصرف إلیٰ بناء نحو مسجد ولا إلیٰ کفن میت إلیٰ قولہ لعدم التملیک وھو الرکن.(رد المحتار، کتاب الزکاۃ،باب المصرف:۲۹۱/۳-۲۹۳،زکریا،۳۴۴/۲،کراتشی)

ولا یعطی أجر الجزار منہا؛لأنہ کبیع؛لأن کلا منہما معاوضۃ؛لأنہ إنما یعطی الجزار بمقابلۃ جزرہ،والبیع مکروہ ، فکذا مافی معناہ.(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکاۃ،باب المصرف: ۴۷۵/۹، زکریا،البحر الرائق:۱۷۸/۸،الھدایۃ، کتاب الأضحیۃ: ۴۵۰/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۵/۶/۲۵ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۱۹۵/۷-۱۹۶)

سخت مالی بحران کے سبب حیلہ تملیک کرکے زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید ایک صاحب نصاب شخص

ہے، اس کے علاقہ میں ایک مکتب و مدرسہ تقریباً ۲۵/ یا ۳۰/ سال قبل بچوں کو ضروری دینی تعلیم دینے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا، زمانہ قیام کے چند برسوں کے بعد مکتب و مدرسہ مذکورہ مسلکی اختلاف کا شکار رہا ہے، متعلقہ و تدریس کا کام عرصہ سے ملتوی رہا، انہیں حالات کے پیش نظر متولی مدرسہ نے بچوں کو ضروریات دین کی بنیادی تعلیم دینے کے لیے ایک مدرس کا نظم کیا اور ملازمین کی تنخواہ اور دیگر ضروریات مدرسہ کے واسطہ مالی تعاون کی درخواست کی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مکتب و مدرسہ میں نادار طلبہ کو ضروریات دین کی تعلیم دینے کی غرض سے مقرر کئے گئے مدرس، یا ملازم کی تنخواہ اور دیگر اخراجات کے لیے امدادی، یا چندے کی رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے انتہائی وقت و پریشانی کا سامنا ہونے کے سبب شدید مجبوری کی حالت میں حیلہ تملیک کے ذریعہ مدزکوٰۃ کی رقم کا استعمال کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ اور مکتب و مدرسہ مذکور کی اعانت مد مذکورہ حالات کے پیش نظر کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

مذکورہ شدید ضرورت کے پیش نظر زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات حیلۂ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہوں میں لگانے کی گنجائش ہے، پھر بھی حتی الامکان کوشش کی جائے کہ زکوٰۃ کے علاوہ امدادی رقومات حاصل ہوں اور ان سے مدرسہ کی ضروریات پوری کی جائیں۔

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: کان فی بریرة ثلاث سنن ودخل رسو ل اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم والبرمة تفور بلحم، فقرب إلیه خبر وأدم من أدم البیت، فقال: ألم أر برمة فیها لحم؟ قالو! بلٰی ولکن ذٰلک لحم تصدق به علٰی بریرة، وإنت لا تأکل الصدقة، قال هو علیها صدقة ولنا هدیة. (صحیح البخاری، الطلاق، باب لا یکون بیع الأمة طلاقاً، رقم: ۵۲۷۹، فتح الباری: ۵۰۵/۱۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

قال الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی تحت قوله: ولنا هدیة " أی إن أهدتها إلینا بریرة فإذا تصدق علی الفقیر شی ء صار ملکه، فله أن یهدیه ویهبة للغنی، ولکل من لا تحل له الصدقة. (لمعات التنقیح فی شرح مشکاة المصابیح: ۲۹۲/٤، دار النوادر)

وقال الملا علی القاری: قال الطیبی: إذا تصدق علی المحتاج بشئی ملکه، فله أن یهدی به إلٰی غیره الخ وهو معنی قول ابن الملک: فیحل التصدق علٰی من حرم علیه بطریق الهدیة. (مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح: ۲۹۲/٤، دار الکتب العلمیة بیروت)

لو أراد صرفها إلٰی بناء المسجد أو القنطرة لا یجوز، فإن أراد الحیلة فالحیلة أن یتصدق به المتولی علی الفقراء، ثم الفقراء یدفعونه إلی المتولی، ثم المتولی یصرف إلٰی ذٰلک کذا فی الذخیرة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی المصارف: ۴۷۳/۲، دار الفکر بیروت)

وقدمنا أن الحیلة أن یتصدق علی الفقیر ثم یأمره بفعل هٰذه الأشیاء. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۲٦٤/۳، دار إحیا التراث العربی بیروت: ۲۹۳/۳، زکریا، تبیین الحقائق: ۱۲۰/۲)

والحيلة المن أراد ذٰلك أن يتصدق ينوى الزكاة علٰى فقير، ثم يأمره بعد ذٰلك بالصرف إلٰى هٰذه الوجوه، فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة، ولذٰلك الفقير ثواب هٰذه الصرف. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/ ۲۰۸، زکریا) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۳/۱/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۱۹۷-۱۹۹)

لوگوں کے چندہ نہ دینے کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم تملیک کر کے تنخواہ میں خرچ کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے علاقہ میں ایک مکتب عرصہ دراز سے چل رہا ہے، جس میں ۶/ مدرسین تعلیمی کام کو انجام دے رہے ہیں، مکتب میں اس وقت تقریباً ۳۰۰/ بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، امداد کی رقم سے اس مدرسہ کو اب تک چلایا جاتا رہا ہے؛ لیکن علاقہ کی خاصی بے توجہی کی وجہ سے مدرسین کی تنخواہ پوری کرنا مشکل ہورہا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں مکتب کے لئے زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں استعمال کرنے کے لیے شریعت مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مسئولہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم تملیک کر کے مدرسوں کی تنخواہوں میں خرچ کرنا ضرورۃً جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۱۰۴)

عن أبى سعيد الخدرى قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتحل الصدقة لغنى أو جار فقير يتصدق عليه فيهدى لك أويدعوك. (السنن أبى داؤد: ۱/ ۲۳۲، رقم: ۱۸۴۱)

وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا فى تعمير المسجد. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۳/ ۱۹۱، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۱۹۹-۲۰۰)

سخت مجبوری میں زکوٰۃ، صدقات اور چرم کی رقم تملیک کے بعد مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں لگانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ صدقہ فطر اور چرم قربانی کی رقم تعمیر مسجد وعیدگاہ اور تعمیر مدرسہ میں صرف ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ اگر صرف نہیں ہوسکتی تو ان رقومات کا ان مقامات میں صرف کرنا یا جائز سمجھے والے کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ تو کہتے ہیں کہ ہم نے بطور قرض لے لیا ہے، یا تحویل کرلیا ہے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی کی رقم مسجد، یا مدرسہ کی تعمیر میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے اور اس مقصد کے لیے مروجہ

حیلہ تملیک بھی جائز نہیں ہے؛ تاہم اگر سخت ضرورت کی وجہ سے شرعی حیلہ تملیک کے بعد یہ رقم لگائی گئی ہے تو اس کی جگہ سے انتفاع میں حرج نہیں۔

عن أبی سعید الخدری قال: قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاتحل الصدقة لغنی أو جار فقیریتصدق علیه فیهدی لک أو یدعوک. (سنن أبی داؤد: ۱/۱۳۲، رقم: ۱۸٤۱)

ولا تدفع الزکاة لبناء مسجد؛ لأن التملیک شرط فیها ولم یوجد، وکذا بناء القناطیر و إصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد، وکل مالا تملیک فیه، وإن أرید الصرف إلٰی هٰذه الوجوه صرف إلٰی فقیر، ثم یأمربالصرف إلیها فیثاب المزکی والفقیر. (مجمع الأنهر: ۱/۲۲۲، دار إحیا التراث بیروت)

لایصرف إلٰی بناء نحو مسجد کبناء القناطیر والساقیات، وإصلاح الطرقات وکری الأنهار، والحج والجهاد، وکل ما لا تملیک فیه: (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳/۲۹۱، زکریادیوبند)

وحیلة التکفین بها التصدق علی الفقیر، ثم هویکفن فیکون الثواب لهما، وکذا فی تعمیر المسجد. (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۳/۱۹۱، زکریادیوبند) فقط واللہ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۷/۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۰۱-۲۰۲)

کیا مسجد میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانے کی کوئی صورت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زکوٰۃ کا پیسہ مسجد میں کس صورت میں لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے اور پیسہ بھی پاک ہوجائے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ———— وباللّٰہ التوفیق

مسجد میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۵۷۰، ڈابھیل)

لایصرف إلٰی بناء نحو مسجد. (الدرالمختار، کتاب الزکاة، الباب السابع فی المصارف: ۲/۳٤٤، کراتشی، ۳/۲۹۱، زکریادیوبند)

ولا یجوزالحج ولعتق وبناء المسجد من زکاة ما له؛ لأنهم مأمورون بالإیتاء للفقیر، وهو عبارة عن التملیک من الفقیر، ولم یوجد. (الفتاویٰ الولوالجبیة، الزکاة، فیمایقع عن الزکاة وفیما لا یقع إلی آخره: ۱/۱۸۰، دارالکتب العلمیة بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ۔ الجوب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۰۵-۲۰۶)

زکوٰۃ، صدقہ اور چرم قربانی کی رقم مسجد کے بیت المال میں جمع کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زکوٰۃ، صدقہ فطر، چرم قربانی

کی رقم مسجد کے بیت المال کے لیے جمع کی جاسکتی ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مسجد کے فنڈ میں زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی وغیرہ کی رقم جمع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ مسجد میں زکوٰۃ وغیرہ کا مصرف نہیں پایا جاتا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبة: ٦٠)

إن مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنٰى شيء ومسكين من لا شيء له ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصارف: ٢٨٣/٣ ـ ٢٩١، زكريا ديوبند) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۱/۶ھ ـ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۰۷/۷)

مدارس میں رقوم زکوٰۃ کی فراہمی اور طریقہ استعمال:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا مدارس اسلامیہ کے نظام کو چلانے کے لیے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم مسلمانوں سے وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہر چھوٹے بڑے مدرسہ کے لیے؟ کچھ مخصوص صفات یا معیار کے حامل مدرسوں کے لیے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

جس مدارس میں مصارف زکوٰۃ بالفعل موجود ہیں، مثلاً: وہاں نادار اور غریب بچے مقیم ہوں اور ان کے قیام وطعام کا انتظام من جانب مدرسہ ہو، تو ایسے مدارس میں اخراجات کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات وصول کرنا اور انہیں مصارف پر خرچ کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے؛ لیکن وہ مدارس جہاں صرف زکوٰۃ بالفعل موجود نہ ہوں، مثلاً: چھوٹے مکاتب جہاں مقامی بچے آتے ہیں اور پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کے قیام وطعام کا انتظام نہیں ہے، ایسے مدارس کے اخراجات صرف امدادی رقومات سے پورے کئے جانے چاہیے، ان کے لیے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، زکوٰۃ کا تعلق چونکہ ایک فرض کی ادئیگی سے ہے؛ اس لیے ارباب مدارس کو خوف آخرت پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی نازک ذمہ داری ادا کرنی چاہیے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹۷/۱۴ ـ ۲۹۸، میرٹھ، کتاب المسائل: ۲۷۴/۲)

قال اللّٰه تعالیٰ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (التوبة: ٦٠)

مصرف الزكاة هو فقير وفي سبيل اللّٰه قيل: طلبة العلم يصرف المزكي إلٰى كلهم أو إلٰى بعضهم ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً فلا يكفر فيها الإطعام إلا بطريق التمليك، (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٣٤٠/٢ ـ ٣٤٤، كراتشي)

ولا یحل أن یسأل شیئا من القوت من له قوت یومه بالفعل أوبالقوه کالصحیح المکتسب و لوسأل الکسوة لا شتغالة عن الکسب بالجهاد أوطلب العلم جازأومحتاجاً.(رد المحتار، کتاب الزکاة،باب المصرف:۲/۲۵۷، کراتشی)

سئل عن معلمله خلیفة فی المکتب یعلم الصبیان ویحفظهم ویکتب الواحهم ولم یستأجره بشی معلوم وما اشترط شیئا والمعلم یعطیه فی الأحایین دراهم بنیة الزکاة هل یجوزعن الزکاة؟قال:نعم!إلا أن یکون بحیث لولم یعطه یعمل له ذلک فی مکتب.(الفتاویٰ التاتارخانیة:۲/۲۰۹-۲۱۰،زکریا)

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا طالب علم دین اور دینی کاموں (مثلاً تدریس،تصنیف اورتبلیغ) میں مصرف علماء دین زکوٰۃ کا مصرف ہیں؟ اگر ہیں تو کیا فقر کی شرط کے ساتھ یا غنی ہر کبھی؟ نیز مصارف کی منصوبہ مدات میں کس مد میں شامل ہوکر یہ مصرف بنیں گے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

طلبہ علوم دین اور دینی کاموں میں مصروف علماء وغیرہ اگر فقیر ونادار ہوں (اور دیگر کوئی مانع بھی نہ ہو) تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات سے ان کی مدد کرنا بلا شبہ جائز ہے؛لیکن یہ شرط ہے کہ یہ تعاون کسی عمل کو عوض میں ہو؛یعنی تنخواہ وغیرہ کے طور پر نہ دیا جائے؛ بلکہ بطور تبرع بلاعوض دیا جائے۔

اوراگر دینی مدارس کے طلبہ مالدار ہوں اور وہ مسلسل طلب علم میں مشغول ہوں تو اگر چہ بعض فقہی عبارتوں سے ایسے طلبہ پر براہ راست زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛لیکن علامہ شامی کی نظر میں احوط اوراوجہ بات یہ ہے کہ یہ جواز فقیر کے ساتھ مشروط ہو اور صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا ایسے طلبہ کے لیے زکوٰۃ کے جواز کو ﴿اَلْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا﴾ پر قیاس کرنا محل نظر ہے؛ کیوں کہ عاملین بیت المال ک لیے کام کرتے ہیں،جب کہ طلبہ خود اپنی ذات کے لیے تحصیل علم میں مشغول ہیں دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا سمجھ میں نہیں آ تا۔

أما قوله تعالیٰ﴿وَفِيْ سَبِيْلَ اللّٰهِ﴾عبارة عن جمیع القرب فیدخل فیه کل من سعی فی طاعة اللّٰه تعالیٰ وسبیل الخیرات إذا کان محتا جاً.(بدائع الصنائع:۲/۱۵٤،زکریا)

قلت:وهو کذلک والأوجه تقییده بالفقیرویکون طلب العلم مرخصاً لجوازسؤال من الزکاة وغیرها وإن کا ن قادراً علی الکسب إذا بدونه لا یحل له السؤال.(رد المحتار،کتاب الزکاة،باب المصرف:۳/۲۸٦،زکریا)

ولو دفعها المعلم خلیفة إن کانت بحیث یعمل له لم یعطه صح وإلا لا(وتحته فی الشامیة)(قوله:إلا لا) أی لأن المدفوع یکون بمنزله العوض. (رد المحتار،کتاب الزکاة،باب المصرف:۲/۳۵٦،کراتشی)

سئل عن معلم له خليفة فى المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشئى معلوم،وما اشترط شيئا والمعلم يعطيه فى الأحايين دراهم بنية الزكاة هل يجوزعن الزكاة ؟قال:نعم:إلا أن يكون بحيث لولم يعطه لم يعمل له ذلک فى مكتبه. (الفتاویٰ التاتارخانية،كتاب الزكاة:۲/۲۰۹-۲۱۰،قديم،مسائل بہشتی زیور:۳۲۴)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ:

(الف) کیا زکوٰۃ وغیرہ صدقات واجبہ کی رقوم کا طلبہ کو مالک بنانا ہی ضروری ہے؟ یا مالک بنائے بغیر بھی طلبہ کی مصلحتوں اور ضروریات میں مہتمم صاحب کا اپنے طور پر خرچ کردینا مالک بنانے کے قائم مقام ہوجائے گا؟

(ب) طلبہ علم دین اور دینی امور میں مصروف عمل علماء دین کو ''فی سبیل اللہ'' کے تحت شامل مانتے ہوئے انہیں زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا جاسکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(الف) زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کی رقم، یا رقم سے خریدی گئی اشیا مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے، لہٰذا مہتمم ضرورت مند طلبہ کو براہ راست زکوٰۃ کی رقم تملیکاً دینے کا بھی مجاز ہے اور اس رقم سے ان کے کھانے، پینے کپڑے وغیرہ کا انتظام بھی کرسکتا ہے؛ تاکہ یہ اشیا ضرورت مند طلبہ پر براہ راست صرف ہوجائیں؛ لیکن ایسی ضرورتیں جن میں تملیک نہیں پائی جاتی، مثلاً: بجلی، عمارت اور کتابیں وغیرہ تو ان مدات میں براہ راست زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات صرف کرنا مہتمم کیلئے درست نہ ہوگا؛ بلکہ ان مدات میں صرف کرنے سے پہلے تملیک ضروری ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة.(وتحته فى الشامية:)فلا يكفى فيها الإطعام إلا بطريق التمليک. (ردالمحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:۳/۲۹۱،زكريا)

إذا كان يعول يتيماً ويجعل ما يكسوه ويطعمه من زكٰوة ما له ففى الكسوة لاشک فى الجواز لوجود الركن وهو التمليک،وأما الطعام فما يد فعه إليه بيده يجوز أيضاً لما قلنا بخلاف مايأكله بلا دفع إليه. (رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:۳/۱۸۲،زكريا،الفتاویٰ التاتارخانية:۳/۲۱٤،زكريا)

(ب) اور طلبا اور علما کو اجر وثواب اور عمومی مصداق کے اعتبار سے تو فی سبیل اللہ کے تحت داخل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن مصرف زکوٰۃ کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں، لہٰذا اس کو بنیاد بنا کر طلبا وعلما پر براہ راست زکوٰۃ صدقات کی رقومات صف کرنا صحیح نہ ہوگا۔

وقيل طلبة العلم. (الدرالمختار) **وقال الشامي:وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبى صلى الله عليه وسلم تلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة،فا لتفسير بطالب العلم وجيه خصوصاً.** (رد المحتار،كتاب الزكاة،باب المصرف:۲/۳٤۲،كراتشى)

وفي سبيل الله وهم الغزاة وموضع الربط يعطون ماينفقون في غزوهم كانوا أغنياء أو فقراء. (تفسير القرطبي: ۱۸۵/۸)

وأما قوله تعالىٰ: ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ إلى قوله فالمراد هو الغازي الفقير رقبةً ويداً أو رقبة بأن كان منقطعاً عن ماله فيكون فقيراً يداً غنياً رقبةً وفي المضمرات: إن ابن السبيل هو الذي لا يقدر علىٰ ماله وهو غني. (الفتتاویٰ التاتارخانية: ۲۰٤/۳، رقم: ٤١٣٥، زكريا)

وأما قوله تعالىٰ: ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالىٰ وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً. (بدائع الصنائع: ۱٥٤/۲، زكريا)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر تملیک ضروری ہی ہوتو مدارس میں تملیک کا جو مروجہ طریقہ ہے، جس میں مستحق پر کسی نہ کسی درجہ میں دباؤ ہوتا ہے کہ وہ بہرصورت مدرسہ کو واپس ہی کردے، وہ کہاں تک درست ہے؟ کیا اس طریقہ پر تملیک کا عمل مکمل ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کوئی بے غبار صورت آپ کے ذہن میں ہوتو تحریر فرمائیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مروجہ تملیک میں فقیر کو مالک بنادینے کے بعد مصارف میں خرچ کرنے کی ترغیب تو دی جاسکتی ہے؛ لیکن اس پر دباؤ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے؛ بلکہ ہونا یہ چاہیے کہ ایسے شخص سے تملیک کرائی جائی، جو اچھی طرح مسئلہ سے اور اس کی نزاکت سے واقف ہو اور اجر وثواب کے حصول کے ذوق وشوق میں وہ اپنی ملکیت کو بشاشت کے ساتھ مصارف میں خرچ کرنے پر راضی ہو اور اس طرح ذہن سازی ارباب مدارس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے اور ضرورت کے وقت اس طرح کا حیلہ کرنے کی گنجائش فقہا کی عبارت سے ماخوذ ہے۔

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم: أتي بلحم تصدق به علىٰ بريرة فقال هو علها صدقة وهو لنا هدية. (صحيح البخاري: ۲۰۲/۱، رقم: ۱٤٧٣، مسلم: ۳٤٥/۱، رقم: ۱۰٧٤)

والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته علىٰ فقير ثم يأمر بعد ذلك بالصرف إلىٰ هٰذه الوجوه، فيكون للتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۳۹۲/٦، الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۰۸/۳، رقم: ۱٤۱، زكريا، ردالمحتار: ۱۹۱/۳، زكريا)

لايجوز الزكاة إذا قبضها الفقير. (المحيط البرهاني: ۲۱٤/۳، كوئته)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض مدارس میں یہ طریقہ ہے کہ کسی مستحق یا محتاج شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے طور پر قرض لے کر مدرسہ کی فلاں ضرورت میں خرچ کردو اور خرچ کے

بعداس کومدز کوٰۃ سے اتنی رقم دے دی جاتے ہے، جس سے وہ اپنی قرض کی ادائیگی کر سکے، کیا یہ صورت درست ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مدرسہ سے وابستہ کوئی سرمایہ دار شخص اگر اپنی ذاتی رقم سے کسی فقیر شخص کوقرض دے اور یہ فقیر شخص اس رقم کو ضروریات مدرسہ میں لگالے تو اس فقیر کے قرضہ کی ادائیگی میں مدرسہ میں موجود زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کی گنجائش ہوگی۔حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس تدبیر کی تائید فرمائی اورضرورت کے وقت یہ صورت اپنانے کی گنجائش ہے۔(مستفاد: امدادالفتاویٰ قدیم:۲۱۸/۴،جدید:۵۰/۲)

الدفع إلٰی من عليه الدين أومن الدفع إلى الفقير، كذا فی المضمرات. (الفتاویٰ الهندية،الباب السابع فی المصارف: ۱۸۸/۱)

سوال: کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی عمارت کی تعمیر کے سلسلہ میں بعض دفعہ مہتمم صاحب کسی ایک مال دار شخص یا چندافراد کی کمیٹی سے کہتے ہیں کہ آپ خود یا لوگوں سے قرض لے کر مدرسہ کی عمارت بنوادیں، پھرہم اس کی ادائیگی کسی طرح کردیں گے، پھر مہتمم صاحب زکوٰۃ کی رقم سے ان حضرات کا دین ادا کردیتے ہیں تو کیا رقوم زکوٰۃ یا دیگر صدقات واجبہ سے ان حضرات کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے؟ اور یہ صورت ﴿والغارمین﴾ کے تحت شامل ہوکر جائز قراردی جاسکتی ہے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــ وباللّٰه التوفيق

مدرسہ کی تعمیر کے سلسلہ میں سوال میں جوصورت لکھی گئی ہے، اس میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات لگانا درست نہ ہوگا؛ اس لیے کہ جو مالدار شخص، یا کمیٹی کے افراد خود، یا دوسروں سے قرضہ لے کر عمارت میں لگارہے ہیں، وہ بذات خود مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں؛ اس لیے ان کوزکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، نیز جوعمارت بنائی گئی ہے، اس ک طلبہ مالک نہیں ہیں، لہٰذا طلبہ کی طرف سے اس رقم کی ادائیگی کی بھی کوئی وجہ نہیں ہےاوراسے ﴿والغارمین﴾ میں شامل کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ اس سے وہی غارمین مراد ہیں، جومفلوک الحال ہوں۔

قوله سبحانه وتعالٰی: ﴿والغارمين﴾ هم الذين ركبهم الدّين ولا وفاء عندهم به ولاخلاف فيه روى مسلم عن أبی سعيد الخدری رضی اللّٰه تعالٰی عنه قال: أصيب رجل فی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم تعالٰی عليه وسلم فی ثمار إبتاعها فكثر دينه، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی وعليه وسلم: تصدقوعليه، فتصدق الناس عليه. (تفسير القرطبی: ۱۸۳/۸-۱۸۴)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ بعض مدارس میں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ جتنا ماہانہ خرچ بشمول مطبخ،تعلیم وتنخواہ ومدرسین وغیرہ آتا ہے، اس کوطلبہ کی تعداد پر تقسیم کرکے ہرایک

کے حصہ میں آنے والی رقم بطور فیس مقرر کردی جاتی ہے، اور ہر مہینہ فیس کے بقدر بطور وظیفہ طالب علم کو مدزکوٰۃ سے دے کر اس سے مذکورہ فیس میں وصول کر لی جاتی ہے، یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟ وضاحت فرمائیں، واضح رہے کہ چھوٹے مدارس میں تو کسی حد تک اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن بڑے مدارس جہاں طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے، وہاں اس پر عمل درآمد غالباً مشکل ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

سوال میں ذکر کردہ صورت بہترین اور بے غبار ہے اور اگر توجہ کی جائے تو نہ صرف چھوٹے مدارس میں؛ بلکہ بڑے مدارس میں بھی یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے اور اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ہر مہینہ کی رقم کے بقدر وظیفہ کا اہتمام ہو؛ بلکہ سالانہ، یا چھ مہینہ کے حساب کے اعتبار سے بھی فیس کی ادائیگی اور وصولی کی شکل اپنائی جاسکتی ہے۔ (مستفاد کتاب المسائل: ۲/۲۷۳، فتاویٰ رحیمیہ: ۱۵۰/۵، فتاویٰ محمودیہ: ۶۰۳/۹ ڈابھیل، محمود الفتاویٰ: ۴۷/۲)

لا یصرف إلٰی بناء نحو مسجد. (وتحته فی الشامیة:) **وکل ما لا تملیک فیه.** (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲۹۱/۳، زکریا)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحةً. (رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب المصرف: ۲۹۱/۳، زکریا)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدرسہ کے مہتمم صاحب، یا ان کے مقرر کردہ سفیر کی حیثیت کیا ہے؟ کیا مہتمم صاحب کو امیر المؤمنین اور ان کے مقرر کردہ سفیر کو اسلامی حکومت کے عامل صدقات کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟

اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص اور فقہی تصریحات کے علاوہ حضرات اکابر علماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ کی تحریرات وفتاویٰ میں جو کچھ نفیاً واثباتاً درج ہے، اسے بھی پیش نظر رکھتے ہوئے مدلل واطمینان بخش موقف کی وضاحت فرمائیں۔

نیز مہتمم بحیثیت امیر المؤمنین زکوٰۃ وصول کر کے اس میں سے سفیر کا محنتانہ اور مستحقین کی ضروریات میں از خود صرف کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کس حد تک؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مدرسہ کے مہتمم حضرات من وجہ طلبہ کی طرف سے اور من وجہ معطی حضرات کی جانب سے وکیل ہیں، طلبہ کے وکیل ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ کی رقم سفرا اور مہتمم کے قبضہ میں آتے ہی معطی حضرات کی زکوٰۃ کی ادائیگی سمجھی جاتی ہے؛

لیکن جب تک یہ رقم اصل مصارف میں خرچ نہ ہو معطی حضرات کے وکیل ہونے کی حیثیت سے مہتمم کا ذمہ بری نہیں ہوسکتا اور مہتمم کو مطلقاً امیر المؤمنین کے درجہ میں اور اس کے سفرا کو عاملین صدقات کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا؛ اس لیے کہ اسلامی حکومت کے عاملین فقرا کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں، ان میں دونوں جہتیں نہیں پائی جاتیں اور ہمارے اکابر میں صرف مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء مدارس کو عاملین صدقات کے درجہ میں رکھ کر ان کے لیے بمد زکوۃ محنتانہ لینے کی گنجائش دی ہے؛ لیکن دیگر اکابر سے اس کی تائید منقول نہیں ہے اور اگر بالفرض مہتمم کو امیر المومنین کے درجہ میں رکھا جائے تو اس کی بنیاد پر اسے زکوۃ کی رقومات غیر مصارفات میں خرچ کرنے کی اجزت نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ واقعی امیر المومنین کو بھی شریعت میں پابند کیا گیا ہے کہ وہ بیت المال کی مختلف مدات کی رقومات الگ الگ رکھیں اور خلط ملط کر کے نہ رکھیں تو جب امیر المؤمنین کو غیر مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے تو مہتمم اور سفرا کو کیسے اجازت ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: امدادلفتاویٰ: ۳۱۶/۳، فتاویٰ محمودیہ: ۲۷۵/۱۴، میرٹھ، ۵۱۱/۹، ڈابھیل)

مستفاد: بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲۷۰/۲، كراتشي)

ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع: الأول: زكاة السوائم والعشور والثاني: خمس الغنائم و المعادن والركاز والثالث: الخراج والجزية وما صولح عليه، والرابع: اللقطات وما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثاً. (الفتاویٰ الهندية، الباب السابع في المصارف: ۱۹۰/۱-۱۹۱)

قال محمد: يجب أن تكون بيوت الأموال أربعة أحدها: بيت مال الزكاة العشر والكفارات و الثاني: بيت مال الخراج والجزية: والثالث: بيت مال الخمس والرابع: بيت مال اللقطات و التركات. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳۴۸/۳، رقم: ٤٥٤، زكريا)

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر مہتمم مدرسہ کی حیثیت امیر المؤمنین کی ہے تو اس سلسلہ میں اشکال ہوگا کہ اس کی ولایت عام نہیں ہے تو کیا ولایت کے حصول کے لیے طلبہ کی جانب سے کسی وکالت نامہ پر دستخط کرالینا، جس میں مہتمم صاحب کو ان کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہو، کافی ہوگا، یانہیں؟ واضح رہے کہ بعض مدارس میں یہ طریقہ بھی رائج ہے۔

اگر وکالت نامہ کافی ہو تو کیا صرف رقم زکوۃ پر قبضہ کرنے کی حد تک؟ یا طلبہ کی ضروریات ومصالح میں اپنے اختیار سے خرچ کرنے کا بھی مہتمم صاحب کو اختیار ہوگا؟ اور اگر وکالت نامہ میں حسب صواب دید مہتمم صاحب کو طلبہ کی جانب سے صرف کرنے کا بھی اختیار دے دیا جائے تو مندرجہ ذیل صورتیں تحقیق طلب ہیں:

(الف)　کیا صرف وظیفہ نقد، طعام، تنخواہ معلمین وخدام، روشنی اور پانی کے مصارف وغیرہ استبلاء کی مصارف میں مہتمم صاحب خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے؟

(ب)　یا دارالاقامہ، درس گاہوں، کتب خانوں، دفاتر اور مطبخ وغیرہ کی تعمیر نیز کتب خانہ کے لیے کتابوں کی فراہمی میں بھی صرف کر سکتے ہیں، جو غیر استہلاء کے مصارف ہیں؟

(ج)　نیز کیا ایسے استبلاء کے مصارف جن سے براہ راست طلبہ کی منفعت وابستہ نہیں ہوتی، مثلاً: مہمان نوازی، اجراء رسائل، دارالافتاء، شعبہ اصلاح معاشرہ اور تبلیغ وغیرہ کے اخراجات، کیا ان میں مہتمم صاحب براہ راست رقم زکوٰۃ صرف فرما سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ کیوں کہ نظام مدارس کے لیے یہ امور تقریباً ضروری، یا دینی اعتبار سے مفید ہیں؟ بینوا توا جروا۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بعض مدارس میں وکالت نامہ پر دستخط کا جو سلسلہ جاری ہے، اس پر احقر کو شرح صدر نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس پورے عمل میں طالب علم کو خود تصرف کا کہیں بھی اختیار نہیں ہوتا اور شروع سے اخیر تک یہ پورا معاملہ مجہول رہتا ہے، حالاں کہ ہونا یہ چاہیے کہ جب کوئی طالب علم اپنی طرف سے ذاتی طور پر صدقات وصول کرنے کا وکیل بنائے تو وصول کرنے کے بعد محصلہ رقم پر اس طالب علم کو تصرف کا اختیار ملنا چاہیے، حالاں کہ مدارس میں یہ اختیار تو کجا، اس کا تصور بھی نہیں ہوتا اور یہ تو وکیل محض کاغذی کارروائی اور دل مطمئن کرنے والی بات بن کر رہ جاتی ہے، البتہ یہ حیلہ اس وقت درست ہو سکتا ہے، جب کہ ارباب مدرسہ ہر طالب علم کے نام الگ کھاتہ کھول کر اس کی طرف کوئی خاص رقم منتقل کریں، جس میں وہ خود تصرف کرنے کا مجاز ہو، پھر وہ مہتمم مدرسہ کو اپنے اسی کھاتے سے رقم نکالنے کی اجازت دے دے تو یہ اجازت معتبر مانی جائے گی اور پھر یہ فقیر طالب علم جن جن مدات میں خرچ کرنے کی اجازت دے گا، ان میں بلا تکلف اس کی طرف سے اسے خرچ کرنا جائز ہوگا، چاہے وہ استقلالی مصارف ہوں یا غیر استقلالی، حتی کہ مدرسہ کی خارجی ضروریات میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (مستفاد: محمود الفتاویٰ: ۲/۴۲-۴۳)

سوال:　کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدارس کے علاوہ دیگر دینی وملی اداروں (مثلاً جمعیۃ علماء ہند، مسلم پرسنل لا بورڈ وغیرہ) کے لیے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقوم وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جو ملی ادارے ملی خدمات میں مشغول ہیں، ان کے لیے اولاً تو امدادی فنڈ سے رقم جمع کرنے کی کوشش ہونی چاہیے؛ لیکن

اگر ضرورت متقاضی ہوتو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات بھی جمع کر سکتے ہیں؛ مگر خرچ کرتے وقت حکم شرعی کی رعایت کرنا ضروری ہے؛ یعنی غیر مصرف میں بلا شرعی تملیک کے ان کو خرچ کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۲۸۵/۴)

کل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام أو لیتوصل بها إلیٰ حلال فهی حسنة. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۱۰/۱۳۱۳، زکریا دیوبند)

والزکاة یجب فیها تملیک المال؛ لأن الایناء فی قولهٖ تعالیٰ. ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ﴾ حقیقی التملیک. (تبیین الحقائق: ۱۱۸/۲، البحر الرائق: ۲۰۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۵/۵/۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۲۰۷/۷-۲۱۸)

☆ ☆ ☆

عشر کے احکام ومسائل

قرآن کریم سے عشر کا ثبوت:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ عشر زمین کے بارے میں قرآن پاک میں خدا تعالیٰ نے کوئی حکم نازل نہیں کیا۔ کیا یہ حکم: ﴿یاأیها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم، ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾ (سورة البقرة: ٢٦٧) سے ثابت نہیں ہوتا۔ ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ نے ''احکام القرآن'' (۱۲/۳) میں امت کا اتفاق نقل کیا ہے، اس بات پر کہ آیت: ﴿وآتوا حقه یوم حصاده﴾ میں عشر مراد ہے۔(۱) بعض ائمہ نے: ﴿انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾ سے بھی وجوب عشر پر استدلال کیا ہے۔(کذا فی احکام القرآن: ٥٤٤/١، والزیلعی: ٢٩٢/١)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۰/۱۳۶۴ھ۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/شوال/۱۳۶۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۱/۹)

وجوب عشر:

سوال: ہندوستان کی ایسی زمین کہ جس کی پیداوار ماہ ماء السماء پر ہوں اور صاحب زمین گورنمنٹ کو خراج بھی دیتا ہو تو کیا ایسی زمین کا عشر نکالنا واجب ہے، اگر واجب نہیں تو سنت ہے، یا مستحب؟ اگر سنت ہے تو کس درجہ کی، مدلل ہو؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر وہ زمین عشری ہے تو اس کی پیداورا میں عشر نکالنا واجب ہے، (۳) اور گورنمنٹ جو خراج لیتی ہے، وہ عشر میں

---

(۱) أحکام القرآن للجصاص: ١٦/٣، ذکر خلاف فی الموجب فیه، قدیمی

(۲) ''﴿ومما اخرجنا لکم من الارض﴾، عموم فی ایجابه الحق فی قلیل ما تخرجه الارض وکثیره فی ایجابه العشر فی قلیل ما تخرجه الأرض ...آه''.(أحکام القرآن: ٦٢٥/١، باب المکاسبة، قدیمی)

ولأبی حنیفة قوله تعالیٰ: ﴿انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض﴾[البقرة: ٢٦٧] وهو بعمومه یتناول جمیع من الأرض''.(تبیین الحقائق، کتاب الزکاة، باب العشر: ١٠٢/٢، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۳) (و) یجب العشر فی (مسقی السماء): أی مطر (وسیح) کنهر.(الدر المختار، باب العشر: ٣٢٦/١، سعید

محسوب نہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ صحیح مصرف پر خرچ نہیں کرتی۔ (ہکذا أفتی مولانا گنگوہی المرحوم)(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۸/۲/۶۱/۱۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۲/۹)

مدیون پر عشر ہے، یا نہیں:

سوال: مدیون پر عشر واجب ہے، یا نہیں؟ اگر دوسرا اس کو دے تو وہ لینے کا مستحق ہے، یا نہیں؟ اور مسجد میں عشر کا مال لگانا درست ہے، یا نہیں؟ اور مدارس اسلامیہ میں دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مدیون پر عشر واجب ہے، **کما فی الدر المختار: ویجب مع الدین، إلخ.** (۲) اور دوسرا شخص اگر اس کو دے گا، تو دیکھا جائے گا کہ بعد ادائے دین وہ مالک نصاب رہتا ہے، یا نہیں؟ اگر بقدر نصاب اس کے پاس بعد ادائے دین باقی نہ رہے تو لینا درست ہے، مسجد کی تعمیر ومرمت میں عشر کا مال لگانا درست نہیں ہے؛ مگر بعد حیلۂ تملیک کے جائز ہے۔ اسی طرح مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں لگانا جائز نہیں ہے؛ لیکن طلبہ کے لیے دینا جائز ہے، کیوں کہ اس میں تملیک شرط ہے، جیسا کہ زکوٰۃ میں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۰۱/۶)

عشر وچالیسویں میں کیا فرق ہے:

سوال (۱) عشر اور چالیسویں میں کچھ فرق ہے، یا نہیں؟

کاشتکاری جائز ہے، یا نہیں:

(۲) کاشتکاری کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

مالگذاری والے کھیت کی پیداوار میں عشر ہے، یا نہیں:

(۳) کاشتکاری (جس کی مال گزاری سرکار کو دی جاتی ہے) میں عشر، یا چالیسواں دینا واجب ہے، یا نہیں؟

---

(۱) یہ اس وقت کی بات ہے، جب کہ زمینیں زمینداروں کی ملک تھیں، ملک سرکار نہیں تھیں، خاتمہ، زمینداری کے بعد عشر واجب نہیں رہا۔ فقط (راجع فتاویٰ رشیدیہ، باب عشر وخراج کے احکام کا بیان، ص: ۳۶۶-۳۶۷، إدارۃ الاسلامیات، لاہور)

(۲) الدر المختار علی صدر رد المحتار، باب العشر: ۳۲۶/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) (قوله: وشرط أدائه ما مر فی الزكاة) وفی الجوهرة النيرة فی بيان مصارف الزكاة لاتدفع إلٰی غنی وفيها ولا يدفع إلٰی بنی هاشم وفيها ولا يدفع المزكی زكٰوته إلٰی أبيه وجده وإن علا وإلا إلٰی ولده وإن سفل وفيها. ولا يبنی بها مسجد ولا يكفن بها ميت، إلخ، ولا يبنی بها السقايات ولا يحفر بها الآبار ولا يجوز إلا أن يقبضها فقير؛ لأنها تمليك ولا بد فيها من القبض. (الجوهرة النيرة باب مصارف الزكاة: ۱۲۹/۱، المطبعة الخيرية، ظفير)

مذکورہ تینوں قسموں میں سے کون سی زمین عشری ہے:

(۴) زید تین قسم کی کاشت کرتا ہے: اول یہ کہ وہ کسی رئیس امیر سے کچھ کاشت لیے ہوئے ہے، جس کی پیداوار کے نصف نصف حصے آپس میں تقسیم ہوتے ہیں، مال گزاری مالک دیتا ہے۔ دوم یہ کہ زید اپنی زمین مملوکہ میں کاشت کرتا ہے، اس کی مال گزاری زید ہی سے متعلق ہے۔ سوم یہ کہ زید کے پاس معافی زمین ہے، اس میں کاشت کرتا ہے اور مال گزاری دینا نہیں پڑتی۔ تینوں صورتوں میں زید پر عشر دینا واجب ہے، یا نہیں؟

عشر فرض ہے، یا واجب، یا مستحب:

(۵) عشر چالیسواں دینا فرض ہے، یا واجب ہے، یا مستحب؟

عشر ہر فصل پر ہے، یا سال میں ایک مرتبہ:

(۶) عشر چالیسواں سال بھر میں ایک مرتبہ دینا چاہیے یا ہر فصل پر؟

عشر کے مصارف کیا ہیں:

(۷) چالیسواں کے مصارف کون ہیں؟

الجواب

(۱-۷) کاشتکاری جائز ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور جو صورتیں کاشتکاری کی سوال میں لکھی ہیں، وہ سب درست ہیں۔ (۱) اور عشر دسواں حصہ زمین کی پیداوار کا ہے اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوتا ہے، جو کہ روپیہ، اشرفی، مال تجارت وغیرہ پر لازم ہوتا ہے۔ پس زمینوں کی پیداوار میں سے جو دسواں حصہ پیداوار کا دینا ہوتا ہے، اس کا نام عشر ہے اور روپے وغیرہ میں سے بعد سال بھر کے جو چالیسواں حصہ دیا جاتا ہے، وہ زکوٰۃ ہے اور شامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر نہیں ہے؛ لیکن جس جگہ عشر لازم ہوتا ہے، وہاں ہر ایک فصل پر زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ مثلاً دس من میں سے ایک من اور عشر جس جگہ لازم ہے، وہاں ہر ایک فصل پر جو آمدنی زمین کی ہو، اس میں سے عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا لازم ہے، (۲) اور مصارف عشر اور زکوٰۃ کے فقراء ومساکین وغیرہ ہیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۱۶۸-۱۶۹)

---

(۱) وعندهما جائزة والفتوىٰ علىٰ قولهما لحاجة الناس. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب المزارعة: ۵/۲۳۵، ظفير)

(۲) يجب العشر، إلخ، في أرض غير الخراج، إلخ، بلاشرط نصاب، إلخ، وبلاشرط بقاء وحولان حول. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/۶۶، ظفير)

(۳) مصرف الزكاة والعشر، إلخ، هو فقير وهو من له أدنى شئي أى دون نصاب، إلخ. (الدر المختار، باب المصرف: ۲/۷۹، ظفير)

عشر وخراج کے جمع نہ ہونے کا مطلب کیا ہے:

سوال: مولانا عبدالحی صاحب در مجموعہ فتاویٰ، جلد دوم، ص: ۳۱۸ نوشتہ اند کہ ہر کہ در زمین مملوکہ خود بآب باراں کاشت کرد عشر غلہ بروواجب الاداست؛ مگر در صورتیکہ خراج زمین مذکورہ بحاکم وقت دادہ شود دراں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت ردالمحتار وغیرہ کہ ''لایجتمع العشر مع الخراج، انتھی''. تفصیل ایں مسئلہ چگونہ است وقولہ ''لا یجتمع العشر مع الخراج'' چہ معنی دارد؟

الجواب

معنی ''قوله: لايجتمع العشر مع الخراج أنه لايؤخذ من الأرض الخراجية العشر ولامن العشرية الخراج ولكن إن أخذ من العشرية الخراج فهل يسقط العشر فهو محل تأمل''.

پس ظاہر آنست کہ مولانا عبدالحی صاحب مرحوم حکم زمین خراجی نوشتہ اند کہ اگر از زمین خراجی حکام خراج گرفتند ادائے عشر لازم نخواہد شد؛ لیکن اگر از زمین عشری خراج گرفتہ شد ظاہر آن است کہ دیانۃً بذمہ مالک ادائے عشر لازم است۔(۱)

ويظهر لي إن أهل الحرب لو غلبوا على بلدة من بلادنا كذلك. (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۱/۶-۱۸۲)

سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: سلطنت برطانیہ کو زمین کا حصول دینے کے بعد عشر ساقط ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۱۶/۴)

جس زمین پر عشر واجب نہ ہو، اگر اس سے عشر نکالا جائے تو:

سوال: عشر سب زمینوں کی پیداوار میں واجب ہے، یا کوئی زمین ایسی بھی ہے، جس میں عشر واجب نہیں، اگر عشر واجب نہ ہو تو اس کا ادا کرنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۷۲۷، بابو محمد احسن، ضلع پورنیہ، ۹/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ، مطابق ۳/فروری ۱۹۳۶ء)

---

(۱) أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعش والخراج لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره وأن لايصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب زكاة الغنم: ۳۲/۲)

(۲) ردالمحتار: ۳۲/۲، ظفیر

(۳) أخذ البغاة، والسلاطين الجائزة، زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لاإعادة على أربابها، إن صرف الماخوذ في محله الآتي ذكره، وإلايصرف فيه، فعليهم فيما بينهم، وبين الله إعادة غير الخراج. (الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲۸۹/۲، ط: سعيد)

الجواب

بعض زمینیں ایسی بھی ہوں گی کہ ان کی پیداوار میں عشر واجب نہ ہو؛(۱) لیکن اگر ان کی پیداوار میں سے بھی احتیاطا عشر نکال دیا جائے، یا اس نیت سے کہ اس کے ذریعہ سے بہت سے دینی کام پورے ہو جاتے ہیں، نکال دیا جائے تو اس کے استحسان اور جواز میں شبہ نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۱۷/۴)

زمیندار کون ہے اور عشر سے متعلق تفصیل کیا ہے:

سوال: زمیندار وہی ہے جو حاکم وقت کو خراج دیتا ہے یا اور کوئی اور جس نے اس سے اجرت پر لیا وہ مستاجر ہے یا نہیں۔ زمیندار خود مالک ہے، یا سرکار سے مستاجر ہے، عشر کے لیے ملک شرط ہے، یا نہیں؟ مستاجر اور مزارع پر عشر واجب ہونے کے لئے عشری زمین شرط ہے یا نہیں۔

الجواب

زمیندار وہی ہے جو سرکار کو خراج دیتا ہے اور ملک زمین زمیندار ہے اور عشر کے لیے ملک شرط ہے؛ لیکن مزارعت واجارہ کی صورت میں صاحبین کا مذہب جو کہ مفتی بہ ہے یہ ہے کہ مزارعت میں زمیندار اور مزارع دونوں پر بقدر حصہ عشر واجب ہے اور اجارہ کی صورت میں عند الصاحبین مستاجر پر عشر واجب ہے۔ امام صاحب موجر پر عشر واجب فرماتے ہیں۔ بعض فقہا نے امام صاحبؒ کے، مذہب پر فتوی دیا ہے؛ لیکن اس زمانے میں صاحبینؒ کے مذہب پر فتوی دینا اقرب ہے اور درمختار میں حاوی سے منقول ہے:

’’وبقولهما نأخذ وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة، إلخ. (۲) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۴/۶-۱۶۵)

زمیندار کی موروثی زمین میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: کوئی شخص زمین کو زمیندار سے لے کر کاشت کرتا ہے اور زمانہ دراز گزرنے کی وجہ سے کاشتکار موروثی

---

(۱) جیسے بعض زمینوں میں نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

وماسقى بغرب، أو دالية، أو سانية، ففيه نصف العشر على القولين، لأن المؤنة تكثر فيه. (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۲/۱، ط: شركة علمية، ملتان)

اسی طرح دار الحرب کی زمینوں میں عشر و نصف عشر اور خراج میں سے کچھ بھی واجب نہیں۔

ويحتمل أن يكون إحترازاً عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج، أو عشر. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب الزكاة: ۳۲۰/۲، ط: سعيد)

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العشر: ۷۵/۲، ظفير

ہوگیا، زمین نہر سے سیراب کی جاتی ہے اوراس کا محصول بھی دیا جاتا ہے، اس زمین پر عشر ہے، یانہیں؟

الجواب

اس زمین کی پیداوار میں عشر نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۱۷۱)

مذکورہ تین قسموں میں سے کس میں عشر ہے:

سوال: میرے پاس تین قسم کی زمین ہے، ان میں سے کون سی زمین پر خراج ہے اور کون سی پر عشر، یا کیا؟ قسم اول جنگل سرکاری پڑا ہوا تھا، سرکار میں درخواست کی گئی ہو مجھے ملی اور میری ملک میں ہے۔ قسم دوم ایک کافر سے خریدی گئی، جو میرے ملک ہے۔ قسم سوم: سرکاری زمین، مثلاً ایک سال، یا زیادہ کے لیے زراعت کے واسطے دی جاتی ہے؟

الجواب

درقسم اول زمین عشر لازم است۔

''لان العشر أليق بالمسلم وما أسلم أهله طوعاً أوفتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة أيضاً باجماع الصحابة عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم. (الدرالمختار)

(قوله: لأنه أليق المسلم) أى لما فيه من معنى العبادة. (ردالمحتار)

وفيه: ولوأن المسلم أوالذى سقاها مرةً بماء العشرومرة بماء الخراج فالمسلم أحق بالعشر والذمي بالخراج. (۲)

ودرقسم دوم خراج است۔

''اواشترىٰ مسلم من ذمى أرض خراج يجب الخراج، إلخ''. (۳)

ودرقسم سوم عشر درخارج لازم است۔

''لأنهم صرحوا بأن الملك غير شرط فيه بل سبب وجوبه الأرض النامية وشرطه ملك الخارج أى لاملك الأرض كما فى الأراضى الموقوفة. (كذا فى ردالمحتار) (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۱۸۲-۱۸۳)

چارہ والی زمین میں عشر کا کیا حکم ہے:

سوال: اگر بیلوں کے چارہ کے واسطے کسان چند کھیت بودے تو آیا اس کھیتی میں عشر دینا چاہیے، یانہیں؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) أشار إلىٰ أن المانع من وجوبه كون الأرض خراجية؛ لأنه لايجتمع العشر والخراج. (ردالمحتار، باب العشر: ۲/۶۶، ظفير)

منشا یہی ہے کہ دارالحرب کی زمین عشر نہیں ہے۔ ظفیر

(۲) ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية: ۳/۳۵۱، ظفير

(۳) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزية: ۲/۳۲۴، ظفير

(۴) دیکھیے: ردالمحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج و الجزية: ۳/۳۵۲، ظفیر صدیقی

الجواب

عشر اس کھیتی میں بھی جو جانوروں کے چارہ کے لیے ہے اور غلہ (یا چارہ) اس میں پیدا ہو، واجب ہے۔ اگر زمین بارانی ہے تو دسواں حصہ اور آب پاشی کی زمین سے بیسواں حصہ نکالنا واجب اور اگر کھیت کو بلا دانہ اور بلا پختگی کے کاٹ کر جانوروں کو کھلایا جائے؛ یعنی گھاس کو ہی کھلایا جائے تو عشر واجب نہیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۱۸۶)

زمین عشر کی تعریف اور مہاجن سے لی ہوئی زمین اور ہندوستان کی دوسری زمین کا کیا حکم ہے:

سوال: زمین عشری کی کیا تعریف ہے اور کیا اپنی طرف سب زمین عشری ہے اور سب کا عشر دینا واجب ہے، حالاں کہ سرکار بھی مال گزاری لیتی ہے اور جو زمین مہاجن سے مسلمان نے لی ہے، اس کی آمدنی پر بھی عشر لیا جاوے اور عشر مالک کے ذمہ ہے، یا کاشتکار کے، اگر مالک خود کاشت کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب

عشری زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہو، وہ عشری ہے، (۲) جس وقت پورا حال نہ معلوم ہو، جیسا کہ اس وقت ہے تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری سمجھی جاتی ہے اور کفار کی مملوکہ اراضی "خراجی" پس مسلمان کے پاس جو زمین مثلاً معافی کی چلی آتی ہے، یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی ہے، وہ عشری ہے اور جو زمین کافر سے خریدی ہے، وہ خراجی رہے گی اور بعض حضرات نے ایسا بھی لکھا ہے کہ جب سرکار سب زمینوں کا محصول لیتی ہے تو سب خراجی ہے لیں؛ مگر مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں، زمین اگر اجارہ پر دی گئی تو امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے۔ (۳) رقم اجارہ میں سے دسواں حصہ صدقہ کرے، اگر مالک خود کاشت کرے تو تمام پیداوار کا دسواں حصہ نکالے، محصول سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۱۷۹-۱۸۰)

---

(۱) یعنی اگر کھیت غلہ کے لیے بویا؛ لیکن تبدیل ارادہ سے کاٹ کر کھلا دیا تو عشر واجب نہیں، ورنہ بقصد چارہ اگر بویا ہے تو عشر واجب ہے، جیسا کہ عبارات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ وتجب في مسقي سماء أي مطر وسيح كنهر بلاشرط نصاب ... إلا فيما لايقصد به استغلال الأرض نحو حطب، إلخ. (الدر المختار، كتاب الزكاة، باب العشر: ۲/۳۲۶، دار الفكر بيروت)/ كذا في الجوهرة النيرة: ۱/۱۲۸)

إذا اتخذ أرضه مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش وساق إليه الماء ومنع منه الناس يجب فيه العشر، الخ. (رد المحتار، باب زكاة الزروع والثمار: ۱/۱۲۵، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) عشری زمین ایسی زمین کہلاتی ہے، جس کے مالک مسلمان ہو گئے، یا قوت کے ذریعہ سے کوئی خطہ فتح کیا گیا اور اس کی زمین مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی ہو۔" وكل أرض إسم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهي أرض عشر. (الهداية، باب العشر والخراج: ۲/۵۶۷، ظفير)

(۳) والعشر على الموجر كخراج موظف (الدر المختار) أي لو آجر الأرض العشرية فالعشر عليه من الأجرة، كما في التتارخانية. (ردالمحتار، باب العشر: ۲/۷۴)

(۴) أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكوٰة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا إعادة علىٰ أربابها إن صرف المأخوذ في محله الآتي ذكره وإن لايصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج إلخ (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب العشر: ۲/۳۲، ظفير)

خود کاشت میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: بکر اپنی تھوڑی سی مملوکہ زمین خود کاشت کرتا ہے اور وہ ذریعہ رزق اس کے بال بچوں کا ہے، اس پر کسی پیدوار میں عشر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

عشر ونصف عشر اس پر واجب ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۰/۶)

نئ آباد زمین میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان زمینوں کے بارے میں جو ہنوز نوآباد ہیں، یا ہورہی ہیں، جیسے ملک پنجاب میں شہر لائل پور وسر گودھا کی آباد شدہ وشہر منٹگمری کی اب آباد ہورہی ہے کہ آیا ان زمینوں پر عشر ہے، یا نہیں؟ باقی بحیثیت محنت ومشقت ومحصول سرکاری کے لحاظ سے تو یہ چاہی زمین سے زیادہ ہیں؛ اس لیے کہ چاہی زمین کا محصول تو ۴/ کنال ہے، پنجاب میں اور ان زمینوں کا محصول عہ/۱، کنال ہے اور علیٰ ہذا القیاس اضافہ محنت کہ کبھی انسان تحصیل نفع بالکلیہ نہیں کرسکتا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

شامی میں منقول ہے:

''احترازاً عما وجد فی دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر. (۲)

---

(۱) قال أبوحنيفة فی قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشرسواء سقی سيحاً أوسقت السماء إلا القصب والحطب، إلخ، وسقی بغرب أودالية أوسانية ففيه نصف العشر. (الهداية، باب زكاة الزروع والثمار: ۱۸۳/۱، ظفير)

لیکن ہندوستان کو اگر دارالحرب مال لیا جائے تو واجب نہیں، جیسا کہ گزرا۔ ظفیر

دَاوُود بن رشيد قَالَ سَمِعت مُحَمَّد بن الْحسن رَحمَه الله يَقُول قَالَ أَبُو حنيفَة رَحمَه الله فِي أَرض الْعشْر مَا أخرجت الأَرْض من قَلِيل اَوْ كثير مِمَّا لَهُ ثَمَر بَاقٍ أَو لَا ثَمَر من الْخضر وَغَيرهَا إِن كَانَت الأَرْض تسقى سيحا أَو سقته السَّمَاء فَفِيمَا أخرجت فِي ذَلِك كُله الْعشْر وَمَا كَانَ من ذَلِك يسقى بغرب أَو دالية فَفِيهِ نصف الْعشْر إِلَّا الْحَطب والحشيش والتبن فَإِنَّهُ لم يكن يرى فِيهِ شَيْئا وَكَانَ يَأْخُذ فِي ذَلِك بِمَا رُوِيَ عَن إِبْرَاهِيم النَّخعِيّ أَنه كَانَ يَقُول فِيمَا أخرجت الارض نصف الْعشْر على مَا وصفت لَك وَرُوِيَ ذَلِك عَن مُجَاهِد أَنه كَانَ يَقُول ولسنا نَأْخُذ بِهَذَا الحَدِيث الْمَعْرُوف عَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَنه قَالَ لَيْسَ فِيمَا دون خمس ذود صَدَقَة وَلَيْسَ فِيمَا دون خمس أواقى صَدَقَة والْحَدِيث الآخر مَعْرُوف ايضا أَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بعث معَاذ بن جبل الى الْجَبَل فَأمره أَن لَا يَأْخُذ من الْخضر صَدَقَة وَالْخضر عندنَا مَا لم يكن لَهُ ثَمَرَة بَاقِيَة مثل الْبُقُول والرطاب والبطيخ وَالْخيَار والقثاء والبصل والثوم وَأَشْبَاه ذَلِك من الرياحين كلهَا من الآس والخيرى والورد والوسمة وَنَحْو ذَلِك فَلَيْسَ فِي شَيْء من هَذَا صَدَقَة إِذا كَانَ فِي أَرض الْعشْر. (السير الصغير، ت: خدوری، كتاب العشر، ص: ۲۷۹، الدار المتحدة للنشر بيروت، انيس)

(۲) ردالمحتار، باب الركاز: ۶۱/۲، ظفير

اس روایت کے موافق عشر لازم نہیں؛ لیکن اگر ایسی اراضی دارالاسلام میں ہوں گی تو عشری ہوں گی، ان میں عشر دینالازم ہوگا، لہٰذا اگر احتیاطاً دیا جاوے تو عشر دیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۸۴/۶)

مسجد کی زمین پر عشر کا حکم:

سوال: کیاوقف زمین متعلق مسجد پر عشر ہے؟

الجواب

زمین وقف متعلق مسجد پر بھی عشر ہے۔

قال في الهندية: وكذا ملك الأرض ليس بشرط للوجوب لوجوبه في الأراضي الموقوفة، آه. (۱۹۱/۱)

۲۶/ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام:۳۵/۳)

پیداوار کی زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل ک بارے میں کہ یہ غلہ مال کی زکوٰۃ کی طرح مستحقین کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، یا دیگر صدقہ نافلہ کے مصارف، مثلاً: مسجد ومدرسہ کی تعمیر اور مکاتب کے اساتذہ کی تنخواہ میں اس کی رقم دی جاسکتی ہے؟ غلہ کی زکوٰۃ سے متعلق جو اہم اور بنیادی امور ہوں ان کو بھی تحریر فرمائیں؟ نوازش ہوگی۔

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب وبالله التوفيق

پیداوار کی زکوٰۃ کا مصرف عام زکوٰۃ کی طرح ہے، لہذا اسے بھی کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بنا کر دینا ضروری ہوگا۔ صدقات نافلہ کے مصارف میں اس رقم کو خرچ کرنا صحیح نہیں۔

قا الله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبة: ۶۰)

الزكاة هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير. (رد المحتار: ۳/ ۱۷۲، زكريا ديوبند)

ومصرف الجزية والخراج مصالحنا. (الدرالمختار) **وفي رد المحتار: قيد بالخراج؛ لأن العشر مصرفه مصرف الزكاة كما مر.** (رد المحتار: ۲۳۸/۶، زكريا)

مصرف العشر والزكاة هو فقير: وهو من له أدنىٰ شيء، ومسكين: من لا شيء له، وعامل، إلخ. (الدرالمختار: ۲۸۳/۳، زكرياديوبند)

"باب المصرف" قال العلامة الشيخ زين الدين الشهيرابن نجيم في شرح كنزالدقائق: لم يقيده في الكتاب بمضرف الزكاة ليتناول الزكاة والعشر وخمس المعان مما قدمه كما أشير

إليه في النهاية، هو الفقير والمسكين والعامل والمكاتب والمديون ومنقطع الغزاة وابن السبيل فيدفع إلى كلهم أوإلى صنف. (البحر الرائق،باب المصرف: ۲۳۰/۲،كذافي مجمع الأنهر: ۲۱۹/۱،دار إحياء التراث العربي، والدر المنتقي في شرح الملتقى: ۲۱۹/۱)

ثم اعلم أن أموال بيت المال إربعة الثاني:الزكاة والعشر،ومصر فهما ما بين في باب المصرف من الزكاة. (البحرالرائق: ۱۱۹/۵،كوئتة)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (رد المحتار: ۲۹۱/۳،زكريا ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

(کتاب النوازل: ۲۲۷/۷-۲۲۸) ☆

☆ **عشر کی حیثیت اوراس کا مصرف:**

سوال: عشر ادا کرنے کی کیا شرح ہے؟ اور عشر کے مستحقین کون ہیں؟ کیا حکومتِ وقت کو بھی عشر دیا جا سکتا ہے؟

الجواب

واضح رہے کہ زمین سے جو غلہ نکلتا ہے، اس کا عشر ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، البتہ زمین کی اس پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے، جس سے آمدنی حاصل کرنا، یا پیداوار سے فائدہ اٹھانا مقصود ہو اور اسی نیت سے اس کو لگایا جائے اور جو اشیاء خود ہی بغیر قصد کے تبعاً حاصل ہو جائیں، ان میں عشر لازم نہیں ہوتا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها: أن يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الأرض وتستغل الأرض به عادةً، فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي؛ لأن هذه الأشياء لا تستنمي بها الأرض ولا تستغل بها عادة؛ لأن الأرض لا تنمو بها، بل تفسد، فلم تكن نماء الأرض، حتى قالوا في الأرض: إذا اتخذها مقصبةً وفي شجره الخلاف، التي تقطع في كل ثلاث سنين، أو أربع سنين أنه يجب فيها العشر؛ لأن ذلك غلة وافرة. (۵۸/۲، فصل الشرائط المحلية،ط: سعيد)

عشر کے باب میں کوئی حد مقرر نہیں ہے، پیداوار کم ہو، یا زیادہ، دونوں صورتوں میں پیداوار پر عشر لازم ہوگا، پھر اگر وہ زمین سال کے اکثر حصے میں قدرتی آبی وسائل (بارش، ندی، چشمہ وغیرہ) سے سیراب کی جائے تو اس میں عشر یعنی کل پیداوار کا دسواں حصہ واجب ہوگا اور اگر وہ زمین مصنوعی آب رسانی کے آلات ووسائل مثلاً: ٹیوب ویل، یا خریدے ہوئے پانی سے سیراب کی جائے تو اس میں نصف عشر؛ یعنی کل پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہوگا۔

نیز واضح رہے کہ کھیتی کی تیاری میں جو اخراجات ہوتے ہیں، مثلاً: آب رسانی، مزدوری، کھاد وغیرہ انہیں آمدنی سے منہا نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ مجموعی پیداوار میں سے عشر نکالنا ضروری ہوگا۔

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے؛ یعنی جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار ضروریاتِ اصلیہ سے زائد مال، یا سامان نہیں ہے، ایسے شخص کو عشر دیا جا سکتا ہے۔

اگر حکومت کا کوئی ایسا ادارہ ہے، جو عشر کو امانت کے ساتھ متذکرہ بالا مصرف تک پہنچا دے تو اس ادارے کو عشر دیا جا سکتا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو حکومت کو عشر دینا بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم

فتویٰ نمبر: 144010201021　(دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن) (انیس)

عشر کا نصاب

عشر کا نصاب:

سوال: پیداوار کی زکوۃ کا کیا نصاب ہے؟

جس زمین کی اجرت پر سینچائی ہو، اس میں عشر ہے، یا نصف عشر:

سوال: کل اراضی نہری کہ از سعی نصاری معمور شدہ است وقبل ازیں بالکل ویران بود، آنچہ پیداوار شدی بہ سبب باران شدی واکنوں آب بذریعہ نہر در ہر جا می رود ورسد وخراج ہم بگیرند بعض مولوی گویند کہ کل اراضی نہری در حکم عشر است کہ عشر دادہ میشود وبعض عکس آں وبعض از بست یک حصہ، کدام قول راجح وکدام مرجوح است؟

الجواب

درشامی آوردہ کہ در آراضی دار الحرب عشر وخراج نیست ازیں روایت معلوم شدہ کہ در اراضی ہندوستان عشر واجب نیست، (١) ونیز فقہاء تصریح فرمودہ اند کہ اگر در زمین عشری ماء انہار دادہ شود کہ محصول آں و قیمت آں بہ سرکار دادہ می شود دراں نصف عشر یعنی بستم حصہ واجب می شود، (٢) وایں تصریح است کہ عشر باخراج جمع نمی شود۔ (٣) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ١٧٢/٦-١٧٣)

ہندوستان کی زمین میں احتیاطاً عشر دینا چاہیے:

سوال (١) ہندوستان کی زمین عشری ہے یا خراجی اور عشر میں زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟ جو کہ زمینداران کاشتکاری کرتے ہیں اور اراضی کا لگان سرکار کو دیتے ہیں اور جس قدر ان کو منظور ہوتا ہے، اپنی کاشت میں رکھتے ہیں، جو اراضی خود کاشت کرتے ہیں، اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟ زکوٰۃ غلہ وتجارت کے مال میں سے جو نکالی جاتی ہے، اس میں سال کی قید ہے، یا غلہ تیار ہونے پر اور زکوٰۃ پوری غلہ کے حساب سے دی جاوے، یا خرچ اخراجات منہا کر کے؟

---

(١) دیکھئے: رد المحتار، باب الركاز: ٦١/٢، ظفير

(٢) ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المئونة، إلخ، بلا رفع مئون، إلخ، الزرع وبلا خراج البذر. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ٦٨/٢-٦٩، ظفير)

(٣) لأنه لا يجتمع العشر والخراج. (رد المحتار، باب العشر، ظفير)

قرض ہوتو عشر واجب ہے، یا نہیں:

(۲) ایک شخص مقروض ہے جو کچھ روپیہ اخراجات سے بچتا ہے، وہ قرض میں ادا کرتا ہے؛ مگر جو گھر میں کھیتی ہوتی ہے، اس غلہ سے وہ زکوٰۃ نکالتا ہے۔ وہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) ردالمختار، باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ ہندوستان جیسے ملک میں کوئی زمین عشری اور خراجی نہیں ہے۔ بناء علیہ جومحصول سرکار لیتی ہے، اس کوخراج نہ کہیں گے اور جب کہ کوئی زمین ہندوستان کی عشری نہیں ہے تو عشر بھی واجب نہ ہوگا۔ (۱) لیکن اگر احتیاطاً مسلمان اپنی اراضی کا عشر دیویں تو اچھا ہے اور عشر؛ یعنی دسواں حصہ پیداوار کا، جس جگہ واجب ہے، کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہو، اسی وقت واجب ہے، سال کی قید اس میں نہیں ہے اور مال تجارت میں سال بھر کے بعد زکوٰۃ لازم آتی ہے اور زمین عشری اگر مزارعت پر دی جاوے تو اس کی پیداوار میں عندالصاحبین حسب حصہ ہر ایک پر؛ یعنی کاشتکار اور مالک پر عشر لازم آتا ہے اور اجرہ کی صورت میں امام صاحب موجر پر اور صاحبین مستاجر پر عشر لازم فرماتے ہیں۔ (۲)

(۲) درمختار باب العشر میں ہے: "ویجب مع الدین". (۳) یعنی عشر باوجود قرض کے بھی لازم ہوتا ہے۔ پس جس جگہ عشر لازم ہے، وہاں وجوب عشر کے لیے دین مانع نہیں ہے اور جہاں عشر واجب نہیں ہے، وہاں بھی دے دینے میں کچھ حرج نہیں ہے، کما ہو ظاہر۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۶۵-۱۶۶)

نہری زمین میں عشر ہے، یا نصف عشر:

سوال: نہری زمینوں میں عشر ہے، یا نصف عشر؟

الجواب

نہری زمینوں میں جن میں پانی کا محصول دیا جاتا ہے، نصف عشر واجب ہوتا ہے۔

کما في الدرالمختار: ویجب نصفه في مسقی غرب ودالیة، إلخ، وفی کتب الشافعیة: أوسقاه بماء اشتراه وقواعدنا لا تاباه، الخ. (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۷۲)

---

(۱) ویحتمل أن یکون احترازاً عما وجد فی دارالحرب فإن أرضها لیست أرض خراج أو عشر. (رد المحتار، باب الرکاز: ۲/۶۱، ظفیر)

(۲) والعشر علی الموجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر وفی الحاوی وبقولهما نأخذ وفی المزارعة إن کان البذر من رب الأرض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/۷۴-۷۵، ظفیر)

(۳) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب العشر: ۲/۶۷، ظفیر

(۴) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب العشر: ۲/۶۸-۶۹، ظفیر

جس کھیت پر کھیتی میں چھ سو خرچ کیا اور آٹھ سو پیدا تو اس میں زکوٰۃ کیا آئے گی:

سوال (۱) ایک کاشتکار نے اپنی زمین میں چھ سو روپے کل اخراجات کھیتی کے لگا کر پیداوار آٹھ سو روپے کی حاصل کی تو اس پر زکوٰۃ کتنی رقم کی واجب ہوگی؟

جس زمین میں خسارہ رہا، اس میں عشر ہوگا، یا نہیں:

(۲)　فصل پر کل پانچ سو روپے کی پیداوار ہوئی؛ یعنی اصل لاگت سے بھی یک صد روپے کا نقصان رہا تو اب زکوٰۃ کی کیا شکل ہوگی؟

سینچائی والی زمین میں کیا عشر ہے:

(۳)　ایک کاشتکار مندرجہ سوال (۱) کے مطابق تمام اخراجات زمین برداشت کرتا ہے اور بذریعہ موٹھ چاہ سے پانی دے کر کھیت سے فصل حاصل کرتا ہے، وہ زکوٰۃ کس طرح پر ادا کرے؟

الجواب

(۱-۳)　جن ارضی میں عشر واجب ہے، ان میں کل پیداوار کا عشر نکالنا واجب ہے، بدون وضع کرنے اخراجات کے، **كما فى الدر المختار: بلا رفع مؤن الزرع، إلخ.** (۱)

اور سر مزارعت میں کاشتکار اور مالک زمین پر بقدر حصہ عشر واجب ہے اور شامی کی روایت باب الرکاز سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر نہیں اور (۳) میں ایک دوسری تفصیل ہے، وہ یہ کہ اس میں بیسواں حصہ نکالنا واجب ہے۔ (۲) باقی جواب بدستور مذکور ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۴-۱۷۳/۶)

عشری زمین کون سی ہے اور جس زمین کا لگان دیا جاتا ہے، اس میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال:　عشری زمین کسے کہتے ہیں، جو لوگ زمینداروں کو مال گزاری ادا کرتے ہیں، ان لوگوں پر کس حساب سے غلہ میں صدقہ واجب ہے؟

الجواب

شامی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمین عشری وخراجی نہیں ہیں، اگر احتیاطاً عشر دے تو بہتر ہے اور

---

(۱)　**الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب العشر: ۶۹/۲، ظفير**

(۲)　**وما سقى بغرب أودالية أوسانية ففيه نصف العشر علىٰ القولين؛ لأن لامؤنة تكثر فيه وتقل فيما يسقى بالسماء أوسيحا وإن سقى سيحا وبدالية فالمعتبر أكثر السنة كما هو فى السائمة. (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والشمار: ۱۸۴/۱، ظفير)**

جو لوگ زمیندار کو مال گزاری ادا کرتے ہیں، اس میں اختلاف ہے کہ عشر کس پر واجب ہے؟ امام صاحب زمیندار پر واجب فرماتے ہیں اور صاحبین مستاجر پر اور در مختار میں ہے:

"وبقولهما نأخذ". (۱)

اور شامی نے بھی بعد تفصیل وتحقیق کے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے و مفتیٰ بہ و ماخوذ بہ کہا ہے، **حیث قال: "فلا ینبغی العدول عن الإفتاء بقولهما فی ذلک".** (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۸۵-۱۸۶)

کیا پیداوار میں چالیسواں حصہ نکالنا چاہیے:

سوال: اگر کوئی زمین کسی غیر مذہب کی ہو؛ یعنی ہندو کی، اس کے بعد کسی نصاریٰ نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو اس کی پیداوار میں چالیسواں حصہ نکالنا چاہیے۔ یہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

زمین کی پیداوار میں مالک زمین پر دسواں حصہ آتا ہے، یا بیسواں چالیسویں حصہ کے دینے کا حکم زمین کی پیداوار میں نہیں ہے۔ (۳)

صورت مسئولہ میں زمین چوں کہ غیر مسلم کی ہے؛ اس لیے اس میں عشر نہ ہوگا۔

"وأخذ الخراج من ذمی غیر تغلبی اشتریٰ أرضا عشریة من مسلم وقبضها منه". (۴)

ویسے بطریق صدقہ نفلی جس قدر چاہیں، دے دیں؛ مگر فرض نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۶۶-۱۶۷)

کھیتی کا عشر صاحب نصاب پر واجب ہے، یا سبھوں پر:

سوال: کھیتی کا عشر صاحب نصاب پر واجب ہے، یا سب پر؟

الجواب

اگر زمین عشریہ ہے تو صاحب نصاب وغیر صاحب نصاب عشر نکالے اور محتاجوں کو دے اور جو فقیر مانگنے والے ہیں، اگر وہ صاحب نصاب ہیں تو ان کو عشر وزکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۸۴-۱۸۵)

---

(۱) پوری عبارت یہ ہے: **والعشر علی المؤجر کخراج موظف وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی وبقولهما نأخذ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/ ۷۵، ظفیر)**

(۲) دیکھئے، **رد المحتار، باب العشر: ۲/ ۷۵، تحت قول وبقولهما نأخذ، ظفیر**

(۳) **یجب العشر، إلخ، فی مسقی سماء أی مطر وسیح، إلخ، ویجب نصفه فی مسقی غرب، إلخ، ودالیة، إلخ. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/ ۶)**

(۴) **الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/ ۷۰، ظفیر**

زراعت سے جو غلہ پیدا ہوتا ہے، کیا اس میں عشر ہے، جب کہ مال گزاری سرکار لیتی ہے:

سوال: اشیاء کاشت، دھان، گندم، تل، سرسوں، سن، پاٹ وغیرہ زراعت کی زکوٰۃ کیوں کر دینی ہوگی، زمین مزرعہ کا خزانہ سالانہ تو زمیندار کو دیا جاتا ہے۔ اب پیداوار میں عشر یا زکوٰۃ دینے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب

دسواں حصہ، یا بیسواں حصہ کل پیداوار کا دینا یہ عشر اور نصف عشر کہلاتا ہے اور جس زمین کا محصول سرکار لیتی ہے، اس میں عشر و نصف عشر نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۶/۶)

کیا ادائے عشر میں طلب عامل شرط ہے:

سوال: زید کہتا ہے کہ ادائے عشر کے واسطے طلب عامل شرط ہے، جب تک عامل طلب نہ کرے، ادا کرنا واجب نہیں؟

الجواب

زید کا قول صحیح نہیں ہے، صاحب زمین عشری اگر خود اس کا عشر ادا کر دے تو یہ بھی درست ہے۔

"ویسقط عن صاحب الأرض کما لو أدی بنفسه، إلخ". (ردالمحتار) (۲)

البتہ یہ بحث جداگانہ ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب ہوتا ہے، یا نہیں؟ شامی نے تصریح کی ہے، باب الرکاز میں ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب میں عشر واجب نہیں ہے، اگر استحساناً دے دے تو بہتر ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۴/۶)

مقدار عشر:

سوال (۱) پیداوار میں زکوٰۃ کب اور کس حساب سے نکالی جائے؟

ٹیوب ویل سے بھی پانی دیا گیا تو کیا حکم ہے:

(۲) ربیع، یا خریف کی زکوٰۃ کا حکم یکساں ہے، یا جداگانہ؟ کیوں کہ کبھی کبھی بارش اور ٹیوب ویل دونوں قسم کے پانی سے سینچائی ہوتی ہے، ایک ہی قسم کی پیداوار میں، لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ کا حساب کیا ہوگا؟

---

(۱) ویحتمل أن یکون احتازا عما وجد فی دار الحرب فإن أرضها لیست أرض خراج أوعشر. (ردالمحتار، باب الرکاز: ۶۱/۲، ظفیر)

منشاء یہ ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے؛ اس لیے عشر نہیں ہے، یہ مطلب نہیں ہے سرکاری محصول کی وجہ سے عشر نہیں ہے، یا سرکاری محصول عشر کے قائم مقام ہے۔ ظفیر

(۲) ردالمحتار، باب العشر: ۶۷/۲، تحت قول الماتن ولذا کان للإمام أخذه جبراً، ظفیر

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) ایک صاع (سواتین سیر) بھی پیدا ہو، تب بھی عشری زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔(۱)

(۲) عشری زمین کی پیداوار میں دسواں حصہ نکالا جائے گا، جب کہ وہ زمین بارانی ہو، اگر آب پاشی کرنی پڑتی ہے تو نصف عشر واجب ہوگا، حولان حول شرط نہیں۔ (شامی)(۲)

(۳) دونوں فصلوں کا حکم یکساں ہے، اگر بارش کا پانی غالب ہے اور ثبوت ویل کی اتفاقیہ معمولی نوبت آتی ہے تو اس کو بارانی ہی سمجھا جائے گا، ورنہ نصف عشر دینا ہوگا۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۵/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۲/۹-۴۳۳)

عشر:

سوال: زید ایک عالم ہے، اس کے علاقہ میں غلہ کی پیداوار سے زکوٰۃ عام طور سے ادا کی جاتی ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں پر لعن طعن ہوتی ہے۔ کیا یہ برتاؤ عندالشرع درست؟ یہ بات ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ غلہ صاحب نصاب ہی لوگ دیتے ہیں۔ زید آج ڈھائی برس سے آسام کے ایک علاقہ میں دینی کام انجام دے رہا ہے، اس سلسلے میں حفظ قرآن پاک کے واسطے ایک مدرسہ قائم کیا گیا ہے، جس کی آمدنی کا کوئی خاص ذریعہ نہ دیکھ کر غلہ کی زکوٰۃ لوگوں کو گراں معلوم ہوتی ہے، اس کے پیش نظر صرف یہ بات ہے کہا گر دھان (چھلکوں والا چاول) کی فقط زکوٰۃ مسلمانوں کی طرف سے نکال کرا کٹھا کر لیا جائے تو عمدہ طور سے مدرسہ کے لیے طلبہ کے واسطے طعام وقیام کا نظم ہو سکے، جب کہ زید کو کسی قسم کی تنخواہ ومعاوضہ نہیں دیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ طلب کرتا ہے۔

آسام، یا پورے ہندوستان کی زمینوں پر گونمنٹ کا ٹیکس وصول کر لیا جاتا ہے تو کیا "**کلما اخرجت الارض ففیہ العشر**" پر عمل ہوتا ہے؟ دھان، یا غلہ جس مقدار میں پیدا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کتنی ہے؟ مدلل جواب سے مطلع فرمائیں۔ نیز اگر زکوۃ یہاں کی زمینوں پر واجب نہیں ہے تو پھر زید کا یہ عمل کیسا ہے؟ اب اس کو کیا کرنا چاہیے؟ فقط

---

(۱) كذا في ردالمحتار: ۴۹/۲)(قوله: بلاشرط نصاب) وبقاء، فيجب فيمادون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا،وقيل: نصفه، وفي الخضروات التي لاتبقى، وهذا قول الامام، وهو الصحيح، كما في التحفة.(رد المحتار: ۳۲۶/۲، باب العشر ، سعيد)

(۲) وتجب في مسقى سماء: أي مطروسيح كنهر بلاشرط نصاب وبلا شرط بقاء وحولان حول ... يجب العشر ويجب نصفه في مسقى غرب:أي دلو كبير ودليه:أي دولاب لكثرة المؤذنة". (الدرالمختار: ۳۲۶/۲، باب العشر،سعيد)

(۳) ولو سقى سيحا وبالة،اعتبر الغالط:أي أكثرالسنة كما مرفي السائمة والعلوفة،إلخ. (الدرالمحتارمع ردالمحتار: ۳۲۸/۲،باب العشر،سعيد)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

زید کا دینی مدرسہ قائم کرنا اوراس کے لیے کوشش کرنا قابل صد تحسین ہے۔ اللہ پاک اس کی کوشش کو بار آور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ وعشر واجب ہونے کے لیے اس زمین پر ملک مسلم قائم ہونا ضروری ہے، خاتمۂ زمینداری کے بعد یہاں کی زمینوں پر عموماً ملک مسلم قائم نہیں رہی، لہٰذا زمینوں کی پیداوار میں زکوٰۃ عشر واجب نہیں، البتہ بطور صدقۂ نافلہ اور دینی خدمت کے لیے جس قدر بھی دے دیں اوراس سے مدرسہ چلایا جائے، موجب خیر وبرکت اور باعث اجروثواب ہے، جولوگ عشر نہ دیں، ان پر لعن طعن درست نہیں، بات سے صرف ترغیب رکھی جائے:

”وانقسمت بين المسلمين لايواظف إلا العشر، وإن سقيت بماء الأنهار، فلهٰذا قال فى التبيين: هٰذا فى حق المسلم، أما الكافر ويجب عليها الخراج من أى ماء سقى؛ لأن الكافر لايتدأ بالعشر، إلخ“. (مجمع الأنهر: ۶۷۱/۱)(۱)

”وخراج إن اشترى ذمى أرضاً عشرية من مسلم: أى يجب الخراج؛ لأن فى العشر معنى العبادة، والكفر ينافيها، إلخ“. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم ذی قعدہ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۱/۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۴/۹-۴۳۵)

دھان کی زکوٰۃ:

سوال: دھان جو زمین میں پیدا ہوتا ہے، اس کی زکوٰۃ کا کیا حساب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

دھان کی زکوٰۃ دسواں حصہ ہے، جو کچھ پیداوار زمین کی ہو، اس میں سے دسواں حصہ دیا جاوے۔ (۳)

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۸/۶)

عشری زمین پر جو مزدوری خرچ ہوئی ہے، کیا عشر میں اس کا حساب بھی ہوگا:

سوال: عشری زمین میں جو مزدوروں کو مزدوری ادا کی گئی ہے تو اس کا حساب عشر میں وضع کیا جاوے گا، یا کہ نہیں؟

---

(۱) مجمع الأنهر: ۳۲۱/۱، باب زكاة الخارج، دارالكتب العلمية بيروت

(۲) ”وخراج إن اشترىٰ ذمى أرضاً عشرية من مسلم: أى يجب الخراج إن اشترىٰ ذمى غير تغلبى أرضاً عشرية من مسلم، إلخ“ (تبيين الحقائق: ۱۰۷/۲، باب العشر، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) قال أبوحنيفة: فى قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقى سيحاً أو سقه السماء إلا القصب والحطب والحشيش. (الهداية: ۱۸۳/۱، ظفير)

الجواب

عشر میں مزدور کی مزدوری اور دیگر اخراجات کا حساب نہیں ہوتا؛ یعنی مزدوروں کی مزدوری وغیرہ کی وجہ سے عشر میں کمی نہ ہوگی، لہذا دسواں حصہ اس میں سے دینا چاہیے۔

درمختار میں ہے: "**بلا رفع مؤن كاف الزرع وبلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر فى كل الخارج**". (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۸۵)

کچی فصل کی کٹائی میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: ہمارے یہاں بہت فصل کچی کاٹ لی جاتی ہے، مثلاً جوار، نخود وغیرہ اور دانہ ان سے نہیں حاصل ہوتا، ایسی سبز کاٹی ہوئی فصل پر عشر ہے، یا نہیں؟

الجواب

امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر بھی عشر ہے، جتنا کاٹا جائے، اس کا دسواں حصہ نکال دیا جائے۔

۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۹)

جس غلہ کی زکوٰۃ نہ نکلی ہو، وہ حلال ہے، یا حرام:

سوال: زید نے گلہ میں دسواں حصہ زکوٰۃ نہیں نکالی تو وہ غلہ حرام ہوگا، یا حلال؟

الجواب

وہ غلہ حلال ہے، زید زکوٰۃ نہ دینے سے گناہ گار اور فاسق ہو جاوے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۸۰)

جو زمین پہاڑ کے پانی سے بعد محنت سیراب ہوئی، اس میں نصف عشر ہے، یا عشر:

سوال: ایک قطعہ زمین جو پہاڑ کے پانی سے اسیراب ہوتی ہے؛ مگر محنت ومشقت سے بند دے کر سیراب کی جاتی ہے تو شرعاً اس پر عشر واجب ہے، یا نصف عشر؟

الجواب

شامی، باب الرکاز میں ہے:

واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب، آه، ثم رأيت عين ماقلته فى شرح الشيخ إسمٰعيل حيث قال ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد فى دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر، إلخ. (۲)

(۱) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/۶۹، ظفير

(۲) رد المحتار، باب الركاز: ۲/۶۱، ظفير

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور اگر یہ صورت دارالاسلام کی زمین میں ہوتو وہاں بصورت مذکورہ عشر لازم ہوگا؛ کیوں کہ مسقی سماء وسیح میں عشر واجب ہوتا ہے۔ (کذا فی الدر المختار)(۱) فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۴/۶)

آبی اور بارشی زمین میں عشر:

سوال: آبی زمین میں عشر کتنا فرض ہے اور بارش والی زمین میں کتنا فرض ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا اس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۵/۹)

زمیندار پر عشر ہے، یا نہیں:

سوال (۱) ہندوستان میں جو لوگ زمیندار ہیں اور خود کاشت نہیں کرتے، رعایا کاشت کرتی ہے، زمیندار کو جو روپیہ رعایا سے ملتا ہے، اس میں سے مال گزاری سرکاری ادا کر کے باقی زمیندار اپنے صرف میں لاتے ہیں، ایسے زمینداروں پر بعد ادائے مال گزاری کے کیا اور بھی کوئی حق شرعی خراج وغیرہ ادا کرنا لازم ہے، یا کیا؟

باغ میں عشر ہے، یا نہیں:

(۲) اسی طرح جن لوگوں کے پاس آم وغیرہ کے باغ ہیں، ان کو بھی کوئی حق شرعی اگر ادا کرنا ہے تو اس کی صراحت فرمائی جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) جس اراضی میں خراج؛ یعنی محصول سرکاری دیا جاتا ہے، ان میں عشر؛ یعنی دسواں حصہ دینا ضروری نہیں ہے، اگر دیوے بہتر ہے اور تفصیل اس کی یہ ہے کہ دوسروں سے کاشت کرانے کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ نقد روپے پر بطریق اجارہ زمین دی جاوے۔

---

(۱) (وَ) تَجِبُ فِی (مَسْقِیِّ سَمَاءٍ) أَیْ مَطَرٍ (وَسَیْحٍ) کَنَهْرٍ (بِلَا شَرْطِ نِصَابٍ) رَاجِعٌ لِلْكُلِّ (وَ) بِلَا شَرْطِ (بَقَاءٍ) وَحَوَلَانِ حَوْلٍ لِأَنَّ فِیهِ مَعْنَی الْمُؤْنَةِ. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ٦٧/٢، ظفیر)

(۲) وتجب فی مسقی سماء: أی مطر وسیح کنهر بلاشرط نصاب وبلا شرط بقاء وحولان حول ... یجب العشر ویجب نصفه فی مسقی غرب: أی دلو کبیر ودلیه: أی دولاب لکثرة المؤذنة". (الدرالمختار: ٣٢٦/٢، باب العشر، سعید)

دوسرے یہ کہ بٹائی غلہ پر دی جاوے۔

ثانی صورت میں اگر تخم مزارع کا ہے تو ہر ایک مالک ومزارع اپنے اپنے حصہ کے غلہ میں سے دسواں حصہ دیویں اور پہلی صورت میں اجر مستاجر پر ہے اور یہ قول صاحبین کا ہے اور اس پر درمختار میں فتویٰ نقل کیا ہے:

والعشر على الموجر كخراج موظف وقال على المستاجر كمستعير مسلم وفى الحاوى، وبقولهما ناخذو فى المزارعة ان كان البذر من رب الارض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة . (الدر المختار)(۱)

وفى الشامى: (قوله ارض غير الخراج) أشار إلى أن المانع من وجوبه كون الأرض خراجية لأنه لا يجتمع العشر والخراج، الخ . (۹٤/۲، باب العشر)(۲)

(۲) اس میں بھی وہی حکم ہے، جو نمبر (۱) میں ہے کہ اگر اس زمین میں محصول سرکاری دیا جاتا ہے تو باغ کے پھلوں پر عشر نہیں ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۱۶/٦)

☆ ☆ ☆

(۱) **الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العشر: ۷٤/۲-۷۵، ط: سعيد، ۳۳٤/۲، ظفير**

(۲) دیکھئے: **ردالمحتار، باب العشر: ۲٦/۲، ط: سعيد، ۳۲۵/۲، ظفير**

(۳) دلیل بظاہر وہی ہے، جو مجیب علام نے پہلے مسئلہ میں نقل کی، **(قوله: ارض غير، الخ) أشار إلى أن المانع من وجوبه كون الأرض خراجية لأنه لا يجقع العشر والخراج . (ردالمحتار، باب العشر: ۳۲۵/۲)**

مگر خاکسار کے خیال میں یہ دلیل درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ صرف سرکار کا محصول لینا محصول کو خراجی نہیں بناتا، جیسا کہ اگلے جواب میں خود مجیب علام نے یہ بات صاف کر دی کہ سرکار جو محصول لیتی ہے، وہ خراج نہیں کہلاتا ہے۔ پس معلوم ہوا یہ جواب ہندوستان کی موجودہ پوزیشن کے تحت ہے کہ یہاں کی زمین میں دار الحرب ہونے کی وجہ سے نہ عشر ہے، نہ خراج، لہذا حوالہ میں جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ غالباً تسامح ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر

پیداوار کی زکوٰۃ

کھیتی کے غلہ اور اس کی قیمت پر حولان شرط ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان کی اکثر زمین ایسی ہے، جس پر عشر واجب نہیں ہے۔ اب کھیتی وغیرہ کی فصل، یا غلہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی تو اس کے لیے حولان شرط ہے، یا نہیں؟ اسی طرح اس کی قیمت پر حولان حول شرط ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہندوستان کی اکثر زمین غیر عشری ہیں، ان کی آمدنی کی قیمت کو دیگر نصاب کے ساتھ شامل کیا جائے گا اور سال کے شروع میں اگر سونے چاندی، یا روپے کا نصاب مکمل ہے تو بیچ میں کھیتی کی آمدنی شامل ہونے سے الگ سے حولان حول کی شرط نہ ہوگی؛ بلکہ سابقہ نصاب میں شامل مان کر جب اس کا سال پورا ہوگا تو اس آمدنی کی زکوٰۃ بھی نکالی جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۴۴۶، ڈابھیل)

عن مجاهد قال: سألته عن زكاة الطعام؟ فقال: فيما قل منه أو كثر، العشر ونصف العشر. (شرح معاني الآثار للطحاوي: ۲/۸۸)

عن الزهري: أنه يؤقت في الثمره، وقال: العشر ونصف العشر. (المصنف لأبي بكر بن أبي شيبة: ٦/٤٣٩، رقم: ١٠١٢٦)

بلا شرط نصاب ولا شرط بقاء وحولان؛ لأن فيه معنى المؤنة. (الدر المختار)

فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعاً، نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، وهٰذا قول الإمام، وهو الصحيح كما في التحفة. قوله: و"حولان حول" حتىٰ لو أخرجت الأرض مراراً وجب في كل مرة لإطلاق النصوص عن قيد الحول، قوله: "لأن فيه معن المؤنة" أي في العشر معنى مؤنة الأرض: أي أجزئتها فليس بعبادة محضة. (رد المحتار، باب العشر والخراج: ٣/ ٢٦٦، زكريا)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلىٰ ماله وزكاة، سواء كان المستفاد من نمائة أولاً، وبأي وجه استفاد ضمه، سواء كان بميراث أوهبة أوغير ذلك. (الفتاویٰ الهندية: ١/١٧٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۴/۱۶ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۱۹-۲۲۰)

فصل خراب ہو جانے کے بعد مابقیہ پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ غیر عشری زمین میں اگر کسی سال فصل خراب ہوگئی اور لاگت کے برابر، یا اس سے کچھ کم وبیش فصل ہوئی تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

غیر شرعی وغیر خراجی زمینوں میں پیداوار کا حساب نہیں لگایا جاتا؛ بلکہ لاگت کو نکال کر صرف نفع کی رقم کو دیکھا جائے گا، اگر وہ خود یا دیگر جمع شدہ روپے پیسے سے مل کر نصاب تک پہنچتی ہے تو اس میں حسب ضابطہ زکوٰع واجب ہوگی، ورنہ نہیں۔

عن أبي سعيد خدری رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم: ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة ،وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة،وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة. (صحيح البخاری،رقم: ۱۴۵۹ ،صحيح مسلم: ۹۷۹ ،مشكاة المصابيح،رقم: ۱۷۹۴)

وسبب افترا ضها نصاب فارغ عن حاجته الأصلية. (تنوير الأبصار على الدر المختار: ۱۷۴/۳ ،زكريا)

وقيمة الأرض تضم إلى الثمنين. وفی الشامية: ويضمن أحد النقدين إلى الآخر قيمة. (رد المحتار: ۲۳۴/۳ ،زكريا ديوبند)

ويسقط بهلاک الخارج من غير صنعه،وبهلاک البعض يسقط بقدره. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة: ۱۸۶/۱) فقط واللہ اعلم

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۲۰/۷-۲۲۱)

مزارع اور ربُ الارض میں سے کسی پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص نصفا نصف (ایک کی زمین دوسرے کا بیج اور محنت، حاصل شدہ فصل آدھی آدھی) معاملہ کر کے کھیتی کرتا ہے تو زکوٰۃ کس کے ذمہ کتنی ہوگی؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

زمین دار اور کاشت کار دونوں پر اپنی اپنی ملکیت فروخت کرنے کے بعد جو آمدنی ہو، اس میں حسب ضابطہ عشر، یا زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وفی المزارعة: إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل،فعليها بالحصة. (الدر المختار،باب العشر،مطلب: هل يجب العشر على المزارعين: ۲۷۸/۳ ،زكريا)

وفی المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحصة وعلى قوله على رب الأرض؛لكن يجب فی حصة فی عينه وفی حصة المزارع يكون ديناً فی ذمته. (البحر الرائق،باب العشر: ۲۳۷/۲ ،كوئته ، الفتاویٰ الهندية،باب زكاة الزرع والثمار: ۱۸۷/۱ ،كوئته)

إذا زارع رجل رجلاً بالنصف، والبذر من رب الأرض أو من العامل فأ خرجت الأرض خمسة أوسق ففيها العشر، وإن كان البذر بينهما تصفين فلا عشر فيها إلا أن يبلغ نصيب كل واحد منهما خمسة أوسق. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۸۱/۳، رقم: ۳۴۷۵)

وإن كانت الأرض مشتركة بين جماعة فأخرجت طعاماً فعلى قول محمد حمه اللّٰہ تعالیٰ: عشر إن يبلغ نصيب كل واحد منهم خمسة أوسق كما بينا فى السواء. (كتاب لبسوط للرخسى، باب عشر الأرض: ۴۳۸/۲، دار الفكر بيروت) فقط واللہ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۲۱/۷-۲۲۲)

کیا پیداوار کا چالیسواں حصہ ادا کرنے سے عشر ساقط ہو جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا کھیت کی آمدنی پر زکوٰۃ کی طرح چالیسواں حصہ ادا کرنا عشر کی فرضیت کو ساقط کردے گا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے، جو مسلم حکومت (مثلاً مغلیہ حکومت) سے لے کر آج تک برابر کسی مسلم کی ملکیت میں رہی ہو، یا عرصہ دراز سے مسلمان کی ملک ہو اور اس کا کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں رہی ہے تو ایسی زمین پر عشر واجب ہے، اگر آپ کی زمین اس دائرہ میں آتی ہے تو پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، محض چالیسواں حصہ نکالنے سے ذمہ ساقط نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۶/۹-۴۳۶، ڈابھیل)

عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبيه عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عشر ياً العشر، وما سقى بالنضح نصف العشر. (صحيح البخارى: ۲۰۱/۱، رقم: ۱۴۶۱، صحيح لمسلم: ۹۸۱/۱)

عن العلاء بن الحضرمى رضى الله عنه قال: بعثنى رسو ل اللّٰہ صلى الله عليه وسلم إلى البحرين أو إلىٰ هجر، فكنت أتى الحائط يكون بين الإخوة يسلم أحد هم فأخذ من المسلم العشر ومن الشرک الخراج. (سنن ابن ماجة، الزكاة، باب العشر والخراج: ۱۳۱/۱، رقم: ۱۸۳۱، أشرفيه)

قال العلامة السندى فى قوله: ”فأخذمن المسلم العشر“ يدل علىٰ أن الأرض الخراجية، إذا أسلم أهلها تصير عشرية. (حاشية السندى على سنن ابن ماجة: ۴۲۹، دار الفكربيروت)

كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بين الغانمين فهى أرض عشر؛ لأن الحاجة إلىٰ ابتداء التو ظيف على المسلم، والعشر أليق به لما فيه معنى العبادة فى جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوة فوصل إليها ماء الأنهارفهى أرض خراج، وأما لم يصل إليها ماء الأنهار واستخرج منها عين فهى أرض عشر. (الهداية، كتاب السير، باب العشر والخراج: ۵۷۴/۲، مكتبة بلال ديوبند، كذا فى الدر المختارمع رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشروالخراج: ۲۹۰/۶، زكريا، مجمع الأنهار: ۶۶۱/۱، دارإحياء التراث العربى)

وکذلک کل أرض أسلم علیها أهلها طوعاً وفی الحجة: بلا قتال ولادعوة إلی الإسلام فإنها تکون عشریة. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۳/ ۲۸۷، رقم: ٤٣٩٤، زکریادیوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۴/۵/۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۲۲۴-۲۲۵)

جس کھیت کی پیداوار سیلاب کی زد میں آجائے، اس کا عشر کس طرح نکالیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کی زمین زرخیز نہیں ہے، اکثر سیلاب کی زد میں آجاتی ہے، پیداوار سے زیادہ اس مین لاگت ہوجاتی ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پوری کھیتی سیلاب کی نذر ہوجاتی ہے اور پھر دوبارہ لاگت لگا کر کھیتی کرنی پڑتی ہے، ان کھیتوں کا سرکار کو سالانہ بیگھہ کے حساب سے ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ہم اس کھیت کا عشر نکالیں تو کس حساب سے نکالیں؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

ہندوستان کی زیادہ تر زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی؛ اس لیے ان کی آمدنی پر عشر، یا خراج کچھ واجب نہ ہوگا؛ بلکہ حسب ضابطہ اگر مالک صاحب نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر پوری کھیتی سیلاب کی نذر ہوجائے، یا پیداوار سے زیادہ اس میں لاگت لگ جائے تو ایسی صورت میں اس زمین پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر: ۲/ ۱۷۱، فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۴۵۵-۴۵۴، ڈابھیل)

قال الحسن: وأما أراضهم فعلیها الخراج وإن عجزوا عن ذٰلک خفف عنهم ولایکلفون فوق طاقتهم کما قال عمر رضی اللّٰه عنه. (إعلاء السنن: ۱۲/ ٤٣٧، رقم: ٤١٩٩، دارالکتب العمیة بیروت)

عن عطاء فی الرجل إذا أخرج زکاة ماله فضاعت أنها تجزی عنه. (المصنف لابن إبی شیبة: ۲/ ۳۰۸، رقم: ١٠٤٩١، دارالکتب العلمیة بیروت)

وإن غلب علیٰ أرض الخراج الماء أوانقطع عنها إواصطلم الزرع آفة فلا خراج علیهم. (القدوری مع الشرح الثمیری: ٤/ ٣٠٤)

وإن هلک المال بعد وجوت الزکاة سقطت الزکاة، ولنا أن الواجب جزء من النصاب تحقیقاً للتیسیر فیسقط بهلاک محله. (الهدایة: ۱/ ۱۲۰، مکتبة بلال دیوبند)

فأما وجوت العشر فلا یمنع؛ لأنه متعلق با لطعام یبقی ببقا ئه ویهلک بهلاکه. (بدائع الصنائع: ۲/ ۸۵، زکریادیوبند)

وأما بیان ما یسقطعها بعد وجوبها فالسقط لها بعد الجوب أحد الأشیاء الثلاثة منها هلاک النصاب بعد الحول قبل التمکن من الأداء وبعده عندنا. (بدائع الصنائع: ۲/ ۱۶۷، زکریادیوبند)

وسبب افتراضها ملک نصاب حولی فارغ عن حاجته الأصلیة. (تنویر الأبصار علی الدر المختار: ۳/ ۱۷٤، زکریادیوبند)

ویحتمل أن یکون احترازاً عما وجد فی دارالحرب، فإن أرضها لیست أرض خراج،أو عشر. (رد المحتار: ۲۵۷/۳، زکریادیوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۸/۵/۱۵ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۳۴/۷-۲۳۵)

کیریاں (کچے آموں) کا عشر کس پر واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کچے آموں کا استعمال (کیریاں) میں بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عشر نکالنے کے کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر مشتری باغ خریدتے ہی کیریاں توڑ لیتا ہے تو عشر بائع پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد توڑتا ہے تو مشتری پر لازم ہوگا۔

قال فی الهندیة: ولو باعها والزرع بقل إن قصله المشتری فی الحال یجب علی البائع، ولو ترکه حتیٰ أدرک فعشره علی المشتری، کذا فی شرح الطحاوی. (الفتاویٰ الهندیة: ۱۸۷/۱)

إذا کان للرجل أرض عشریة فیها زرع وإذا کا ن الزرع بقلاً وباع الأرض مع البقل فأدرک الزرع فالعشر علی المشتری، هٰذا إذا باع الأرض مع الزرع، فأما إذا باع الزرع دون الأرض والزرع قصیل، فإن کان البیع بشرط أن یقصله المشتری فقصله، فالعشر علی البائع، وإن کا ن البیع مطلقاً من غیر شرط وترک الزرع حتیٰ أدرک، فإن کان الترک بغیر أجر ذکر فی الأصل أن العشر علی المشتری ولم یذکر فیه خلافاً. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ۲۸۳/۳، رقم: ۴۳۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۷/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۳۶/۷-۲۳۷)

عشر میں غلہ کے بجائے اس کی قیمت کسی ادارے کو منی آرڈر کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عشر فصل بیچ کر حاصل شدہ رقم دور دراز کے ادارے کو بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ وغیرہ بھیجنا درست ہے یا نہیں؟ جزوی طور پر ایسا کرنے سے عشر کی ادائیگی ہوئی یا نہیں، یا صرف فصل ہی دے کر ادائیگی ہوگی؟ واضح ہو کہ یہاں دینے والے کی نیت خاص طور پر یہ ہے کہ مقامی ادارے کو فصل ہی دیتا ہے؛ لیکن عشر فصل میں دور دراز کے ادارے کو بھی دینا چاہتا ہے، جہاں محصل نہیں آتا، یا نہیں آسکتا؟ اور نہ کسی دیگر ذرائع سے عشر فصل بھیجا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جن زمینوں میں عشر واجب ہے ان میں عشر کا غلہ نکال کر اس کی رقم منی آرڈر وغیرہ سے کہیں اور دینی ادارے میں

بھیج دی جائے تو یہ بھی درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۹) اور عشر میں غلہ اور پھل دینا ضروری نہیں؛ بلکہ قیمت بھی دے سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/۵۹)

عن الضحاک قال: ضغ الزكاة فى القرية التى أنت فيها، فإن لم يكن فيها فقراء فإلى التى تليها.

عن ميمون قال: كان يستحب أن يرسل بالصدقة إلٰى أبناء المها جرين والأنصار الذين بالمدينة. (المصنف لا بن أبى شيبة: ٦/ ٤٩٥-٤٩٦، رقم: ١٠٤١١-١٠٤١٥)

قال العلامة ابن الهام: ووجهه ما قد مناه من دفع القيم من قول معاذ لأهل اليمن، قال طاؤس: قال معاذ لأهل اليمن: إئتونى بخميس أولبيس مكان الذرة والشعير أهون عليكم وخير لأصحاب رسو ل الله عليه وسلم بالمدينة. (صحيح البخارى تعليقاً: باب العرض فى الزكاة على، رقم: ١٤٤٨، فتح البارى: ٣٩٧/٤، دار الكتب العلمية بيروت، فتح القدير: ١٩٣/٢-٢٨٠، دار الفكر، بيروت)

قال الحافظ فى الفتح: وقد احتج به من يجيز نقل الزكاة من بلد إلٰى بلد. (فتح البارى: ٣٩٩/٤، بيروت)

عن طاؤس قال: بعث رسو ل الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن وأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير، فأخذ العروض الثياب من الحنطة والشعير. (مصنف لابن أبى شيبة: ٥٢٢/٦، رقم: ١٠٥٣٨)

ويكره نقل الزكاة من بلد إلٰى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلٰى قرابته أو إلٰى قوم هم أحو ج من أهل بلده لما فيه من الصلة أوزيادة دفع الحاجة. (الهداية: ٢٠٨/١)

وعدم الكراهة فى نقلها للقريب للجمع بين أجرى الصدقة والصلة وللأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج فمن كان أحوج كان أولٰى وليس عدم الكراهة منحصراً فى هاتين؛ لأنه لو نقلها إلٰى فقيرفى بلد آخرأورع وأصلح كما فعل معاذ لا يكره، ولهٰذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل، كذافى المعراج. (البحر الرائق: ٢٥٠/٢، كوئته)

قوله: "كره" لأن فى رعاية حق الجوارفكان أولٰى، والمتبادرمنه أن الكراهة تنزيهية، تأمل. فلو نقلها جاز؛ لأن المصرف مطلق الفقراء. (رد المحتار، باب المصرف: ٣٠٤/٣، زكريا، كذا فى الهندية: ١٩٠/١، ومثله فى المحيط البرهانى: ٤٤٠/٢، مجمع الأنهر: ٢٢٦/١، دار إحياء التراث العربى بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۳۹-۲۴۰)

عشر ہر پیداوار میں ہے، خواہ کم ہو، یا زیادہ:

سوال: پیداوار کھیتی پر عشر جو طریقہ ہے؛ یعنی نہر کنویں پر بیسواں حصہ اور بارانی پر دسواں حصہ تو کیا اس میں بھی نقدی شرائط ہیں اگر کسی کے یہاں صرف ایک من ہی پیدا ہو تو اس میں سے عشر نکالے، یا نہیں؟ ایسے غلہ میں سے کھانا پکوا کر مدرسہ اسلامیہ کے طلبہ اور تبلیغی حضرات کو جن میں اکثر صاحب نصاب بھی رہتے ہیں، کھلا سکتے ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی: میاں جی نور محمد، موضع نئی ضلع گوڑگانوہ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

عشر ہر پیداوار میں ہے، خواہ کم ہو، یا زیادہ، (۱) عشر، یا نصف عشر صرف غریبوں کا حق ہے، صاحب نصاب کو دینا یا کھانا کھلانا جائز نہیں ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۱۸/۴)

باغ اور زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ:

سوال: زید ڈیڑھ سو بیگھہ زمین زمیندار، یا کاشتکار تھا، اس کے پاس مال گزاری سال وار ضروری اخراجات خانگی کے بعد ہزاروں من غلہ بچتا تھا، اسی طرح معمولی کمی بیشی کے ساتھ ہر سال بچت ہوتی ہے۔ وہ غلہ فروخت بھی نہیں کرتا، خانگی ضرورت کے لیے کبھی فروخت کرتا ہے تو بقدر ضرورت سالوں کا پرانا غلہ اس کے پاس فروختگی کے بعد کئی نصاب کی قیمت کا موجود ہے تو کیا اس حالت میں اس کے اوپر غلوں زکوٰۃ ہے؟ اسی طرح ضرورت سے زائد اس کے پاس باغ ہیں، جن کی قیمت کئی نصابوں کو پہنچتی ہے، آیا ان باغات میں بھی زکوۃ واجب ہوگی تو کس صورت سے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جو غلہ تجارت کے لیے نہیں، اس میں زکوٰۃ فرض نہیں، خواہ وہ کتنی بھی مقدار میں ہو، یہی حال زمین، کھیت، باغ کا ہے، (۳) البتہ زمین اور باغ کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا اگر وہ عشری ہے اور اس میں قیمت کا اعتبار نہیں؛ بلکہ کل پیدوار کا عشر واجب ہوتا ہے خواہ کتنی ہی پیداوار ہو اور اس کی قیمت کتنی ہی ہو۔ (البسط فی رد المحتار) (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ دار العلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۳۷/۹-۴۳۸)

ہندوستان کے باغوں میں عشر نہیں:

سوال: آم کے باغوں میں کیری بالکل چھوٹے کچے آم توڑ کر چٹنی وغیرہ کھانے لگتے ہیں تو عشر کا اندازہ کیا ہوگا اور کس طرح ادا کریں، یا عشر نہیں ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

روایات فقہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں اور باغوں میں عشر نہیں ہے۔ (۵) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۲/۶)

---

(۱) ویجب العشر عند أبی حنیفة، فی کل ماتخرجه الأرض. (الهندیة، کتاب الزکاة، الباب السادس فی زکاة الزروع والثمار: ۱۸۶/۱، ط: رشیدیة، کوئٹة)

(۲) ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزکاة. (الهندیة، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۱۹۴/۱، ط: کوئٹة)

(۳) ولاتصح نیة التجارة فیماخرج من أوضه العشریة أوالخراجیة. (الدرالمختار) (قوله: ولا تصح نیة التجارة) لأنها لاتصح إلاعند عقد التجارة، فلا تصح فیما ملکه غیرعقد کبارثونحوه کما سیأتی، ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملک یثبت فیه بالنبات ولا اختیارله فیه، ولذا قال فی البحر: وخرج أی بقیة العقد ما إذا دخل منارضه حنطة تبلغ قیمتها نصاباً ونویٰ أن تمسکها ویبیعها، فأمسکها حولاً، لاتجب فیها الزکاة کما فی المیرات. (ردالمحتار: ۲۶۸/۱، کتاب الزکاة، سعید)

(۴) قال أبو حنیفة فی قلیل ماأخرجته الأرض وکثیره: العشر، سواء سقی سیحا أوسقته السماء. (الهدایة: ۲۰۱/۱)

(۵) کیوں کہ یہ ملک دار الحرب ہے اور دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی، فإن أرضها لیست أرض خراج أوعشر، ظفیر

کافر سے خریدی ہوئی زمین کا عشر:

سوال (۱) جو زمین کسی کافر سے خریدی گئی۔اس میں عشر ہے، یا نہیں؟

پھل میں عشر:

(۲) باغ کے ثمر، یا سوختہ میں عشر واجب ہے، یا نہیں؟

کرایہ میں عشر:

(۳) جائداد سکنائی کے کرایہ میں عشر واجب ہے، یا نہیں؟

جائداد بحق مدرسہ کا عشر:

(۴) جس جائداد پر حق سرکاری نہیں؛ بلکہ ابواب بحق ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، سڑک قائم ہیں تو یہ اخراجات داخل عشر ہوں گے، یا نہیں؟ اور عشر میں منہا ہوں گے، یا نہیں؟

الجواب ———————

(۱) اس صورت میں وہ زمین خراجی ہی رہتی ہے، عشر لازم نہیں ہوتا۔

قال فی الشامی: فصار شراء المسلم من الذمی بعد ما صارت خراجية فتبقی علیٰ حال لها. (۱)

(۲) باغ کے ثمر میں عشر واج ہے سوختہ میں نہیں۔(۲)

(۳) نہیں۔

(۴) یہ حقوق منہا نہ ہوں گے، بلکہ کل پیداوار کا عشر واجب ہوگا۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۹۲-۱۹۳)

سبزی میں زکوٰۃ ہے یا نہیں اور ہے تو کتنی:

سوال: سبزی میں اگر زکوٰۃ واجب ہے تو کس قدر؟

الجواب ———————

امام صاحب کے نزدیک عشر جو کہ زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے، سبزیوں اور ترکاریوں پر آتا ہے؛ مگر جب تک شرائط عشر محقق نہ ہوں، عشر واجب نہیں ہوتا اور ہندوستان کی اراضی کے عشری ہونے میں تردد واختلاف ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۷۰)

---

(۲) ردالمحتار: ۲/۷۱

(۲) **قال أبو حنيفة فی قليل ما أخرجته الأرض و كثيرة العشر سواء سقی سيحاً أو سقته السماء إلا القصب والحطب والحشيش. (الهداية: ۱/۱۸۳، ظفير)**

(۳) **احترازا عما وجد فی دارالحرب، فإن أرضها ليست أرض خراج، أوعشر. (ردالمحتار، باب الركاز: ۲/۶۱، ظفير)**

عشری وخراجی زمین

سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: سلطنت برطانیہ کو زمین کا حصول دینے کے بعد عشر ساقط ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

سرکاری محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔ (۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۱۶/۴)

کیا عشری زمین کا چالیسواں حصہ نکالنے سے عشر ساقط ہوجائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا عشری زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ نکالنے سے عشر ساقط ہوجائے گا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

اگر کسی جگہ واقعۃً عشری زمین پائی جائے تو اگر اس کو قدرتی پانی مثلاً بارش یا دریا سے سیراب کیا جاتا ہے تو کل پیداور کا دسواں حصہ نکالنا واجب ہے اور اگر اس زمین کو ٹیوب ویل وغیرہ کے پانی سے سینچا جاتا ہے تو اس کل پیداوار میں سے بیسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، لہٰذا اگر ایسی زمین کی آمدنی میں سے صرف چالیسواں حصہ نکالا جائے گا تو کافی نہ ہوگا؛ بلکہ درج بالا تفصیل کے مطابق پورا حصہ نکالنا ضروری ہوگا۔

أخرج البخاری عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنهما أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: فیما سقت السماء والعیون أو کان عشریاً العشر وما سقی با لنضح نصف العشر. (صحیح البخاری: ۲۰۱/۱، سنن الترمذی: ۱۳۹/۱)

وأخرج مسلم عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنه یذکر أنه سمع النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: فیما سقت الأنهار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیة نصف العشر. (الصحیح لمسلم: ۳۱۶/۱، سنن ابن ماجة: ۱۳۰/۱)

وفی المحیط: وما سقته السماء أو سقی سیحاففیه العشر، وما سقی بغرب أو دالیة أو سانیة

---

(۱) **أخذ البغاة، والسلاطین الجائزة، زکاة الأموال الظاهرة کالسوائم والعشر والخراج لا إعادة علیٰ أربابها، إن صرف المأخوذ فی محله الآتی ذکره، وإلا یصرف فیه، فعلیهم فیما بینهم، وبین اللّٰہ إعادة غیر الخراج. (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲۸۹/۲، ط: سعید)**

ففيه نصف العشر، وإذا سقى فى بعض السنة سيحا وفى بعضها بآلة فالمعتبر هو الأغالب. (الفتاویٰ التاتار خانية: ۲۸۸/۲، رقم: ۴۳۵۹) فقط واللہ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری، ۱۰/۲/۱۴۳۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۲۵/۷-۲۲۶)

عشری زمین میں کل پیداوار سے عشر نکالا جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا عشری زمین کا عشر نکالتے وقت کاشت پر جو اخراجات آئے ہیں۔ وہ وضع ہوں گے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اولاً یہ واضح رہنا چاہیے کہ موجودہ دور میں ہندوستانی زمین عشری، یا خراجی نہیں ہے، لہٰذا ان کی پیداوار میں عشر، یا خراج واجب نہ ہوگی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۴۵/۳-۶۵) اب مطلقاً عشری زمینوں کے بارے میں نفس مسئلہ کے طور پر سوال کا جواب ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے:

عشری زمین میں پیداوار کی کاشت پر اخراجات آئے ہیں، وہ منہا نہیں کیے جائیں گے؛ بلکہ پوری اصل پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا۔ ہاں اگر وہ زمین ڈول یا ٹیوب ویل وغیرہ سے سیراب کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر نہیں؛ بلکہ نصف عشر؛ یعنی بیسواں حصہ نکالنا واجب ہوتا ہے۔

عن سالم بن عبد الله عن أبيه رضى الله عنه عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عشرياً العشر، وما سقى بالنضح نصف العشر. (صحيح البخارى، باب العشر فيما يسقى من ماء السماء، رقم: ۱۴۸۳، فتح البارى: ۴۴۳/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

استدل العلامة الكاسانى بهٰذا الحديث علىٰ وجوب العشر من غير احتساب الأجرة والنفقة، قال: ولا يحتسب لصاحب الأرض ما أنفق على الغلة من سقى أو عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقر لقوله عليه السلام: "وما سقته السماء ففيه العشر، وما سقى بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر"، أوجب العشر ونصف العشر مطلقاً عن احتساب هٰذه المؤن ولأن النبى صلى الله عليه وسلم أوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت. (بدائع الصنائع، بيان مقدار الواجب: ۱۸۵/۲، زكريا)

لا يحتسب فيه أجرة العمال ونفقة البقر؛ لأن النبى صلى الله عليه وسلم حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنى لرفعها. (الهداية: ۲۰۳/۱، زكاة الزروع والثمار)

وفى الهندية: ولا تحسب أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ وغير ذٰلك، فيجب إخراج الواجب من جميع ما أخرجته الأرض عشراً أو نصفاً، كذا فى البحر. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۸۷/۱، كذا فى الفتاوىٰ التاتارخانية: ۲۷۷/۳، المحيط البرهانى: ۲۹۰/۳، الدر المختار: ۲۶۹/۳، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۷/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔

عشری زمینوں کو بٹائی پر دینے کے بعد عشر کس پر واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جن کے پاس کھیت ہیں، کھیت والا بٹائی پر کھیت دے دیتا ہے تو کیا دونوں کے اوپر عشر واجب ہے، یا ایک پر؟ اور ہے تو کتنی مقدار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ہندوستانی زمینوں میں اگرچہ عشر واجب نہیں؛ لیکن جہاں عشر واجب ہو، وہاں حکم یہ ہے کہ اگر بیج بٹائی پر لینے والے نے ڈالا ہے تو عشر دونوں (مالک زمین اور عامل) پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہوتا ہے اور اگر بیج صاحب زمین کا ہے تو اسی پر عشر لازم ہے۔

وإن دفع أرضه العشرية مزارعة إن كان البذر من قبل العامل فعلٰى قياس قول أبى حنيفة يكون العشر علٰى صاحب الأرض كما فى الإعارة، وعندهما فى الزرع كما فى الإجارة، وإن كان البذر من قبل صاحب الأرض كان العشر علٰى صاحب الأرض فى قولهم. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۸۱/۳، زكريا)

وفى المزارعة إن كان البذر من دب الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصة. (الدر المختار: ۳۳۵/۲، كراتشى، ۲۷۸/۳، زكريا) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۳۵-۲۳۶)

عشری زمین خریدنے پر مشتری پر ہی عشر واجب ہوگا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ آج کل عام طور سے سنترے اور آموں کی فصلیں مالکان باغ پیشگی فروخت کر دیتے ہیں، اس صورت میں عشر مالکان باغ پر ہوگا، یا خریدار پر؟ اور مشتری اس نے جو رقم باغ کے مالک کو دی ہے، اس کو عشر سے وضع کیا جائے گا، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اس صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور جو رقم اس نے مالک کو دی ہے، اسے وضع کیا جائے گا، یا نہیں؟

ولو باع الزرع إن قبل إدراكه فالعشر على المشترى. (الدر المختار)

وفى رد المحتار: وشمل ما إذا باعه وتركه المشترى بإذن البائع حتٰى أدرك فعندهما عشره على المشترى. (الدر المختار علٰى رد المحتار: ۳۳۳/۲، كراتشى)

رجل له أرض عشرية فيها نخل وفى النخل طلع باع ذٰلک كله بما فى النخل من الثمر، قال أبو حنيفة: العشر على المشترى الذى يدرک ذٰلک فى يده. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۲۸۴/۳، زكريا ديوبند) **فقط واللّٰه تعالٰى أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۰/۷/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۷/۲۳۷)

مدرسہ کی عشری زمین کے نصف عشر کا غلہ مدرسہ کے طلبہ کو کھلانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مدرسہ کے پاس دس بیگھہ عشری زمین ہے، جب فصل پر نصف عشر نکالتے ہیں تو کیا یہ عشر کا غلہ اپنے ہی مدرسہ کے طلبہ پر خرچ کر سکتے ہیں، یا دوسری جگہ دینا ضروری ہے؟

باسمه سبحانه تعالى الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

آج کل ہندوستان میں اکثر زمینیں غیر عشری ہیں، جن میں عشر واجب نہیں ہوتا ہے؛ تاہم بالفرض اگر کسی جگہ عشری زمین کسی مدرسے کی ملکیت میں پائی جائے تو اس کا نصف عشر مدرسہ کے مستحق طلبہ پر خرچ کرنا درست ہوگا اور مابقیہ زمین کی آمدنی حسب شرائط واقف مدرسہ کی ضروریات وغیرہ میں خرچ کی جائے گی۔

مصرف الزكاة والعشير هو الفقير وهو من له أدنى شيء، مسكين من لا شيء له وعامل و مكاتب ومديون وفي سبيل الله وابن السبيل. (رد المحتار: ۲۸۳/۳، زكريا)

إن العشر مصرفه مصرف الزكاة. (رد المحتار: ۳٤٨/٦، زكريا)

ثم اعلم أن أموال بيت المال أربعة الثاني الزكاة والعشر، ومصرفهما ما بين في باب المصرف من الزكاة. (البحر الرائق: ۱۱۹/٥، كوئتة)

قال: وإن وضع العشر أو الزكاة في صنف واحد من غير أن يأتي به السلطان، وسعه ذلك بينه وبين الله تعالىٰ، واعلم أن مصارف العشر والزكاة ما يتلى في كتاب الله عزوجل في قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاكِيْنَ﴾ (كتاب المبسوط للسرخسي، باب عشر الأرضين: ٤٠/٢، دار الفكر، بيروت)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (ردالمحتار: ٥٤٩/٦، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۱۱/۱۴۳۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۳۸/۷)

دارالحرب کی زمین میں عشر وغیرہ نہیں:

سوال: جے پور اسٹیٹ کی زراعتی زمین ملکیت راجہ صاحب کی ہے، رعیت کو زمین پر صرف یہ حق حاصل ہے کہ وہ فصل بوئے اور کاٹ کر اپنے کام میں لائے اور جو مال گزاری اسٹیٹ کی طرف سے مقرر ہے، وہ سال بہ سال داخل خزانہ کرے، زمین کو بیع ورہن کرنے کا کسی کو بھی حق نہیں ہے اور فصل بارش کے اوپر منحصر ہے، اگر بارش ہوئی تو ٹھیک، ورنہ کچھ پیدا نہیں ہوتا تو اس زمین کی پیداوار کے بارے میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہے اگر زکوۃ نکالنے کا حکم ہو تو کس حساب سے زکوۃ نکالنی چاہیے؟

(المستفتی: ۱۹۹۵، محمد حسین صاحب (جے پور اسٹیٹ) ۳/رمضان ۱۳۵۶ھ، مطابق ۸/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اس ریاست کی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ وعشر نہیں ہے۔(۱)
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۱۸/۴)

سابقہ دارالاسلام کی خراجی زمینوں پر عشر:

سوال: ہندوستان کی جو زمینیں حکومت اسلامیہ کے عہد میں خراجی تھیں، ان کی پیداوار میں آج جب کہ ہندوستان دارالاسلام نہیں رہا ہے، مسلمانوں کے ذمہ عشر واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

(از: مولوی جمیل الرحمٰن سیوہاروی)

وباللہ التوفیق: اول چند مقامات ممہد ہیں، جن کے نتیجہ میں جواب سوال بوضاحت معلوم ہوسکتا ہے۔

المقدمة الأولٰی: وجوب عشر کے بارے میں کتاب وسنت کا عموم اطلاق تو اس کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی ہر پیداوار میں خواہ وہ عشری زمینوں کی پیداوار ہو، یا خراجی زمینوں کی عشر واجب ہو۔

قال اللّٰہ تعالٰی ﴿یآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَمِمَّآ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِنَ الۡاَرۡضِ﴾(۲)

قال المحقق ابن الهمام أن العمومات تقتضيه مثل قوله عليه السلام ماسقت السماء ففيه العشر فإنه يقتضى أن يوجب مع الخراج .(فتح)(۳)

لیکن حنفیہ نے اراضی خراجیہ سے وجوب عشر کو جو مرتفع قرار دیا ہے تو اس کا باعث یہ حدیث مرفوع ہے:

قال صلى الله عليه وسلم لا يجتمع علٰى مسلم خراج وعشر قال ابن همام ذكره ابن عدى فى الكامل.(فتح) (۴)

اور آثار صحابہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اراضی خراجیہ کا خراج ادا کیا کرتے تھے۔

"وقد صح أن الصحابة اشتروا اراضى الخراج وكانوا يؤدون خراجها.(الهداية)(۵)

لہٰذا ابن عدی والی نص مذکور کی بنا پر چوں کہ عشر وخراج کے درمیان اجتماع جائز نہیں ہے؛ اس لیے واضح طور پر یہ

---

(۱) یہ علاقہ دارالحرب ہوگا؛ کیوں کہ دارالحرب کی زمین میں عشر وغیرہ نہیں۔
فإن أرضها ليست أرض خراج،أوعشر .(رد المحتار،كتاب الزكٰوة باب الزكاة :۳۲۰/۲ ،ط:سعيد)
(۲) سورة البقرة:۲۶۶
(۳) كتاب السير،باب العشر،والخراج:۴۶/۶،ط: مصطفى حلبى مصر
(۴) كتاب السير،باب العشر،والخراج:۴۲/۶،ط:مصطفى حلبى مصر
(۵) كتاب السير،باب العشر،والخراج:۵۹۳/۲،شركة علمية،ملتان

ثابت ہوتا ہے کہ خراجی زمینوں سے عشر ہی ساقط ہوگا، خراج نہیں۔ اس تمہید سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ سقوط عشر کے لیے صرف وجوب خراج ہی مانع ہے، ورنہ مقتضائے اصل وجوب عشر ہے۔

قال ابن عابدين: إن المانع من وجوبه كون الأرض خراجية لأنه لا يجتمع العشر مع الخراج فشمل العشرية وماليست بعشرية ولا خراجي. (ردالمحتار: ٦٦/٢)(۱)

وقال: إنهم قد صرحوا بأن فرضية العشر ثابتة بالكتاب والسنة والإجماع والمعقول بأنه، زكاة الثمار وبأنه يجب في الأرض الغير الخراجية وبأنه يجب فيما ليس بعشرى ولا خراجي إلى أن قال لعموم قوله تعالىٰ. (ردالمحتار: ٣٥٢/٣)(۲)

شامی کی اس عبارت سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ فقہا نے بعض اقسام اراضی کو جو "**لا عشرية ولا خراجية**" کہا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمانوں کی کسی زمین پر نہ خراج واجب ہو اور نہ اس کی پیداوار میں عشر فرض ہو۔

وعلىٰ فرض سقوط إخراج لايسقط العشر؛ لأن الأرض المعدة للاستغلال لا تخلو من إحدىٰ الوظيفتين. (ردالمحتار: ٦٨/٢)(۳)

بلکہ ایسی اقسام اراضی کو محض اصطلاح توظیف کی بنا پر لاعشری ولاخراجی کہا گیا ہے، علامہ شامی نے اراضی مملکت واراضی مصر وشام کے بارے میں جو طویل بحث کی ہے، وہاں اس مقصد کو بسط کے ساتھ واضح کیا ہے۔(۴)

المقدمة الثانية: خراج وجزیہ دارالاسلام کی مخصوصات سے ہیں، لہٰذا جو ملک دارالاسلام نہیں رہا، وہاں وجوب خراج عقلاً ونقلاً متصور نہیں ہے۔

قال في البناية في بيان الجزية والخراج إن كلاً منهما من أحكام دارنا، فلمارضي بوجوب الخراج عليه رضي بأن يكون من أهل دارنا، وفي حاشية الهداية تحت قوله: فإذا وضع عليه الخراج فهو ذمي: بأن خراج الأرض بمنزلة خراج الراس، إلخ. (۵)

وقال شمس الائمة السرخسي: إن خراج الأرض لا يجب الاعلىٰ من هو من أهل دار الإسلام لأنه حكم من أحكام المسلمين وحكم المسلمين لايجرىٰ إلا علىٰ من هو من أهل دارنا. (شرح السير الكبير)

أن خراج الأراضي تبع لخراج الجماجم. (۶)

أنه بمنزلة الفيء. (۷)

---

(۱) كتاب الزكاة، باب العشر: ٢٢٥/٢، ط: سعيد

(۲) كتاب الجهاد، باب العشر والخراج، طلب أراضي المملكة، والحوز لا عشرية، ولا خراجية: ١٧٨/٤، ط: سعيد

(۳) كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب مهم في حكم أراضي مصر، والشام السلطانيه: ٣٢٧/٢، ط: سعيد

(۴) ردالمحتار، باب العشر: ٣٢٧/٢، باب الخراج

(۵) الهداية، كتاب السير، باب المستامن: ٥٨٦/٢، ط: شركة علمية، ملتان

(۶) المبسوط، باب العشر: ٨/٢، ط: دارالمعرفة، بيروت

(۷) الهداية، باب العشر والخراج: ٥٩٠/٢، ط: شركة علمية، ملتان

المقدمة الثالثة: عشر اور خراج ایسے وظائف نہیں جن میں کوئی تغیر وتبدل ممکن نہ ہو؛ بلکہ حالات کے ساتھ یہ بھی متبدل ہوجاتے ہیں، اعشری زمین اگر کسی کافر کے پاس پہنچ جائے تو وہ خراجی ہوجاتی ہے، ایسے ہی خراجی بھی بعض حالات میں عشری بن جاتی ہے۔

أرض الخراج إذاانقطع عنها ماء الخراج وصارت تسقى بماء العشرفهي عشرية. (۱)

اسی طرح تبدل دار کی وجہ سے بھی سابقہ توظیفات ختم ہوجاتی ہیں، حتی کہ دارالحرب جدید پر مسلمانوں کے دوبارہ استیلا کے وقت توظیف جدید کے لیے امام کو اختیار حاصل ہے اور وہ توظیف قدیم کا پابند نہیں ہے۔

ولوأن قومًامن المسلمين ارتدوا أوغلبوا علىٰ دارهم أوعلىٰ دارمن ديارالمسلمين وصارت دارحرب بالإتفاق ثم ظهرعليهم المسلمون(إلىٰ) فإن أسلم المرتدون بعد ماظهرعليهم الإمام كانوا إحراراً لا سبيل عليهم وأما نساؤهم وذراريهم وأموالهم فالإمام فيهابالخيارإن شاء قسمها بين الغانمين وجعل علىٰ الأراضي العشروإن شاء عليهم بالنساء والذراري والأموال والأراضي ووضع علىٰ أراضيهم الخراج إن شاء وإن شاء وضع عليها العشروإن رأىٰ الإمام أن يجعل ماكان من أراضيهم عشريًا علىٰ حاله وماكان خراجيًاعلىٰ حاله فله ذلك. (إلىٰ أخرالبحث الهندية: ۲/۲۲۸) (۲)

ان مقدمات کا ماحصل یہ ہے کہ مسلمانوں کی پیداوار میں حکم اصلی وجوب عشر ہے؛ لیکن وجوب خراج کے عارض کی بنا پر شرعاً وجوب عشر مرتفع ہوجاتا ہے، لہذا جب وجوب خراج کسی علتہ صیحہ کی بنا پر مرتفع ہوجائے تو مقتضائے اصل؛ یعنی وجوب عشر عود کرآئے گا اور چوں کہ ہندوستان کے دارالاسلام نہ رہنے کی شکل میں وجوب خراج مرتفع ہوچکا ہے؛ اس لیے یہاں کی جوزمینیں پہلے سے عشری تھیں، اب ارتفاع مانع کی بناپر ان کی پیداوار میں بھی مسلمانوں کے ذمہ عشر واجب ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانان ہندوستان کی پیداوار میں اس وقت علی الاطلاق عشر واجب ہے، **لعموم اطلاقات الكتاب والسنة كما بيناه.**

آخر کلام پر دفع دخل کے طور پر یہ اشارہ ناگزیر ہے کہ شرح سیر کبیر، جلد چہارم میں اراضی دارالحرب کے بارے میں یہ جو تصریح ہے:

أن العشروالخراج إنمايجب في أراضي المسلمين وهذه أراضي أهل الحرب وأراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب میں علی الاطلاق عشر واجب نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وجوب

---

(۱) الهندية، باب العشر: ۲/۲۳۷، ط: ماجدية، كوئٹة

(۲) كتاب السير، باب الرابع في الغنائم، فصل في الغنائم: ۲/۲۰۵-۲۰۶، ط: كوئٹة

(۳) رقم الباب: ۲۰۳، من الخمس في المعدن: ۵/۲۱۶۷، ط: حركة الإنقلاب الإسلامية الأفغانية

عشر کے لیے ملک الارض شرط ہے تو اس کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ صاحبین کے، مسلک مفتی بہ کے مطابق وجوب عشر کے لیے محض ملک الخارج کافی ہے۔

قال فی البدائع ملک الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملک الخارج فتجب فی الأراضی التی لا مالک لھا وھی الأراضی الموقوفہ لعموم قولہ تعالیٰ ﴿یآ أَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا﴾ إلخ. (بدائع: ۵۷/۲)(۱)

قال ابن عابدین: قد صرحوا بأن فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتب والسنۃ (إلیٰ) وبأن الملک غیر شرط فیہ ملک الخارج. (ردالمحتار: ۳۵۲/۳)(۲)

اور اسی قول پر وجوب العشر علی المستاجر متفرع ہے۔

وقالا علی المستاجر کمستعیر مسلم وفی الحاوی بقولھما نأخذ. (۳)

چناں چہ یہی باعث ہے کہ زمین کے مالک اگر کفار ہوں تو اس کے مسلمان کاشتکاروں پر عشر واجب ہے۔

ولو أعارھا من کافر فکذٰلک الجواب عندھما لأن العشر عندھما فی الخارج علیٰ کل حال. (بدائع الصنائع: ۵۷/۲)(۴) **واللّٰہ تعالیٰ أعلم وعملہ أتم وأحکم**

الأحقر الأفقر محمد جمیل الرحمٰن، السیوہاروی غفرلہ، ۱۸ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ۔

تصدیق: شیخ الفقہ والادب حضرت مولانا (محمد اعزاز علی غفرلہ) صاحب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۵ صفر ۱۳۶۶ھ۔

تصدیق: مولانا (مسعود احمد عفا اللہ عنہ دارالعلوم دیوبند)

تصدیق: فخر العلماء حضرت مولانا سید فخر الدین احمد غفرلہ، مدرس مدرسہ شاہی مسجد، مرادآباد

(نوٹ از حضرت مفتی اعظمؒ)

ہندوستان کی زمینوں میں نئی صورت پیدا ہو رہی ہے، اس پر غور کرنا اور پھر مسلمانوں کو حکم بتانا ضروری ہے، یہ تحریر اس پر کافی روشنی نہیں ڈالتی؛ اس لیے ذرا زیادہ غور فرمائیے اور پوری تحقیق سے لکھئے۔

محمد کفایت اللہ دہلی (کفایت المفتی: ۳۱۹/۴-۳۲۲)

زمین عشری کی تعریف:

سوال (۱) زمین عشری کس کو کہتے ہیں اور اس کی کیا کیا شرائط ہیں؟

---

(۱) کتاب الزکاۃ، فصل وأما شرائط الفرضیۃ: ۵۶/۲، ط، سعید

(۲) کتاب الجھاد، باب العشر والخراج: ۱۷۸/٤، ط: سعید

(۳) الدرالمختار، باب العشر) (کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۳۳٤/۲، ط: سعید

(۴) کتاب الزکاۃ، فصل وأما شرائط الفرضیۃ: ۵٦/۲، ط: سعید

خراجی زمین:

(۲)　زمین خراجی کسے کہتے ہیں اور اس کے کیا کیا شرائط ہیں؟

ہندوستان کی زمین کا حکم:

(۳)　ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ خراجی ہے، یا عشری؟ جب گورنمنٹ برطانیہ نے بعد عذر کے سلطنت کی باغ اپنے قبضہ واقتدار میں لی تھی تو اس وقت اعلان کیا تھا کہ تمام آراضی ضبط کرلی گئی اور کسی کا حق نہیں ہے، اگر صاحب اراضی دعوی کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جاوے گی، چناں چہ مالکان اراضی نے دعوی کر کے بینہ قائم کئے، ان کو وہی اراضی، یا بعوض ان کو دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مال گزاری سرکاری جو سالانہ زمینداروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کردی اور بعض کو معاف کردی۔

عشر کاشتکار پر ہے، یا زمیندار پر:

(۴)　برتقدیر وجوب عشر، یا نصف عشر کاشتکار پر عشر، یا نصف عشر واجب ہوگا، یا زمیندار پر، کاشتکار وہ ہے، جو زمین کی جملہ خدمت کرتا ہے اور مالک اراضی یعنی زمیندار اس سے نصف، یا ثلث پیداوار کا بحیثیت شرائط جنس پیداوار سے، یا غیر جنس سے لیتا ہے اور سرکاری مالگذاری زمیندار ادا کرتا ہے؟

جس زمین کی مال گزاری دی جائے:

(۵)　جس اراضی کی مال گزاری ادا کی جاتی ہے۔ وہ خراجی ہے، یا عشری؟

مال گزاری معاف زمین کا عشر:

(۶)　جس اراضی کی مالگذاری معاف ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: اول وہ اراضی کسی دوسری اراضی کے عوض میں ہے؛ یعنی اس اراضی کی مال گزاری دوسری اراضی میں محسوب ہوتی ہے۔ دوم وہ اراضی کسی امر کے صلہ میں، یا جائداد کے عوض میں عطا ہوئی ہے تو یہ ہر دو قسم اراضی معاف شدہ مال گزاری خراجی ہوگی، یا عشری؟

عشر کی مختلف حیثیت:

(۷)　کسی گاؤں کی بعض حصہ اراضی کی پیداوار کا دارومدار صرف آسمانی پانی پر ہے اور کی آبپاشی نہیں ہوتی اور بعض حصہ کی آبپاشی چاہات وتالاب وغیرہ وغیرہ سے ہوتی ہے اور بعض اراضی کی پیداوار اور بارش وآبپاشی دونوں سے ہوتی ہے؛ یعنی صرف بار پر اکتفا کرنے سے پیداوار کم ہوتی ہے، اگر اس میں آب پاشی کردی جاوے تو پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس اراضی کی آب پاشی ہوا کرتی تھی، وقت پر بارش ہونے سے آبپاسی کی ضرورت نہیں ہوتی

تو ان سب صورتوں میں بر تقدیر وجوب عشر، عشر واجب ہوگا، یا نصف عشر؟

الجواب

(۱) فی الدر المختار: ما أسلم أهله طوعا أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا والبصرة عشرية.(۱)
پس ایسی زمین عشری ہے جب تک درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت متخلل نہ ہوجاوے۔

(۲) اس میں بھی تفصیل ہے، مناسب مقام ایک قسم یہ بھی ہے کہ کسی وقت غیر مسلم اس کا مالک ہوجاوے۔

(۳) ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں: ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ زمین عشری نہیں رہی۔ دوسرا قبضہ ملکانہ وحاکمانہ ومنتظمانہ اور احقر کے نزدیک قرائن سے اسی کو ترجیح ہے، اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں، البتہ اگر پہلے سے وہ اراضی عشری نہیں تھی، یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس کی زمین کے عوض میں دے دی، یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی کہ چوں کہ وہ دینے کے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہوگئی تھی، لہذا وہ عشری نہ رہی۔

(۴) والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا: على المستاجر كمستعير مسلم وفي الحاوی وبقولهما نأخذ وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة.(۲)
اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگر زمین کرایہ پر ہے تو بقول مفتیٰ بہ کاشتکار پر اور اگر بٹائی پر ہے اور تخم بھی کاشتکار کا ہے تو زمیندار اور کاشتکار دونوں پر اپنے اپنے حصہ کی قدر ہے۔

(۵) مال گزاری کے اوپر اس کا مدار نہیں، اگر کوئی زمین عشری ہو اور اس پر مال گزاری مقرر کر دی جائے تو وہ عشری رہے گی۔

(۶) اس کا جواب بھی مثل جواب: ۵، کے ہے۔

(۷) ويجب أي العشر في مسقى سماء أو سيح كنهر ... ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة وفي كتب الشافعية: أو سقاه بماء اشتراه، وقواعدنا لا تاباه و لو سقى سيحا وبآلة اعتبر الغالب ولو استويا فنصفه وقيل ثلثه أرباعه.(الدر المختار)(۳)
قلت: واختلف الترجيح والاحتياط في الثاني.

اس سے معلوم ہوا کہ بارانی زمین میں عشر ہے اور آبپاشی چاہ وتالاب میں نصف عشر اور جن زمین کی آبپاشی دونوں طرح ہو تو اس میں غالب کا اعتبار ہے اگر دونوں برابر ہوں تو نصف پیداوار میں عشر اور نصف میں نصف عشر۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۹۰-۱۹۲)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب العشر والخراج والجزية: ۳/ ۳۵۰، ظفير

(۲) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب زكوة الغنم: ۲/ ۶۸

(۳) الدر المختار، باب العشر: ۲/ ۱۳۹، ظفير

زمین عشری اور خراجی کی تعریف اور بعض زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کی تحقیق:

سوال (۱) زمین عشری کی تعریف کیا ہے اور زمین خراجی کس کو کہتے ہیں؟ اور دوسرے سوال میں جو جزئیات مرقوم ہیں، وہ عشری ہیں، یا خراجی؟

(۲) لاخراج بازیافتی اس زمین کو کہتے ہیں، جو نصاری کے تسلط کے قبل لاخراج تھی اور اس میں خزانہ وغیرہ دینا نہیں پڑتا تھا، جب ان کا غلبہ ہوا اور مالکِ زمین لاخراج ہونے کا کوئی ثبوت نہ دے سکا تو سرکار نے کچھ خزانہ وٹیکس مقرر کر کے مالکِ زمین کو وہ زمین واپس کر دیتے ہیں۔

(۳) نیاباداس زمین کو کہتے ہیں، جس کو رعایا نے گورنمنٹ سے میعادی اجازت لے کر آباد کیا اور جو خزانہ سرکار نے اس پر مقرر کیا، وہ ادا کرتا ہے اور جب میعاد اجازت ختم ہو جاتی ہے گورنمنٹ خزانہ وغیرہ بڑھا دیتی ہے، اگر وہ لوگ زیادتی کو قبول کریں تو زمین ان کے پاس بحالہ رہتی ہے، ورنہ جو اس پر راضی ہو اس کو دے دیتے ہیں۔

(۴) طرف دوسری قسم کی زمین والوں سے سرکار نے بوجہ ضرورت کے ایک روپیہ خزانہ کے مقابلہ میں دس روپے لے کر انہیں قائمی بندوبستی دے دیا اور ان سے وعدہ کیا کہ میں اس زمین کو تم لوگوں سے لے کر دوسروں کو نہ دوں گا۔

(۵) درر عایتی اس زمین کو کہتے ہیں، جس کو زمینداروں نے سرکار سے خزانہ پر بندوبستی کر کے رعایا کو میعادی بندوبستی دیا، بعض سے کچھ نذر وغیرہ لے کر بعض کو یوں ہی، مثلاً ۹؍سال کے لیے بندوبستی دیا اور ان سے وعدہ کیا میں یہ زمیں تم لوگون سے واپس نہ کروں گا؛ لیکن زمیندار اگر ان سے واپس کرنا چاہیں، رعایا کو رکھنے کی کچھ قدرت نہیں۔

(۶) زمین خراجی میں جو غلہ ایک سال کی خورد پوش سے زائد پیدا ہوتا ہو، اس کی زکوۃ دینا واجب ہے، یا نہیں، بر تقدیر اول اس کا حکم مالِ تجارت کی طرح ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) **الأرض العشرية ما فتحها المسلمون عنوةً وقسموها بين الغانمين أو أسلم أهلها برضاهم وأقروا عليها ولم يملكها كافر منذ فتحوها إلى الآن، والخراجية ما فتحوها صلحاً وأقر أهلها عليها أو كانت عشرية فملكها كافر في وقت.**

(۲) یہ زمین عشری ہے۔

(۳) یہ زمین خراجی ہے۔

(۴) یہ بھی خراجی ہے۔

(۵) اگر وہ زمین پہلے سے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں تھی تو عشری اور اگر کسی وقت بعد قبضہ اہل اسلام کے کسی کافر کی ملک میں آ چکی ہے تو خراجی ہے اور اگر مسلمانوں کے قبضہ میں اس وقت ہے اور پہلے کسی کافر قبضہ میں آنا معلوم نہیں، تب بھی عشری ہے۔

(۶) زمین خراجی یا عشری کی پیداوار زائد میں زکوٰۃ نہیں، البتہ پیداوار کو فروخت کر کے جو رقم جمع کی جاوے، اگر وہ ضرورت اصلیہ سے فاضل ہو تو بعد حولان حول کے اس میں زکوٰۃ ہوگی۔

۸/رجب ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۵-۳۶)

ارض حربی میں عشر وخراج کا واجب نہ ہونا:

سوال: ایک شخص کے پاس ہزار بیگہ زمین ہے اور چھ آنہ بیگھہ سرکار میں بھرتا ہے، باقی پھر کچھ کاشت کرتا ہے، کچھ دوسرے لوگوں کو دس (۱۰) روپے بیگھہ مال لے کر دیتا ہے، وہ اس میں کھیتی کرتے ہیں، کچھ تہائی چوتھائی حصہ بٹائی پر دیتا ہے، وہ لوگ کاشت کرتے ہیں، اگر نہر کا پانی دیتے ہیں تو اس کا الگ مال دیتے ہیں، کنویں کا دیتے ہیں تو خود دیتے ہیں، بعض بارش کی پانی سے کھیتی کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ جس کی زمین ہے، وہ کیا زکوٰۃ نکالے، یا نہیں اور نکالے تو کس قدر نکالے، دسواں بیسواں، یا چالیسواں، روپیہ سے، یا جنس سے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ انگریزی میں جو زمیندار ہیں ان پر زکوٰۃ فرض نہیں، یہ مسئلہ کیسے ہے اور جو لوگ دوسرے زمیندار کی زمین لے کر کھیتی بیچتے ہیں۔ بتفصیل مذکور الصدر تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کس قدر اور روپیہ سے، یا جنس سے؟

الجواب

قال فی ردالمحتار تحت قول الدر فی تعریف الرکاز: وجده مسلم أوذمی فی أرض خراجية أوعشرية مانصه: قال فی فتح القدير: قيد بالخراجية والعشرية ليخرج الدار فإنه لاشیء فيها لٰكن ورد عليه الأرض التی لاوظيفة فيها كالمفازة إذ يقتضی أنه لاشیء فی المأخوذ منها وليس كذلک فالصواب أن لايجعل ذلک لقصد الاحتراز، وأقول: يمكن الجواب بأن المراد بالعشرية والخراجية ما تكون وظيفتهما العشر والخراج سواء كانت بيد أحد، وإلا فشمل المفازة وغيرها بدليل ما قدمناه عن الخانية من أرض الجبل عشرية فيكون المراد الاحترازبها عن دارالحرب ويدل عليه أنه فی متن درر البحارعبربمعدن غيرالحرب فعلم أن المراد معدن أرضنا ولهٰذا قال القهستانی بعد قوله فی أرض خراج أوعشرالأخصرفی أرضنا سواء كانت جبلاً أوسهلاًمواتاً أو ملكاً واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب آه ثم رأيت عين ما قلته فی شرح الشيخ اسمٰعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد فی دارالحرب فان أرضها ليست أرض خراج أو عشر، آه. (۷۲/۲)

وفی الهندية: ثم هٰذه الدار (أی دار الاسلام) إذاصارت دارالحرب لوافتحهاالإمام ثم جاء أهلها قبل القسمة أخذوها بغيرشیء وبعد القسمة بالقيمة ولوأفتحها الإمام عادت إلی الحكم الأول الخراجی يصير خراجياً والعشری يصير عشرياً، آه. (۱٤٦/۳)

قلت: فیه دلالة علٰی أن أرض الإسلام إذا صارت دارالحرب لاتبقی خراجیة ولاعشریة دلّ علیه قوله عادت إلی الحکم الأول،فافهم.

ان عبارات کا مقتضٰی یہ کہ اس وقت ہندوستان کی زمین نہ خراجی ہے، نہ عشری۔ پس نہ زمیندار پر زمین کی پیداوار میں کچھ واجب ہے، نہ کاشتکار پر۔

وأیضاًیؤیده ما فی رد المحتار (۳۸۷/۳)تحت قول الدر: کما یمنع لو وضع علیه (أی علی الحربی المستأمن)الخراج بأن ألزم به وأخذ منه عند حلول وقته ؛لأن خراج الأرض کخراج الرأس،آه، ونصه:أی فی أنه اذاالتزمه صارملتزماً المقام فی دارنا،بحر،آه،دلّ علی اختصاص الخراج بدارنا کالجزیة.

قال الشامی ناقلاً عن السرخسی: ولایترک أن یخرج إلٰی داره؛لأن خراج الأرض لایجب إلا علٰی من هومن أهل دارالإسلام،آه. (۳۸۷/۳)

۱۸/رمضان ۱۳۴۲ھ (امدادالاحکام:۳/۳۷-۳۸)

وجوب عشروخراج کی ایک صورت کا حکم:

سوال: بندہ کے یہاں ۲۰/شعبان کو دس بیس من روئی پک کر آئی اور نصف سے زائد ابھی کھیت میں کچّی ہے، وہ ۲۰/رمضان تک تمام آجائے گی تو ۲۸/شعبان کو اگر زکوٰۃ کا حساب لگائے تو اس روئی پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، یا اس کی قیمت کا اندازہ کرکے دینا واجب ہے، یا نہیں؟ اور اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو جس قدر مکان میں آگئی، اسی قدر پر واجب ہوگی، یا جو کچّی ہے، اس پر بھی دینا ہوگا؟

الجواب

یہ تجارتی ہے، یا تجارتی نہیں؟ اگر اپنی زمین کی پیداوار ہے تو اس پر حولان حول واجب نہیں؛ بلکہ جب پیداوار حاصل ہوجاوے، اسی وقت عشر، یا خراج واجب ہے۔ اگر زمین عشری ہے، یا خراجی اور اگر تجارتی ہے تو سوال واضح کیا جائے؟

۲۰/رمضان ۱۳۴۶ھ (امدادالفتاویٰ جدید:۳/۳۸-۳۹)

خراجی زمین میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: خراجی زمین میں عشر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ متفق علیہا بین الحنفیہ ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتا، لہذا خراجی زمین عشر کے وجوب کا فتوی دینا ان کے نزدیک صحیح نہ ہوگا، یہ امر آخر ہے کہ اگر اس زمین سے جو کہ عشری ہے، حکام نے خراج لے لیا تو ما بینہ و بین اللہ اس شخص

کو عشر دے دینا چاہیے اور یہ احتیاط ہے اور یہ امر بھی محقق ہے کہ امام مجتہد کا کسی روایت سے استدلال کرنا اس حدیث کی صحت اور حجیۃ کی دلیل ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۷۱/۶)

عشری اور خراجی زمین:

سوال: کون سی زمین عشری اور کون سی خراجی ہے، اگر زمین عشری سے خراج سرکاری لے لیا جاوے تو عشر ساقط ہوجاتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اراضی مملوکہ مسلمانان را کہ حال آنہا معلوم نیست احتیاطاً عشری، (۱) باید شمرد و عشر از انہا باید داد و از زمین عشری اگر خراج گرفتہ شود عشر ساقط نمی شود، (۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۸۳/۶)

کیا جس زمین پر خراج ہے، اس میں عشر نہیں:

سوال: الفاروق مصنفہ مولانا شبلی نعمانی کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمین پر خراج ہو، اس پر عشر واجب نہ تھا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فقہاء حنفیہ نے ایسا ہی لکھا ہے کہ جس زمین سے محصول لیا جاوے، اس میں عشر نہیں ہے۔ (۳)

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۸۳/۶-۱۸۴)

☆ ☆ ☆

(۱) وما أسلم أهله طوعاً أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا إلخ عشرية. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزيه: ۳۵۰/۳)

(۲) أخذ البغاة والسلاطين الجائرة زكوة الأموال الظاهرة كالسوائم والعش والخراج لا إعادة على أربابها إن صرف المأخوذ في محله الأتى ذكره وأن لايصرف فيه فعليهم فيمابينهم وبين الله إعادة غير الخراج. (الدر المختار على هامش رد المحتار: كتاب الزكوة، باب زكوة الغنم: ۳۲/۲، ظفير مفتاحى)

(۳) ولايؤخذ العشر من الخارج من أرض الخراج؛ لأنهمالايجتمعان. (الدر المختار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج ولجزية: ۳٦٥/۳، ظفير)

مال گزاری والی زمین

سرکاری مالیہ دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: ہماری طرف کے بعض علماء کا خیال ہے کہ چوں کہ ہماری زمینوں میں سے سرکاری مالیہ لیا جاتا ہے۔اب ان زمینوں کی پیداوار پر عشر لازم نہیں؛ کیوں کہ دو چیزوں کا لزوم نہیں ہوا کرتا؟

الجواب

سرکاری مالیہ دینے سے عشر ساقط نہیں ہوتا،(۱) ہاں سرکاری مالیہ جتنا دیا ہے،اس کا عشر ساقط ہوگیا، جتنا غلہ باقی رہا، اس کا عشر ادا کرنا چاہیے،مثلاً دس من پیدا ہوا،اس میں سے دو من سرکار نے لے لیا تو باقی آٹھ من کا عشر ادا کرے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۱۸/۴)

مال گزاری سے عشر ساقط نہیں ہوتا:

سوال: صوبہ بنگال کی زمین جس میں گورنمنٹ مال گزاری بھی لیتی ہے۔آیا یہ مال گزاری لینا خراج شمار ہوگا، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس زمین پر عشر واجب ہوگا، یا نہیں؟

الجواب　　حامداً و مصلیاً

اگر وہ عشری زمین ہے تو اس پر عشر واجب ہوگا، مال گزاری ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا۔(۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ:۴۳۷/۹)

انگریزی حکومت کو مال گزاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا:

سوال: زمینداری میں یہ ہے کہ چالیسواں حصہ غلہ سے زکوٰۃ دیا جاتا ہے،عشر نہیں دیا جاتا ہے۔صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جب کہ اس زمین کی مال گزاری (جیسا کہ اس زمانہ میں ہے) اگر نہ دی جاوے،اس وقت عشر ہوگا۔

(۱،۲) أخذ البغاة،والسلاطين الجائزة،زكاة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لاإعادة على أربابها،إن صرف الماخوذ في محله الآتي ذكره،وإلا يصرف فيه،فعليهم فيمابينهم،وبين الله إعادة غير الخراج.(الدر المختار، كتاب الزكاة،باب زكاة الغنم:۲۸۹/۲،ط:سعيد)

اس وقت زمین کی ہم گورنمنٹ کو مال گزاری دیتے ہیں تو اس وقت میں عشر، یا چالیسواں حصہ ساقط ہو جانا چاہیے، کچھ زکوٰۃ نہ آنا چاہیے؟

الجواب

انگریزوں کو مال گزاری دینے سے عشر ادا نہ ہوگا، اگر زمین عشری ہے تو عشر کا ادا کرنا لازم ہے، زمین کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں؛ بلکہ عشر ہی واجب ہے۔

۸/رجب ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۷)

جس زمین کا محصول سرکار لیتی ہے کوئی خاص بچت نہیں، اس میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: وہ زمین جس کی پیداوار سے بمشکل محصول سرکاری ادا ہوسکتا ہے، یا بہت معمولی بچت ہوتی ہے، اس پر عشر فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسی زمین میں عشر واجب نہیں ہے اور روایت شامی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں کسی زمین پر بھی عشر واجب نہیں ہے؛ کیوں کہ دار الحرب کی اراضی کو عشری اور خراجی کچھ نہیں شمار کیا جاتا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/۱۷۲)

حکومت جو محصول لیتی ہے، وہ عشر، یا خراج کے درجہ میں ہے، یا نہیں:

سوال: زمین مزروعہ ہندوستان جواب زیر حکومت انگریزوں کے ہے، عشری ہے یا خراجی؟ بہر دو تقدیر جب کہ ٹھیکہ ادا کیا جائے، عشر فرض ہوگا، یا خراج؟ یا کچھ نہیں؟ بصورت وجوب جن زمینوں پر سرکار نہر کا پانی پہنچاتی ہے اور آبپاشی بصورت قیمت پانی کے لیتی ہے، ایسی زمین کا عشر دینا ہوگا، یا نصف عشر؟ اور بصورت وجوب کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بقدر ٹھیکہ سرکاری کاٹ کر باقی کا عشر فرض ہو؟ اور ریاست بہاولپور کی زمین کا حکم جس کا حکمراں مسلمان ہے، امور مستفسرہ مذکورہ میں باقی زمین جیسا ہے، یا کہ متفاوت؟

الجواب

عبارت شامی میں یہ تصریح ہے کہ اراضی ہندوستان میں عشر وخراج کچھ نہیں، نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی، پس جو کچھ سرکار محصول لیتی ہے، وہ خراج نہیں کہلاتا۔

عبارت شامی یہ ہے:

"فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر، إلخ". (باب الركاز)(۲)

(۱) دیکھئے: رد المحتار، باب الركاز: ۲/۶۱

(۲) رد المحتار، باب الركاز: ۲/۶۱، ظفير

جہاں عشر واجب ہوتا ہے، وہاں کل پیداوار کا عشر واجب ہوتا ہے، کچھ وضع نہیں ہوتا اور جن آراضی میں پانی کا محصول دیا جاوے، ان پر نصف عشر ہے اور ریاست اسلامیہ میں عشر دینا چاہیے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۶۱۔۱۶۲)

لگان والی زمین میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: جس شخص کے پاس ذاتی زمین نہ ہو اور وہ لگان پر زمین لے کر کاشت کرائے اور اس کے پاس لاگت بھی نہ ہو؛ بلکہ سودی قرض لے کر صرف کرے تو ایسی صورت میں اس کے اوپر پیداوار میں سے عشر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

قول صاحبین کے موافق زمین عشری کا عشر بذمہ مستاجر ہے۔

فی الدرالمختار: وقالا: علی المستاجر. (۱)

اور باب العشر میں یہ بھی ہے:

"ویجب مع الدین، إلخ".

ان روایات (فقہی) کے موافق عشر پیداوار کا اس پر واجب ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۵۸)

لگان اور سینچائی والی زمین میں کیا عشر آئے گا:

سوال: زید نے ایک زمیندار سے بیس روپے سالانہ لگان پر کاشت کرنے کے لیے زمین لی ہے اور پینتیس روپے اس کی سینچائی وغیرہ میں صرف ہوئے ہیں، پیداوار سو روپے کی ہے تو زید کو اس میں سے کس قدر زکوٰۃ دینی ہوگی؟

الجواب

اس صورت میں اگر زمین عشری ہے تو دسواں حصہ پیداوار کا اس کو فقراء کا دینا چاہیے، جس قدر پیداوار ہوئی مثلاً سو روپے کی، اسی کا دسواں حصہ دینا ہوگا۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۵۸۔۱۵۹)

جس زمین کا ٹیکس دینا پڑتا ہے، اس میں عشر:

سوال: جس زمین کی ملکیت ہوگئی اور بیچنے کا اختیار ہے راجاؤ کو خراج دینے پڑتے ہیں اور اراضی آسمانی پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ اس پر عشر ہے، یا نہیں؟

الجواب

عشر لازم ہے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۸۹)

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش ردالمحتار، کتاب الزکاۃ، باب العشر: ۲/۷٤، ظفیر

(۲) وکذا یجب العشر فی مسقی سماء وسیح کنهر. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/٦٦، ظفیر

(۳) أخذ البغاۃ والسلاطین الجائرۃ زکوٰۃ الأموال الظاهرۃ کالسوائم والعشر والخراج لا إعادۃ علیٰ أربابها إن صرف الماخوذ فی محله الأتی ذکره وأن لایصرف فیه فعلیهم فیمابینهم و بین اللّٰه اعادۃ غیر الخراج. (الدرالمختار) ==

حکومت کے لگان سے عشر ادا نہیں ہوتا:

سوال: ہمارے علاقہ کی زمین صرف بارش کی پانی سے سیراب ہوتی ہے،کوئی نہر وغیرہ نہیں، لہذا گورنمنٹ کی طرف سے آبیانہ وغیرہ کچھ نہیں لگتا، صرف مطالبۂ مال یعنی زرِ لگان بحساب مقررہ گورنمنٹ ہر ششماہی لگ جاتا ہے۔ کیا یہ زرِ لگان عشر میں سے منہا کرلیا جاسکتا ہے، یا عشر پورا الگ دیا جائے اور گورنمنٹ کو مطالبہ الگ؟

الجواب

گورنمنٹ کے زرِ لگان سے عشر نہیں ادا ہوسکتا۔

۱۰/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۳/۳۹)

زمینداری ختم ہونے کے بعد مسئلہ عشر:

سوال: تھوڑا عرصہ ہوا کہ سفر میں لوگوں نے ایک استفتاء اور اس کا جواب دکھلایا، اس مجمع میں واقف کار لوگوں نے جوابی استدلال پر اظہار تعجب بھی کیا، جواب کی نقل ارسال ہے: صورتحال یہ ہے کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد زمین حکومت کی ملک قرار پائی ہو، یا نہ ہو؟ زمین پر قبضہ اور تصرف کا حق رکھنے والوں کے حقوق میں کچھ اضافہ ہوا ہے، یا نہیں؟ یہ ایک علاحدہ بحث ہے کہ زمانہ سابق میں زمین کا مالک کاشتکار تھا، یا زمین دار، یا حکومت؟ بہر حال اتنی بات تو واضح ہے کہ زمینداری ختم ہونے سے پہلے جس زمین پر جو متصرف تھا، وہ آج بھی ہے، اگر اس پر پہلے عشر تھا تو آج بھی ہونا چاہیے۔

اب رہی یہ بات کہ حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے نہ نصف عشر تو یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب حکومت نے زمینداری ختم کرنے کے بعد زمینوں کے مالکوں کی ملکیت منسوخ کرکے اپنی ملکیت کا اعلان کردیا ہو اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے زید، عمر، سیتارام اور تارا سنگھ وغیرہ کو زمین دی ہو؛ لیکن ایسا واقعہ نہیں ہے، حکومت نے جن جن صورتوں میں زمین داری ختم کی اور زمین دار کی جگہ خود وہاں کوئی نئی ہندو بستی عمومی طریقے پر نہیں کی گئی؛ اس لیے یہ سوال ہی نہیں ہوتا کہ زمینداری ختم ہونے کے بعد جو زمین حکومت کی ملک قرار پا گئی اور پھر حکومت نے اپنی طرف سے لوگوں کو زمین دی ہو۔ اس حالت میں عرض ہے کہ جواب پر نظر ثانی فرمائی جائے اور اس عاجز کی اور ساتھ ہی ساتھ ہزاروں اہل علم کی تشنگی جو اس جواب سے پیدا ہوئی، دور فرمائی جائے والسلام (محمد عارف)

الجواب حامداً و مصلیاً

زمینداری ختم ہونے کے بعد جب ہر زمین ملک حکومت قرار پا گئی، پھر حکومت نے اپنی طرف سے جس جس کو بھی

== ویظهر لی أهل الحرب لو غلبوا علی بلدة من بلادنا كذالک. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/۳۲، ظفیر)

زمین دی ہے تو اس پر نہ عشر واجب ہے، نہ نصف عشر؛ تاہم اگر کوئی شخص عشر، یا نصف عشر ادا کردے تو موجب خیر وبرکت ہے، جس قدر بھی وہ زیادہ غرباء کو دے گا، اجر وثواب پائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ ۷/۳/۱۳۸۷ھ۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ هو الموفق للصواب

وجوب عشر کا مدار حقوق پر نہیں؛ بلکہ ملک پر ہے؛ یعنی وجوب عشر کے لیے شرط یہ ہے کہ زمین مسلمانوں کی ملک ہو اور جب سے مسلمانوں کی ہی ملک چلی آرہی ہو۔

"إرثا أو شراء وغير ذلک، أما شرط الأهلية فنوعان: أحدهما الإسلام، وإنه شرط ابتداء هٰذا الحق، فلا يبدا بهذا الحق إلا علىٰ مسلم بلاخلاف؛ لأن فيه معنى العبادة، والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء، فلايبدأ عليه". (۱)

درمیان میں کسی کافر کی ملک میں نہ چلی گئی ہو اور اگر درمیان میں کسی کافر کی ملک میں چلی گئی ہوگی تو عشرہ رہے گی، چناں چہ فقہائے کرام کی عبارتیں اسی کی تصریح کرتی ہیں:

"واشترى ذمي أرضاً عشرية من مسلم، فعليه الخراج". (ملتقى الأبحر علىٰ هامش مجمع الأنهر: ۲۱۷/۱) (۲)

ہدایہ میں ہے:

"ولو كانت الأرض لمسلم بعها لنصراني. يريد به ذميا غير تغلبي. وقبضها، فعليه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله؛ لأنه أليق بحال الكافر". (۳)

فتح القدیر میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"وإذا اشترى ذمي غير تغلبي خراجية أو تضعيفة، بقيت علىٰ حالها، لو اشترى عشرية مسلم فعند أبي حنيفة رحمه الله تصير خراجية إن استقرت في ملكه". (۴)

علامہ جلال الدین خوارزمی شاح ہدایہ فرماتے ہیں:

"كذمي اشترىٰ أرض عشر من مسلم، ففيه الخراج عند أبي حنيفة رحمه الله". (الكفاية مع فتح القدير: ۱۹۸/۲) (۵)

---

(۱) بدائع الصنائع، كتاب الزكاة، فصل في شرائط الفرضية: ۴۹۶/۲. دارالكتب العلمية بيروت

(۲) ملتقى الأبحر علىٰ هامش مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب زكاة الخارج: ۲۱۷/۱، دارإحياء التراث العربي بيروت

(۳) الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۳/۱، مكتبه شركت علمية ملتان

(۴) فتح القدير، كتاب الزكاة، باب الزروع والثمار: ۱۰۳/۲، مصفطى البابي الحلبي مصر

(۵) باب زكاة الزروع والثمار: ۱۹۸/۲، رشيدية

”من مسلم“. (کنز الدقائق)(۱)

علامہ شامی حاشیہ البحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

”ولو إن کافراً اشتریٰ أرضاً عشریة،فعلیه الخراج فی قول أبی حنیفة رحمه الله“. (۲)

اب اس کے بعد اگر اس کافر سے مسلمان نے خریدی، یا کسی اور طریقہ سے مسلمان کی ملک میں آئی تو یہ زمین عشری نہ بنے گی۔

”فصار شراء المسلم من الذمی بعد ما صارت خراجیة فنصیر علیٰ حالها،ذکره التمرتاشی کما إذا أسلم هو واشتراها منه مسلم آخر“. (۳)

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ خاتمہ زمینداری سے پہلے زمین کس کی ملک تھی تو اس میں دو احتمال ہیں: پہلا یہ کہ زمین سرکاری ملک میں ہو، جیسا کہ بعض کا خیال ہے، گو دلائل کے اعتبار سے یہ بات کچھ قوی نہ ہو، اس احتمال پر زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ سرکار کو چوں کہ کاشتکاروں سے براہ راست لگان وصول کرنے میں دشواری نہ ہو تو گویا زمیندار مالک زمین نہیں ہوتے تھے؛ بلکہ تو سرکار ہی تھی، زمیندار تو کاشتکار اور سرکار کے درمیان لگان کی وصولیابی کا واسطہ تھے اور جو کچھ ان کو ملتا تھا، وہ ان کی اجرت تھی۔

بہر حال زمینداری کی حیثیت اس صورت میں ایک اجیر سے بڑھ کر نہ تھی، ان کو جو کچھ اختیار بھی دیئے گئے تھے، وہ محض اسی حیثیت سے تھے، اب جب کہ سرکار بدلی اور انگریزی کی جگہ نئی سرکار نے لی تو اس نے زمینداروں کی اس حیثیت کو ختم کر دیا اور چوں کہ انہوں نے اتنی مدت تک سرکاری کی خدمت کی تھی؛ اس لیے اس کے عوض کے طور پر اور ان سے جو اختیارات چھین لئے گئے، اس کی اشک شوئی کرتے ہوئے انہیں کچھ رقم بھی بونس کی شکل میں دی، یہ ایسا ہے جیسے پنشن کہ سابقہ خدمت کے عوض کر دی جاتی ہے۔

ان اختیارات کو ختم کرنے کا نام ”خاتمۂ زمینداری“ ہے تو اس صورت میں زمین زمیندار کی ملکیت تھی ہی نہیں؛ بلکہ سرکار کی ملک تھی، اس میں وجوب عشر کا سوال ہی نہیں؛ اس لیے کہ سرکار اور حکومت اگر مسلمان ہو تو اس وقت بھی عشر واجب نہیں ہوتا، چناں چہ الدر المنتقی میں:

وهٰذا نوع ثالث یعنی لاعشریة ولاخراجیة من الأرض تسمی أراضی المملکة.(ص:۶۷۱/۲)(۴)

چناں چہ جب سرکار مسلم ہو، اس وقت سرکاری زمین نہ عشر واجب ہے، نہ خراج تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ زمین، زمینداری ہی کی ملک تھی، جیسا کہ اکثر علمائے کرام کی تصریحات ہیں اور دلائل کے

---

(۱) کنز الدقائق، کتاب الزکاة، باب العشر، ص:۶۳، رشیدیة

(۲) منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب العشر:۴۱۷/۲، رشیدیه

(۳) فتح القدیر، کتاب الزکاه م باب زکاة الزروع و الثمار:۲۵۴/۲، مصطفی البابی الحبلی مصر

(۴) الدر المختار، الدر المنتقی فی شرح الملتقی، باب العشر والخراج:۴۶۲/۲، المکتبة الغفاریة

اعتبار سے بھی اقرب واظہر ہے تو اس صورت میں ختم زمینداری کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین زمیندار سے خرید لی گئی، گو جبراً ہی صحیح اور کاشتکار کے ہاتھ فروخت کردی گئی اور کاشتکار کو خریدنے پر مجبور نہیں کیا؛ بلکہ یوں کہا کہ جو دس گنا ادا کرے، وہ لے لے، کاشتکار نے براہ راست زمیندار سے خریدی نہ ہو؛ اس لیے کہ ان دونوں میں خرید وفرخت ہوتی ہی نہیں، لامحالہ سرکار نے زمیندار سے خریدی اور کاشتکار کو فروخت کی تو اس میں ملک کافر کا تخلل ہو گیا اور عشر ساقط ہو گیا۔(۱)

کتب فقہ: خانیہ(۲)، بحر(۳)، طحطاوی(۴)، عالمگیری(۵) وغیرہ تقریباً سبھی میں یہ مسائل بصراحت موجود ہیں، جو اہل علم حضرات کی نظر سے مخفی نہیں، پھر تعجب ہے کہ اس عاجز کے جواب سے ہزاروں اہل علم کو تشنگی کیوں پیدا ہوئی، کیا یہ

---

(۱) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب، ہندوستانی اراضی کے عشری، یا خراجی ہونے کی تحقیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی کو ابتداءً دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء کے عشری نہ رہے گی؛ بلکہ خراجی ہو جائے گی۔(اسلام کا نظام اراضی، ص: ۱۸۰، عشر وخراج کے احکام، دارالاشاعت کراچی)

(۲) الفتاویٰ الخانية على هامش الفتاویٰ العالمكيرية، فصل في العشر والخراج: ۱/ ۲۷۰-۲۷۶، رشيديه

(۳) البحر الرائق، باب العشر: ۲/ ۴۱۲-۲۱۸، رشيدية

(۴) حاشية الطحطاوی على الدر المختار، باب العشر: ۱/ ۴۱۷-۷۲۲، دار المعرفة بيروت

(۵) (الْبَابُ السَّادِسُ فِي زَكَاةِ الزَّرْعِ وَالثِّمَارِ)وَهُوَ فَرْضٌ وَسَبَبُهُ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ بِالْخَارِجِ حَقِيقَةً بِخِلَافِ الْخَرَاجِ فَإِنَّ سَبَبَهُ الْأَرْضُ النَّامِيَةُ حَقِيقَةً أَوْ تَقْدِيرًا بِالتَّمَكُّنِ فَلَوْ تَمَكَّنَ، وَلَمْ يَزْرَعْ وَجَبَ الْخَرَاجُ دُونَ الْعُشْرِ، وَلَوْ أَصَابَ الزَّرْعَ آفَةٌ لَمْ يَجِبْ وَرُكْنُهُ التَّمْلِيكُ وَشَرْطُ أَدَائِهِ مَا مَرَّ فِي الزَّكَاةِ وَشَرْطُ وُجُوبِهِ نَوْعَانِ الْأَوَّلُ شَرْطُ الْأَهْلِيَّةِ، وَهُوَ الْإِسْلَامُ فَإِنَّهُ شَرْطُ ابْتِدَاءٍ، فَلَا يُبْتَدَأُ إلَّا عَلَى مُسْلِمٍ بِلَا خِلَافٍ وَالْعِلْمُ بِالْفَرْضِيَّةِ، وَأَمَّا الْعَقْلُ وَالْبُلُوغُ فَلَيْسَا مِنْ شَرَائِطِ الْوُجُوبِ حَتَّى يَجِبَ الْعُشْرُ فِي أَرْضِ الصَّبِيِّ وَالْمَجْنُونِ؛ لِأَنَّ فِيهِ مَعْنَى الْمُؤْنَةِ وَلِهَذَا جَازَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَأْخُذَ جَبْرًا، وَيَسْقُطَ عَنْ صَاحِبِ الْأَرْضِ إلَّا أَنَّهُ لَا ثَوَابَ لَهُ، وَكَذَا لَوْ مَاتَ مَنْ عَلَيْهِ الْعُشْرُ وَالطَّعَامُ قَائِمٌ يُؤْخَذُ مِنْهُ بِخِلَافِ الزَّكَاةِ، وَكَذَا مِلْكُ الْأَرْضِ لَيْسَ بِشَرْطٍ لِلْوُجُوبِ؛ لِوُجُوبِهِ فِي الْأَرَاضِي الْمَوْقُوفَةِ،وَيَجِبُ فِي أَرْضِ الْمَأْذُونِ وَالْمُكَاتَبِوَالنَّوْعُ الثَّانِي شَرْطُ الْمَحَلِّيَّةِ، وَهُوَ أَنْ تَكُونَ عُشْرِيَّةً فَلَا عُشْرَ فِي الْخَارِجِ مِنْ أَرْضِ الْخَرَاجِ، وَوُجُودُ الْخَارِجِ، وَأَنْ يَكُونَ الْخَارِجُ مِنْهَا مِمَّا يُقْصَدُ بِزِرَاعَتِهِ نَمَاءُ الْأَرْضِ هَكَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ فَلَا عُشْرَ فِي الْحَطَبِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ وَالطَّرْفَاءِ وَالسَّعَفِ؛ لِأَنَّ الْأَرَاضِيَ لَا تَسْتَنْمِي بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ بَلْ تُفْسِدُهَا حَتَّى لَوْ اسْتَنْمَتْ بِقَوَائِمِ الْخِلَافِ وَالْحَشِيشِ وَالْقَصَبِ وَغُصُونِ النَّخْلِ أَوْ فِيهَا دُلْبٌ أَوْ صَنَوْبَرٌ وَنَحْوُهَا، وَكَانَ يَقْطَعُهُ وَيَبِيعُهُ يَجِبُ فِيهِ الْعُشْرُ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ وَيَجِبُ الْعُشْرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي كُلِّ مَا تُخْرِجُهُ الْأَرْضُ مِنْ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيرِ وَالدُّخْنِ وَالْأَرُزِ، وَأَصْنَافِ الْحُبُوبِ وَالْبُقُولِ وَالرَّيَاحِينِ وَالْأَوْرَادِ وَالرِّطَابِ وَقَصَبِ السُّكَّرِ وَالذَّرِيرَةِ وَالْبِطِّيخِ وَالْقِثَّاءِ وَالْخِيَارِ وَالْبَاذِنْجَانِ وَالْعُصْفُرِ،وَأَشْبَاهِ ذَلِكَ مِمَّا لَهُ ثَمَرَةٌ بَاقِيَةٌ أَوْ غَيْرُ بَاقِيَةٍ قَلَّ أَوْ كَثُرَ،هَكَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ، سَوَاءٌ يُسْقَى بِمَاءِ السَّمَاءِ أَوْ سَيْحًا يَقَعُ فِي الْوَسْقِ أَوْ لَا يَقَعُ هَكَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ وَيَجِبُ فِي الْكَتَّانِ وَبَذْرِهِ لِأَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مَقْصُودٌ كَذَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ وَيَجِبُ فِي الْجَوْزِ وَاللَّوْزِ وَالْكَمُّونِ وَالْكُزْبَرَةِ هَكَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ وَيَجِبُ الْعُشْرُ فِي الْعَسَلِ إذَا كَانَ فِي أَرْضِ الْعُشْرِ وَكَذَا لِمَنْ إذَا أُسْقِطَ عَلَى الشَّوْكِ الْأَخْضَرِ فِي أَرْضِهِ كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ، وَمَا يُجْمَعُ مِنْ ثِمَارِ الْأَشْجَارِ الَّتِي لَيْسَتْ بِمَمْلُوكَةٍ كَأَشْجَارِ الْجِبَالِ يَجِبُ فِيهَا الْعُشْرُ كَذَا فِي الظَّهِيرِيَّةِ، وَلَا عُشْرَ فِيمَا هُوَ تَابِعٌ لِلْأَرْضِ كَالنَّخْلِ وَالْأَشْجَارِ وَكُلِّ مَا يَخْرُجُ مِنْ الشَّجَرِ كَالصَّمْغِ وَالْقَطِرَانِ، لِأَنَّهُ لَا يُقْصَدُ بِهِ الِاسْتِغْلَالُ كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ ==.

سب کتابیں تشنگی دفع کرنے کے لیے کافی نہیں، غالباً جواب مختصر ہونے اور استدلالی عبارات جواب میں نقل نہ کرنے اور اہل علم کی وسعت نظر پر اعتماد کرنے سے ایسا ہوا؛ تاہم اگر اس کے خلاف کتب مذہب میں دلائل قویہ موجود ہوں اور اس عاجز نے سمجھنے میں غلطی کی ہو تو دینی بات میں اصرار نہیں سمجھ میں آئے، پھر ان شاء اللہ تعالیٰ رجوع سے دریغ نہ ہوگا، حق تعالیٰ ضد اور ہٹ سے محفوظ رکھے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۲/۱۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/ ۴۳۸-۴۴۳)

سرکاری محصول کی وجہ سے عشر ساقط ہے، یا نہیں:

سوال: سرکار زمین سے جو محصول لیتی ہے، اس سے عشر ساقط ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

عشری زمین سے محصول لینا مسقط عشر نہیں ہے، هٰذا هو الاحتياط. (۱) ہاں اگر زمین عشری ہی نہ ہو؛ بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے؛ یعنی عشر اس میں واجب نہیں ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۱۸۲)

== وَلَا يَجِبُ فِي الْبُذُورِ الَّتِي لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِلزِّرَاعَةِ وَالتَّدَاوِي كَبَذْرِ الْبِطِّيخِ والنانخواه وَالشُّونِيزِ كَذَا فِي الْمُضْمَرَاتِ، وَلَا يَجِبُ فِي الْقُنَّبِ وَالصَّنَوْبَرِ وَشَجَرِ الْقُطْنِ وَالْبَاذِنْجَانِ وَالْكُنْدُرِ وَالْمَوْزِ وَالتِّينِ هَكَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ، وَلَوْ كَانَ فِي دَارِ رَجُلٍ شَجَرَةٌ مُثْمِرَةٌ لَا عُشْرَ فِيهَا كَذَا فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ لِابْنِ الْمَلِكِ .وَمَا سُقِيَ بِالدُّولَابِ وَالدَّالِيَةِ فَفِيهِ نِصْفُ الْعُشْرِ، وَإِنْ سُقِيَ سَيْحًا وَبِدَالِيَةٍ يُعْتَبَرُ أَكْثَرُ السَّنَةِ فَإِنْ اسْتَوَيَا يَجِبُ نِصْفُ الْعُشْرِ كَذَا فِي خِزَانَةِ الْمُفْتِينَ وَوَقْتُهُ وَقْتُ خُرُوجِ الزَّرْعِ وَظُهُورِ الثَّمَرِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ .فَلَوْ عَجَّلَ عُشْرَ أَرْضِهِ قَبْلَ الزَّرْعِ لَا يَجُوزُ، وَلَوْ عَجَّلَ بَعْدَ الزِّرَاعَةِ بَعْدَ النَّبَاتِ فَإِنَّهُ يَجُوزُ وَلَوْ عَجَّلَ بَعْدَ الزِّرَاعَةِ قَبْلَ النَّبَاتِ فَالْأَظْهَرُ أَنَّهُ لَا يَجُوزُ، وَلَوْ عَجَّلَ عُشْرَ الثِّمَارِ إنْ كَانَ بَعْدَ طُلُوعِهَا يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَ قَبْلَ طُلُوعِهَا لَا يَجُوزُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ هَكَذَا فِي شَرْحِ الطَّحَاوِيِّ وَيَسْقُطُ بِهَلَاكِ الْخَارِجِ مِنْ غَيْرِ صُنْعِهِ وَبِهَلَاكِ الْبَعْضِ يَسْقُطُ بِقَدْرِهِ، وَإِنْ اسْتَهْلَكَهُ غَيْرُ الْمَالِكِ أَخَذَ الضَّمَانَ مِنْهُ، وَأَدَّى عُشْرَهُ، وَإِنْ اسْتَهْلَكَهُ الْمَالِكُ ضَمِنَ عُشْرَهُ وَصَارَ دَيْنًا فِي ذِمَّتِهِ وَيَسْقُطُ بِالرِّدَّةِ وَبِمَوْتِ الْمَالِكِ مِنْ غَيْرِ وَصِيَّةٍ إذَا كَانَ قَدْ اسْتَهْلَكَهُ هَكَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ تَغْلِبِيٌّ لَهُ أَرْضٌ عُشْرِيَّةٌ عَلَيْهِ الْعُشْرُ مُضَاعَفًا، وَإِنْ اشْتَرَاهَا ذِمِّيٌّ مِنْ تَغْلِبِيٍّ فَهِيَ عَلَى حَالِهَا عِنْدَهُمْ، وَكَذَا إذَا اشْتَرَاهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ أَوْ أَسْلَمَ التَّغْلِبِيُّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ – رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى – سَوَاءٌ كَانَ التَّضْعِيفُ أَصْلِيًّا أَوْ حَادِثًا، وَلَوْ كَانَتْ الْأَرْضُ لِمُسْلِمٍ بَاعَهَا مِنْ ذِمِّيٍّ غَيْرِ تَغْلِبِيٍّ وَقَبَضَهَا فَعَلَيْهِ الْخَرَاجُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَإِنْ أَخَذَهَا مِنْهُ مُسْلِمٌ بِالشُّفْعَةِ أَوْ رُدَّتْ عَلَى الْبَائِعِ لِفَسَادِ الْبَيْعِ فَهِيَ عُشْرِيَّةٌ كَمَا كَانَتْ، وَفِي أَرْضِ الصَّبِيِّ وَالْمَرْأَةِ التَّغْلِبِيَّيْنِ مَا فِي أَرْضِ الرَّجُلِ، وَلَيْسَ عَلَى الْمَجُوسِيِّ فِي دَارِهِ شَيْءٌ هَكَذَا فِي الْهِدَايَةِ. الفتاویٰ الهندية، الباب السادس فی زكاة الزروع والثمار: ۱/ ۱۸۵-۱۸۷، رشيدية)

(۱) أخذ البغاة والسلاطين الجائر زكٰوة الأموال الظاهرة كالسوائم والعشر والخراج لا إعادة علٰى أربابها إن صرف المأخوذ فی محله الأتی ذكره وأن لا يصرف فيه فعليهم فيما بينهم وبين الله إعادة غير الخراج. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب زكاة الغنم: ۲/ ۳۲)

ويظهر لی أن أهل الحرب لو غلبوا علٰى بلدة من بلادنا كذالک (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۳۲، ظفير)

بٹائی ومزارعت والی زمین

زرعی زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ نکالنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص نے زرعی زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ اپنی ضروریات سے بچے ہوئے مال پر سال کے آخر میں ادا کیا، کیا اس کا یہ عمل شرعی اعتبار سے درست ہے؟ جب کہ زمین عشری نہیں ہے؟

(۲) ایک شخص نے اپنی سالانہ آمدنی میں جائیداد کے کرایہ اور زرعی زمین کی پیداوار کا کل حساب کر کے سال کے آخر میں جو رقم اس کے پاس بچی اس کا چالیسواں حصہ بمد زکوٰۃ ادا کیا، تو کیا یہ عمل کافی ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) اگر مذکورہ زمین عشری یا خراجی نہیں ہے (جیسا کہ آج کل ہندوستان کی اکثر زمینوں کا حال ہے) تو اس کی پیداوار میں عشر، یا خراج واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس حاصل شدہ آمدنی میں مال زکوٰۃ کا ضابطہ جاری ہوگا اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ شخص کا یہ عمل درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر: ۱۷، فتاویٰ محمودیہ: ۴۵/۳)

(۲) یہ عمل بھی درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل: ۱۰۵، فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۱۵/۶)

عن علی قال زهير: أحسبه عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه قال: هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهماً درهم، وليس عليكم شیء حتٰی تتم مائتی درهم، فإذا كانت مائتی درهم ففيها خمسة دراهم، فما زاد فبحساب ذٰلک، إلخ. (سنن أبی داؤد: ۱/ ۲۲۰-۲۲۱، رقم: ۱۵۷۳)

وسببه أی سبب افتراضها ملک نصاب مولی تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد و عن حاجته الأصلية. (الدرالمختارمع ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۱۷/۳، زكريا، ۲۵۸/۲، كراتشی، تبيين الحقائق/ كتاب الزكاة: ۱۹/۲، دارلكتب العلمية بيروت، هدايه علی فتح القدير: ۱۵۳/۲، دار الفكر بيروت)

ليس فيما دون مائتی درهم صدقة لقوله عليه السلام: ليس فيما خمس أواق صدقة والأوقية أربعون درهماً، فإذا مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دارهم؛ لأنه عليه السلام كتب إلٰی معاذ أن خذ من كل مائتی درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال. (الهداية، باب زكاة المال: ۱/ ۲۱۰، مكتبه بلال ديوبند)/ والحديث أخرجه الإمام الدارقطنی فی سننه، باب

ليس في الخضروات صدقة. (۸٤/۲، رقم: ۱۹۰۵)/والثاني: أخرجه أيضاً، باب ليس في الكسر شيء (۸۰/۲، رقم: ۱۸۸٦) والبيهقي في سننه الكبرىٰ، باب ذكر الخبر الذى ورد فى وقص الورق. (۲۲۸/٤، رقم: ۸٥۲٤)

ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب، فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (رد المحتار: ۲۵۸/۳، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ؛ ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۲۲/۷-۲۲۳)

بٹائی پر دی گئی زمین کی کل پیداوار پر عشر واجب ہے:

سوال: زید گسمارہ موضع میں کاشت کرتا ہے اور ان مواضعات کا مالک ہے، زمین بیل بیج اور کل اوزار سامان اور ندالی وغیرہ میں جو خرچ ہوتا ہے، وہ زید کا ہے۔

(۱) ملکی رواج کے موافق فصل پیدا ہونے اور کٹنے پر کام کرنے والے چوتھائی حصہ دار ہو کر 1/4 حصہ تقسیم کر لیتے ہیں، مثلاً آٹھ ہزار من کل غلہ پیدا ہوا، حسب اقرار 1/4 حصہ دو ہزار من کام کرنے والے حصہ دار کو دیا گیا، بچت میں چھ ہزار من غلہ رہا تو چھ ہزار من پر عشر نکالا جائے گا، یا آٹھ ہزار من پر؟ کٹائی میں جو صرف ہوتا ہے، حصہ معافی دونوں کا غلہ اسی فصل میں سے صرف ہوتا ہے، کام کرنے والے جیسے کہ 1/4 حصہ دینے کا اقرار ہے اور دیا جاتا ہے، وہ قوم کے ہندو ہیں؟

جس غلہ کا ایک مرتبہ عشر ادا کیا ہو تو آئندہ اس پر عشر واجب نہیں:

(۲) بچت غلہ سال آخر میں ایک ہزار من جمع ہے اور سال گزشتہ اس غلہ کی عشر نکل چکی ہے۔ اب اسی حالت میں بچت غلہ کی عشر دوبارہ نکالنا چاہیے، یا نہیں؟

جو جانور کھیتی کے کام آتے ہیں، ان میں زکوٰۃ نہیں:

(۳) زید کے پاس تہتر راس بھینسے اور بیل دوسو اکیس راس جو کھیتی کے کام میں رہتے ہیں، علاوہ اس کے بھینسیں مع بچہ پانچ (۵) راس اور گائے مع بچہ ایک سو اکسٹھ (۱۶۱) راس اور بکرا بکری مع بچہ کے اٹھاسی (۲۸) راس ہیں۔ شرعاً کتنا کتنا نکالنا چاہیے؟

(المستفتی: ۲۱۴، حاجی محی الدین خاں، زمیندار، ڈاکخانہ کنجی دریاراج ماندگان، ۲/ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، ۱۷/ فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

(۱) اس صورت میں زمین کی کل پیداوار کا عشر نکالنا ہوگا، 1/4 وضع کر کے باقی کا عشر نکالنے سے شرعی مطالبہ پورا نہ ہوگا۔ (۱)

(۱) وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض، فعليه. (الدر المختار) ==

(۲)　جس غلہ کا اس سال عشر نکال دیا گیا، اس کی بچت کا غلہ جو آئندہ سال تک باقی رہے، اس میں سے دوبارہ عشر نکالنا واجب نہیں۔(۱)

(۳)　ان جانوروں پر جو کھیتی کے کام آتے ہیں، کوئی زکوٰۃ نہیں، گائے بھینس، بکریاں جن کو اپنے پاس سے سال کے اکثر حصہ میں کھلانا پڑے، ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، (۲) جو جانور کہ سال کے اکثر حصہ میں خود چر کر گزارہ کریں اور ان پر چارہ وغیرہ کا کوئی خرچ نہ کرنا پڑے، ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، بکرا بکری کو اگر خرچ کر کے کھلانا نہ پڑے اور ان کی تعداد ۸۸ ہے تو سال میں دو بکریاں اللہ واسطے دینی ہوں گی، (۳) کھیتی کے کام آنے والے بھی سے اور بیلوں کو علاحدہ کر کے باقی گائے بھینس، ایسے کتنے ہیں کہ ان کو خرچ کر کے کھلانا نہیں پڑتا، ان کی تعداد معلوم ہو تو زکوٰۃ بتائی جاسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۱۶/۴-۳۱۷)

بٹائی پر جو زمین ہو اس میں عشر کس طرح دیا جائے:

سوال: میرے پاس کچھ زمین ہے، کسی زمین کا خراج ہندو زمیندار کو دیتا ہوں اور کسی زمین کا خراج مسلمان زمیندار کو دیتا ہوں، اب ہم کو عشر دینا ہوگا، یا نہیں؟ میں زمین کو بٹائی پر دیتا ہوں؛ مگر بیج عامل دیتا ہے، اس حالت میں کس حساب سے عشر دینا ہوگا، اگر نصف بیج میں دوں اور نصف عامل دے، تب کس حساب سے دینا ہوگا؟

الجواب

شامی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی دارالحرب میں خراج وعشر کچھ نہیں ہے، (۴) اور جن اراضی عشریہ میں عشر لازم ہے اور فرض ہے، اس میں فتوی اس پر لکھا ہے کہ مزارعت کی صورت میں زمیندار مالک پر بقدر حصہ عشر لازم آتا ہے؛ یعنی جس قدر غلہ جس کے حصہ میں آوے، وہ اس کا عشر ادا کرے۔ (۵) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۷/۶-۱۶۸)

== (وفی الشامية:) والحاصل إن العشر عند الإمام على رب الأرض مطلقا... لما في البدائع: أن المزارعة جائزة عندهما، والعشر يجب في الخارج. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر: ۳۳۵/۲، ط: سعيد)

(۱)　لیکن اگر تجارت کے لیے ہو تو سال گزرنے پر سامان تجارت کی طرح اس پر بھی زکوٰۃ (چالیسواں حصہ) واجب ہوگی۔

وَصَرَّحُوا أَيْضًا بِأَنَّ الْعُرُوضَ إذَا كَانَتْ لِلتِّجَارَةِ يَجِبُ فِيهَا زَكَاةُ التِّجَارَةِ وَقَالُوا: إنَّ الْعَرَضَ خِلَافُ النَّقْدِ فَيَدْخُلُ فِيهِ الْحَيَوَانَاتُ، وَحَاصِلُهُ أَنَّهُ إنْ أَسَامَهَا لِلْحَمْلِ أَوْ لِلرُّكُوبِ فَلَا زَكَاةَ أَصْلًا أَوْ لِلتِّجَارَةِ فَفِيهَا زَكَاةُ التِّجَارَةِ أَوْ لِلدَّرِّ وَالنَّسْلِ فَفِيهَا الزَّكَاةُ الْمَذْكُورَةُ فِي هَذَا الْبَابِ. (البحر الرائق، باب صدقة السوائم: ۲۲۹/۲، دار الكتاب الإسلامي بيروت، انيس)

(۲)　وليس في العوامل، و الحوامل، و العلوفة صدقة. (الهداية، كتاب الزكاة: ۱۹۲/۱، ط: شركة علمية ملتان)

(۳)　فإذا كانت أربعين سائمة، وحال عليها الحول، ففيها شاة إلى مائة وعشرين فإذا زادت واحدة ففيها شاتان إلى مائتين إلخ. (الهداية، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم، فصل في الغنم: ۱۹۰/۱، ط: شركة علمية، ملتان)

(۴)　احترازا عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (ردالمحتار، باب الركاز: ۶۱/۲، ظفير)

(۵)　وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، باب العشر: ۷۵/۲، ظفير)

معافی زمین عشری ہے یانہیں اور عشر کا کیا طریقہ ہے:

سوال: زید کے قبضہ کچھ زمین معافی ہے۔ یہ عشری ہے، یانہیں؟ زید نے زمین مذکورہ کو اگر خود کاشت کی تو اس پر بلا لحاظ صاحب نصاب ہونے کے اگر زکوٰۃ واجب ہوگی تو کس قدر؟ اور اگر زید نے یہ معافی زمین کسی غیر شخص کو لگان، یا بٹائی پر دے دی تو بھی زکوٰۃ دینی ہوگی، یانہیں؟ اگر دینی ہوگی تو کس قدر اور ایک کو، یا دونوں کو؟

الجواب

روایت شامی باب الرکاز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے بلاد کی اراضی عشری وخراجی نہیں ہے اور احتیاط اس میں ہے کہ اس زمین کی پیداوار میں عشر دیا جاوے؛ یعنی اگر خود کاشت کی ہے تو تمام پیداوار کا عشر خود ادا کرے اور اگر کسی کو مزارعت؛ یعنی بٹائی پر دی ہے تو بقدر حصہ ہر ایک عشر دیوے اور نقد اجارہ پر دینے میں عشر بذمہ موجر ہے، یا مستاجر، علی اختلاف القولین۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۶۷/۶)

مزارعت والی زمین میں عشر:

سوال: الف نے اپنی زمین جو بارانی ہے، عمر کو اس شرط پر کاشت کو دی کہ کاشت پر تخم جس قدر خرچ ہوگا، وہ میں ادا کردوں گا اور پیداوار بحصہ نصف تقسیم کرلیں گے، لگان سرکاری بھی الف ادا کیا کرتا ہے، کل پیداوار زمین بالا سے بائیس من غلہ حاصل ہوا، جو نصف حصہ ۱۱رمن الف کو ملا، اجرت کلیانہ تقریباً ایک من، اس کے علاوہ مشترکہ دے دی گئی، گویا کل پیداوار زمین ہذا ۲۳رمن ہوئی، کیا الف پر عشر واجب ہے اور کس قدر ساری پیداوار کا عشر الف مالک زمین ہی ادا کرے، یا صرف اپنے اپنے حصہ کا دیں گے، یا لگان والی زمین کی وجہ سے عشر ساقط ہوجاوے گا؟

الجواب

زمین عشری میں اگر وہ زمین زراعت پر دے دی جاوے، جیسا کہ صورت مسئولہ میں ہے تو عشر زمیندار و کاشتکار پر بقدر اپنے اپنے حصہ کے واجب ہوتا ہے، (۲) اور ایک من جو اجرت میں مشترک صرف ہوا، اس کا عشر واجب نہیں ہوتا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۵۹/۶)

---

(۱) والعشر على الموجر كخراج موظف وقالا على المستاجر كمستعير وفي الحاوي وقولهما نأخذ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ۳۳۴/۲، دار الفكر بيروت، ظفير مفتاحي)

(۲) وفي المزارعة إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل فعليهما بالحصة (الدر المختار)

والحاصل أن العشر عند الإمام علىٰ رب الأرض مطلقاً وعندهما كذالك لو البذر منه ولو من العامل فعليهما وبه ظهر أن ما ذكره الشارح هو قولهما، اقتصر عليه لما علمت من أن الفتوى علىٰ قولهما بصحة المزارعة لكن ما ذكر من التفصيل يخالفه ما في البحر والمجتبىٰ إلخ وغيرها من أن العشر علىٰ رب الأرض عنده، عليهما عندهما من غير ذكر هٰذا التفصيل وهو الظاهر لما في البدائع من أن المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (رد المحتار، باب العشر: ۷۵/۲-۷۶، ظفير)

مزارعت والی زمین میں عشر کس پر ہے:

سوال: حکم خراج مقاسمہ عقد مزارعت (بٹائی) سے سرفراز فرمائیے گا کہ سب مالک زمین پر ہے، یا مزارع پر بھی بالحصہ ہے، جیسا کہ حکم عشر ہے، اگر دونوں پر مثل عشر ہے تو شامی کی اس عبارت: ''ثم اعلم أن هٰذا كله فی العشر، أما الخراج فعلٰی رب الأرض إجماعاً، كما فی البدايع''(۱) کا کیا مطلب ہے؟

الجواب

شامی، جلد ثالث، باب العشر والخراج والجزیہ میں درمختار کے قول ''وهو أی الخراج نوعان خراج مقاسمة إلخ'' کی شرح میں ہے:

''وقد تقرران خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكورالخارج فی السنة وإنما يفارقه فی المصرف، فكل شئی يوخذ منه العشر أونصفه يؤخذمنه خراج المقاسمة وتجری الأحكام التی قررت فی العشر وفاقاً وخلافاً، الخ. (۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ عبارت منقولہ شامی ''ثم اعلم ان هذاكله فی العشر، أما الخراج فعلٰی رب الارض إجماعا، كمافی البدايع'' میں خراج سے مرد خراج موظف ہے، خراج مقاسمۃ اور اصل مسئلہ کے متعلق ایک روایت شامی باب الرکاز صفحہ ۴۵ میں یہ بھی ہے:

''ولهذا قال القهستانی بعد قوله فی أرض خراج أوعشر: الأخصر فی أرضنا سواء كانت جبلاً أوسهلاً مواتا أو ملكاً واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب، آه، ثم رأيت عين ما قلته فی شرح الشيخ إسمٰعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد فی دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أوعشر والمراد بأرض الخراج أو العشر أعم من أن تكون مملوكة لأحد أو لا صالحة للزراعة أو لا فيدخل فيه المفاوز، الخ. (۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی نہ عشری ہیں اور نہ خراجی ۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۱۷۰-۱۷۱)

کاشتکار وزمیندار کی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ:

سوال (۱) مسلمان زارعین پر خواہ زمیندار ہوں، یا کاشتکار، پیداوار زراعت میں یکساں زکوٰۃ فرض ہے، یا کچھ فرق ہے اور کس قدر زکوٰۃ دینی چاہیے؟

(۱) رد المحتار، كتاب الزكٰوة، باب العشر: ۷۶/۲، ظفیر صدیقی
(۲) دیکھئے: رد المحتار، كتاب الجهاد، باب العشر والخراج والجزيه: ۳۵۹/۳، ظفیر صدیقی
(۳) رد المحتار، باب الركاز: ۶۱/۲، ظفیر

کل پیداوار میں زکوٰۃ ہے، یا لگان کاٹ کر:

(۲) ممالک متحدہ آگرہ واودھ میں کوئی اراضی ایسی نہیں ہے، جو پرتہ مال گزاری سرکار سے مستثنیٰ ہو، پس بحالت متذکرہ زمیندار، یا کاشتکار کو پیداوار اراضی سے غلہ بقدر قیمت رقم مال گزاری سرکار، یا لگان زمیندار خارج کر کے بقیہ غلہ پر زکوٰۃ دینی چاہیے، یا کل پیداوار پر بلامنہائی رقم مال گزاری وغیرہ؟

الجواب

(۱) زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ دسواں حصہ ہے، یہ عشر کہلاتا ہے؛ لیکن شرط یہ ہے کہ زمین عشری ہو، خراجی نہ ہو، مزارعت کی صورت میں یعنی بٹائی کی صورت میں عشر دونوں پر ہے؛ یعنی جس قدر غلہ مالک زمین کے حصہ میں آوے، اس کا عشر وہ دیوے اور جس قدر کاشتکار کے حصہ میں آوے، اس کا عشر وہ دیوے۔(۱)

(۲) زمین عشری ہو تو کل پیداوار کا دسواں حصہ دینا چاہئے، خرچ سرکاری وغیرہ منہا نہ کیا جاوے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۱۸۰-۱۸۱)

☆ ☆ ☆

(۱) وفی المزارعة إن کان البذر من رب الأرض فعلیه ولو من العامل فعلیهما بالحصة. (الدر المختار)
أن العشر علیٰ رب الأرض عنده وعلیهما عند هما إلخ وهو الظاهر لما فی البدائع من أن المزارعة جائزة عندهما والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما. (ردالمحتار، باب العشر: ۲/۷۵، ظفیر)

(۲) وتجب فی مسقی سماء وسیح بلاشرط نصاب وبقاء وحولان حول إلخ یجب العشر ویجب ونصفه فی مسقی غرب ودالیة لکثرة المؤنة، إلخ، بلارفع مؤن الزرع وبلا اخراج البذر، لتصریحهم بالعشر فی کل الخارج. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ۲/۶۶، ظفیر)

ہندوستان کی زمینوں کا حکم

ہندوستان کی زمین عشری ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان کی زمین عشری ہے، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جن صوبہ جات میں خاتمہ زمین داری قانون نافذ العمل ہو چکا ہے، وہاں کی زمینوں پر عشر وخراج واجب نہیں؛ کیوں کہ وہاں اصل ملکیت حکومت کی ہوتی ہے اور جن صوبوں میں یہ قانون نہیں، وہاں عام اصول کے مطابق عشر واخراج واجب ہوگا؛ تاہم بعض اکابر مفتیان کی رائے یہ ہے کہ ہر جگہ علی الاطلاق عشر وخراج کا حکم ہوگا۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ: ۳۵۸، فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۵۳-۳۵۴، ڈابھیل، امداد الفتاویٰ: ۲/۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱/۱۲/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۲۷-۲۲۸)

ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں، یا خراجی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں، یا خراجی؟ بہر صورت ان کے صدقہ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہندوستان کی زمینوں پر عام طور سے عشر واخراج کا حکم منطبق نہیں ہوتا؛ اس لیے اس کی آمدنی پر پیداوار کی زکوٰۃ کے احکام جاری نہ ہوں گے؛ البتہ دیگر اموال میں جن اصول وضوابط کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، ان ہی باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے پیداوار کو فروخت کرنے کے بعد اس کی آمدنی میں سال گزرنے پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا؛ تاہم اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے عشر کے حساب سے غلہ ادا کر دے تو یہ یقیناً خوشی کی بات ہوگی۔

قال الشیخ: اعلم أن أراضی بلاد الهند لیست بعشریة؛ لأنها أصبحت من دار الحرب، وهٰکذا تحقق عندی من کتب الفقه، وکذا صرح الشیخ رشید أحمد الکنکوهی: بأن أراضیها أراضی دار الحرب، أقول: وکذا صرح قبله الشیخ الشاه عبد العزیز الدهلوی فی فتاواه قال: وذکر الشیخ

"محمداً على التهانوى" فى رسالة له:بأن أراضى الهند ليست بعشرية ولا خراجية،وإنما هى الأراضى المملكة وأراضى الحوزة،وهى أراضى بيت المال.أقول:حكاه الشاه عبد العزيزفى فتاواه وكذا حكى رسالة أخرىٰ فى مثله للشيخ جلال الدين التها نيسرى.ثم وقفت علىٰ رسالة الشيخ جلا ل الدين التها نيسرى ذكرفيها:إن أراضى ولاية الهند ليست علىٰ سنن واحد،ثم ذكرمنها أنواعاً شتى إلىٰ أن قال:إن الأراضى إذا كانت على هٰذه الأنواع المختلفة التى سبق ذكرها لا يجوز الحكم بملكيتها أوبعدم ملكيتها ما لم يعلم أنها من أى الأنواع،فأذا علم علىٰ وجه اليقين علىٰ نوع معين من أنواع حكم علىٰ ذٰلک النوع المعين،وأما قبل العلم بذٰلک فلا يبادرإلى الفتوىٰ،إلخ.(وراجعها،ص: ١١ـ ٣١)(معارف السنن،باب ماجاء فى زكاة العسل، مبحث تحقيق أراضى الهند:٥/ ٢١٨ـ ٢١٩،مكتبه بنورية ديو بند)

هٰذا نوع ثالث لاعشرية ولا خراجية من الأرضى تسمى أراضى المملكة.(رد المحتار، الجهاد،باب العشر والخراج،مطلب:لاشىء علىٰ زراع الأراضى:٤/ ١٨٧،كراتشى،٦/ ٢٩٤،زكريا)

ماوجد فى دارالحرب،فإن أرضها ليست إرض خراج أوعشر.(رد المحتار،باب الزكاة:۲۵۷/۳،زکریا)

وسبب افتراضها ملک نصاب حولى فارغ عن حاجته الأصلية.(تنوير الأبصارعلى الدرالمختار:٣/ ١٧٤ـ ١٧٨،زكرياديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۲۲۸۔۲۲۹)

ہندوستان کی اراضی اصالۃً کس کس ملک ہیں؟ نیز کیا اراضی ہند پر عشر واجب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہندوستان کی زمین پر کیا عشر واجب ہے؟ جیسا کہ حضرت تھانوی، حضرت گنگوہی، حضرت مفتی محمد شفیع، مولانا عبدالشکور وغیرہ ہم نے تحریر فرمایا ہے، یا واجب نہیں، جیسا کہ صاحب مالا بدمنہ اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے رائے ہے؟

نیز کیا ہندوستان میں جو زمین مسلمانوں کے پاس ہیں، وہ ان کی ملک ہیں، یا حکومت کی ملکیت ہیں؟ حکومت نے مسلمانوں، یا دیگر لوگوں کو محض کاشت کاری کے لیے دے رکھی ہے؟ جواب جلد از جلد تحریر فرمادیں تو بہتر ہوگا؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ———— وبالله التوفيق

ہندوستانی زمین جو زمین داری قانون کے تحت آ کر اصالۃً حکومت کے قبضہ میں آ گئی ہیں، ان پر عشر واجب نہیں ہے۔فتاویٰ محمودیہ ۳۳۵/۱۴ پر یہی صراحت ہے۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۳۵/۱۴،میرٹھ)

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۸/۸/۱۴۱۷ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۲۲۹۔۲۳۰)

ہندوستانی زمینوں میں عشر نہیں، پیداوار پر زکوٰۃ ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید کے پاس چار بیگھہ کھیت ہے، اس میں ہر سال ساٹھ من غلہ پیدا ہوتا ہے؛ لیکن پانی اس میں مزدوری پر بٹایا جاتا ہے، اس میں عشر کتنا نکلے گا؟ اور یہ عشر نکالنا حکومت ہند (موجودہ) میں ہم ہندوستانیوں کے لیے واجب ہے، یا سنت، یا مستحب؟ اگر عشر نہ نکالا جائے تو کیا ہم ہندوستانیوں میں زمینیں رکھنے والوں کو گناہ ہوگا؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اکثر ہندوستانی زمین اس وقت نہ عشری ہے، نہ خراجی، لہٰذا ان کا عشر نکالنا واجب نہیں، البتہ جتنی آمدنی ہو تو نصاب تک پہنچنے اور اس پر سال گزرنے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ تاہم اگر کوئی شخص عشر دے دے تو موجب خیر وبرکت اور باعث ثواب ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴۵۵/۹، ڈابھیل)

عن علي رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: فإذا كانت لك مئتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (سنن أبي داؤد: ۲۲۱/۱)

وسبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وفارغ عن حاجته الأصلية. (تنوير الأبصار على الدر المختار: ۱۷۴/۳-۱۷۸، زكريا) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۲/۲۳ھ۔ (کتاب النوازل: ۲۳۰/۷-۲۳۱)

عشری زمینوں میں کل پیداوار کا عشر نکالا جائے گا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک کاشتکار نے اپنی زمین کے اندر کاشت کے لیے بیس ہزار روپیہ بیج کھاد وآب پاشی ودیگر مزدوری میں خرچ کیا اور اس خرچ اور اس کی محنت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین میں تیس ہزار روپیہ کا غلہ پیدا کیا، غلہ کی پیداوار کے بعد یہ شخص اس میں سے عشر عشرین، یا اربعین نکالنا چاہتا ہے تو آیا یہ تیس ہزار کا عشر عشرین، یا اربعین نکالے گا یا خرچ کردہ رقم مبلغ بیس ہزار روپیہ منہا کر کے باقی دس ہزار روپیہ میں عشر عشرین، یا اربعین نکالے گا؟ مفصل تحریر فرمائیں؛ تاکہ ادائیگی کے سلسلہ میں خلجان رفع ہو سکے۔

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

مفتی بہ قول کے مطابق ہندوستان کی زمین عشری، یا خراجی نہیں ہیں، بریں بنا ان کی پیداوار میں عشر، یا خراج نکالنا فرض نہیں ہے، البتہ نصاب پورا ہونے اور پیداوار کی فروختگی کے بعد اس کی قیمت پر بعد حولان حول چالیسواں حصہ نکالا جائے گا۔

وفي الشامي: بحثاً في باب لركاز: ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب؛ فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (رد المحتار: ۲۷۰/۲، كراتشي، ۲۵۷/۳، زكريا، فتاویٰ محمودیہ: ۴۵/۳-۴۶، امداد الفتاویٰ: ۷۱/۲)

تاہم اگر دنیا کے کسی حصہ میں عشری زمینیں پائی جائیں تو اس کی کل پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، زراعت وغیرہ کا خرچ منہا نہیں کریں گے۔

عن ابن عمر وابن عباس رضی اللّٰہ عنهما فی الرجل ینفق علٰی ثمرته فقال أحدهما: یزکیها وقال الآخر: یرفع النفقة ویزکی ما بقی. (المصنف لابن أبی شیبة: ٤٥٦/٦، رقم: ١٠١٩٢، المجلس العلمی)

وکل شیء أخرجته الأرض مما فیه العشر لا یحتسب فیه أجرة العمال ونفقة البقر، وفی الینابیع: ولایحتسب لصاحب الأرض ما أنفق علی الغلة من سقی، أوعمارة أوأجرة حافظ؛ بل یجب العشرفی جمیع الخارج. (الفتاویٰ التاتارخانیة: ٢٧٧/٣، زکریا، المحیط البرهانی: ٢٩٠/٣، ومثله فی البدائع الصنائع: ١٨٥/٢)

بلا رفع مؤن أی کلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصریحهم بالعشرفی کل الخارج. (الدرالمختار: ٢٦٩/٣-٢٧٠)

وکل شیء أخرجته الأرض مما فیه العشر لایحتسب فیه أجرالعمال ونفقة البقر. (الهدایة، زکاة الزروع والثمار: ٢٠٢/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۱/۶/۲۵ھ۔ (کتاب النوازل: ۲۳۱/۷-۲۳۲)

ہندوستان کی زمین میں عشر نہ ہونے کی مفصل بحث اور علماء دیو بند کا عمل:

مفتی صاحب السلام علیکم

سوال: میں دوروز سے بے حد کوفت میں ہوں، اللہ تعالیٰ سہل کر دے، میں آج تک غافل رہا اور میرے ذہن میں تھا کہ عشر غلہ ہیچوز کوٰۃ واجب الادا ہے، غلہ آنے پر معمولاً للہ کچھ دیا جاتا تھا، باحتیاط دسواں حصہ وصول کا نہیں دیا گیا سالہائے گزشتہ کا کیا کروں، کچھ حساب کتاب نہیں، کیا معاف کیا جاسکتا ہے، مدرسہ میں غلہ بھیجنا دشوار ہے، قیمت بھیج سکتا ہوں، نصف عشر کے کیا معنی ہیں؟ میں عشر دوں، یا نصف؟ املاک کا عموماً غلہ مقرر ہے، وصول ہوتا ہے اور بڑی مقدار رہ جاتی ہے، جو نالشیں کر کے نقدی میں وصول ہوتا ہے، اس نقدی کا رقم کے ساتھ زکوٰۃ نقد میں ادا ہوتا ہے، غالباً اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہوگا؟

الجواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ پہنچا، پہلے ایک زمانہ تک یہی علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے اور حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بعض تحریرات کے منافق یہ فیصلہ کیا اور بہت جگہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کو عموماً عشری ہی سمجھنا چاہیے اور عشر دینا چاہیے؛ کیوں کہ اراضی عشریہ میں عشر، یا نصف عشر کا نکالنا بحکم آیۃ: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ

حَصَادِهٖ﴾ (۱) مثل زکوٰۃ کے فرض ہے، پھر کچھ زمانہ کے بعد مالا بدمنہ (۲) میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اور تصریح نظر پڑی کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشر نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں عشری زمینیں نہیں ہیں، اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا؛ کیوں کہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ''متوفی ۱۱۷۶ھ'' کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ حضرات کے ہم عصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں، باہم کوئی خلاف نہیں ہے، ضروری ہے یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں، پھر اس کی ساتھ عموماً یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرکوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا، تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے، جس کی وجہ سے عملا یہ متروک ہوگیا ہے، چند سال ہوتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ صاحب، یا اور کسی صاحب نے یہ فرمایا کہ شامی، باب الرکاز میں یہ روایت ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر واجب نہیں ہے، وہاں کی اراضی نہ عشری ہیں، نہ خراجی۔ اس روایت کو دیکھا اور اس کو دیکھ کر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تحریر کی وجہ معلوم ہوئی کہ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرات ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے؛ کیوں کہ ہندوستان کو وہ حضرات دارالحرب سمجھتے تھے، شامی باب الرکاز کی عبارت یہ ہے:

''واحترزبه عن داره وأرضه وأرض الحرب، إلخ، فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر، إلخ''. (۳)

اور عبارت مالا بدمنہ کی یہ ہے:

''وتفصیل نصاب اجناس سوائم وقدر واجب آں طول دارد ودریں دیار ایں اموال بقدر وجوب زکوٰۃ نمی باشد لہذا مسائل زکوٰۃ آں مذکور نہ کردہ شد وہمچنیں احکام عشر زمین عشریہ کہ دریں دیار نیست ومسائل عاشر کہ بہ طرق وشوارع باشد کہ مذکور نکردہ شد''۔ (۴)

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وجوب عشر کا حکم فرماتے تھے اور تحریراً وتقریراً اس کو ظاہر فرمایا ہے، غالباً جناب کو بھی یاد ہوگا، یا معمول حضرت کا معلوم ہوگا اور اس میں شک نہیں نصوص آیات واحادیث کا مقتضی بھی یہی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ امام صاحب جمیع ما اخرجت الارض میں وجوب عشر کا حکم فرماتے ہیں

(۱)　سورۂ انعام، رکوع: ۱۴

(۲)　وہمچنیں احکام عشر زمین عشری کہ دریں دیار نیست، الخ، مذکور نکردہ شد۔ (مالا بدمنہ، کتاب الزکوٰۃ، ص: ۹۴، ظفیر)

(۳)　رد المحتار، باب الركاز: ۶۱/۲، ظفير

(۴)　دیکھئے ''مالا بدمنہ'' از قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ ۹۴ و ۹۵، در کتاب الزکوٰۃ ظفیر

اور جیسا کہ زکوٰۃ دارالحرب میں ساقط نہیں ہوتی؛ بلکہ صاحب مال بطور خود ادا کرتا ہے، اسی طرح عشر بھی ہر جگہ واجب ہونا چاہیے۔ ہاں چوں کہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور جب کہ یہ کہا جاوے کہ دارالحرب کی اراضی عشریہ نہیں ہیں تو پھر وجوب عشر کی بھی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قول وفعل احتیاط پر مبنی کہا جاوے، چنانچہ ہمارے مرشد حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور اس بنا پر حضرت والد ماجد صاحب جو کچھ محاصل غلہ میں سے بقدر حصہ بندہ کو دیا کرتے تھے کہ وہ دس بیس دھڑی تقریباً ہوتا تھا تو بندہ گھر کہہ دیتا تھا کہ دس دھڑی میں سے ایک دھڑی اللہ واسطے دے دو۔ (۲) قیمت عشر دینا جائز ہے۔(۱) (۳) نصف عشر بیسواں حصہ ہے اور یہ فرق پانی کی قیمت وغیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے؛ یعنی اراضی عشریہ میں اصل عشر؛ یعنی دسواں حصہ پیداوار کا دینا واجب ہے؛ لیکن اگر زمین کو پانی دینے میں مزدوری زیادہ صرف ہوئی اور مشقت ہوئی اور خرچ بڑھ گیا تو بجائے عشر کے نصف عشر دینا واجب رہ جاتا ہے، جیسا کہ درمختار وغیرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

”ویجب فی مسقی سماء أی مطر وسیح، إلخ، ویجب نصفه فی مسقی غرب أی دلو کبیر ودالیة أن دولاب لکثرة المؤنة وفی کتب الشافعیة أوسقاه بماء اشتراه و قواعدنا لاتاباه.(۲)

اور علامہ شامی نے کہا کہ وجہ یہی ہے کہ جب خرچ زیادہ ہوگا بجائے عشر کے نصف عشر؛ یعنی بیسواں حصہ واجب رہ جائے گا فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۱۷۶-۱۷۷)

ہندوستان کی زمین عشر واجب ہے، یا نہیں:

سوال: فقہا نے جو یہ فرمایا ہے کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے، یہ ان کا فرمانا حکومت مسلمانوں کے لیے مخصوص ہے کہ جس زمین کا خراج لیا جائے، اس کا عشر نہیں لیا جاسکتا، یا کہ حکومت غیر اسلام کے لیے بھی یہی حکم ہوگا۔ شامی، جلد ثانی میں تصریح ہے کہ کفار حربی جب ہمارے ملک پر غالب آجائیں تو ان کا بھی وہی حکم ہوگا، جو بغاوۃ کا ہے؛ یعنی اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ جس طرح باغیوں کے لینے سے مالک سے ساقط ہوجاتی ہے، ایسا ہی متغلب حربی کے لینے سے بھی ساقط ہوجاتی ہے۔ علامہ کی یہ رائے قابل قبول ہے، یا نہیں؟ غرض کہ ہندوستان کی زمین میں عشر واجب ہے، یا خراج؟

الجواب

علامہ شامی نے باب الرکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ دارالحرب کی اراضی نہ خراجیہ ہیں اور نہ عشریہ؛ یعنی نہ وہاں خراج واجب ہے اور نہ عشر، کفار نے جو کچھ خراج لیا، گویا وہ خراج شرعی نہیں ہے اور نہ واجب ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

(۱) حتیٰ یجوز أداء قیمته. (رد المحتار، باب العشر: ۷۳/۲، ظفیر

(۲) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العشر: ۶۸/۲-۶۹، ظفیر

ہندوستان میں جب کہ اس کو دارالحرب کہا جائے، جیسا کہ محققین کی رائے ہے، عشر واجب نہیں ہے، احتیاطاً اگر کوئی دے دے تو یہ امر آخر ہے اور اس کی تائید حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تصریح سے بھی ہوتی ہے، جو کہ انہوں نے مالا بدمنہ میں فرمائی کہ ہم نے مسائل عشر اس لیے نہ لکھے کہ ان بلاد میں عشر واجب نہیں ہے۔ پس اگر ہندوستان کی زمینوں کو عشری اور خراجی کہا جاتا تو پھر یہ حکم یہاں بھی جاری ہوتا کہ عشر اور خراج جمع نہیں ہوتے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مولانا عبدالحی مرحوم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تصریح کی ہے کہ ہندوستان میں جس زمین کا خراج جمع نہیں ہوتے اور علامہ شامی کی یہ تحقیق "**ویظهر لی أن أهل الحرب لو غلبوا علٰی بلدة من بلادنا كذلك، إلخ**" (۱) صحیح معلوم ہوتی ہے، عبارت باب الرکاز یہ ہے:

"**واحترز به عن داره وارضه وأرض الحرب ثم رأيت عين ما قلته فی شرح الشيخ إسمٰعيل حيث قال ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد فی دارالحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر، إلخ**". (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۷۷-۱۷۸)

ہندوستان کی زمین کا عشری:

سوال: ہندوستان کی زمین عشری ہے، یا نہیں؟ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے مالا بدمنہ میں لکھا ہے کہ زمین عشری دریں دیار نیست۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ محقق نہیں کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے مالا بدمنہ میں یہ الفاظ زمین عشر کہ دریں دیار نیست، الخ، کس بنا پر تحریر فرمائے ہیں۔ (۳) باقی ظاہر نصوص اور روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کی مملوکہ زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے۔ شاید قاضی صاحب نے اس بنا پر نفی عشر کی فرمائی ہو کہ سرکار نے محصول مقرر فرما دیا ہے، لہذا وہ اراضی خراجی ہوگئی اور خراجی زمین میں عشر نہیں ہے؛ لیکن اول تو کل اراضی ایسی نہیں ہے کہ ان پر محصول مقرر ہو، معافیات بھی ہیں۔ شاید قاضی صاحب کے قرب وجوار میں معافیات نہ ہوں۔ ثانیاً اگر زمین عشری سے خراج لے لیا جاوے تو عشر اس سے

(۱) رد المحتار، باب الركاز: ۲/۶۱، ظفیر

(۲) رد المحتار: ۲/۴۵

(۳) بعد میں مفتی علام کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ وہ اس لیے یہاں عشر کو واجب نہیں فرماتے تھے کہ یہ ملک دارالحرب کے حکم میں تھا، اس کی تفصیل مفتی علام کے اپنے قلم سے گزر چکی۔ ظفیر

"وتفصیل نصاب اجناس سوائم وقدر واجب آں طول دارد ودریں دیار ایں اموال بقدر وجوب زکوٰۃ نمی باشد لہذا مسائل زکوٰۃ آں مذکور نہ کردہ شد وہمچنیں احکام عشر زمین عشریہ کہ دریں دیار نیست ومسائل عاشر کہ بہ طرق وشوارع باشد کہ مذکور نکردہ شد"۔ (مالا بدمنہ، از قاضی ثناء اللہ پانی پتی۔ ص: ۹۴، ۹۵، در کتاب الزکوٰۃ، انیس)

ساقط نہیں ہوتا۔ بہر حال احتیاط اسی میں ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میں موافق تشریح مولانا اشرف علی صاحب در پرچہ القاسم عشر واجب کہا جاوے۔

عشر پیداوار پر ہوتا ہے، جس وقت زمین عشری ہیں، کچھ غلہ وغیرہ پیدا ہوا ہو اور حاصل ہو اسی وقت عشر لازم ہے، حولان حول شرط نہیں ہے پانی کا محصول نصف عشر (یعنی بیسواں حصہ) نہ ہوگا، عشر (دسواں حصہ) ہی واجب ہے، جیسا کہ عموماً روایات فقیہہ اس پر دال ہیں:

وتجب في مسقى سماء أي مطر وسيح أي كنهر ،إلخ. (الدر المختار)(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۶/۶-۱۸۷)

یہاں کی زمین میں عشر ہے، یا نہیں:

سوال: ہماری زمین میں عشر ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو انگریز لوگ جو چار آنہ فی کنال ہم سے لیتے ہیں، اس کو خراج کہا جائے گا، یا چٹی؟ اگر چٹی کہا جائے گا تو کس رو سے؟ اور ثانیاً یہ کہ عشر کے لیے شرط ہے زمین کا عشری ہونا کہ کسی بادشاہ اسلام نے اگر عشری رکھا ہو تو وہ عشری ہوگی تو ہند اور پنجاب کی زمین پر کسی تواریخ سے معلوم نہیں ہوتا کہ فلاں بادشاہ نے یہاں عشر رکھا ہے، خصوصاً جہانگیر واکبر بادشاہ، یا گزشتہ جو گزر چکے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ دار الحرب ہے، یا دار الاسلام؟ اگر دار الحرب ہے تو کیا دار الحرب میں عشر واجب ہے، یا نہیں؟ اور اگر دار الاسلام ہے تو کن شرائط سے دار الاسلام ہے؟ الغرض یہاں کے بعض علماء اس بات کے قائل ہیں کہ یہاں ہرگز عشر نہیں ہے، بعض عشر کے قائل ہیں، آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب ـــ

درمختار میں ہے: **ما أسلم أهله طوعاً أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا ،إلخ، عشرية؛ لأنه أليق بالمسلم.**

وفي ردالمحتار: ولو قال بينن الشمل ما إذا قسم بين المسلمين غير الغانمين فإنه عشري؛ ل أن الخراج لايوظف على المسلم ابتداء، قهستاني، درمنتقى.

وفيه أي الدر المختار: ولو ترك أي السلطان العشر لايجوز اجماعا ويخرجه بنفه للفقراء. (۲)

شامی میں ہے:

وذكره في الزكاة؛ لأنه منها، قال في الفتح: قيل: أن تسميته زكاة علىٰ قولهما لاشتراطهما النصاب والبقاء بخلاف قوله وليس بشئ إذ لا شك أنه زكاة حتىٰ يصرف مصارفها واختلافهم في اثبات بعض شروط لبعض أنواع الزكاة نفيها لايخرجه عن كونه زكاة، إلخ. (۳)

---

(۱) قال في رد المحتار: قد صرحوا بأن فرضية العشر ثابت بالكتاب والسنة والاجماع و المعقول وبأنه زكوٰة الثمار والزروع ... لعموم قوله تعالىٰ انفقوا من طيبات ما كسبتم و مما أخرجنا لكن من الأرض وقوله تعالىٰ وآتوا حقه يوم حصاده، وقوله صلى الله عليه وسلم ما سقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب أو دالية ففيه نصف العشر. (كتاب الزكاة: ۳۵۳/۳، ظفير)

(۲) ردالمحتار، باب العشر والخراج والجزية: ۳۶۶/۳، ظفير

(۳) رد المحتار، باب العشر: ۶۵/۲، ظفير

ان عبارات سے چند امور معلوم ہوئے: ایک یہ کہ مسلمان کی اراضی کا اصل وظیفہ عشر ہے۔ دوم یہ کہ اگر بادشاہ عشر نہ لیوے تو عشر ساقط نہیں ہوتا؛ بلکہ خود مالک زمین کو عشر نکالنا چاہیے اور فقرا کو دینا چاہیے۔ سوم یہ کہ عشر بھی زکوٰۃ ہے، پس جب کہ اصل وظیفہ مسلم کا عشر ہے تو جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں تو یا اصل میں عشری تھی کہ سلاطین اہل اسلام نے ان کو فتح کرکے مسلمانوں کو دے دی تھی، یا ان کا حال سابق کچھ معلوم نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں اس میں عشر لازم ہے، اگر درحقیقت کسی زمین میں عشر مقرر ہونا چاہیے، بادشاہ اسلام نے، یا غیر نے عشر مقرر نہ کیا، اس سے عشر ساقط نہیں ہوتا اور وہ زمین عشری ہونے سا خارج نہیں ہوتی اور جب کہ عشر بمنزلہ زکوٰۃ ہے، جیسا کہ زکوٰۃ اموال ہر جگہ واجب ہے، بلاد اسلام ہوں، یا غیر، اسی طرح عشر بھی ہر جگہ لازم ہوگا اور واضح ہو کہ زمین عشری سے اگر خراج لے لیا جاوے، تب بھی عنداللہ عشر ساقط نہیں ہوتا، لہذا صاحب زمین کو عشر نکال کر فقرا کو دینا چاہیے۔ الحاصل احوط یہی ہے کہ مسلمان اپنی اراضی کی پیداوار زمین سے عشر ادا کریں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند: ۶/۱۸۷-۱۸۹)

ہندوستان کی زمین کے متعلق استفسار:

سوال: آپ نے استفتا (مندرجہ بالا) میں تحریر فرمایا ہے کہ روایت فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں اور باغوں میں عشر نہیں ہے، اس میں شبہ یہ ہے کہ الامداد وشعبان میں لکھا ہے کہ پیداوار میں جس سے آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو عشر واجب ہوتا ہے، خواہ غلہ ہو خواہ پھل۔ پس کھیت اور باغ دونوں میں واجب ہے۔ اسی قسم کا جواب حضرت مولانا رشید احمد قدس سرہٗ کا منقول ہے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اس بارے میں پہلے بے شک احقر نے بھی یہی لکھا ہے، جو آپ نے نقل فرمایا اور الامداد وغیرہ میں بھی یہ مضمون موجود ہے، اب چند مدت ہوتی ہے کہ شامی، جلد ثانی، باب الرکاز میں یہ عبارت نظر پڑی، جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی دارالحرب نہ عشری ہے نہ خراجی۔ یہ مسئلہ فقہا کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم معلوم ہوتا ہے، اس عبارت کے دیکھنے کے بعد اس کی اصل معلوم ہوئی جو حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہٗ نے مالا بدمنہ میں تحریر فرمایا ہے کہ مسائل عشر اس کتاب میں اس وجہ سے نہیں لکھے گئے کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں، یا یہاں کی زمینوں

(۱) احقر جمیل الرحمٰن مرتب غفرلہ عرض کرتا ہے کہ اراضی مملوکہ زمینداران پر حکومت کے قبضہ کی شکل میں بھی عبارت فقہیہ سے وجوب عشر معلوم ہوتا ہے۔

في الشامي: قد صرحوا... وبأن الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج. (كتاب العشر: ۳/۳۰۲)

یعنی وجوب عشر میں پیداوار کی ملک کا اعتبار ہے نہ کہ زمین کی ملکیت کا علیٰ ہذا، کاشت کار پر عشر فرض ہے، زمیندار پر نہیں ہے۔

"والعشر على الموجر كخراج موظف، وقالا: على المستاجر، وفي الحاوي: بقولهما نأخذ. (ردالمحتار، كتاب العشر: ۲/ ۷۵)

پر عشر نہیں ہے، اوکما قال۔ الغرض تشریح شامی کے بعد اور تحقیق قاضی صاحب مرحوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب احقر یہ کہنے لگا کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں ہیں، بااین ہمہ احتیاط عشر نکالنے میں ہے۔ وہ عبارت یہ ہے:

تنبيه: قال في فتح القدير قيد بالخراجية والعشرية ليخرج الدار فإنه لاشيء فيها؛ لكن ورد عليه الأرض التي لا وظيفة فيها كالمفازة إذ يقتضى أنه لا شئى فى المأخوذ منها وليس كذلك فالصواب أن لا يجعل ذلك لقصد الاحتراز بل للتنصيص علىٰ أن وظيفتهما المستمرة لا تمنع الأخذ مما يوجد فيهما... وأقول يمكن الجواب بأن المراد بالعشرية والخراجية ما تكون وظيفتها العشر أو الخراج سواء كانت بيد أحد أولا، فتشمل المفازة وغيرها بدليل ما قدمناه عن الخانية من أن أرض الجبل عشرية فيكون المراد الاحتراز بها عن دار الحرب ويدل عليه أنه في متن درر البحار عبر بمعدن غير الحرب فعلم أن المراد معدن أرضنا ولهٰذا قال القهستاني بعد قوله في أرض خراج أو عش الأخصر في أرضنا سواء كانت جبلاً أو سهلاً مواتاً أو ملكاً واحترز به عن داره وأرضه وأرض الحرب آه. ثم رأيت عين ما قلته في شرح الشيخ إسمٰعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازاً معاً وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض حرب نہ عشری ہے نہ خراجی؛ اس لیے اب بوجہ تصریح فقہاء ہندوستان کی اراضی سے عشر کی نفی لکھنی پڑتی ہے اور اس کے خلاف اب تک کہیں دیکھا نہیں کہ اراضی حرب میں وجوب عشر کی تصریح ہو، لہٰذا پہلے جو فتوی حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا، اب اس کو چھوڑنا پڑا۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۶۲/۶، ۱۶۳)

☆ ☆ ☆

(۱) رد المحتار، باب الركاز: ۶۱/۲، ظفير

صدقۂ فطر کے احکام ومسائل

فطرہ اہل نصاب پر واجب ہے:

سوال: صدقۂ فطر ہر روزہ دار کو دینا واجب ہے، یا صرف اہل زکوٰۃ کو؟

الجواب

صرف اہل نصاب کو صدقہ فطر دینا واجب ہے؛ مگر زکوٰۃ کے نصاب میں اور صدقۂ فطر کے نصاب میں فرق ہے؛ یعنی صدقۂ فطر میں مال نامی ہونا شرط نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۱۳-۳۱۴)

سال بھر کی خوراک یا دو بیگھہ زمین ہو تو فطرہ واجب ہے، یا نہیں:

سوال (۱) عید الفطر کے دن ہمارے پاس سال بھر کی خوراک جس کی قیمت سو روپے ہے، موجود ہے، یا دو بیگھہ زمین ہمارے پاس ہے، جس کی قیمت سو روپے ہے تو اس صورت میں صدقۂ فطر واجب ہے، یا نہیں؟

دودھ کے لیے جو گائے ہے، وہ حوائج اصلیہ میں داخل ہے، یا نہیں:

(۲) دودھ پینے کے لیے جو گائے رکھی جاتی ہے، وہ حوائج اصلیہ سے زائد ہے، یا نہیں؟

صدقۂ فطر میں حوائج اصلیہ کی مراد کیا ہے:

(۳) صدقۂ فطر میں جو فاضلاً عن حوائج الاصلیہ کی قید ہے، اس سے وہی حوائج اصلیہ مراد ہیں، جو وجوب زکوٰۃ میں ہیں، یا اور کچھ؟

بالغ کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں:

(۴) بالغ لڑکا جو ساتھ کھاتا ہے، اس کی جانب سے صدقۂ فطر دینا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) یہ غلہ حوائج اصلیہ میں سے ہے، اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور دو بیگھہ زمین جس کی قیمت

(۱) تجب موسعًا في العمر عند أصحابنا وهو الصحيح،إلخ،وقيل:مضيقًا في يوم الفطر عينا فبعده يكون قضاءً علٰى كل مسلم،إلخ،ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية،الخ،وإن لم ينم.(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار،باب صدقة الفطر:۲/۹۹،ظفير)

سو روپے ہے، اس کی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہے۔(۱)

(۲) وہ حوائج اصلیہ میں سے ہے۔

(۳) وہی حواج اصلیہ مراد ہیں۔

(۴) بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر دینا واجب نہیں ہے۔(۲) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۱۴-۳۱۵)

جو اتنا کھیت رکھتا ہو کہ سال بھر کھا نہیں سکتا، اس پر فطرہ ہے، یا نہیں:

سوال: شخصی مالک نصاب ذہب وفضہ نیست ولیکن نزد او یک گنڈ یا دو گنڈ از مین است کہ قیمتش پنجاہ و دو روپیہ میشود و آنچہ ازاں از قسم غلہ وغیرہ می آید خورا کی نیم سال و اکثر سال میشود آیا برآں کس صدقۂ فطر دادن واجب باشد وخوردن آں حرام؟

الجواب

موافق روایت صحیحہ مفتی بہا صدقۃ الفطر برآں کس واجب نیست واو خود محل ومصرف زکوٰۃ وصدقات است۔

كذافي الشامي: وفيها سئل محمد رحمه الله عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة الاف ولا تكفى لنفقته ونقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة. (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۱۷-۳۱۸)

زمیندار پر فطرہ واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ہر قسم کے زمیندار خواہ اس کے پاس ملک کی زمین تھوڑی ہو، یا زیادہ صدقۃ الفطر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ نہیں کہ زمین تھوڑی ہو، یا زیادہ، اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوجاوے؛ بلکہ یہ ضرور ہے کہ حاجات اصلیہ سے زیادہ، اس قدر زمین ہو کہ قیمت اس کی دو سو درہم یعنی ۵۲، ۱/۲ تولہ ہو جو قریب (۵۴) روپے کے ہوتے ہیں۔ درمختار در نصاب: **"فاضل من حاجته الأصلية، الخ".** (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۲۲-۳۲۳)

---

(۱) **تجب (صدقة الفطر) علىٰ كل حر مسلم، إلخ، ذى نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كد ينه وحوائج عياله وإن لم ينم، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۹۸، ظفير)**

اس جواب پر اشکال کا حل: ۲/۳۱۸، پر سوال ۵۷۸ کے جواب میں آرہا ہے۔

(۲) **لا عن زوجته وولده الكبير العاقل ولو أدى عنهما بلا إذن أجزأ استحساناً. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۰۲، ظفير)**

(۳) **رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۸۸، ظفير**

(۴) اب ۵۲، ۱/۲ تولے چاندی کی قیمت چار روپئے کے حساب سے ۲۱۰ ہوگی۔ ظفیر

مالک زمین پر صدقۂ فطر واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص زمیندار جس کے پاس اس قدر زمین ہے کہ وہ اس میں سے کچھ بیچ کر اپنا قرضہ ادا کرسکتا ہے اور پھر بھی کسی قدر زمین جس سے بہ مشکل گزارہ ہوسکے، بچ سکتی ہے، آدمی عیالدار ہے، کیا اس پر فطرہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس پر وجوب فطرہ واضحیہ میں اختلاف ہے، احتیاط یہی ہے کہ فطرہ ادا کرے اور قربانی کرے اور اگر نہ کرے تو گنہ گار نہ ہوگا؛ کیوں کہ مفتی بہ قول کے موافق اس پر فطرہ وقربانی واجب نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۷/۶)

جس کے پاس دوسو درہم کی زمین ہو، اس پر فطرہ واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس زمین خراجی جس کو وہ خود کاشت کرتا ہے، قیمت اس کی دوسو درہم سے زائد ہے؛ مگر اس کی پیداوار ایک ماہ کی خوراک سے زائد نہیں، اس پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے، یا نہیں؟ یہ زمین حاجت اصلیہ کے اندر داخل ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس پر صدقۂ فطر وقربانی واجب نہیں ہے امام محمدؒ کے قول کے موافق اور شامی نے کہا کہ فتوی اسی پر ہے اور ایسی زمین جس میں زراعت کرتا ہے اور اس کی آمدنی اس کو اور اس کے عیال کو کافی نہیں ہے، حاجت اصلیہ میں داخل ہے۔

وفیها: ''سئل محمد رحمة اللّٰه علیه عمن له أرض یزرعها أو حانوت یستغلها أو دار غلتها ثلٰثة آلاف ولا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له أخذ الزکاة وإن کانت قیمتها تبلغ الوفا وعلیه الفتوی وعند هما لایحل''. (ردالمحتار) (۲) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۷/۶-۳۰۸)

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے:

سوال: زید کہتا ہے صدقۂ فطر ہر مسلمان عاقل بالغ اور اس کی اولا دصغار پر اس کے ذمہ واجب ہے۔ عمر کہتا ہے کہ صدقۂ فطر ان لوگوں کے ذمہ ہے، جو روزہ رکھتے ہیں اور عاقل بالغ ہیں؟

---

(۱) سئل محمد عمن له أرض یزرعها أو حانوت یستغلها أو دار غلتها ثلا ثه آلاف لا تکفی لنفقته ونفقة عیاله سنة یحل له آخذ الزکاة وإن کانت قیمتها تبلغ الوفا وعلیه الفتویٰ وعند هما لایحل، آه. (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۸۸/۲)

علٰی کل حر مسلم إلخ. ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلیة کدینه وحوائج عیاله وإن لم ینم وبه أی بهٰذا النصاب تحرم الصدقة تجب الأضحیة. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۹۹/۲، ظفیر)

(۲) ردالمحتار، کتاب الزلکاة، باب المصر: ۸۸/۲، ظفیر

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

زید کا قول صحیح ہے اور عمر غلط کہتا ہے۔ یہ مسئلہ وہی ہے جو کہ زید کہتا ہے۔ صدقۂ فطر ہر ایک مسلمان عاقل بالغ پر اپنی طرف سے اور اولاد صغار کی طرف سے واجب ہے۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/۳۱۲-۳۱۳)

ایک سوال پر شبہ اور اس کا حل:

سوال: شامی، جلد ثانی، ص: ۱۷ "تحت قول الدر المختار (فارغ عن حاجته): **وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أوحانوت يستغلها أو دار غلتها ثلا ثة الاف و لا تكفى لنفقته ونفقة عياله سنة يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ الوفاوعليه الفتوٰى وعندهما: لا يحل.** (۲)

اگر علیہ الفتویٰ صحیح ہے تو آپ نے پہلے لکھا تھا کہ جس کی دو بیگھہ زمین ہے، جس کی قیمت سو روپیہ ہے، اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے۔ اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

شیخین کے مذہب کے موافق صدقۂ فطر کا وجوب احتیاطا پہلے لکھا گیا تھا، وہ بھی صحیح ہے اور اگر امام محمدؒ کے قول مفتی بہ کو لیا جاوے تو یہ بھی درست ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/۳۱۸)

ایک اشکال کا جواب:

سوال: بعد سلام سنت الاسلام عرض پرداز ے کہ اجوبۂ مسئلہ ہائے مسئولہ بروقت رسید واز بس سرفرازی وامتنان بخشید؛ مگر در بارۂ زکوٰۃ فضہ ہنوز خدشہ باقیست وجہش اینست کہ حضرت مولانا عبد الحی لکھنوی مرحوم، در عمدۃ الرعایہ نوشتہ اند مقدار ان (یعنی مائتا درہم) سی وشش تولہ وپنج ونیم ماشہ است وبحساب مبالغ روپیہ ہائے چہر دار سکہ انگریزی تخمینا واحتیاطاً سی ونہ روپیہ ۱/۱۲ از یں عبارت دو خدشہ پیدا شدہ است، یکے اینکہ جناب ایشاں ۵۲، ۱/۲ تولہ می فرمایند ومولانا مرحوم سی وشش تولہ وپنج ونیم ماشہ فرمودہ اند دفع معارضہ آں از یں حقیر متصور نیست، دیگر ایں کہ مولانا مرحوم فرمودہ اند سی وشش تولہ ۵، ۱/۲ ماشہ نمی دانم کہ از اں قدر چہ فضہ چہ گونہ سی ونہ روپیہ می شود حالانکہ ہر روپیہ انگریزی وزن یک تولہ دارد، در ولم می گذرد کہ شاید شئی مغشوش را از سکہ انگریزی وضع کردہ اند۔ واللہ اعلم بالصواب

وہم در حاشیہ الدر المختار مطبوعہ نولکشوری محشی چنیں نوشتہ اند:

"فيكون الدرهم سبعة عشر طولجة ونصف طولجة أى رتى لأنها أربع شعيرة وثمان رتى

---

(۱) **يخرج ذلک عن نفسه لحديث ابن عمرقال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطرعلى الذكر والأنثى الحديث ويخرج عن أولاد ه الصغارإلخ. ومماليكه.** (الهداية، باب صدقة الفطر: ۱/۱۹۰، ظفير)

(۲) **رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۸۸، ظفير**

ماشة فيكون الدرهم ماشتين وواحد ونصف رتی فيكون من الذی هوما بها درهم أربعماة وسبعة وثلاثين ماشة ونصف ماشه ولانتهٰی عشرة ماشة قوله فيكون النصاب منهابحساب التوله ستة وثلٰثين توله وخمسة ماشه بحساب روبية الساهنده التی هی احدی عشرة روبيه،الخ.(۱)

درہم درحاشیہ راہ نجات دیدہ ام کہ ۵، ۲/۱ تولہ بحساب قدیم الزمان ست؛ یعنی بہ تولہ بنارسی۔

ایں شک راحل فرمایند؟

الجواب

وجہ فرق درتحریر مولانا عبدالحی صاحب وتحقیق صاحب راہ نجات وگیرہ ایں است کہ مولوی عبدالحی صاحب مثقال را چہار ونصف ماشہ غالباً تسلیم نہ کردہ اند وہرگاہ مثقال چہار ونصف ماشہ تسلیم کردہ نہ شود، کما ہومعروف مذکور فی اکثر الکتب، پس حسب اوزان سبعہ کہ شرعاً معتبر است وزن درہم سہ ماشہ وا، ۲/۱ رتی می شود ودوصد درہم مساوی ۵۲، ۲/۱ تولہ میشود، روپیہ مروجہ از یک تولہ سہ رتی کم می باشد۔فقط

رشید احمد بلندشہر، الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۱۸-۳۱۹)

غریبوں پر فطرہ واجب نہیں:

سوال: گاؤں کے غریب لوگوں پر عید کا فطرہ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

غریب لوگوں پر جو مالک نصاب نہیں ہیں، صدقۂ فطر واجب نہیں ہے، البتہ جن لوگوں کے پاس بقدر پچاس باون روپے کی قیمت کی زمین، یا مکار ہنے کے مکان سے جدا ہو (زمین میں بھی یہ قید ہے کہ وہ حاجب اصلیہ سے زائد ہو) یا زیور وغیرہ اس قدر ہے، ان کے ذمہ صدقۂ فطر واجب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۲۳-۳۲۴)

صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں کیا فرق ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صدقہ فطر اور زکوٰۃ میں بنیادی فرق کیا ہے؟ کن کن صورتوں میں یہ لازم وواجب ہوتا ہے؟

---

(۱) حاشیہ درمختار نولکشوری میں علی اربعین روپیہ کے بعد یہ عبارت اور ہے:

”ويكون المثقال ثلٰث ماشه وواحد رتی فيكون النصاب من الذهب الذی هوعشرون مثقالا ثلث وستين ماشه ونصف ماشه ومن التوله خمس توله وماشتين ونصف ماشه فيحكم علٰی خمسه وربع توله.والله أعلم (الدر المختار نولكشوری: ۱/۷۸،باب زكاة المال)

(۲) قال فی الدرالمختارفی باب صدقة الفطر:علٰی كل حرمسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلية كدينه وحائج عياله وإن لم ينم: ۲/۹۸،علٰی هامش ردالمحتار)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

صدقہ کا لفظ عام ہے، جسے واجبہ اور غیر واجبہ دونوں کے لیے بولا جاسکتا ہے۔فطرہ اس صدقہ کو کہتے ہیں، جو صاحب نصاب شخص پر عید الفطر میں واجب ہوتا ہے،اس کے وجوب کے لیے نصاب پر سال گزرنے کی شرط نہیں ہے اورزکوٰۃ اس صدقہ فرض کہتے ہیں، جو صاحب نصاب پر سال گزرنے کے بعد فرض ہوتا ہے،جس کا تناسب چالیسواں حصہ ہے،جس کی تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہے۔

الزكاة فى اللغة:النماء والزيادة وتطلق على المال المؤدى،وعلىٰ أدائه على الوجه المخصوص المعين فى الشرع.(لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح:٢٢٧/٤،دار النوادر)

وفى اصطلاح الفقهاء ما ذكره المصنف قوله:هى تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمى، وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام،وملك نصاب حولى فارغ عن الدين وحوائجة الأصلية. (كنز الدقائق على البحر الرائق وهوربع عشر انصاب.(طحطاوى على مراقى الفلاح،ص:٣٨٩)

وفى الشرع:تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمى ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه للّٰه تعالىٰ.(قواعد الفقة:٣١٤)

صدقة الفطر:هى ما تجب فى صبح يوم عيد الفطر من الصدقة.(قواعد الفقة:٣٤٨)

وشرط عندنا ملك النصاب الفاضل عن حاجته الأصلية من غير اشتراط النماء. (لمعات التنقيح فى شرح مشكاة المصابيح:٢٨١/٤،دارالنوادر)

عن ابن عمر رضى اللّٰه عنهما قال:فرض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر صاعاً من تمر أوصاعاً من شعير على العبد والحر والذكر والأنثىٰ والصغير والكبير من المسلمين،وأمر بها أن تودّى قبل خروج الناس إلىٰ الصلاة. (صحيح البخارى: ٢٠٤/١،رقم:١٥٠٣،صحيح مسلم: ٣١٨/١، رقم:٩٨٦،مشكاة المصابيح،رقم:١٨١٥)

تجب علىٰ حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول. (مراقى الفلاح مع الطحطاوى،باب صدقة الفطر:٥٩٥،مصرى)**فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

کتبہ:احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ،۱۴۱۹/۶/۱۱ھ۔الجواب صحیح:شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل:۷/۲۴۱-۲۴۲)

جس کے پاس دومنزلہ مکان ہو،اس پر فطرہ واجب ہے، یا نہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ایک شخص کے مکان کے دو حصے، یا دو منزل ہیں،ایک میں وہ رہتا ہے،دوسرا کرایہ پر ہے تو اس شخص پر فطرہ واجب ہوگا، یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صدقہ فطر کے وجوب کا مدار مکان کی ملکیت پر نہیں ہے؛ بلکہ نصاب کے بقدر عید کے دن ضرورت اصلیہ سے زائد مال کی ملکیت پر ہے۔ بریں بنا اگر مذکورہ شخص کے پاس عید کے دن روپیہ پیسہ، یا مال تجارت، یا ضرورت سے زائد مال ہو تو فطرہ واجب ہے، ورنہ نہیں۔

قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: لاصدقة إلا عن ظهر غنی. (ذکره البخاری تعلیقاً: ۳۸٤/۱، وقد وصله الإمام أحمد فی مسندة عن أبی هريرة: ۲۳۰/۲)

یجب علٰی کل مسلم ذی نصاب فاضلٍ عن حاجته الأصلية، کدینه وحوائج عیاله بطلوع فجر الفطر. (تنویر الأبصار مع الدرالمختار: ۳/ ۳۱۰-۳۲۲، زکریا)

باب صدقة الفطر: تجب علٰی حر مسلم مکلف مالک لنصاب أو قیمته، وإن لم یحل علیه الحول عند طلوع فجر یوم الفطر ولم یکن للتجارة فارغ عن الدین وحاجته الأصلية وحوائج عیاله. (نور الأیضاح علی مراقی الفلاح، باب صدقة الفطر: ۲٦۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

ولا تجب هٰذه الصدقة إلا علٰی حر مسلم غنی، والغنی أن یملک نصاباً أو ما قیمته قیمه النصاب فاضلاً عن مسکنة. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۳/ ٤٥۳، زکریا) **فقط وللّٰہ تعالیٰ أعلم**

املاء: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۱/۱۱/۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۲۵۰/۷)

تقسیم کے بعد اگر صاحب نصاب نہ ہو تو اس پر فطرہ واجب نہیں ہے:

سوال: چار بھائیوں کا مال مشترک ہے، اگر تقسیم کیا جائے تو کسی کا حصہ بقدر نصاب نہیں ہے، قربانی واجب ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ

اس صورت میں کہ کسی ایک بھائی کا حصہ قدر نصاب کو نہیں پہنچتا، کسی پر فطرہ اور قربانی واجب نہ ہوگی۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۶/ ۳۰۸)

عہد نبی میں فطرہ کب نکالا جاتا تھا:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صدقۂ فطر پیشتر نماز سے نکالا جاتا تھا، یا نہیں؟ یا کچھ دنوں تک جمع رہتا تھا، اس کے بعد محتاجوں کو تقسیم کیا جاتا تھا، اگر تقسیم کرنے میں تاخیر نہ فرماتے تھے تو فی زمانہ ایک جگہ کے سردار

---

(۱) تجب إلخ. علٰی کل حر مسلم إلخ. ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلية إلخ. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/ ۹۹، ظفیر)

کے پاس صدقۂ فطر جمع ہونا ضروری ہے اور سردار، یا نائب سردار جب مرضی ہو تقسیم کرتے ہیں۔ یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب

درمختار میں لکھا ہے:

ویستحب إخراجها قبل الخروج إلی المصلی بعد طلوع فجر الفطر عملاً بأمره وفعله علیه الصلاة والسلام. (۱)

اس کا حاصل یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پہلے اداء کرنا مستحب ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کے موافق، چناں چہ مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے:

قال رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم زکاة الفطر صاعاً من تمر أوصاعاً من شعیر علی العبد والحر والذکر والأنثٰی والصغیر والکبیر من المسلمین وأمربها أن تودی قبل خروج الناس إلی الصلاة. (الحدیث رواه البخاری ومسلم) (۲)

اس حدیث متفق علیہ سے صراحۃً ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید کے لیے جانے سے پہلے صدقۂ فطر کے نکالنے کا حکم فرمایا ہے۔ (۳) پس ثابت ہوا کہ جو کچھ عمل ان سرداروں کا ہے خلاف سنت ہے اور بے اصل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۰۲/۶-۳۰۳)

جہاں فقراء نہ ہوں، وہاں فطرہ کس وقت نکالا جائے:

سوال: جس ملک میں شرعی فقراء نہ ہوں، وہاں کے لوگ صدقۃ الفطر عید کے روز نماز سے پہلے نکال کر علاحدہ رکھ لیں، یا کسی شخص معتمد کو دے دیں، بعد ازاں دوسرے محتاج ملک کو روانہ کئے جائیں تو مستحب ادا ہوگا، یا نہ؟

الجواب

صدقۂ فطر قبل خروج الی الصلوٰۃ فقرا کو دینا مستحب ہے۔ پس اس صورت میں کہ صدقۂ فطر علاحدہ کر کے رکھ دیا جاوے اور فقرا کو نہ دیا جاوے، مستحب ادا نہ ہوگا اور یہ عادۃً محقق نہیں ہوسکتا کہ کسی ملک میں فقراء نہ ہوں، اگر فی الواقع ایسا ہو تو پھر دوسری جگہ کے فقرا کو بھجنا چاہیے اور بوجہ عذر کے وہ شخص تارک مستحب نہ کہلائے گا۔ (۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۱۷/۶)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف: ۱۰۶/۲، ظفیر

(۲) مشکاة المصابیح، باب صدقة الفطر فصل أول، ص: ۱۶۰، ظفیر

(۳) اور صحابہ کرام کا اسی پر عمل تھا۔ "ولأولٰی الاستدلال بحدیث البخاری وکانوا یعطون قبل الفطر بیوم أو یومین، قال فی الفتح: وهٰذا مما لایخفی علی النبی صلی الله علیه وسلم، بل لابد من کونه بإذن سابق فان السقاط قبل الوجوب مما لایعقل فلم یکونوا یقدمون علیه الا بسمع، آه. (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۱۰۶/۲، ظفیر)

(۴) والمستحب للناس أن یخرجوا الفطرة بعد طلوع الفجر یوم الفطر قبل الخروج إلی المصلی. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الزکاة، الباب الثامن صدقة الفطر: ۱۸۰/۱، ظفیر

وجوب فطرہ اور قربانی:

سوال: صدقۂ فطر اور قربانی کن لوگوں پر واجب ہے اور صدقۂ فطر کے مستحق کون لوگ ہیں؟ روزہ دار، یا عوام الناس؟ اور جو شخص مقروض ہو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

صدقۂ عید الفطر ادا کرنا اس شخص کے ذمہ واجب ہے، جو صاحب نصاب غنی ہو؛ یعنی مالک پچاس ساٹھ کی زمین (زمین میں یہ قید ہے کہ وہ حاجت اصلیہ سے زائد ہو) یا نقد وغیرہ کا ہو اور جو شخص ایسا نہیں، اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں،(۱) اور صدقۂ فطر محتاج کو دیا جاوے، بہتر ہے کہ نیک لوگوں کو جو نمازی روزہ دارہ ہوں، ان کو دیوے؛ لیکن اگر غیر روزہ داروں کو جو محتاج ہیں، دیا جاوے، تب بھی صدقۂ فطر ادا ہو جاتا ہے اور قربانی بھی انہی لوگوں پر واجب ہے، جو غنی مالک نصاب ہوں اور جن پر قرض زیادہ ہے کہ قرض اگر ادا کر دیں تو بقدر نصاب ان کے پاس نہ بچے گا تو ان پر صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۳۲۶/۶)

فطرہ اور چرم قربانی کی قیمت میں تملیک شرط ہے:

سوال: میرے محلّہ والے لوگ اکثر قرضدار ہیں اور بعضے تونگر نہیں ہیں؛ اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنے محلّہ کی قربانیوں کے چمڑے اور روزوں کے فطرے ایک جگہ جمع کر کے ایک تحویل بنا کے اس کے روپے سے محلّہ والوں کو نفع پہونچاؤں، خواہ نسیئۂ بیع کے طریقہ پر، خواہ قرض حسنہ کی روش پر؛ تاکہ محلّہ والے لوگ سودی قرض سے بچیں۔ شرعاً یہ معاملہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ صورت جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ چرمِ قربانی کی قیمت اور صدقۂ فطر کا بطور تملیک دینا ضروری ہے، اور صورت مذکورہ فی السوال میں تملیک مفقود ہے، **کما لا یخفٰی. واللہ اعلم**

احقر عبد الکریم عفا عنہ، ۱۵/ رمضان ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ (امداد الاحکام: ۴۳/۳)

دوسرے شہر کے نرخ کا فطرہ میں اعتبار نہیں:

سوال (۱) اپنے شہر کا نرخ گندم وغیرہ چھوڑ کر دوسرے شہر کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا معتبر ہے، یا نہیں؟

---

(۱) تجب (أی صدقة الفطر إلٰی قولہ) علٰی کل حر مسلم ولو صغیراً مجنوناً حتٰی لو لم یخرجها ولیهما واجب الأداء بعد البلوغ ذی نصاب فاضل عن حاجته الأصلیة کدینه وحوائج عیاله وإن لم ینم کما مر وبه أی بهٰذا النصاب تحرم الصدقة کما مر وتجب الأضحیة ونفقة المحارم علی الراجح. (الدر المختار علٰی هامش رد المحتار: ۹۹/۲، ظفیر)

گیہوں اور اس کو ستو اور آٹے میں کچھ فرق ہے، یا نہیں:

(۲)　گیہوں اور آٹا و ستو میں صدقۂ فطر کے بارہ میں کچھ فرق ہے، یا نہیں؟

مثقال، دینا اور درہم کا وزن کیا ہے:

(۳)　مثقال و دینا اور درہم کا وزن کیا ہے؟

الجواب

(۱)　اپنے شہر کی قیمت کا اعتبار ہے، دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہیں ہے۔(۱)

(۲)　گیہوں و گیہوں کا آٹا و ستو بھی نصف صاع ہونا چاہیے، اس کی قیمت دیوے۔(۲)

(۳)　مثقال و دینار ساڑھے چار ماشے، درہم تین ماشہ ۱،۵/۱ رتی ایک ماشہ ۸/ رتی سرخ کا ہوتا ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۳۰۸-۳۰۹)

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں دوسرے شہر کے بھاؤ کا اعتبار نہیں:

سوال:　جہاں گیہوں نہ ملے اور آٹا نہایت گراں قیمت ہو تو اگر دوسرا کسی اور شہر کے گیہوں کے بھاؤ سے صدقۂ فطر ادا کرے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

دوسرے شہر کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا، اگر گیہوں نہ ملے تو ایک صاع جَو کی قیمت ادا کردے اور اگر کچھ نہ ملے تو تجّار سے پوچھے کہ اگر یہاں گیہوں اس وقت ہوتا تو اس کا کیا بھاؤ ہوتا، اس کے حساب سے قیمت ادا کرے۔ واللہ اعلم

۲۲/ رمضان ۱۳۴۰ھ۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۳۹)

بستی میں گندم نہ ملے تو شہر کے نرخ سے فطرہ ادا کرنا کیسا ہے:

سوال:　اگر کسی شخص کی بستی میں گندم نہ ملے اور آٹا زیادہ قیمت کو ملتا ہو اور شہر میں گندم کا نرخ ارزاں ہو تو شہر کی قیمت سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، یا کیا؟

---

(۱)　ويقوم في البلد الذي المال فيه ولو في مفازة ففي أقرب الأمصار إليه. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۲/ ۳۰، ظفير

(۲)　نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب، إلخ، أو صاع تمر أو شعير ولو رديئا وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۲/ ۱۰۳-۱۰۴، ظفير)

(۳)　والدينار عشرون قيراطاً، إلخ. والمثقال مأة شعيرة فهو درهم وثلاث أسباع درهم. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۲/ ۳۹، ظفير)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اپنی بستی کی قیمت کے حساب سے صدقۂ فطر ادا کرنا چاہیے، اگر وہاں گندم نہ ملیں تو آٹے کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے، یا جو اور چھوہارے کے صاع کی قیمت کا حساب کرنا چاہیے۔غرض جو جنس منصوص وہاں ملتی ہو، اس کی قیمت کا حساب کیا جاوے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۲۱-۳۲۲)

جس جگہ گندم اور دوسری منصوص اشیا موجود نہ ہوں، وہاں صدقۂ فطر ادا کرنے کا طریقہ:

سوال: دریں دیار بر ہما زراعت گندم نیست، اگر بعوض گندم قیمتش دادہ شود، پس قیمت گندم وغیرہ منصوص علیہ کدام جا کردہ صدقۂ فطر دادہ شود، از روئے مہربانی رفع اشتباہ فرمایند؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

والمعتبر فی الزکاة مکان المال وفی الوصیة مکان الموصی وفی الفطرة مکان المؤدی عند محمد وهو الأصح. (الدر المختار)

بل صرح فی النهایة والعنایة بأنه ظاهر الروایة وهو المذهب، کما فی البحر. (ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۱۲)

وفی الدر أیضاً ولو فی مفازة ففی أقرب الأمصار إلیه، فتح. (۲/۳۵)

جس شہر میں گندم نہ ہو، اگر وہاں جَو (شعیر) موجود ہو، یا اور کوئی منصوص تو صدقۂ فطر ایک صاع جو کی، یا دوسرے منصوص کی قیمت سے ادا کیا جائے، اگر گندم اور جو وغیرہ منصوص نہ ہوں تو اس شہر سے قریب تر شہر جو ایسا ہو، جس میں گندم و جو موجود ہوں تو اس قریب تر شہر میں نصف صاع گندم، یا ایک صاع جو کی قیمت جو کچھ ہو، اس سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

۲۷/ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۳/۴۱-۴۲)

جہاں گیہوں پیدا نہیں ہوتا، وہاں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

سوال: جس جگہ گیہوں پیدا نہیں ہوتا، کیا وہاں صدقۂ فطر گیہوں کے حساب سے دینا ہوگا اور گیہوں کی قیمت کس ملک کی معتبر ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جہاں گیہوں پیدا نہیں ہوتا، مثلاً چاول پیدا ہوتا ہے تو وہاں اس قدر چاول صدقۂ فطر میں دیوے کہ اس کی قیمت

---

(۱) **نصف صاع من بر أو دقیقه أو سویقه أو زبیب، إلخ، أو صاع تمر أو شعیر، إلخ، وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة.** (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۰۳، ظفیر)

نصف صاع گندم کے برابر ہوجاوے اور قیمت اسی ملک اور شہر کی معتبر ہے، جس جگہ صدقۂ فطر دیا جاوے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۱۶-۳۱۷)

فطرہ میں کہاں کی قیمت کا اعتبار ہوگا:

السوال: أما بعد: فإن المصر بعيد من مكاننا واقع مسافة أربعة عشر ميلا وفى قريتنا سوق كبير يوجد فيه الأشياء الضرورية المحتاجة إليها كثيرا بل بعض الأشياء النادرة غير الضرورية، أيضا بقيمة فاحشة بالنسبة إلى المصر ونحن نبيع ونشترى فيه دائما إلا أحيانا نبتاع ونشترى من المصر، أيضا علٰى سبيل الندرة والسبر غير موجود فى ذلک السوق موجود فى المصر والدقيق موجود فيهما؛ لكن فى السوق يباع بغبن وفى المصر برخص فهل يجوز لنا أن نخرج صدقة الفطر قيمة المصر أو نخرج قيمة البر الموجود فى المصر، أم لا؟

الجواب

يعتبر قيمتة البر فى صدقة الفطر بقدر مايكون فى بلد المعطى لا ما يكون فى المصر البعيد.(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۰۶-۳۰۷)

صدقۂ فطر میں موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یا صدقہ ادا کرنے کی جگہ کا:

سوال: ایک آدمی تھانہ بھون میں رہتا ہے اور یہاں کے گیہوں سیر چھ آنہ کر کے خریدتا ہے اور شہر مرادآباد میں تاجر لوگ گیہوں چار آنہ کر کے خرید کرتا ہے، اس تقدیر پر جو آدمی تھانہ بھون کا رہنے والا ہے، وہ اگر مرادآباد کے بھاؤ سے فطرہ ادا کرے تو ادا ہوگا، یا نہیں؟ یا تھانہ بھون کے بھاؤ سے دینا ہوگا؟

الجواب

قیمت صدقۂ فطر میں قیاس علی الزکوٰۃ کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ موضع مال کی قیمت کا اعتبار ہوگا.

قال فى الدر: ويقوم فى البلد الذى فيه المال ولو فى مفازة ففى أقرب المواضع إليه آه.(۲/۳۵)

وفيه أيضاً: صدقة الفطر كالزكاة فى المصارف وفى كل حال إلا فى جواز الدفع إلى الذمى وعدم سقوطها بهلاک وقدمر، آه.(۲/۱۲۷)

اور اس فرق پر نظر کی جائے کہ زکوٰۃ کا سببِ وجوب مال ہے، (اس لیے موضعِ مال معتبر ہوا) اور صدقۂ فطر کا سببِ

---

(۱) وما سواه من الحبوب لايجوز إلا بالقيمة.(الفتاوىٰ الهندية، كتاب الزكاة، الباب الثامن: ۱/۱۷۹)

ويقوم فى البلد الذى المال فيه.(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب زكاة الغنم: ۲/۳۱)

(۲) وجاز دفع القيمة فى زكاة وعشر وخراج وفطرة، إلخ، وتعتبر القيمة يوم الوجوب، إلخ، ويقوم فى البلد الذى المال فيه، إلخ.(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب زكوٰة الغنم: ۲/۳۰، ظفير)

وجوب رأس ہے تو اس کا مقتضا یہ ہے کہ صدقۂ فطر میں اس جگہ کی قیمت کا اعتبار کیا جاوے، جہاں متصدق وقت ادائے صدقۂ فطر کے موجد ہے۔

والثاني راجح عندی نظراً إلی العلة ولم أره صریحاً فلیراجع. واللّٰه اعلم

۲۴/رجب ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۳/۴۰-۴۱)

عورت کا فطرہ کس پر واجب ہے:

سوال: عورت کا فطرہ کس پر واجب ہے، مرد پر، یا باپ پر؟ یا شوہر پر مہر میں سے دیوے؟ عورت کے پاس مال ہو، یا نہ ہو؟

الجواب

عورت جب صاحب نصاب ہو تو فطرہ اسی پر واجب ہے، اگر شوہر ادا کردے گا تو ادا ہو جاوے گا، باپ پر واجب نہیں۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۲۴)

خاوند پر بیوی کا اور والد پر بڑی اولاد کا صدقہ فطر واجب نہیں:

سوال: بیوی کا صدقہ فطر اس کے میاں پر واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

خاوند پر بیوی کا صدقہ فطر ادا کرنا واجب نہیں ہے، شامی، جلد ثانی ص: ۸۲ میں موجود ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۳۱۴)

جواب دیگر:

بیوی اور بڑی اولاد اگر خود صاحب نصاب ہیں تو خود ادا کریں اور صاحب نصاب نہیں ہیں تو ان پر صدقہ فطر واجب ہی نہیں، اگر کوئی شخص اپنی بیوی اور بڑی اولاد کی طرف سے صدقہ فطر ادا کردے تو ادا ہو جائے گا۔(۳)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴/۳۱۴)

باپ کے ساتھ مل کر کاروبار کرنے والی بالغ اولاد کا صدقہ فطر:

سوال: زید کے چار لڑکے بالغ ہیں اور سب لڑکے زید کے ساتھ کاروبار کرتے ہیں، سب کے خورد ونوش کا انتظام

---

(۱) ولایودی عن زوجته ولاعن أولاده الکبار وإن کانوا فی عیاله ولو أدی عنهم أو عن زوجته أجزاهم استحساناً کذا فی الهدایة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع فی المصارف: ۱/۱۹۱)

(۲،۳) (لا عن زوجته) لقصور المؤنة والولایة إذ لایلی علیها فی غیر حقوق الزوجیة ولایجب علیه أن یمونها فی غیر الرواتب لامداواة (نهر) (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۲/۲۶۳، ط: سعید)

یکجائی ہے اوران لوگوں کے پاس علاوہ حاجات اصلیہ کے ہزاروں روپے کی مالیت ہے۔پس اس صورت میں صدقہ فطراد اکرنا صرف زید پر واجب ہے، یا سب پر؟ زید کی موجودگی میں اگرکسی لڑکے کا انتقال ہو جائے اور وہ بیوی بچے سب چھوڑے تو کل مال زید کا قرار پائے گا، یا کچھ میت کا قرار پا کر اس میں وراثت جاری ہوکر بیوی بچے وارث ہوں گے؟

(المستفتی:۲۰۵۸،محمد یاسین، مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ،۱۶؍رمضان ۱۳۵۶ھ،مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اگر زید کے ان لڑکوں کی ملکیت جدا نہیں ہے؛ بلکہ باپ کے ساتھ سب شریک اور باپ کے مددگار ہیں تو ان میں سے کسی کی موت پر اس کی میراث ثابت نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس کا اپنا ترکہ کچھ نہیں ہے۔(۱) ہاں صدقہ فطر ان سب کی طرف سے ادا کرنا پڑے گا۔(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی:۴/۳۱۴-۳۱۵)

فطرہ کی مقدار اور بچوں کی طرف سے فطرہ:

سوال: پختہ سیر سے فطرہ کتنا دینا جائز ہے؟ کیا شیرخوار بچوں کی طرف سے بھی فطرہ دینا جائز ہے؟

(المستفتی:۱۰۱۹،ایم عمر صاحب انصاری، سارن،۳؍ربیع الثانی ۱۳۵۵ھ،۲۴؍جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

اسی روپے بھر وزن سیر سے فطرہ کی مقدار پونے دو سیر ہے۔(۳) شیرخوار بچوں کی طرف سے بھی فطرہ دینا باپ پر لازم ہے۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔(کفایت المفتی:۴/۳۱۲-۳۱۳)

---

(۱) الأب والإبن يكتسبان في صنعة واحده،ولم يكن لهما شئ،فالكسب كله للأب إن كان الإبن في عياله، لكونه معيناً له،ألا ترىٰ لوغرس شجرة تكون للأب.(رد المحتار،فصل في شركة الفاسدة: ٤/٣٢٥،ط:سعيد)

(۲) ان لڑکوں پر فی نفسہ صدقہ فطر واجب نہیں؛ لیکن چونکہ یہ اپنا سارا مال والد کو دیتے ہیں؛ اس لیے جس طرح والد کے ذمے بالغ اولاد کا نفقہ واجب نہیں؛ لیکن جب اولاد کی کمائی باپ لیتا ہو تو باپ پر نفقہ لازم ہے، اسی طرح یہاں بھی باپ پر لازم ہے کہ وہ اپنی بالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کرے۔ واللہ اعلم

(۳) بہشتی زیور میں بھی احتیاطاً اسی رپے کے سیر کو اختیار کیا ہے اور ان اوزان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اوزان شرعیہ، مؤلفہ مفتی محمد شفیع اور بسط الباع لتحقیق الصاع، مؤلفہ مفتی رشید احمد دامت برکاتہم

(۴) یہ اس وقت ہے جب بچہ فقیر ہو ورنہ اگر مالدار ہو تو اس کے اپنے مال سے ادا کیا جائے۔

(وفي الشامية:)قوله:الفقير،قيد به،لأن الغني تجب صدقة فطره في ماله.(رد المحتار، كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر: ٢/٣٦،ط:سعيد)

رمضان کی آخری تاریخ کو پیدا ہونے والے بچے کا فطرہ بھی واجب ہے:

سوال: رمضان میں بچہ پیدا ہوا، کیا اس کا صدقہ فطر بھی باپ پر واجب ہے کہ ادا کرے، یا نہیں؟

(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

رمضان کی آخری تاریخ میں بھی پیدا ہونے والے بچہ کا صدقہ فطر دینا لازم ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۱۳/۴)

صدقۂ فطر رمضان میں دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: صدقۂ فطر رمضان المبارک کے عشرۂ اولیٰ اور وسط، یا اخیر میں بھی دینا درست ہے، یا نہ؟ اور ایسے ہی مال کی زکوٰۃ شروع اور درمیان سال کے بھی اور جس شخص کے پاس قرض سے زیادہ، یا کم زیور، یا نقد بمقدار نصاب ہے، ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہے، یا نہیں؟

الجواب

صدقۂ فطر رمضان شریف میں دینا درست ہے، خواہ کسی عشرہ میں دیوے، (۲) اور ایسے ہی زکوٰۃ بھی سال سے پہلے دینا جائز ہے، (۳) اور جس کے پاس قرض سے زائد زیور ونقد وغیرہ بقدر نصاب موجود ہے، اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اگر قرض کے ادا کے بعد بقدر نصاب باقی نہ رہے؛ یعنی قرض سے زائد بقدر نصاب موجود نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۵/۶)

جو جوان لڑکے اپنی کمائی باپ کو دیتے ہیں، ان پر فطرہ واجب ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے دو لڑکے ہیں اور وہ دونوں سال بھر میں دو تین سو روپے کماتے ہیں اور اپنے والد کو دے

---

(۱) ووقت الوجوب بعد طلوع الفجر الثانی من یوم الفطر،فمن مات قبل ذالک لم تجب علیه الصدقة،ومن ولد اوأسلم قبله،وجب...ویتعلق بهذاالنصاب وجوب الأضحیة.(الفتاویٰ الهندیة،باب صدقة الفطر: ۱۹۲/۱،ط:سعید)

(۲) والمستحب أن یخرج الفطرة یوم الفطرقبل الخروج الی المصلیٰ،إلخ،فإن قد مها یوم الفطرجاز؛لأنه أدی بعد تقررالسبب فأشبه التعجیل فی الزکاة ولا تفصیل بین مدة ومدة هو الصحیح.(الهدایة،باب صدقة الفطرة: ۱۹۳/۱،ظفیر)

(۳) وإن قدم الزکاة علی الحول وهومالک للنصاب جاز؛لأنه أدی بعد سبب الوجوب فیجوز.(الهدایة،کتاب الزکاة،فصل فی الخیل: ۱۷۶/۱،ظفیر)

(۴) ومن کان علیه دین یحیط بماله فلازکاة علیه،إلخ،وإن کان ماله أکثرمن دین ہ زکی الفاضل إذا بلغ نصاباً.(الهدایة،کتاب الزکاة: ۱۶۸/۱،ظفیر)

دیتے ہیں، گھر کا مالک ان کا باپ ہے، ان کے پاس باپ سے علاحدہ ایک حبہ نہیں اور ان دونوں کے چھوٹے بچے ہیں تو ایسی حالت میں ان دونوں بھائیوں پر زکوٰۃ، یا صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہے، یا نہیں؟ یا ان کے باپ پر اس کی طرف سے بھی واجب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ان پر زکوۃ اور صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۱۰-۳۱۱)

کسی غریب کے ذمہ اگر کچھ بقایا ہو تو کیا اسے فطرہ میں محسوب کر سکتے ہیں:

سوال: ایک شخص کا قرض کسی کے ذمہ ہے اور مدیون مفلس نادار ہے، اگر دائن صدقۂ فطرہ میں اس قرض کو مجرا کر لیوے تو کیا صدقۂ فطر ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس طرح صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، بلا وصول کے دین میں مجرا کر لے نے سے زکوۃ وفطرہ ادا نہیں ہوتا۔ ایسی صورت میں فقہا یہ لکھتے ہیں کہ اس کو دے کر پھر اپنے دین میں وصول کر سکتے ہیں؛ مگر دینا ضرور چاہیے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۰۳)

صرف فائدہ حاصل کرنے کے لیے دی ہوئی زمین سے صاحب نصاب نہیں بنتا:

سوال: زید بالغ ہے اور اس کے ماں باپ زندہ ہیں؛ مگر اس کے ماں باپ نے اسے الگ کر دیا ہے اور اس کے اور اس کی اولاد کے خرچ کے لیے آٹھ، یا دس بیگھہ زمین دی ہے؛ مگر اس کو مالک ومختار نہیں بنایا، جو وہ اسے پہنچ سکے، اس زمین کے سوا اس کے پاس اور کوئی چیز نہیں، جس پر صدقہ فطر واجب ہو، آیا اس زمین کی وجہ سے اس پر صدقہ فطر واجب ہوگا؟

(المستفتی:۶۸۸، سکریٹری انجمن ح، ظ الاسلام، ضلع بھروچ، ۲۷/رمضان ۱۳۵۴ھ، ۲۴/دسمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

زید پر اس زمین کی وجہ سے صدقہ فطر اپنا اور اپنی اولاد کا واجب نہ ہوگا، نہ اس کے باپ پر واجب ہوگا۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۳۱۲)

---

(۱) اس جواب میں تسامح ہے، لڑکوں پر زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے، اور باپ پر بھی لڑکوں کی طرف سے صدقۂ فطر اور قربانی واجب نہیں ہے۔ تفصیل ضمیمہ میں دیکھیں۔

(۲) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف:۲/۸۵)

وحيلة الجواز أن يعطى مديونه لافقير زكوته ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مديده و أخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدر المختار) (قوله: حيلة الجواز، إلخ) أي فيما إذا كان له دين على معسر وأراد ان يجعله زكوية، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف:۲/۱۶)ظفير)

(۳) زید پر اس لیے نہ کہ وہ صاحب نصاب نہیں اور باپ پر اس لیے نہیں کہ نہ زید چھوٹا ہے اور نہ ہی مجنون۔

صدقۂ فطر کی مقدار میدہ اور چاول سے کتنی ہے:

سوال: صدقۂ فطر میدۂ گندم سے کس قدر دیا جاوے اور چاول سے کس قدر؟

الجواب

صدقۂ فطر اگر گندم کے میدہ سے دیا جائے تو نصف صاع دینا چاہیے، **کما فی الدر المختار: نصف صاع من بر أو دقيقه، الخ، والتفصيل في الشامي.** (۱)

اور اگر چاول دینے جاویں تو اس قدر دینا چاہیے کہ نصف صاع گندم کی قیمت کے مساوی ہو۔ **"وما لم ينص عليه كذرة و خبز يعتبر فيه القيمة، إلخ.** (الدر المختار) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۰۲/۶)

صاع سے بغدادی مراد ہے، یا مدنی:

سوال (۱) بر مذہب حنفی صدقۂ فطر صاع بغدادی کے حساب سے دیا جاتا ہے، یا صاع مدنی کے حساب سے اور دونوں صاع کا کیا وزن ہے؟

فطرہ میں گیہوں کتنی مقدار میں دیا جائے:

(۲) برقول مفتی بہ کس قدر گیہوں صدقۂ فطر میں دینا چاہیے؟ ایک مولوی صاحب ایک سو پینتالیس تولہ بتلاتے ہیں اور ایک مولوی ساڑھے بانوے تولہ بتلاتے ہیں۔ اس میں کون سا قول معتبر و مفتی بہ ہے؟

الجواب

(۱،۲) شامی میں لکھا ہے کہ اختلاف طرفین کا اور امام ابو یوسف کا لفظی ہے، انجام دونوں کا ایک ہے اور بندہ نے جو حساب صاع اور نصف صاع کا کیا ہے تو نصف صاع بوزن انگریزی کہ سیر اسی تولہ کا لیا جاوے، ۱۳۵/ تولہ کا ہوتا ہے، جو کہ قریب پونے دو سیر کے بوزن انگریزی ہوتا ہے، پس صدقۂ فطر میں پونے دو سیر گندم، یا اس کی قیمت احتیاطاً دینا چاہیے۔

"قيل: لا خلاف لأن الثاني قدره برطل المدينة؛ لأنه ثلثون إستارأ والعراقي عشرون و إذا قابلت ثمانية بالعراقي بخمسة وثلث بالمديني وجدتهما سواء أوهٰذا هو الأشبه؛ لأن محمدًا لم يذكر خلاف أبي يوسف ولو كان لذكره؛ لأنه اعرف بمذهبه، الخ. (۲)

وفي الشامي أيضاً: اعلم أن الصاع أربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالاستار أربعون والاستار بالدراهم ستة ونصف، الخ. (۳)

---

(۱) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۱۰۳/۲، ظفیر

(۲) رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۱۰٤/۲، ظفیر

(۳) ردالمحتار، باب صدقة الفطر مطلب في تحرير الصاع المد والمن والرطل: ۱۰٤/۲، ظفیر

ایک استار۴، ۱/۲، مثقال ۴، ۱/۲ ماشہ کا، پس چالیس استار مساوی ۶۷، ۱/۲ تولہ کے ہوئے، یہ ایک من، یا ایک مد ہے اور من اور مد برابر ہیں، پس دو مد؛ یعنی نصف صاع مساوی ۱۳۵/ تولہ کے ہوئے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۳۱۵-۳۱۶)

چاول اور دھان سے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم:

سوال: ہمارے ملک بنگالہ میں گیہوں نہیں، دھان ہے اور چاول ہے، اگر کسی نے روزہ کا فطرہ چاول سے، یا دھان سے ادا کرنا چاہا تو ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟ اور اگر ادا ہوسکتا ہے تو کس طور پر حساب لگانا پڑے گا، گیہوں چار آنہ سیر اور چاول پونے تین آنہ سیر اور دھان دو آنہ سیر ہے، امید قوی ہے کہ ابد الآباد کے لیے ایک خلاصہ حکم فرما کر اطمینان فرمادیں؟

الجواب

نصف صاع گندم وغیرہ یا ایک صاع جو وغیرہ کی جو قیمت ہو اس قیمت کے جتنے چاول، یا دھان آتے ہوں، اتنے دیئے جاویں۔

فی الدر المختار مع رد المحتار (۱۲۲/۲): وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، آه.

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۲۱/ شوال ۱۳۴۳ھ۔ (امداد الاحکام: ۳/ ۴۰)

فطرے میں گیہوں کے بدلے نصف صاع چاول دینا کیسا ہے:

سوال: فطرہ میں اگر بجائے گندم کے نصف صاع چاول دیا جائے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے، اگر قیمت نصف صاع چاول کی نصف صاع گندم کے برابر ہو، یا زیادہ ہو۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۳۲۲)

فطرہ میں گیہوں کی قیمت کے برابر چاول، یا چنا دینا درست ہے:

سوال: صدقۂ فطر میں گیہوں کی جو قیمت ہوتی ہے، اس کے بدلے چاول، یا چنا دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/ ۳۲۳)

جہاں جو غلہ رائج ہو، اس کا نصف صاع فطرہ میں کافی ہے، یا نہیں:

سوال: صدقۂ فطر کا نصاب گیہوں کا نصف صاع اور جو کا ایک صاع مقرر ہے۔ بعض علماء بنگالہ کہتے ہیں: گیہوں پر منحصر نہیں، جو غلہ جہاں زیادہ تر رائج ہو، اس میں سے نصف صاع ہی کافی ہے، چناں چہ بنگال میں چاول زیادہ رائج ہیں، لہذا چاول کا نصف صاع کافی ہے؟

---

(۱) وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة. (الدر المختار، باب صدقة الفطر: ۱۴۵/۱، ظفير

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

یہ کلیہ ان صاحبوں کا غلط ہے، گندم نصوص فی الحدیث ہے اور چاول منصوص نہیں۔ پس اتنی قیمت کا چاول ادا کرنا ہوگا، جو نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہو جاوے اور معین چاول دینا جائز نہیں۔

جواب مفتی صاحب:

جواب صحیح ہے، غیر منصوص میں قیمت کا لحاظ ضروری ہے، مثلاً اگر چاول دیوے تو اس قدر دیوے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم کی قیمت کے برابر ہو اور یہ جو جواب میں لکھا ہے کہ معین چاول دینا جائز نہیں، اس کا یہ مطلب ہوگا کہ چاول بلا اعتبار قیمت گندم دینا جائز نہیں، **لعدم ورود النص به فكان كالزكاة، إلخ.**

اس سے واضح ہے کہ غیر منصوص کا دینا باعتبار قیمت منصوص کے درست ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۲۳/۶)

کیا گیہوں کی جگہ بنگال میں چاول وغیرہ فطرہ میں دیا جاسکتا ہے:

سوال: بنگال کے بعض مولویوں نے فتوی دیا ہے کہ عرب میں گندم، جو، انگور، خرما ہوتا تھا اس واسطے فطرہ میں اس کا حکم دیا گیا، ہم لوگوں کے یہاں دھان، چاول قائم مقام گندم، جو، انگور، خرما کے ہے، لہذا ایک صاع چاول دینے سے، یا اس کی قیمت دینے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

فقہاء حنفیہ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ سوائے منصوص کے اگر دوسری اجناس سے صدقۂ فطر ادا کرے تو قیمت منصوص کی برابر ہونا ضروری ہے، مثلاً دھان، یا چاول اگر دیوے تو اس قدر دیوے کہ اس کی قیمت نصف صاع گندم، یا ایک صاع جو کی قیمت کی برابر ہو جاوے، **فهو الأحوط، كذا في الدر المختار.** (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۳/۶)☆

(۱) نصف صاع ... من بر أو دقيقه أو سويقه أو زبيب إلخ. أو صاع تمر أو شعير ولو رديئا وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۱۰۳/۲، ظفیر)

☆ بہ حساب بنگالہ صدقۂ فطر کی مقدار:

سوال: مقدار صدقۂ فطر بحساب بنگالہ کہ از دوازدہ ماشہ تولہ واز پنج تولہ چھٹانک واز شانزدہ چھٹانک یا ہشتاد تولہ سیر باشد چیست؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

تقدیرش موقوف بر تحقیق صاع است، لما روی عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أدوا صدقاتكم إلخ ودراں اختلاف کثیر است، لیکن بقول فقہاء محققین وزن صاع ۱۰۴۰ درم است، (هٰكذا في الدر المختار وغيره) ودہ درم از انہا وزن ہفت مثقال (هٰكذا في الدر وشرح الوقاية وغيرهما) ومثقال بقول صحیح چہرونیم ماشہ (هٰكذا في الغياث) پس از ۱۰۴۰ درہم مبلغ ۳۲۷۶ ماشہ وبحساب مسئول از یک صاع ۲۷۳ تولہ باشد، (چناں چہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب موجود است) وصدقۂ فطر نصف صاع از گندم یک سیر ویازدہ چھٹانک یک تولہ شش ماشہ گردید (بوقتیکہ تولہ بوزن بارہ ماشہ گرفتہ شود) (چنانچہ در بیاض یعقوبی ومظاہر حق ہمیں حساب است) لیکن علماء کرام یک سیر دوازدہ چھٹانک بلکہ برائے مزید احتیاط دو سیر ہم فرمودہ اند، واللّٰه أعلم وعلمه أتم وأحكم

احقر عبد الکریم عفی عنہ، ۲۵ رشوال ۱۳۴۸ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ۔ (امداد الاحکام: ۴۳/۲-۴۴)

چاول وغیرہ فطرہ میں کتنا دے:

سوال: چاول، جوار، باجرا، صدقہ میں نصف صاع دے، یا پورا صاع؟

الجواب

(۳) چاول، یا جوار، باجرا اگر صدقہ فطر میں دیا جاوے تو اتنا دینا چاہیے کہ اس کی قیمت پونے دوسیر گندم کی قیمت کے برابر ہو جاوے؛ کیوں کہ غیر منصوص میں منصوص کی قیمت کا پورا ہونا ضوری ہے۔ (کذا فی الدر المختار)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۳۱۱-۳۱۲)

منصوص اشیا کے علاوہ دوسری چیزیں فطرہ میں:

سوال: چہ می فرمایند علماء دین اندریں کہ درصدقۂ فطر جائز ست یا نہ؟ شخصے میگوید کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ بر جواز فتوی دادہ دعویش صحیح، یا باطل؟ تحقیق وتفتیش فرمایند۔

الجواب

کتب فقہ میں یہ منصوص ہے کہ سوائے حنطہ وشعیر وغیرہ منصوص کے جو اشیاء غیر منصوص ہیں، جیسے چاول، نخود، باجرا، جوار وغیرہ اس میں قیمت کا لحاظ ہے؛ یعنی چاول، نخود وغیرہ مثلا اس قدر دیوے کہ قیمت اس کی نصف صاع گندم، یا ایک صاع شعیر وغیرہ کو پہونچ جاوے۔

"وما لم ينص عليه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة، إلخ". (۲)

پس جس جگہ چاول کھائے جاتے ہیں، ان کو چاہیے کہ اس قدر چاول فطرہ میں دیوے کہ قیمت ان کی نصف صاع گندم، یا ایک صاع شعیر کو مثلا پہونچ جاوے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کی بندہ کو کچھ تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۳۲۵)

صدقہ فطر میں آٹا دینا جائز ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴ فروری ۱۹۳۲ء)

سوال: یہاں عوام صدقہ فطر کے مسئلہ سے ناواقف ہیں، سرداران دیہہ اپنی رائے سے جو بول دیتے ہیں، وہی دیا جاتا ہے، کوئی چاول، کوئی دھان، کوئی مٹر وغیرہ سے نصف صاع، یا ایک صاع کے حساب سے دیتے ہیں اور بولتے

---

(۱) وما لم ينص فيه كذرة وخبز يعتبر فيه القيمة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/ ۱۰۳-۱۰۴، ظفير)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/ ۱۰۴

ہیں کہ ہمارے علاقے میں یہی پیدا ہوتا ہے، گیہوں نہیں ہوتا۔ نزہتہ المجالس، کتاب الصوم میں ہے: ''صدقہ شہر کی غالب خوراک سے ایک صاع ہے''۔فتاویٰ عالمگیری میں گیہوں نصف اور جو خرما ایک صاع ہے، ان کے سوا اور دوسرے اناج میں دینا جائز نہیں؛ مگر باعتبار قیمت ہے۔(١) صحیح حکم کون سا ہے؟

(٢) شہر میں گیہوں نہیں ہے، یا کم ہے، آٹا چلانی عام جگہ موجود ہے، آیا صدقہ آٹے کے حساب سے رکھا جاوے، یا گیہوں وغیرہ کے حساب سے؟

الجواب

گیہوں ایک صاع نہیں؛ بلکہ نصف صاع ہے، جو اور کھجور ایک صاع ہے، ان کے علاوہ غیر منصوص اشیا میں سے جو چیز دی جائے، اس کی مقدار متعین نہیں؛ بلکہ وہ اتنی ہی دی جائے کہ اس کی قیمت نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع کھجور کے برابر ہو، گیہوں کا آٹا صدقہ فطر میں دیا جا سکتا ہے اور نصف صاع آٹا کافی ہے۔(٢)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۴/۳۱۵)

صدقہ فطر میں قیمت دینا درست ہے، یا نہیں:

سوال: صدقۂ فطر میں بجائے اناج کے قیمت اور پیسہ دینا جائز ہے، یا نہیں؟ بعض مولوی کہتے ہیں کہ بجائے اناج کے قیمت دینا ایسا ہی ہے، جیسے قربانی کے بدلہ روپیہ دے دے؟

الجواب

صدقہ عیدالفطر میں بجائے غلہ کے قیمت اس کی دینا بلا کراہت درست ہے، اس کا حکم قربانی جیسا نہیں ہے۔(٣) قربانی کی جگہ ایام اضحیہ میں قیمت دینا جائز نہیں ہے۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۳۰۶)

کسی قصبہ میں گندم نہ ہو تو وہ ضلع کی قیمت سے فطرہ ادا کر سکتا ہے:

سوال (١) قصبہ سندیپ میں عدالت فوجداری سلطنت الگلشیہ موجود ہے، اب صدقہ فطر میں گیہوں کی قیمت اس

---

(١) وهي نصف صاع من بر أو صاع من شعير أو تمر ... وما سواه من الحبوب لايجوز إلا بالقيمة. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة، باب في صدقة الفطر: ١٩١/١، ١٩٢، ط: كوئٹة)

(٢) نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو زبيب، وجعلاه كالتمر ... أو صاع تمر أو شعير، ولو رديئا، ومالم ينص عليه كذره، وخبز، يعتبر فيه القيمة. (الدر المختار، كتاب الزكاة، صدقة الفطر: ٢ / ٣٦٤ - ٣٦٥، ط: سعيد)

(٣) دفع القيمة أي الدراهم أفضل من دفع العين على المذهب المفتى به جوهرة وبحر عن الظهيرية وهٰذا في السعة أما في الشدة فدفع العين أفضل كما لايخفى. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ١٠٦/٢، ظفير)

(۴) ومنها أنه لايقوم غيرها مقامها في الوقت حتىٰ لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لايجزئه عن الأضحية. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الأضحية: ٢٩٣/٥، ظفير)

جگہ کے نرخ سے ادا کرنی ہوگی، یا یہ محکمہ جس ضلع کا تابع ہے، اس کے نرخ سے دینا ہوگا؟ نیز اس محکمہ میں فقط آٹا ملتا ہے، جس کی قیمت بہت زیادہ ہے بہت سے مسلمانوں پر آٹے کی قیمت ادا کرنا دشوار ہے تو اگر ضلع کے نرخ سے گیہوں کی قیمت ادا کی جائے تو مؤدی شرعا بری الذمہ ہوگا، یا نہیں؟

حدیث شریف میں جن چیزوں کی تصریح نہیں، ان میں قیمت کا اعتبار ہوگا:

(۲) دیار بنگلہ میں چوں کہ رأس الحبہ چاول ہے تو اگر چاول اصل قرار دے کر اس کا نصف صاع ادا کرے تو صدقہ فطر ادا ہوگا، یا نہیں؟

اسی تولے کے سیر کا حساب صاع میں:

(۳) اسیؔ تولے کے سیر سے کتنے سیر کا صاع ہوتا ہے اور کتنے سے نصف؟

(المستفتی: بندہ محمد موسیٰ غفرلہ، سپرنٹنڈنٹ مدرسہ سندیپ، ضلع نواکھالی)

الجواب

(۱) اگر اس قصبہ میں گیہوں نہیں ہے اور لوگ صدقہ فطر میں گیہوں کی قیمت دینا چاہیں تو ضلع کی قیمت کے حساب سے دے سکتے ہیں؛(۱) کیوں کہ ضلع کی قیمت گویا اسی جگہ کی قیمت ہے؛ اس لیے کہ ضلع اپنے متعلقہ دیہات وقصبات کے ساتھ معنی اتحاد رکھتا ہے اور ان سب کا جامع ہے۔

(۲) غیر منصوص اشیا میں حکم یہ ہے کہ صاع یا نصف صاع جائز نہیں؛ بلکہ نصف صاع گیہوں کی قیمت میں جس قدر چاول آتے ہوں، اس قدر دینے ہوں گے۔

”وما لم ينص عليه كذرة وخبزيعتبر فيه القيمية“.(۲)

(۳) اسی روپے انگریزی کے سیر سے ایک صاع ساڑھے تین سیر اور نصف صاع پونے دو سیر کا ہوتا ہے اور یہی صحیح اور احوط ہے۔(۳) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۳۱۱/۴-۳۱۲)

صدقۂ فطر میں غیر منصوص چیزوں میں قیمت کا اعتبار ہے، مقدار کا نہیں:

سوال: چاول فطرہ میں گیہوں، جو کی قیمت کے حساب سے دیا جائے گا، یا ہر ایک کی مقدار مشروع کے حساب

(۱) ويقوم فى البلد الذى المال فيه،ولوفى مفازة،ففى أقرب الأمصارإليه.(الدرالمختار، كتاب الزكاة:۲/ ۲۸٦،ط:سعيد)

(۲) كتاب الزكاة،باب صدقة الفطر: ۲/ ۳٦٤،ط:سعيد

(۳) ﴿إنما الصدقات للفقراء والمساكين والعاملين عليها والمؤلفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل﴾(التوبة: ٦٠)

سے دیا جائے؟ چاول کا اصل کہیں ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

فطرہ میں چاول دینا جائز ہے؛ مگر وزن اس کا مقرر نہیں؛ بلکہ نصف صاع گندم کی جو قیمت ہو، اتنی قیمت کے چاول دیوے، یا قیمت ہی دے دے۔

کما فی الدرالمختار (۱۳۳/۲): "وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة". فقط

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۰/شوال ۱۳۴۳ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰/شوال ۱۳۴۳ھ۔ (امدادالاحکام: ۳۹/۳-۴۰)

غیر منصوص اشیاء سے صدقۂ فطر ادا کرنے میں قیمت کا اعتبار ہے، مقدار کا نہیں:

آفتاب دولت سراج ملت جناب حکیم الامت دام ظلہ السلام علیکم

بعد تمنائے قدم بوسی عرض خدمتِ اقدس یہ ہے کہ فدوی کو بوجہ کم علمی ذیل کے مسئلوں میں نہایت شک پیدا ہوا، لہذا امید واثق ہے کہ جواب بالمراد عطا فرما کر فلاح دارین بخشیں گے۔

سوال (۱) صدقۂ فطر گیہوں اور جَو وغیرہ وغیرہ کے علاوہ چاول جو ہمارے ملک میں خاص غلہ ہے، سال بہ سال انگریزی تول سے ڈھائی سیر بمقابل نصف صاع دینے سے ادا ہوگا، یا نہ؟ یا ہندوستان سے گیہوں کا بھاؤ سال بہ سال دریافت کر کے اس کی قیمت کے مقابل جتنے سیر چاول آئے دینا ہوگا؟ یہاں کے بعض عالم یہ بتاتے ہیں کہ جس ملک میں جس غلّہ کا زیادہ تر رواج ہے اور اسی سے اوقات بسری ہوتی ہے، مذکورہ بالا مقدار پر دینے سے ادا ہوگا، اگر ہو، یہ ہمارے مذہب میں ہے، یا نہ؟ مگر یہاں کی اصلی خوراک صرف چاول ہے۔

الجواب

قال فی الدر: فی الفطرة مکان المؤدی عند محمد وهو الأصح آه وفیه أیضاً وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة، آه. (۱۲۲/۲)

جس ملک میں چاول کا رواج زیادہ ہو، وہاں چاول کا نصف صاع ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا؛ بلکہ نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع چھوارہ کی قیمت ادا کرنے سے صدقۂ فطر ادا ہوگا اور گیہوں کی ہندوستانی قیمت سال بہ سال معلوم کرنا معتبر نہیں؛ بلکہ بنگال ہی میں نصف صاع گیہوں کی جو قیمت ہو، اس کا لحاظ لازم ہوگا۔ پس یا تو نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جو، یا ایک صاع چھوارہ ادا کیا جائے، یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت نقد، یا اس قیمت کے برابر چاول ادا کئے جائیں۔

(۲) کتاب صدقۂ فطر میں جو ایک صاع مذکور ہے، چاول اس کے مقابل میں دو چند دینے سے انگریزی سے اس کی مقدار کتنی ہوگی؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اس سوال کی حاجت کیا ہے،نصف صاع کا وزن پونے دوسیر ہے،۸۰ کے سیر سے اس کا دوچند خود معلوم کرلیا جائے؛لیکن اگرایک صاع چاول بھی نصف صاع گیہوں کی، یا ایک صاع جَو وچھوارہ کی قیمت کو نہ پہو نچے تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا۔

۷/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد:۳/۴۴-۴۵)

مولانا عبدالحی اوروزن صاع:

سوال: مولوی عبدالحی صاحب محشی شرح وقایہ نے زکوٰۃ کے باب میں لکھا ہے کہ مثقال ۳/ماشہ،ایک رتی کا ہوتا ہے۔اس حساب سے صاع کا وزن دوسیر گیارہ تولہ چھ ماشہ کا ہوتا ہے اورنصف صاع ایک سیر پانچ تولہ نو ماشہ کا ہوا۔ یہ غلط ہے، یا صحیح ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ وزن جومولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے مثقال کا لکھا ہے، یہ درہم کا وزن ہے اوراس میں کسر رتی کی چھوڑ دی گئی اور وزن مثقال کا ۴،۱/۲ ماشہ کا ہوتا ہے،جیسا کہ عموماً مشہور ہے اور علماء دہلی نے یہی وزن شمار کیا ہے۔غیاث اللغات میں بھی اسی کو صحیح کہا ہے مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے،الخ۔(ترجمہ غیاث)

پس بناءً علیہ ۷۲۰/مثقال کو جو کہ وزن صاع کا ہے،ساڑھے چار ماشہ میں ضرب دینے سے تین ہزار دوسو چالیس (۳۲۴۰) ماشہ ہوئے،ان کے تولہ بنائے،۲۷۰/تولہ ہوئے،۸۰/ پر اس کو تقسیم کروتو تین سیر ڈیڑھ پاؤ بوزن اسی صاع کا وزن ہوا۔یہی یہاں معمول بہ ہے اور یہی صحیح ہے۔وزن سبعہ سے بھی حساب کیا گیا، ایسا ہی نکلتا ہے اور صدقۃ الفطر میں احتیاط بھی اسی میں ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۳۰۴-۳۰۵)

انگریزی تول کے حساب سے ایک صاع، یا نصف صاع کا وزن:

سوال: صدقۂ فطر جو کہ ہر شخص کے ذمہ نصف صاع گیہوں، یا ایک صاع جَو وغیرہ واجب بتلایا جاتا ہے؛مگر یہ یقینی نہیں بتلایا جاتا کہ نصف صاع، یا ایک صاع انگریزی تول کے حساب سے جو کہ اسی (۸۰) تولہ کا ہوتا ہے، کیا ہونا چاہیے؟ بعض کہتے ہیں کہ احناف کے نزدیک ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے؛مگر یہ معلوم نہیں کہ رطل کتنے وزن کا ہوتا ہے اور کیا قیمت رکھتا ہے؟ بعض کا قول ہے کہ صاع انگریزی تول کے حساب سے ساڑھے تین سیر، یا تین سیر دس چھٹانک کا ہوتا ہے اور نصف صاع ایک سیر تیرہ چھٹانک، یا ساڑھے بارہ چھٹانک، یا ساڑھے نو چھٹانک تک، یا دوسیر پختہ بتاتے ہیں۔اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ صاع اور نصف صاع کو حساب کی شکل میں لاکر بالتفصیل

تحریر فرمایا جاوے؛ تاکہ یقینی طور پر صاع اور نصف صاع کی بابت معلوم ہوجاوے کہ وہ اسی (۸۰) تولہ کے حساب سے کتنے کا ہوتا ہے؟ بینوا۔

الجواب

درمختار میں صاع کا وزن ایک ہزار چالیس درہم لکھا ہے اور درہم کے بارے میں اختلاف ہے؛ لیکن شرح وقایہ میں دس درہم کو سات مثقال کے برابر لکھا ہے اور مثقال کا صحیح وزن بقول غیاث اللغات ۴/ماشہ ہے، پس درہم ۳ ماشہ صحیح ۱ بٹے ۵ رتی کا ہوا،(۱) اور صاع دوسوتہتر تولہ کا ہوا، جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی بیاض میں درج کیا ہے۔ اب ان کے سیر ہر شخص اپنے اپنے علاقہ کے مطابق کرسکتا ہے، اسی (۸۰) کے حساب سے نصف صاع پونے دوسیر کا ہوتا ہے اور ہمارے علماء کرام کا یہی قول ہے؛ مگر احتیاطاً پورے دوسیر ادا کرنے کے لیے فرمادیا کرتے ہیں، اسی پر عمل کرنا چاہیے،(۲) اور دوسرے اقوال جو صاع کے متعلق ہیں، ان کی بنا درہم کے وزن میں اور خود صاع کے وزن میں (کہ وہ کتنے درہم کا ہے) اختلاف ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فائدۂ عظیمہ: حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے پاس ایک مُد تھا، جس کی سند حضرت زید بن ثابت تک مسلسل ہے کہ حضرت زیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کروہ مُد بنایا تھا، اُس مُد کو حضرت مولانا تھانویؒ نے دومرتبہ بھر کر وزن کیا تو اسی (۸۰) کے سیر سے پونے دوسیر ہوا تھا، جو حساب مذکورہ بالا کے مطابق ہے، **والحمد للّٰہ علیٰ ذلک حمداً کثیراً.**

نوٹ: نصف صاع ۶/ماشہ، ۱۳۶/تولہ کا ہوا اور چوں کہ روپیہ ۱۱/ماشہ کا ہوتا ہے، اس واسطے ۲/رتی ۸/ماشہ ۵/تولہ کا اضافہ کرکے روپیوں کے حساب سے نصف صاع ۲/رتی ۲/ماشہ ۱۴۲/روپیہ بھر ہوتا ہے۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم، ۱۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ، ۱۳/جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ۔ (امداد الاحکام: ۳/۴۲-۴۳)

صاع کی تحقیق:

سوال: فقہا نے صدقۂ فطر میں صاع کی مقدار ایک ہزار چالیس درہم بتلائے ہیں،(۳) اور درم ستر جو کا علامہ

(۱) مظاہر حق میں بھی درہم کا یہی وزن لیا ہے۔

(۲) خاص کر اس وجہ سے کہ مذکور وزن ماش، یا مسور کا ہے؛ یعنی جس برتن میں دوسوتہتر تولہ مسور سماتی ہو، اس میں گیہوں بھر کر دینا چاہیے اور ظاہر ہے کہ گیہوں کا وزن اور ماش ومسور کا وزن متفاوت ہے، ونیز گیہوں خود ہلکی وبھاری ہوتی ہے۔ پس احتیاط دوسیر میں ہے؛ تاکہ یقیناً صدقۂ فطر ادا ہوجاوے۔ منہ

(۳) فإذا كان الصاع ألفًا وأربعين درهمًا شرعيًا. (رد المحتار، كتاب الزكاة، مطلب في تحرير الصاع، والمد، والمن، والرطل: ۲/۳۶۵، ط، سعيد)

شامی نے باب الزکوٰۃ میں ایک خرنوبہ (رتی) چار جو کی لکھی ہے،(۱) اس حساب سے درم دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور صاع سکہ رائج الوقت سے ایک سو اٹھانوے (۱۹۸) روپے کے قریب ہے۔ مولانا عبدالحیؒ کے حاشیہ شرح وقایہ میں علامہ شامیؒ کے موافق بیان کیا ہے،(۲) اور شاہ ولی اللہؒ نے شرح مؤطا، باب الزکوٰۃ، ص:۲۰۲ میں بحوالہ بغوی صاع پانچ وثلث رطل کا لکھا ہے،(۳) اور درہم کی مقدار اسی صفحہ پر تین ماشے از روئے تحقیق لکھی ہے، اسی باب الزکوٰۃ، ص:۲۱۳ پر صاع کی مقدار پانچ وثلث رطل لکھ کر ایک مثل کے چار سو ساڑھے بائیس ماشے بیان کئے ہیں،(۴) جس کے حساب سے صاع کی مقدار علامہ شامی کے بیان سے بھی دو تولے کم ہوتی ہے؛ لیکن درہم یہاں بھی بحوالہ تحقیق سابق تین ماشے لکھا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی ونیز دیگر علما نے بھی درہم کی مقدار تین ماشے کے قریب لکھی ہے، مالا بدمنہ کے حاشیہ پر بحوالہ فتاویٰ جواہر اخلاطی، مفتاح الجنۃ میں بحوالہ شرح اور درہم کی مقدار تقریباً تین ماشے معلوم ہوتی ہے۔ (درہم شرعی ازیں مسکین شنو کان سہ ہست یک سرخہ دو جو۔ کتاب الزکاۃ حاشیہ نمبر۳ ص:۸۷، ط شرکت علمیہ ملتان) اس حساب سے صاع کی مقدار زیادہ ہوتی ہے، ان اقوال مختلفہ میں وجہ توافق کیا ہے اور صاع کی صحیح مقدار کیا ہے؟ کتاب احناف معتبرہ سے مع حوالہ و تفصیل حساب بیان فرمائیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

درہم کی مقدار وہ صحیح ہے، جو شاہ ولی اللہؒ نے لکھی ہے؛ یعنی تین ماشے اور ایک رتی کو قاضی ثناء اللہؒ وغیرہ نے معتبر سمجھا ہے اور اس حساب سے نصف صاع ۸۰/روپے انگریزی کے سیر سے ایک سیر بارہ چھٹانک دس ماشے کا ہوتا ہے، جب کہ تولہ اسی انگریزی روپے بھر مانا جائے، مولوی عبدالحیؒ مرحوم لکھنوی کا حساب غلط ہے اور منشائے غلطی یہ ہے کہ علامہ شامی نے جو ایک خرنوبہ (رتی) چار جو کی بتائی ہے، اس کو انہوں نے مبنی قرار دے کر حساب علمی طور پر لگا لیا عمل کر کے نہیں دیکھا، ہندوستان میں جو تولے رائج ہیں، خواہ وہ روپے بھر کے ہوں، یا روپیہ، ان کے لحاظ سے ساڑھے گیارہ ماشے کا ہو، ان میں سے کسی تولے کے رتی چار جو کی نہیں، ڈھائی جو، یا پونے تین جو کی ہے، میں نے خود جواہرات تولنے کا صحیح کانٹا مہیا کر کے رتی کا وزن جو سے کیا، ڈھائی، یا پونے تین جو کی رتی ہوتی ہے، جو متوسط درجے کے لیے گئے، پھر اسی طرح

(۱) كل خرنوبة أربع شعيرات أو أربع قمحات. (باب زكاة الأموال: ۲۹۶/۲، ط: سعيد)

(۲) والماهجة يكون ثمانية أجزاء كل جزء منها يسمى بالفارسية "سرخ" ويقال له بالهندية "رتی۹"، وهذا الجزء يكون بقدر أربع شعيرات. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الزكاة، بيان الذهب، والفضة: ۲۸۵/۱، مكتبة حقانية، ملتان)

(۳) بغوی گفتہ کہ وسق شصت صاع را گویند، وصاع پنج رطل وثلث رطل است ازیں جا دانستہ شد کہ درہم سہ ماشہ است۔ (مصفی شرح موطأ، کتاب الزکوٰۃ، باب القدر الذی لا تجب: ۲۰۸/۱، کتب خانہ رحیمیہ، سنہری مسجد، دہلی)

(۴) ومجموع ماشہا کہ رطل چہار صد وبیست و دو نیم بالا میشود۔ (مُصَفّٰی، کتاب الزکوٰۃ، باب تخرص النخل، والکروم إذا طاب: ۲۲۰/۱، ط، رحیمیہ، دہلی)

متوسط درجے کے جو لے کر ایک درہم کے ستر جو کا وزن کیا، وہ بھی تقریباً سوا تین ماشے کے نکلے، اس تحقیق اور عمل سے معلوم ہوا کہ ایک رتی کو چار جو کا قرار دینا اور اس پر حسابی قاعدے سے صاع وغیرہ کا وزن متعین کرنا غلطی ہے۔

رہا یہ کہ علامہ شامی نے ایک خرنوبہ کا وزن چار جو کیوں لکھ دیا، اس کا جواب یہ ہے کہ خرنوبہ اور تولہ کا وزن مختلف ہوتا ہے، آج کل دہلی میں عام طور پر تولہ انگریزی روپے بھر سمجھا جاتا ہے اور شاہ جہانپور کا تولہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے حساب سے انگریزی روپیہ سوا دس ماشے کا ہے تو ظاہر ہے کہ اس تولے کے ماشے اور رتیاں دہلی کے ماشے اور رتیوں سے بڑی ہوں گی، اسی طرح اگر علامہ شامی کے یہاں کی رتی چار جو کی ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان کی رتی بھی چار جو کی ہو۔

غرضیکہ درہم کی مقدار دہلی کے تولے سے ۳/ ماشے کی صحیح ہے اور اسی حساب سے نصف صاع کا وزن احوط اسی روپے کے سیر سے تقریباً پونے دوسیر ہوتا ہے پس صدقہ فطر میں گیہوں (اسی روپے بھر کے سیر سے) پونے دوسیر دینے چاہئیں۔(۱) واللہ اعلم بالصواب

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳۱۰/۴-۳۱۱)

صاع کی تحقیق:

سوال: فطرۂ عید کا وزن کیا ہے؟ اور قاضی ثناء اللہ صاحب نے آٹھ رطل کا ایک صاع مقرر کیا ہے اور ایک مولوی صاحب نے دوسیر چھ چھٹانک وزن صاع کا بیان فرمایا ہے، صحیح کیا ہے؟

الجواب

وزن صاع وہی صحیح ہے، جو قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے، اسی پر فتوی اور عمل درآمد ہے، (۲) وزن انگریزی سے وزن صاع کا قریب آدھا پاؤ اور ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے، (۳) اور نصف صاع پونے دوسیر ایک چھٹانک ہوتا ہے، اس کے موافق یہاں صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے اور اسی میں احتیاط ہے، ان مولوی صاحب نے جو دوسیر چھ چھٹانک وزن صاع کا بیان کیا ہے، صحیح نہیں ہے، جن لوگوں نے اس کے موافق صدقۂ فطر ادا کیا، ان کو چاہیے کہ جو کچھ باقی رہا، اس کو بھی ادا کریں، فقط۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۶/۶-۳۲۷)

---

(۱) بہشتی زیور میں بھی احتیاطاً اسی رپے کے سیر کو اختیار کیا ہے اوران اوزان کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اوزان شرعیہ' مؤلفہ مفتی محمد شفیع اور بسط الباع لتحقیق الصاع' مؤلفہ مفتی رشید احمد دامت برکاتہم

(۲) (اعلم أن الصاع أربعة أمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالأستار أربعون و الاستار بكسر الهمزه بالدراهم ستة ونصف وبالمثاقيل أربعة ونصف، كذا فى شرح درر البحار، فالمد والمن سواء، الخ. (ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۱۰۴/۲)

(۳) اس جواب میں سہو ہے، صاع کا وزن آدھ پاؤ کم ساڑھے تین سیر ہے اور نصف صاع ایک چھٹانک کم پونے دوسیر کا ہوتا ہے، جیسا کہ آئندہ سوال ۵۹۵ کے جواب میں آرہا ہے۔ امین

نصف صاع کا وزن:

سوال: نصف صاع کا وزن اصلی کیا ہے، اس کی پوری تحقیق کیا ہے، اپنے حضرات کا کیا عمل ہے؟

الجواب

صاع کی تحقیق شامی نے اس طرح کی ہے:

’’اعلم أن الصاع أربعة امداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالاستار أربعون والإستار بكسر الهمزه بالدراهم ستة ونصف وبالمثاقيل أربعة ونصف كذافي شرح درر البحار فالمد والمن سواء، الخ. (۱)

اس تحقیق سے ظاہر ہے کہ ایک استار ساڑھے چار مثقال کا ہے اور مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے تو چالیس استار جو ایک مد کا وزن ہے، ۸۱۰ ماشہ ہوا، اس طرح ۴۰، ۱/۲، ۴، ۱۸۰ مثقال، ۴، ۱/۲، ۸۱۰ ماشہ، ۱۲، ۶۷، ۱/۲ تولہ، پس جب کہ ۶۷، ۱/۲ تولہ ایک کا وزن ہوا تو صاع چار مد کا ہوتا ہے، صاع کا وزن ۲۷۰ تولہ ہوا، جو بوزن اسی تولہ تین سیر اور ڈیڑھ پاؤ ہوا، پس نصف صاع ایک چھٹانک کم پونے دو سیر ہوتا ہے، اسی بنا پر پونے دو سیر گندم بوزن اسی تولہ صدقۂ فطر دینے کا حکم کیا جاتا ہے۔ مولوی عاشق الٰہی صاحب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک چھٹانک کی کمی کر دی ہے، جیسا کہ پونے دو سیر کا حکم کرنے والوں نے ایک چھٹانک زیادہ کر دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ زیادہ کرنا اچھا ہے، کم کرنا درست نہیں اور جس نے وزن نصف صاع ایک سیر تین چھٹانک کہا ہے، وہ تحقیق شامی کے موافق صحیح نہیں ہے۔

فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۲۴-۳۲۵)

نصاب زکوٰۃ ومثقال کا وزن:

سوال: غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں لکھا ہے: ’’مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولہ لکھی ہے، عمدۃ الرعایہ، حاشیہ وقایہ میں مثقال کو تین ماشہ ایک رتی کا لکھا ہے اور نصاب زکوٰۃ ۳۶ تولہ ۵ ماشہ یہاں پر پہلے صدقۂ فطر دو سیر گندم فی کس انگریزی وزن سے دیتے تھے‘‘۔ اب ایک مولوی صاحب فی کس سوا سیر دینے کو کہتے ہیں؟

الجواب

مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ کا ہونا یہی صحیح ہے۔

ترجمہ غیاث اللغات میں ہے: ’’مثقال بالکسر نام ایک وزن کا کہ ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور اگر چہ اس میں بہت اختلاف ہے؛ مگر قوی یہی ہے، انتہی‘‘۔

---

(۱) ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۰۴

پس عمدۃ الرعایہ میں جو مثقال کو تین ماشہ ایک رتی کا لکھا ہے، یہ وزن درہم کا ہے؛ کیوں کہ شرع میں درہم کا وزن وہ معتبر ہے، جو وزن سبع کے نام سے مشہور ہے؛ یعنی سات مثقال برابر دس درہم کے ہوجاویں، پس سات مثقال کا وزن بحساب فی مثقال ۴، ۱/۲ رتی ہوا، اسی وجہ سے غیاث میں درہم کو ساڑھے تین ماشہ کا لکھا ہے، تقریباً ایسا لکھا ہے۔ الغرض حساب صحیح اور احوط یہی ہے، جو غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار میں لکھا ہے اور نصاب زکوٰۃ ساڑھے باون تولہ چاندی اور ساڑھے سات تولہ سونا ہے۔ شامی کی تحقیق سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور حساب مذکور سے نصف صاع تقریباً پونے دوسیر بوزن انگریزی ہوتا ہے، پس فطرہ ایک شخص کا گیہوں سے پونے دوسیر ہوتا ہے، دوسیر دے دیا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، زیادہ ثواب ہے؛ مگر پونے دوسیر سے کم کرنا نہ چاہیے۔

شامی، جلد ثانی، باب صدقۃ الفطر میں ہے:

(قوله: وهو أي الصاع، إلخ) اعلم أن الصاع أربعة أمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما وبالستار أربعون والاستار بكسر الهمزه بالدراهم ستة ونصف و بالمثاقيل أربعة ونصف كذافي شرح درر البحار فالمد والمن سواء، الخ. (۱)

اس تحقیق کا حاصل یہی ہے، جو بندہ نے لکھا ہے، ایک من یعنی ایک مد کا وزن چالیس استار اور ایک استار ۴، ۱/۲ مثقال، پس کل ایک سواسی مثقال ہوئے، اس کے ماشہ ۸۱۰ر ہوئے اور وہ مساوی ۶۷، ۱/۲ تولہ کے ہے، یہ ایک مد کا وزن ہے، پس دو مد؛ یعنی نصف صاع ۱۳۵ر تولہ کے برابر ہوئے اور یہ بوزن انگریزی ۸۱ ثار ہوتا ہے؛ یعنی چھٹا نک کم پونے دوسیر اور ایک دوسرے حساب سے جو شامی کی عبارت میں من کا وزن دراہم سے لکھا ہے؛ یعنی ایک من ۲۶۰ر درہم کا اس حساب سے نصف ۳ر تولہ زیادہ ہوتا ہے، اسی بنا پر پونے دوسیر کا حکم کر دیا جاتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۳۱۹-۳۲۱)

مقدار صاع سے متعلق مفتی رشید احمد کی تحقیق اور دارالعلوم و مدرسہ شاہی کا فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ احسن الفتاویٰ، جلد ۴/ ۳۷۵ پر ''بسط الباع لتحقیق الصاع'' رسالہ چسپاں ہے، جس میں صدقۃ الفطر کی مقدار متعین کرنے میں بہت جدوجہد کی ہے، مذکورہ بالا رسالہ چسپاں ہے، جس میں صدقۃ الفطر کی مقدار متعین کرنے میں بہت جدوجہد کی ہے، مذکورہ بالا رسالہ کے صفحہ: ۱۰، پر کچھ بحث وحساب کر لینے کے بعد تحریر فرمایا: تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ گیہوں کے ذریعہ صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیں تو یقینی طور پر بری الذمہ ہونے کے لیے ماشہ کے وزن ۲ر سیر ۶ ۳ر تولہ ۲۸۵۹ء۲ر کلوگرام گیہوں دینا ضروری ہے، نیچے تفصیل مذکورہ کا نقشہ دیا ہے، مذکورہ رسالہ کے بالکل ختم پر لکھا ہے کہ اگر صدقۃ الفطر میں گیہوں، یا گیہوں کا آٹا دیا جائے تو وزن ماشہ کے مطابق ۳۲ر کلوگرام دینا لازم ہے، البتہ اگر قیمت دینا چاہیں تو ۲۵ء۲ر کلوگرام گیہوں کی قیمت

(۱) ردالمحتار، باب صدقة الفطر: ۲/ ۱۰٤

دینے کی بھی گنجائش ہے، مع ہذا ۳۲۱ء۲ رکلوگرام کی قیمت ادا کرنا افضل ہے۔صدقۃ الفطر کی مقدار جو اوپر مذکور ہے اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہمارے یہاں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ودیگر مفتیان دارالعلوم کی تحقیق پر فتویٰ دیا جاتا ہے؛ یعنی نصف صاع کی مقدار ۱۳۵ رتولہ ہے، جس کا واقعی موجودہ وزن ارکلو ۵۷۶ رگرام ۶۴۰ رملی گرام ہوتا ہے، اس پر حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب نے ایضاح المسائل: ۹۸-۱۰۱، پر اچھی بحث کی ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے۔

قال الجوهری: الصاع الذی یکال به وهو أربعة أمداد. (الصحاح، فصل الصاد، باب العین: ۵۶۲/۳)

وقال ابن الأثیر: الصاع مکیال یسع أربعة أمداد. (النهایة، باب الصاد مع الواو: ۸۷۴/۲، نخب الأفکار: ۴۰۸/۱۰، دار الیسر) **فقط واللہ تعالیٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ، ۱۳/۱۰/۱۴۱۳ھ۔الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔(کتاب النوازل: ۲۴۳/۷-۲۴۴)

صدقہ فطر کا وزن قدیم اور جدید اوزان کے اعتبار سے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ عید الفطر کے دن جو صدقہ فطر ادا کیا جاتا ہے، اس کا وزن پرانی تول (پکے سیر والی) سے کتنے تولہ ہوتا ہے اور موجودہ تول سے کتنے کلو اور کتنے گرام صدقہ فطر کا وزن ہوتاہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

احادیث صریحہ مرفوعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کھجور، کشمش اور جو کے ذریعہ صدقہ فطر کی مقدار ایک صاع ہے اور گیہوں، یا اس کا آٹا یا ستو کے ذریعہ صدقہ فطر کی مقدار نصف صاع ہے اور نصف صاع کی مقدار قدیم پیمانوں کے حساب سے دو مد ہے اور ایک صاع کی مقدار چار مد، پھر مد کی مقدار کے بارے میں حدیث میں ہے کہ مد دو رطل کا ہوتا ہے۔(جواہر الفقہ: ۴۲۴/۱)

مد صاع کا چوتھائی ہوتا ہے، اس حساب سے ایک صاع چار مد کا ہوا اور ایک مد چار رطل کا ہوتا ہے تو ایک صاع ۸ ر رطل کا ہوا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

کان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم یتوضأ بالمد، رطلین، ویغتسل بالصاع ثمانیة أرطال. (الکامل لابن عدی: ۱۲/۵، ترجمة عمر بن موسیٰ بن وجیه رقم: ۱۱۸۷)

وعن أنس بن مالک رضی اللّٰہ عنه أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان یتوضا برطلین ویغتسل بالصاع ثمانیة أرطال. (سنن الدار قطنی، رقم: ۲۱۱۹)

حضرت علامہ کشمیریؒ نے بہت تحقیق کے ساتھ صریح اور مرفوع احادیث اور خلفاء راشدین، نیز کبار صحابہ وتابعین

اور فقہاء مجتہدین کے اقوال وآثار سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صدقہ فطر کی مقدار گیہوں، یا اس کے آٹے اور ستو کے ذریعہ نصف صاع؛ یعنی ۲ /مد اور ۴ /رطل ہے۔

عن أسماء بنت أبی بکر رضی اللّٰہ عنھا قالت: کنا نؤدی زکاۃ الفطر علیٰ عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مدین من قمح، وفی روایۃ: مدین من حنطلۃ،فھٰذا أسماء تخبر أنھم کانوا یؤدون فی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم زکاۃ الفطر مدین من قمح،زحال أن یکونو یفعلون ھٰذا إلا بأمر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم؛لأن ھٰذا لایؤخذ حینئذٍ إلا من جھۃ توقیفۃ إیاھم علی ما یجب علیھم من ذٰلک.

معلوم ہوا کہ جن حضرات نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ’’**صاعاً من طعام**‘‘ میں طعام سے گیہوں مراد لے کر گیہوں کے ذریعہ صدقہ فطر کی مقدار کو کشمش اور کھجور کی طرح ایک صاع متعین کیا ہے، یہ تطوع اور نفل پر محمول ہے، چناں چہ علامہ بنوریؒ حضرت کشمیریؒ کی امالی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحمل الزیادۃ فی حدیث أبی سعید علی التطوع بدلیل أن مروان بعث إلیٰ أبی سعید ’’أن ابعث إلیّ بزکاۃ رقیقک‘‘فقال أبو سعید للرسول: إن مروان لایعلم أنما علینا أن تعطی لکل رأس عند کل فطر صاعاً من تمر أونصف صاع من بر، قال: فدل علیٰ أن ماروی عنہ مما زاد علیٰ ذٰلک کان اختیار منہ ولم یکن فرضاً. (معارف السنن: ۳۰۷/۵،بنوریۃ دیوبند)

درج ذیل احادیث وآثار سے بھی حنفیہ کا موقف ’’نصف صاع من بر‘‘ کی تائید ہوتی ہے۔

عن نافع عن ابن عمررضی اللّٰہ عنھما قال:أمرالنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بصدقۃ الفطرعن کل صغیر وکبیر حر وعبدٍ صاعاً من شعیر أو صاعاً من تمر ، قال: فعد لہ الناس بمدین من حنطۃ.

عن ثعلبۃ بن أبی صغیر عن إبیہ قال رسو ل اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:أدوا زکاۃ الفطرصاعاً من تمرأوصاعاً من شعیرأونصف صاع من برأوقال: قمح،إلخ،وروی عن علیٰ مثل ذٰلک، وسنذکر ذٰلک فی موضعہ مع أنہ قد روی عن عمر وعن أبی بکر أیضاً،وعن عثمان بن عفان فی صدقۃ الفطرأنھا من الحنطۃ نصف صاع.

عن أبی قلابۃ قال:أخبر نی من دفع إلیٰ أبی بکرصاع بر بین اثنین.

عن عبد اللّٰہ بن نافع أن أباہ سأل عمربن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فقال:إن جل مملوک فھل فی مال زکاۃ؟فقال عمر:إنما زکاتک علیٰ سیدک أن یؤدی عنک عند کل فطرصاعاً من شعیرأوتمرأونصف صاع من برّ.

عن أبی الأشعث قال:خطبنا عثمان بن عفان رضی اللّٰہ عنہ فقال فی خطبۃ:أدوازکاۃ الفطر صاعاً من تمرأوصاعاً من شعیر،إلخ.

وفي رواية: عن عثمان إنه خطبهم قال: أدوا زكاة الفطر مدين من حنطة. قال الإمام الطحاوي: فهٰذا أبوبكر وعمر وعثمان قد أجمعوا علىٰ ذٰلك مما ذكرنا. (شرح معاني الآثار: ۳۴۹/۱-۳۵۰، نخب الأفكار للعيني: ۴۲۸/۱-۴۲۹، دار اليسر)

اس کے علاوہ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی اس مضمون کے آثار مروی ہیں۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات اچھی طرح مدلل طور پر واضح ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک صدقۂ فطر کی مقدار گندم اور گیہوں، یا اس کے آٹا ستو کے ذریعہ نصف صاع، یا ۳۵ر تولہ واجب ہے، اب موجودہ زمانہ کے اعتبار سے نصف صاع کی کتنی مقدار ہے؟ اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کی تحقیق اور یہی مدرسہ شاہی کا متفقہ موقف بھی ہے کہ موجودہ زمانہ کے اوزان کے اعتبار سے نصف صاع کی مقدار ایک کلو ۵۷۴ر گرام ۶۴۶ر ملی گرام ہے اور ہم نے یہ مقدار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر اکابر مفتیان دارالعلوم دیوبند کی تحقیق پر تجویز کی ہے۔ (دیکھئے: ایضاح المسائل: ۹۸-۹۹)

تجب تصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة. (تنوير الأبصار على الدر المختار: ۳۱۸/۳، زكريا)

وهي نصف صاع من بر وصاع من شعير. (الفتاویٰ الهندية: ۱۹۱/۱، كوئٹه)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقة أو سويقة أو صاع تمر أو زبيب أو شعير. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۹۵، كراتشي، مراقي الفلاح شرح نو الإيضاح، ص: ۲۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

ومقدارها في الحنطة نصف صاع عند أبي حنيفة ومن الشعير والتمر صاع. (الفتاویٰ التاتارخانية: ۴۵۴/۳، زكريا، مجمع الأنهر: ۲۲۸/۱-۲۲۹، دار إحياء التراث العربي) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۲/۱۱/۱۴۱۸ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۴۴/۷-۲۴۷)

عندالاحناف صدقہ فطر میں صاع عراقی معتبر ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صدقہ فطر میں کس صاع کا اعتبار کیا گیا ہے؟ ائمہ کرام ومجتہدین کا اختلاف قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل واضح کریں۔

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

احناف کے نزدیک صاع عراقی معتبر ہے، جو قدیم حساب کے اعتبار سے ۲۷۰ر تولہ کا ہوتا ہے اور جدید اوزان کے اعتبار سے ۳ر کلو میٹر ۱۴۹ر گرام ۲۸۰ر ملی گرام ہے۔ (جواہر الفقہ اوزان شرعیہ: ۲۲۴)

والصاع عند أبي حنيفة ومحمد ثمانية أرطال با لعراقي ولنا ماروي أنه عليه السلام كان يتوضا بالمد رطلين ويغسل بالصاع ثمانية أرطال، وهٰكذا كان صاع عمر رضي اللّٰه عنه. (الهداية: ۲۱۰/۱، والحديث: أخرجه الإمام الدار قطني في سننه: ۱۳۴/۲، رقم: ۲۱۱۹، والبيهقي في سننه الكبرىٰ: ۲۸۷/۴، رقم: ۷۷۲۴)

اختلف في الصاع فقال الطرفان: ثمانية أرطالٍ بالعراقي، وقال الثاني خمسة أرطال وثلاث،

وقيل: لاخلاف؛لأن الثاني قدره برطل المدينة؛لأنه ثلاثون استاراً،والعراقي عشرون،وأذا قابلت ثمانية بالعراقي بخمسه وثلاث بالمدينى وجد تهما سواء. (رد المحتار على الدرالمختارشرح تنويرالأبصار، باب صدقة الفطر:۳/ ۳۲۰،زکریا)

وهوثمانية أرطال بالعراقي،والعراقي مائة وثلا ثون درهماً،فالصا ع ما يسع ألفاً وأربعين درهماً،وقول أبي يوسف:لصا ع ما يسع خمسة أرطال وثلثاً مراده بالرطل رطل المدينة وهو ثلاثون أستاراً ورطل العراق عشرون أستاراً فيكون المجموع على القولين مائة وستين أستاراً ، والأستار ستة دراهم ونصف. (حاشية الطحاطاوى علىٰ مراقى الفلاح،ص: ۳۹۵،کراتشی)

قال ابن الأثير:الأصع مكيال يسع أربعة أمداد،والمد مختلف فيه وقيل:هورطلان ،وبه أُخذ أبوحنيفة وفقهاء العراق فيكون الصاع ثمانية أرطال. (النهاية:۲/ ۷۸٤،بحواله:نخب الأفكار: ۱۰/ ۳۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۹/۱/۱۴۱۲ھ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۲۴۸۔۲۴۹)

صدقہ فطر کے وزن کے بارے میں مدرسہ شاہی کا فتویٰ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صدقہ فطر کا وزن آج کے مروجہ وزن سے دار العلوم اور مدرسہ شاہی میں دو کلو ہے، جب کہ دوسرے مدارس میں دو کلو پینتالیس گرام ہے۔ ایسا کیوں؟ اس کی تحلیق چاہیے، آپ اس کا جواب کتب معتبرہ سے عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

صدقہ فطر کے لیے اصل وزن نصف صاع ہے، جس کا وزن موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۱/ کلو ۵۷۶/ گرام ۶۴۰/ ملی گرام ہوتا ہے۔ مدرسہ شاہی کی طرف سے اسی وزن کا اعلان کیا جاتا ہے اور پوری تحقیق کے بعد یہ وزن مقرر کیا گیا ہے، جو لوگ اس کے خلاف اعلان کرتے ہیں، اس کی تحقیق انہیں سے کرنی چاہیے۔ (مستفاد، ایضاح المسائل: ۵۸)

عن ابن عمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما قال:فرض رسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر صاعاً من تمر أوصاعاً من شعيرعلى العبد والحر والذكر والأنثىٰ والصغير والكبيرمن المسلمين وأمر بها أن تودّى قبل خروج الناس إلى الصلاة . (صحيح البخارى: ۱/ ۲۰٤،رقم:۱۵۰۳، صحيح مسلم: ۱/ ۳۱۸،رقم: ۹۸٦،مشكاة المصابيح،رقم: ۱۸۱۵)

وهى نصف صاع من برأودقيقه أوسويقه أوصا ع تمر أوزبيب أوشعير. (حاشية الطحطاوى على المراقى:۳۹۵)

تجب نصف صا ع من بر أو دقيقه أو سويقه. (تنويرالأبصارعلى الدرالمختار: ۳/ ۳۱۸،زكريا ديوبند) **فقط واللّٰه تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۴/۳/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۱۱۲)

کیا صدقۂ فطر کی مقدار سوا سیر گندم ہے:

سوال: صدقۂ فطر کی مقدار سوا سیر نمبری سے کم ہوتی ہے۔ (کذا فی عمدۃ الرعایہ) پھر بعض لوگوں کا پونے دو سیر کہنا کس کتاب سے ثابت ہے؟

الجواب

صدقۂ فطر موافق وزن سبعہ کے مثقال کو ۴، ۱/۲، ماشہ کا قرار دے کر جیسا کہ معروف ہے، انگریزی وزن سے تقریبا پونے دو سیر گندم ہوتا ہے اور حساب اس کا کر لیا گیا ہے، یہی احوط بھی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۰۴)

اسی تولہ کے وزن سے نصف صاع کے وزن میں اختلاف کا حل:

سوال: اسی کے سیر سے صاع اور نصف صاع کا کیا وزن ہے، مفتاح الجنۃ میں نصف صاع ایک سیر بارہ چھٹانک کا لکھا ہے، اور لغات کشوری میں ایک سیر ساڑھے نو چھٹانک کا لکھا ہے۔ اب کس قول پر عمل کرنا چاہیے؟

الجواب

اسی تولہ کے سیر سے حساب صاع اور نصف صاع کا کتابوں کے موافق ہم نے کیا ہے، اس کے موافق صاع قریب ساڑھے تین سیر کے اور نصف قریب پونے دو سیر کے ہوتا ہے، شامی اور درمختار وغیرہ میں ایسا ہی ہے، اس میں احتیاط ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۶/۳۲۱)

بیوی بچوں کو نفلی صدقہ دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئل ذیل کے بارے میں کہ زید نے جب سے صدقہ کرتے رہنے کے فضائل سنے تو زید روزانہ صدقہ کرتا رہتا ہے، کبھی کسی غریب کو یتیم مسکین کو، کبھی مدرسہ کے کسی بچے کو، کبھی امام اور مؤذن کو، کبھی کسی مدرس کو، کبھی کسی گھر پر آئے ہوئے رشتہ دار کو پیسے دیتا رہتا ہے، زید نے کسی عالم سے سنا ہے کہ اپنی بیوی اور بچوں کو اور اپنے والدین کو صدقہ کرنے کا بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے؛ بلکہ اہل وعیال کو صدقہ کرنے کا زیادہ ثواب ہے تو زید نے اپنی بیوی اور بچوں کو صدقہ دینا شروع کر دیا۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً نفلی صدقات اپنے بیوی بچوں کو بھی دئے جا سکتے ہیں؟ اور ان کا وہی ثواب ہے، جو کسی غریب کو دینے کا، جیسے کہ زید کا معمول ہے؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

---

(۱) هو أي الصاع المعتبر ما يسع ألفاً و أربعين درهما من ماش وعدس إنما قدر بهما لتساويهما كيلا وزنا والتفصيل في الشامي. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۰٤، ظفير)

(۲) وهو الصاع المعتبر ما يسع الفا وأربعين درهما من ماش أو عدس إنما قدر بهما لتساوي هما كيلا ووزنا. (الدر المختار) اعلم أن الصاع أربعة إمداد والمد رطلان والرطل نصف من والمن بالدراهم مائتان وستون درهما. (رد المحتار، باب صدقة الفطر: ۲/۱۰٤، ظفير)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بیوی بچوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرنے سے ان شاء اللہ صدقہ کا ثواب ملے گا؛ بلکہ احادیث شریفہ میں گھر والوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کو افضل ترین صدقہ کہا گیا ہے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ بیوی بچوں پر زکوٰۃ اور صدقات واجبہ خرچ نہیں کئے جاسکتے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ یقول: قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أفضل الصدقة ما کان عن ظهر غنی وأبدأ بمن تعول. (صحیح ابن حبان: ١٤٤/٥، رقم: ٣٣٣٤، دارالفکر بیروت)

عن سلیمان بن عامر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: الصدقة علی المسکین صدقة وهی علی ذی الرحم إثنان صدقة وصلة. (صحیح ابن حبان: ١٤٣/٥، رقم: ٣٣٣٣، دارالفکر، صحیح البخاری: ١٩٨/١، رقم: ١٤٦٦)

لاخلاف بین الفقهاء فی جواز التصدق علی الأقرباء و الأزواج صدقة التطوع؛ بل صرح بعضهم: بأنه یسن التصدق علیهم ولهم أخذها، ولو کانوا ممن تجب نفقته علی المتصدق. (الموسوعة الفقهیة: ٣٣١/٢٦، بیروت)

رجل تصدق علٰی ابنه الصغیر داراً جاز. (الفتاویٰ السراجیة: ٤٠٩)

ولایصح دفعها أصل المزکی وفرعه وزوجته. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ٨٢٠، أشرفیة)

فقط واللہ تعالیٰ أعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۳۳/۲/۲۷ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۶۵/۷-۲۵۷)

غنی کو نفلی صدقہ دینا:

سوال: یہاں پر زبردست نزاع ہے کہ آیا غنی آدمی جس پر زکوٰۃ دینی فرض ہے صدقہ نافلہ کا مال کھا سکتا ہے، یا نہیں؟ ایک فریق مدعی ہے کہ غنی من علیہ الزکوٰۃ بلا روک ٹوک صدقہ نافلہ کھا سکتا ہے اس پر شرعاً کوئی مواخذہ نہیں صدقہ نافلہ کے اکل میں غریب وامیر کا کوئی امتیاز نہیں دوسرا فریق مدعی ہے کہ غنی من علیہ الصدقہ کے لئے صدقہ نافلہ کا بطور صدقہ کے کھانا ہرگز شرعاً جائز نہیں ہوسکتا ورنہ امراء کے مقابلہ میں غرباء کو کوئی پوچھے گا ہی نہیں۔

(المستفی: ۱۱۰۴، غلام محمد صاحب، ملتان، ۱۶/ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۸/ اگست ۱۹۳۶ء)

الجواب ــــــــــــ

غنی مالک نصاب کو اگر صدقہ نافلہ دیا جائے تو وہ صدقہ نہیں رہتا، ہبہ یا ہدیہ ہوجاتا ہے؛ یعنی دینے والے کو صدقہ کا ثواب نہیں ملے گا اور غنی اگر کھالے گا تو صدقہ کھانے والا نہ ہوگا؛ بلکہ ہدیہ کھانے والا قرار دیا جائے گا۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۳۲۲/۴)

---

(۱) لأن الصدقة علی الغنی هبة. (الدر المختار، کتاب الهبة: ٦٩٨/٥، ط: سعید)

امداد کے خانہ میں عطیہ اور تعاون لکھوانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ مسلم جماعتیں حوادث میں امداد دیتی ہیں، میں نے ان کو انٹرسٹ کی رقم دے دی، جماعت کے لوگ رسید دیتے ہیں، امداد کے خانہ منیں عطیہ، تعاون یا امداد لکھوا سکتے ہیں، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

امداد کے خانہ میں عطیہ، تعاون، امداد وغیرہ لکھوانا درست ہے۔

مستفاد بهٰذه العبارة: إشارة إلىٰ أنه لا اعتبار بالتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزيه في الأصح. (رد المحتار، كتاب الزكاة: ۳/ ۱۸۷، زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۲۷/۱۱/۱۴۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۲۵۷)

صدقہ کا جانور کتنی عمر کا ہونا ضروری ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ صدقہ کے لیے کتنی عمر کا جانور رہونا چاہیے؟ سال بھر سے کم عمر کے جانور کا صدقہ ہو جائے گا، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

نفلی صدقہ میں تو کسی بھی عمر کا جانور دے سکتے ہیں؛ لیکن صدقہ واجبہ، نذر یا قربانی میں اگر بکرا ہو تو کم از کم ایک سال کا اور کٹرا، گائے وغیرہ دو سال اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا لازمی ہے۔

وهو ابن خمس من الأبل، وحولين من البقر والجاموس، وحول من الشاة. (تنوير الأبصار: ۹/ ٤٦٦، زكريا) **فقط والله أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۱/۶/۱۴۲۶ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/ ۲۵۹-۲۶۰)

جانور صدقہ کرتے وقت کچھ گوشت اپنے لیے مختص کرنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کسی مسلمان نے کوئی جانور کسی مدرسہ میں بطور صدقہ دیا ہے تو کیا اس صدقہ کی چیز کو کوئی ایسا شخص جو صاحب نصاب نہ ہو، کھا سکتا ہے؟ اور اگر کسی مال دار نے کوئی جانور صدقہ کیا ہو اور صدقہ کرتے وقت یہ نیت کی ہو کہ جانور ذبح ہو جانے کے بعد دو کلو گوشت میں اپنے گھر کے لیے رکھوں گا اور باقی مدرسہ میں صدقہ ہے تو کیا یہ مال دار شخص ۲ رکلو گوشت کھا سکتا ہے؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

صدقہ واجبہ، یا منت میں دیئے جانے والے جانور کے گوشت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں، جو صاحب نصاب

نہیں ہیں؛ لہٰذا صاحب نصاب شخص کو اسے نہیں کھانا چاہیے اور اگر نفلی صدقہ ہے تو اس میں سے عام لوگوں کو بھی کھانے کی گنجائش ہے اور جس جانور کے بارے میں مالک نے یہ نیت کی ہو کہ اس میں سے دو کلو گوشت میں خود استعمال کروں گا اور بقیہ صدقہ کروں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ گوشت کا صدقہ ہے اور جو حصہ اس نے اپنے لیے نکالا ہے، وہ صدقہ میں شامل نہ ہوگا۔

باب المصرف هو الفقير، وهو من يملك مالايبلغ نصاباً ولا قيمته من أى مال كان ولو صحيحاً مكتباً، كذا في الزاهدى. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۸۵)

ويجوز دفع الزكاة إلىٰ من يملك مالاً يبلغ نصاباً ولا قيمته من أى مال كان ولو صحيحاً مكتسباً. (مراقی الفلاح، ص: ۷۱۹، ديوبند)

ويجوز دفع الزكاة إلىٰ من يملك ما دون النصاب. (البحر الرائق / باب المصرف: ۲/۴۱۹، زكريا)

ويجوز دفعها إلىٰ من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحاً مكتسباً، كذا في الزاهدى. (الفتاویٰ الهندية: ۱/۱۸۵)

أما صدقة التطوع فيجوز دفعها إلىٰ هٰؤلاء (الوالدين وإن علوا والمولودين وإن سفلوا) والدفع إليهم أولىٰ؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة، وأجر الصلة، وكونه دفعاً إلىٰ نفسه من وجه لايمنع صدقة التطوع، قال النبى صلى الله عليه وسلم: نفقة الرجل علىٰ نفسه صدقة، وعلىٰ عياله صدقة إلخ. (بدائع الصنائع: ۲/۱۶۲، زكريا) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۶/۸/۳۰ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۷/۲۶۱-۲۶۲)

جس جانور کو صدقہ کر دیا ہو، اس کا گوشت کھانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ کیا صدقہ کرنے کے بعد اس میں سے کچھ حصہ رکھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ مثال کے طور پر ایک بکرا اللہ کے نام چھوڑا گیا، اب کو کاٹ کر اس کا سارا کا سارا گوشت فقیر وفقرا کو دے دیا جائے، یا کچھ رکھ بھی سکتے ہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

اگر بکرا نذر کا ہے؛ یعنی یہ نذر مان رکھی تھی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو اللہ کے لیے بکرا قربان کروں گا اور وہ کام ہوگیا تو اس بکرے میں صرف فقرا کا حق ہے، وہ خود اسے استعمال نہ کرے، اسی طرح کسی مال دار کو بھی نہ کھلائے اور اگر نذر کا نہیں ہے؛ بلکہ ویسے ہی صدقہ ہے تو خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے۔

عن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغنى ولا لذى مرة سوى. (سنن الترمذى رقم: ۶۵۲، سنن أبى داؤد، رقم: ۱۶۳۴، سنن الدارمى رقم: ۱۶۷۹، مشكاة المصابيح رقم: ۱۸۳۰)

نذر أن یضحی ولم یسم شیئاً علیه شاة ولا یأکل منها. (الفتاویٰ الهندیة: ۲۹۵/۵)

مصرف الزکاة وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة ولنذر وغیر ذٰلک من الصدقات الواجبة. (رد المحتار علی الدر المختار: ۳۳۹/۲، کراتشی، ۲۸۳/۳، زکریا)

وقید بالزکاة؛ لأن النفل یجوز للغنی کما للها شمی، وأما بقیة الصدقات المفروضة والواجبة کالعشر والکفارات والنذر وصدقة الفطر فلا یجوز صرفها للغنی لعموم قوله علیه السلام: لا تحل صدقة الغنی. (البحر الرائق: ۲۴۵/۲، کوئتة) فقط والله أعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۱۳/۱۱/۴ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۲۶۳/۷)

بیمار شخص نے بکرا صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی اور صدقہ کردی بکری:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ میں نے ایک لڑکے کے بیمار ہونے پر ایک بکرا صدقہ کرنا بول دیا تھا، بکرے کے بدلہ بکری دو یتیم بچوں کو دے سکتے ہیں، یا نہیں؟ ان بچوں کے پاس نہ زمین ہے، نہ گھر، ان کا باپ پہلے ہی مرگیا تھا اور ماں کو ہمارے یہاں کے ظالموں نے ماردیا تھا اور زمین کے پیسے بھی نہیں دیئے؟

باسمه سبحانه تعالیٰ الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفیق

جانوروں میں نر و مادہ کے درمیان منافع میں زیادہ فرق نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بکرے کے بجائے بکری کا صدقہ کرنا بھی درست ہے۔

لقلة التفاوت فی الأعراض فلا یفسد العقد بعد مه بمنزله وصف الذکورة والأنوثة فی الحیوانات. (الهدایة: ۱۹/۳) فقط والله تعالیٰ أعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۴۲۰/۶/۲۱ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۶۴/۷-۲۶۵)

غیر مسلم کو صدقہ فطر دینا:

سوال: صدقہ فطر اہل ہنود کو دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: محمود خان پیش امام جامع مسجد، ضلع ہمیر پور)

الجواب ـــــــــــــــ

اہل ہنود کو نہیں دینا چاہیے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی: ۳۱۵/۴-۳۱۶)

---

(۱) ومصرف هذه الصدقة ماهو مصرف الزکاة. (الهندیة، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۱۹۴/۱، کوئٹة)

ہندو سائل کے ساتھ کیا معاملہ کریں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ اگر کوئی ہندو سائل دروازہ پر آ کر سوال کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کو دینا بہتر ہے، یا نہیں دینا چاہیے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ الجواب ــــــــــــ وباللہ التوفیق

ہندو سائل کے بارے میں اگر ضرورت مند ہونے کا گمان غالب ہو تو اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرنا چاہیے، البتہ زکوٰۃ کی رقم اسے دینا درست نہ ہوگا۔

عن إبراهيم بن مهاجر قال: سألت إبراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام؟ فقال: أما الزكاة فلا، وأما إن شاء رجل أن يتصدقه فلا بأس، عن الحسن قال: لايعطى المشركون من الزكاة ولا شئ من الكفارات، عن جابر بن زيد قال: قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم فى أهل الذمة من الصدقة والخمس. (المصنف لابن أبى شيبة: ٥١٦/٦-٥١٧، رقم: ١٠٥١٠-١٠٥١١-١٠٥١٥)

عن سعيد بن جبير رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاتصدقوا إلا علىٰ أهل دينكم، إلخ. (المصنف لابن أبى شيبة: ٥١٤/٦، رقم: ١٠٤٩٩)

وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق. (الفتاویٰ الهندية: ١٨٨/١، الهداية: ٢٠٥/١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۱۲ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ (کتاب النوازل: ۲۶۵/۷-۲۶۶)

مصارف صدقۂ فطر:

سوال: مصرف زکوٰۃ وصدقۂ فطر اور چرم قربانی ایک ہیں یا کچھ فرق ہے؟ اگر سادات کو اور ماں باپ کو زکوٰۃ، یا صدقۂ فطر، یا قیمت چرم قربانی دے دے تو ادا ہو جاوے گی، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــ

مصرف زکوٰۃ وصدقۃ الفطر اور قیمت چرم قربانی ایک ہے؛ یعنی جن لوگوں کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، ان کو صدقۂ فطر اور قیمت چرم قربانی دینا بھی درست نہیں ہے، (۱) سادات کو زکوٰۃ دینے کے بارہ میں صحیح فتویٰ یہ ہے کہ ناجائز ہے، (۲) اصول وفروع کو اگر عمداً یعنی باوجود ان کو پہچاننے کے صدقۂ فطر، یا قیمت چرم قربانی دے دی گئی تو وہ صدقۂ فطر وغیرہ ادا نہیں ہوا، (۳) دوبارہ دیوے، یہی حکم زکوٰۃ کا ہے؛ لیکن اگر اندھیرے میں یہ سمجھ کر کہ یہ کوئی محتاج ہے، زکوٰۃ

(۱) وصدقة الفطر كالزكاة فى المصارف فى كل حال. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار: ١٠٨/٢)

(۲) ولاتدفع إلىٰ بنى هاشم إلخ. (الهداية: ١٨٨/١، ظفير

(۳) ولايدفع المزكى زكوٰة ماله إلىٰ أبيه وجده وإن علا. (الهداية: ١٨٨/١، ظفير)

وصدقۂ فطر وغیرہ دے دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ جس کو دیا ہے، وہ غنی ہے، یا باپ ہے، یا دادا ہے، یا بیٹا پوتا ہے تو زکوٰۃ وفطرہ وغیرہ ادا ہوگیا، دوبارہ دینے کی ضرورت نہیں ہے؛(۱) لیکن مسئلہ نہ جاننے کی وجہ سے باپ وغیرہ کو دینے سے زکوٰۃ وغیرہ ادا نہ ہوگی، دوبارہ دینا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۳۲۸)

امام مسجد کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں:

سوال: امام کو صدقۂ فطر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

امامت کی وجہ سے اس کو فطرہ دینا جائز نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۳۲۸)

اگر کسی کے ذمہ روپے باقی ہوں اور فطرے میں اس کو چھوڑ دے تو فطرہ ادا ہوگا، یا نہیں:

سوال: زید کے پاس میرا روپیہ ہے اور وہ دے نہیں سکتا، اس کو یہ کہہ دیا کہ تمہارے پاس جو روپیہ ہے، وہ تم کو صدقۂ فطر میں دیتا ہوں، اس سے صدقۂ فطر ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس طرح صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا، جیسا کہ زکوٰۃ بھی اس طرح ادا نہیں ہوتی، اس کا طریق فقہا نے یہ لکھا ہے کہ اس کو صدقۂ فطر، یا زکوٰۃ دے کر پھر اس سے اپنا قرض وصول کر لیا جاوے۔(۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۳۰۹)

فطرہ کن لوگوں کا حق ہے:

سوال: صدقۂ فطر کن کن لوگوں کا حق ہے؟ بنی ہاشم کو بھی دیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ بنی ہاشم، بنی ہاشم سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟ دیگر مذاہب کے سائل کو دینے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

صدقہ فطر محتاجوں کو دینا چاہیے، مسلمان ہو یا کافر، ذمی مثلاً ہندو اور بنی ہاشم کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں، نہ بنی ہاشم، بنی ہاشم سے لے سکتا ہے، دیگر مذاہب کے سایل غیر حربی کو اس کا دینا درست وجائز ہے۔ فقط

---

(۱) قال أبو حنيفة ومحمد: إذا دفع الزكاة إلى رجل يظنه فقيراً ثم بان أنه غتنى أو هاشمي أو كافر أو دفع في ظلمة فبان أنه أبو أو ابنه فلا إعادة عليه. (الهداية: ۱/۱۸۹، ظفير)

(۲) وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف في كل حال. (الدر المختار على هامش رد المحتار، ظفير)

(۳) وأداء الدين عن العين وعن دين سيقبض لايجوز وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكوته ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مديده وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۱٦، ظفير)

فی الدرالمختار: وجاز دفع غيرها(زكاة) وغيرالعشر والخراج إليه أى الذمى و لو واجباً كنذروفطرة خلافاً للشافعى، إلخ.

وفى الشامى: (قوله: للثانى) حيث قال: إن دفع سائر الصدقات العاجبة إليه لايجوزاعتباراً بالزكاة وصرح فى الهداية وغيره بان هٰذا رواية عن الثانى وظاهره إن قوله المشهور كقولهما.

وأيضاً: فى الشامى تحت (قوله: وبه يفتىٰ) قلت: لكن كلام الهداية وغيرهايفيد ترجيح قولهما و عليه المتون. (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۹۳/۶-۲۹۴)

صدقہ کی رقم بھانجی کو دینا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سائل کی حقیقی بھانجی بیوہ ہو گئی ہے، بیوہ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، وہ محنت ومزدوری اور امداد عزیز واقارب سے زندگی بسر کر رہی ہے تو کیا وہ صدقہ کی مستحق ہے، یا نہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

صدق کی رقم آپ اپنی حاجت مند بھانجی کو دے سکتے ہیں۔

عن سلمان بن عامرعن النبى صلى الله عليه وسلم قال: الصدقة على المسكين صدقة وهى علىٰ ذى الرحم إثنان صدقة وصلة. (صحيح ابن حبان: ١٤٣/٥، رقم: ٣٣٣٣، دارالفكر بيروت، صحيح البخارى: ١٩٨/١، رقم: ١٤٦٦)

ويجوزصرفها إلىٰ من لايحل له السوال إذا لم يملك نصاباً. (الفتاویٰ الهندية: ١٨٩/١)

قال فى الهندية: الأفضل فى الزكاة والفطروالنذوروالصرف أولاً إلى الآخرة والأخوات ثم إلىٰ أولادهم. (الفتاویٰ الهندية: ١٩٠/١) **فقط والله تعالىٰ أعلم**

كتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، ۱۸/۱/۱۴۱۳ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۵۲/۷-۲۵۳)

فطرہ کی آمدنی مسجد مدرسہ کی دیوار یا غسل خانہ میں لگانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان وشرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ فطرہ کی آمد کو مسجد، یا مدرسہ کی دیواریں، یا غسل خانہ، یا وضوخانہ میں کہیں لگا سکتے ہیں؟

باسمه سبحانه تعالىٰ الجواب ــــــــــــــــ وبالله التوفيق

فطرہ کی آمدنی ضرف غربا کا حق ہے، اس مسجد کی کسی بھی ضرورت میں لگانا جائز نہیں ہے۔

قال الله تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ (التوبة: ٦٠)

---

(۱) ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ٢٩/٢، ظفير

عن الثوری قال: الرجل لایعطی زکاة ماله فی کفن میت، ولا دین میت، ولابناء مسجد، إلخ. (المصنف لعبد الرزاق: ۱۱۲/٤، رقم: ۷۱٦۳)

لایصرف إلٰی بناء نحو مسجد کبناء القناطر والساقایات. (رد المحتار، کتاب الزکاة: ۳٤٤/۲، کراتشی، ۲۹۱/۳، زکریادیوبند)

لا إلٰی ذمی وبناء مسجد. (البحرالرائق: ۲٤۳/۲، کوئته)

لا یجوزأن یبنی بالزکاة؛ لأن التملیک شرط فیها، ولم یوجد، وکذا لایبنی لها القناطر و السقایات. (تبیین الحقائق، باب المصرف: ۱۲۰/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

مصرف هٰذه الصدقة ما هومصرف الزکاة. (الفتاویٰ الهندیة: ۱۹٤/۱)

ولا یجوزأن یبنی بالزکاة المسجد. (الفتاویٰ الهندیة: ۱۸۸/۱، رد المحتار: ۲۹۱/۳، زکریا، البحر الرائق ۲٤۳/۲، کراتشی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۹ھ۔ الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ۔ (کتاب النوازل: ۲۵۴/۷)

پورٹ بلیر جہاں قیدیوں کی آبادی ہے اور قانوناً اعانت منع ہے تو کیا ان کو صدقۂ فطر دے سکتی ہیں:

سوال (۱) میں پورٹ بلیر میں ہوں، جہاں شور بھیجے جاتے ہیں، قانوناً ان قیدیوں کو کسی طرح اعانت کرنا منع ہے، ان کو صدقۂ فطر دے سکتے ہیں؟

جہاں قیدیوں کے سوا کوئی نہیں، وہاں صدقۂ فطر مساکین میں شمار ہے:

(۲)　یہاں قیدیوں کو سوائے اور کوئی مسکین نہیں تو کس طرح صدقۂ فطر ادا کیا جائے؟

الجواب

(۱،۲)　ان کو صدقۃ الفطر دینا جائز ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۲/۶)

کیا قیدیوں کا مساکین میں شمار ہے:

سوال:　کیا قیدیوں کا مساکین میں شمار ہے؟

الجواب

جب کہ ان کے پاس بقدر نصاب مال نہ ہوں تو وہ مساکین ہیں اور ان کو صدقۂ فطر دینا درست ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۱۲/۶)

---

(۱)　**(قوله: مصرف الزکاة، إلخ) وهو مصرف أیضاً: لصدقة الفطر إلخ. هوفقیروهومن له أدنٰی شیء أی دون نصاب، إلخ، ومسکین من لاشیء له، إلخ.** (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب المصرف: ۷۹/۲-۸۰، ظفیر)

(۲)　**فقیروهومن له أدنٰی شئی دون نصاب أوقدرنصاب غیر نام مستغرق فی الحاجةَ** (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب المصرف: ۷۹/۲-۸۰، ظفیر)

ایک شخص کا فطرہ کئی شخصوں کو دینا کیسا ہے:

سوال: فطرہ یک شخص بچند کس وبالعکس دادن جائزست، یانہ؟

الجواب

قال فی الدرالمختار :وجازدفع کل شخص فطرته إلٰی مسکین أومساکین علٰی ماعلیه الأکثربه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدایع والمحیط وتبعهم الزیلعی فی الظهارمن غیر ذکرخلاف وصححه فی البرهان فکان هوالمذهب إلخ. کماجازدفع صدقة جماعة إلٰی مسکین واحد بلا خلاف یعتد به،الخ. (۱)

پس معلوم شد کہ فطرہ یک کس بچند کس وبالعکس دادن جائز است۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۲۲/۶)

فطرہ کسی ایک شخص کو دینا افضل ہے یا کئی کو:

سوال: فطرہ گیہوں کا ایک شخص کو دینا افضل ہے، یا کئی کو؟

الجواب

کئی شخصوں کو دینا بھی درست ہے؛ مگر افضل یہ ہے کہ ایک کا صدقہ ایک مسکین کو دیا جاوے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۳۲۵/۶)

ایک شخص ایک مسکین کو صدقہ فطر دے یا کئی مسکینوں کو دینا بھی جائز ہے:

سوال: فتاویٰ امدادیہ میں ہے:

وجاز دفع کل شخص فطرته إلٰی مسکین علی المذهب کما جاز دفع صدقة جماعة إلٰی مسکین واحد بلاخلافٍ.

اورعالمگیریہ، جلداول، کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ:

ویجب دفع صدقة فطر کل شخص إلٰی مسکین واحد حتٰی لوفرقه علٰی مسکینین أوأکثرلم یجز ویجوزدفع ما یجب علی الجماعة إلٰی مسکین واحد،کذا فی التبیین.(۱۲٤/۱)(۳)

بس ان دونوں قول میں کس کا قول مرجّح ہے،اورکس پرعمل کرے،ادلۂ شرعیہ سے ارشاد فرماویں؟

---

(۱) الدرالمختارمحتبائی،باب صدقة الفطر:۱٤٥/۲،ظفیر

(۲) وجازدفع کل شخص فطرته إلٰی مسکین أومساکین إلٰی قوله کتفریق الزکاة والأمرفی حدیث أغنوهم للندب فیفیدالأولویة،الخ.(الدرالمختارعلٰی هامش رد المحتار،بابن صدقة الفطر:۱۰۶/۲، ظفیر)

(۳) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الزکاة،الباب الثامن فی صدقة الفطر: ۱۹۳/۱،دارالفکربیروت،انیس

الجواب

قال فی الدر: وجاز دفع کل شخص فطرته إلٰی مسکین أومساکین علٰی ما علیه الأکثر وبه جزم فی الولوالجیة والخانیة والبدائع والمحیط وتبعهم الزیلعی فی الظهار من غیر ذکر خلاف وصححه فی البرهان فکان هو المذهب کتفریق الزکاة والأمر فی حدیث اغنوهم للندب فیفید الولویة کما دفع صدقة جماعة إلٰی مسکین واحد بلا خلاف یعتد به، آه. (۲/۲۰۱)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ امدادیہ میں جو لکھا ہے، وہی صحیح ہے اور عالمگیریہ میں جو ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک ہی مسکین کو دینا واجب اور تفریق کو غیر جائز لکھا ہے، وہ قول ضعیف پر مبنی ہے۔ ہاں عمل میں اولیٰ وہی ہے، جو عالمگیریہ میں ہے، گو اس کے خلاف بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم

۲۲/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۶ھ (امداد الاحکام: ۳/۴۱)

☆ ☆ ☆

(۱) الدر المختار، باب صدقة الفطر: ١/١٤٠، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

متفرقات زکوٰۃ

کسی کو سو روپے قرض دیا، ۴۵/سال بعد وصول ہوا تو زکوٰۃ کس طرح ادا کرے:

سوال: ایک شخص نے دوسرے کو سو روپے قرض دیا، مدیون نے بعد ۴۵/سال کے روپیہ ادا کیا تو اب زکوٰۃ کس قدر دینی چاہیے؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ قرض کی زکوٰۃ بعد وصولیابی کے پچھلے سالوں کی دینی لازمی ہے، سو روپے کے ۲/۸ ہیں، پھر ہر سال کم ہوتی جاوے گی، یہاں تک کہ جب نصاب پورا نہ رہے گا، زکوٰۃ ساقط ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۶)

جس کی ادائیگی کا ظن غالب نہ ہو، کیا کرے:

سوال: صاحب زکوٰۃ کے ذمہ مبلغ ۲۰/روپے واجب الاداء تھے، اس نے مبلغ ۱۵/تو یقیناً ادا کردیئے اور مبلغ پانچ میں شک ہے کہ ادا کئے، یا نہیں تو پانچ روپے اس کے ذمہ ادا کرنے ضروری ہیں، یا نہ؟

الجواب

جب کہ غلبۂ ظن ادا کرنے کا نہیں ہے اور غلبۂ ظن کا ہی اعتبار ہے تو اس کو وہ پانچ روپے باقی ماندہ ادا کرنا چاہیے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۲۹/۶)

ایک شخص زکوٰۃ ادا کئے بغیر مرگیا تو اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے:

سوال: عمر صاحب نصاب تھا، اس کے ذمہ مال کی زکوٰۃ واجب الاداء تھی؛ مگر وہ زکوٰۃ ادا کئے بغیر ایک نابالغ لڑکا چھوڑ کر فوت ہوگیا۔ کیا اب عمر کی عورت اس مال میں سے سابقہ باقی ماندہ اور حال کی زکوٰۃ ادا کرسکتی ہے، یا نہ؟

الجواب

بدون وصیت متوفی کے مال متروکہ مشترکہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کرسکتی؛ کیوں کہ وارث نابالغ لڑکا بھی ہے، اس کے حصہ میں بلا وصیت کے یہ تصرف نہیں ہوسکتا۔(۱)

---

(۱) ولوكا الدين ... فوصل إلى ملكه لزم زكاة مامضى. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۱۲/۲، ظفير)

(۲) ولو مات فأداها وارثه جاز. (الدرالمختار) في الجوهرة اذا مات من عليه زكاة أو فطرة أو كفارة أو نذر لم تؤخذ من تركته عندنا، إلخ، و إن أوصى تنفذ من الثلث. (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۹۸/۲)

في الدرالمختار: وأما دين الله تعالىٰ فإن أوصىٰ به وجب تنفيذه.

شامی میں ہے:

وذلك كالزكاة والكفارات، إلخ. (المجلدالخامس) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۳۳۰)

مسئلہ زکوٰۃ:

سوال: گورنمنٹ نے بعض فوجی پنشنر اشخاص کو مربعہ جات (اراضی جونہر کے پانی سے سیراب ہو) بطور عطیہ کے عطا کئے ہیں، جن پر مطالبہ مال وآبیانہ ششماہی لگتا رہتا ہے، علاوہ ازیں یہ شرط ٹھہرائی گئی کہ عرصہ پانچ سال تک بمع معاملہ کچھ رقم بطور مالکانہ ادا کرنی پڑے گی، اس وقت معینہ کے بعد مبلغ گیارہ صد روپیہ قیمت گی مربعہ ادا کر کے ہر شخص مالک مربعہ بن سکتا ہے اور وہ مالکانہ بند ہوجائے گا اور ساتھ یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ مالک نہیں بننا چاہتا تو مالکانہ بدستور ادا کرتا رہے، جبراً قیمت نہیں لی جائے گی، اب جس شخص کے پاس قیمت مربعہ قبل از عطیہ موجود ہے اور اس نے اس نیت سے رکھی ہوئی ہے کہ قیمت مربعہ ادا کر کے مالک مربعہ بنوں گا، اس پر بعد گذرنے سال کے زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہاں اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے؛ کیوں کہ وہ قرض سے فارغ ہے، گورنمنٹ کی رقم اس پر قرض نہیں، جب کہ یہ خود مختار ہے کہ اس رقبہ کا مالک بنے، یا نہ بنے اور اس زمین کو خریدے، یا نہ خریدے تو عقد کا تحقق نہ ہوا اور نہ ثمن اس کے ذمہ لازم ہوا۔ واللہ اعلم

۱۰/ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام: ۳/ ۲۴)

اداءزکوۃ کے وقت نیت کرنا:

سوال: ادائے زکوٰۃ کے وقت یہ ظاہر کرنا کہ یہ زکوۃ کا مال ہے۔ ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

ادائے زکوٰۃ کے لیے ضروری ہے کہ ادا کرنے، یا مال علاحدہ کرنے کے وقت زکوٰۃ کی نیت کرے، جس کا تعلق قلب سے ہے، اس وقت اتنا خیال ضروری ہے کہ کسی کے پوچھنے پر فوراً جواب دے سکے کہ یہ زکوۃ کا مال دے رہا ہوں؛ لیکن اعلان واظہار ضروری نہیں۔

کنز میں ہے: **وشرط أدائها نية مقارنة للأداء والعزل ما وجب، إنتهىٰ.**

اور عالمگیریہ میں ہے: **إذا كان بوقت التصدق بحال لوسئل عما إذا تؤدى يمكنه أن يجيب من غير زكاة فذلك يكون نية منه، إنتهىٰ.**

اورالبحرالرائق میں ہے:

فی فتح القدیر: والأفضل فی الزکاۃ الإعلان، إنتھٰی.

اورعالمگیریہ میں ہے:

إذا أراد الرجل الزکاۃ الواجبۃ قالوا: الأفضل الإعلان والإظھار وفی التطوعات ھوالإخفاء والإسرار، کذا فی فتاویٰ قاضی خان. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۱)

زکوٰۃ میں سسرالی رشتہ داروں کومقدم سمجھنا:

سوال: زکوٰۃ دینے کے لیے سسرالی رشتہ دارمقدم ہیں، یا یہ رشتہ داراجنبی لوگوں کے مساوی ہوں گے؟

الجواب

ادائے زکوٰۃ کے لیے یہ رشتہ داراجنبی لوگوں پرفوقیت رکھتے ہیں اوران کاحق مقدم ہے۔

البحرالرائق میں ہے:

قال فی الفتاوی الظھیریۃ: ویبدأ فی الصدقات بالأقارب ثم الموالی ثم الجیران وذکرفی موضع آخرمعزیاً إلٰی أبی حفص الکبیر: لاتقبل صدقۃ الرجل وقرابتہ محاویج ینسد حاجتھم، إنتھٰی.

اورعالمگیریہ میں ہے:

والأفضل فی الزکاۃ والفطروالنذرالصرف أوّلا إلٰی الإخوۃ والأخوات ثم إلٰی أولادھم، ثم إلٰی الأعمام والعمات ثم إلٰی أولادھم ثم إلٰی الأخوال والخالات ثم إلٰی أولادھم ثم إلٰی ذوی الأرحام ثم إلٰی الجیران ثم إلٰی أھل حرفتہ ثم إلٰی أھل مصرہ أوقریتہ، کذا فی السراج الوھاج، إنتھٰی. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۱-۲۳۲)

اشیاءمنقولہ وغیرمنقولہ کے کرایہ میں زکوٰۃ:

سوال: اگرکوئی شخص مکان ودکان اوراشیاءمنقولہ سے کرایہ حاصل کرتا ہے، یا مکان وغیرہ اس کے قبضہ اور ملکیت میں ہوں؛ مگرکرایہ پرنہیں دیتا، تجارت کی نیت ہو، یانہ ہوتوایسی صورت میں زکوۃ واجب ہوگی، یانہیں؟

الجواب

اگرمکان ودکان، یااشیاءمنقولہ دیگ وٹب وغیرہ کرایہ پرچلاتا ہے؛ مگرتجارت کی نیت نہیں، یابوقت خریدتجارت کی نیت تھی؛ مگربعدمیں کرایہ پردیناشروع کردیاتوان صورتوں میں زکوۃ واجب نہ ہوگی۔

مجمع البرکات میں ہے:

رجل اشتریٰ أعیاناً منقولۃ یواجرھا میاومۃ ومشاھرۃ ومسانھۃ ویحصل لہ من المنقولات

مال عظيم لايجب الزكاة فيها؛لأنها ليست بمال التجارة لأنها يمسكها وينتفع بها نوع انتفاع فصاركالاستعمال فلم يجب في ذلك شيء،كذا في خزانة الروايات.

دوسری جگہ مذکور ہے:

لواشترىٰ لرجل داراً أوعبداً للتجارة ثم آجره يخرج من أن يكون للتجارة ولواشترىٰ وقدوراًمن الصفريمسكها ويواجرها لايجب فيها الزكاة كما لايجب في بيوت الغلة،كذا في فتاوىٰ قاضي خان،إنتهىٰ.

اوراگران مملوکہ مکانات اوردوکانوں اوراشیاء منقولہ کونہ کرایہ پردے اورنہ تجارت کی نیت کرے،تب بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

مجمع البرکات میں ہے:

ولوكان له عبيداً لا للتجارة أوداراً لا للسكنىٰ ولم ينوالتجارة لايجب فيها الزكاة وإن حال عليها الحول،كذا في شرح الوقاية،إنتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۲)

زمین مزورعہ میں زکوٰۃ:

سوال: اگرکوئی شخص اپنی زمین میں کاشت کرتا ہےتواس زمین اور پیداورکی زکوٰۃ کا کیاحکم ہے؟

الجواب

زمین کے بارے میں جب تک تجارت کی نیت نہ کرے،اس وقت اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

کنز میں ہے:وفي عروض تجارة بلغت نصاب ورق أوذهب،إنتهىٰ.

اورمولانا عبدالعلی بحرالعلوم رسالۂ ارکان میں تحریرکرتے ہیں:

وأما العروض فإنمايجب فيه الزكاة إذا كانت للتجارةإذا بلغ قيمتها نصاباً من الفضة أو الذهب ويجب فيها ربع العشرمن قيمتها ويشترط فيه التجارة لما عن سمرة بن جندب قال:أما بعد! فإن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمرنا أن نخرج من الصدقة من الذين نعده للبيع،رواه أبوداؤد،إنتهىٰ.

اورزمین کی پیداور جب تک نقد مال کی صورت میں متغیر نہ ہو، اس وقت تک زکوۃ واجب نہ ہوگی،خواہ سال گزرجائے۔

مجمع البرکات میں ہے:إذا حصل من أرضه حنطة مثلاً يبلغ قيمتها نصاباً ونوىٰ أن يمسكها أويبيعها وحال عليها الحول فإنه لايجب فيها الزكاة،كذا في البرجندي وفي الحجة:حتىٰ ينقد ثمنها ويحول الحول، كذافي فتاوىٰ قاضي،إنتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۲-۲۳۳)

مال زکوٰۃ کے بدلہ غلہ وغیرہ خریدنا:

سوال: اگر زکوۃ کے روپیہ سے کپڑا، یا غلہ خرید کر مساکین کو دے دیا جائے تو زکوۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

ادا ہوجائے گی؛ کیوں کہ ادائے زکوٰۃ میں اصل رکن تملیک ہے، جو یہاں موجود ہے۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۳)

صرف اراضی ہو وہ زکوۃ لے سکتا ہے، یا نہیں:

سوال (۱) جس کے پاس اراضی ہو اور نقد روپیہ نہ ہو، اس کو زکوٰۃ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

کسی مدرسہ کے نام سے زکوۃ وصول کرلایا، وہ مدرسہ قائم نہ ہوا تو کیا کرے:

سوال: کسی نے زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کا روپیہ وصول کیا تھا کہ فلاں جگہ مدرسہ قائم کروں گا، وہ مدرسہ کسی سبب سے قائم نہیں ہوا تو دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر بالکل خرچ نہ کرے تو عنداللہ موخوذ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

زکوٰۃ کو اس کے مصرف میں صرف کردینا چاہیے، اگر ایک مصرف میں کسی وجوہ سے صرف نہیں ہوسکا تو دوسرے میں صرف کردے، جس کا بہترین مصرف طلبہ علم دین ہیں، اگر یہ شخص اس کو اس کے مصرف میں صرف نہیں کرے گا تو عنداللہ ماخوذ ہوگا، اس کو اس کے خرچ کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۳/۶)

زکوٰۃ کا استعمال افطار صوم میں درست ہے، یا نہیں:

سوال: استعمال زکوٰۃ برائے افطار صوم جائز است، یا نہ؟

الجواب

اگر بطور اباحت باشد چناں چہ دستور عام ہمان است جائز نیست، **كذا في الدر المختار: تحت (قوله تمليك) خرج الاباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزكاة لاتجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض.** (۲) واگر مقدار واجب را از جنس مطعوم ومشروب بدیں طور ادا کند کہ فقراء ومساکین را بوقت افطار بطور تملیک مید ہد آنہا تعقل قبض ہم داشتہ باشند اندریں صورت زکوٰۃ ادا تواند شد ومراد از تعقل قبض آنکہ آں چناں طفل خرد رانہ دہد کہ تعقل قبض ندارد، **كما مر من الدر المختار.** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۸۴/۶)

---

(۱) **ولايجوز دفع الزكوٰة إلى من يملك نصاباً من أى مال كان. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۸۹/۱) وللوكيل أن يدفع لولده الففقير وزوجته لا لنفسه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۱٤/۲، ظفير**

(۲) **الدر المختار على هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۳/۲، ظفير**

مالدار پیشہ ور فقرا کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست نہیں ہے:

سوال: ہمارے یہاں مساکین فقرا ایسے نہیں جو صدقۂ فطر لینے کے قابل ہوں، چوں کہ آج کل فقرا مالداروں سے بدرجہا بہتر ہیں اور خاص کر قصبہ ہذا کے فقیر صاحب نصاب ہیں اور ان پر زکوٰۃ فرض ہے، اگر شرعاً یہی حکم ہو کہ ایسے فقرا کو زکوٰۃ وغیرہ دی جائے تو ہم کو کوئی عذر نہیں ہے اور اگر ایسے فقرا کو دینا جائز نہیں تو مدرسہ اسلامیہ میں خرچ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسے نام کے فقرا کو جو مالدار صاحب نصاب ہیں، صدقۃ الفطر وزکوٰۃ و دیگر صدقات واجبہ نہ دینا چاہیے؛(۱) بلکہ مدرسہ میں لے کر طلباء مساکین وغربا پر صرف کرنا چاہیے اور اگر تملیک فقیر کے بعد مدرس کی تنخواہ میں دیا جاوے تو درست ہے اور تملیک فقیر کی یہ صورت ہے کہ صدقۃ الفطر، یا زکوٰۃ پہلے ایسے شخص کی ملک کر دی جائے، جو کہ واقعی فقیر ہو اور مالک نصاب نہ ہو، پھر وہ اپنی طرف سے اس کو داخل مدرسہ کر دے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۸۶)

محتاج بالغ شاگرد کو زکوٰۃ دے کر تنخواہ میں لے لینا کیسا ہے:

سوال: ایک مالدار نے اپنے لڑکے کی تنخواہ معلم کو دی اور کچھ باقی ہے وہ معلم کو نہیں دیتا ہے اور دیتا ہے تو بہت تاخیر کر کے، اس حالت میں معلم لڑکے مذکور بالغ محتاج کو زکوٰۃ کا روپیہ دے کر اپنی تنخواہ میں لے سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر وہ لڑکا شاگرد بالغ و محتاج ہے تو معلم اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے، پھر وہ لڑکا اگر چاہے معلم کو اس کی تنخواہ میں دے دیوے؛ مگر جبر نہیں کر سکتا، چاہے وہ لڑکا دیوے، یا نہ دیوے، اگر نہ دیوے تو معلم کو لینا درست ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۲۹۰)

قربانی ترک کر کے، قربانی کی رقم بلقانی مسلمانوں کو دینا درست نہیں:

سوال: امسال قربانی کا تمام وکمال روپیہ اپنے بلقانی بے بس بھائیوں کی مرہم پٹی اور ان کی بیوگان و یتامیٰ کی امداد کے لیے ترک بھیج دیا جائے اور ایسی حالت میں جب کہ اسلام کے دروازہ پر قیامت بپا ہے، قربانی نہ کی جائے۔ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

---

(۱) مصرف الزكاة، إلخ، هو فقير وهو من له أدنىٰ شئ أى دون نصاب، إلخ. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۷۹، ظفير)

(۲) وحيلة التكفين أن يتصدق بها علىٰ فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا فى تعمير المسجد. (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب المصرف: ۲/۸۵، ظفير)

الجواب

قربانی کرنا ضروری ہے، وہ صورت مذکورہ سوال سے ادا نہ ہوگی، البتہ یہ درست ہے کہ قربانی کی جائے اور قیمت چرم قربانی کو وہاں بھیج دیا جائے اور اس کا اہتمام کیا جائے اور کیا اچھا ہو کہ جن لوگوں پر قربانی واجب ہے، وہ اپنا تمام وکمال نصاب وہاں بھیج دیں کہ قربانی ہی ذمہ پر نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اگر ایسی توفیق دے تو اس سے بہتر کیا ہے۔ الحاصل یہ درست نہیں کہ صاحب نصاب مالک رہیں اور قربانی نہ کریں۔(۱) فقط واللہ اعلم (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۳۰۰-۳۰۱)

جس روپے سے مکان خریدا کیا، اس پر زکوٰۃ واجب ہے:

سوال: ایک شخص نے پانچ سو روپے میں ایک مکان خریدا، گھر والوں نے اس میں جانا پسند نہیں کیا، اس وجہ سے اس نے فروخت کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اس صورت میں اس پانچ سو روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس پانچ سو روپے کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، جس سے مکان خریدا گیا، جس وقت تک وہ روپیہ موجود تھا اور مکان نہ خریدا تھا، اس وقت تک کی زکوٰۃ لازم تھی، جب مکان خریدلیا، اس وقت سے زکوٰۃ اس کی ساقط ہوگئی،(۲) اور جس وقت مکان فروخت ہوکر نقد روپیہ حاصل ہوگا تو بعد حولان حول اس پر زکوٰۃ لازم ہوجاوے گی۔(۳) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۱۲۸-۱۲۹)

والد کی زندگی میں بطور میراث جو ملے، وہ مانع زکوٰۃ ہے، یا نہیں:

سوال: والد کی زندگی میں جو چیز وراثت میں ملے گی، وہ مانع زکوٰۃ ہے، یا نہیں؟

الجواب

والد کی حیات میں اس کی اولاد مالک اس کے مال کی نہیں ہے، لہٰذا وہ مانع عن اخذ الزکوٰۃ اولاد بالغین کے لیے نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۱۹۸)

---

(۱) لو تصدق بها حية في أيام النحر لايجوز؛ لأن الأضحية لأراقة. (الجوهرة النيرة، كتاب الأضحية: ۲/۲۵۲)
عالمگیری میں ہے: "ومنها أنه لايقوم غيرها مقامها في الوقت حتى لو تصدق بعين الشاة أو قيمتها في الوقت لايجزئه عن الأضحية: (۵/۲۹۳)
اس لیے ایک واجب کو ترک کر کے اس کی قیمت چندہ میں دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۲) ولازكاة في ثياب البدن، إلخ، وأثاث المنزل ودورالسكنى ونحوها. (الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الزكاة: ۲/۱۰، ظفير)

(۳) وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو في ملكه وثمنية المال، كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكوٰة كيفما أمسكهما ولو للنفقة. (ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۱۲، ظفير)

زیدکا مال والدین اور بھائی کے قبضہ میں رہا، اب اس کے تصرف میں آیا وہ زکوٰۃ کب سے دے:

سوال: زید کا مال اس کے کے والدین اور بڑے بھائی کے قبضہ میں رہا ہے، سن بلوغ سے اس وقت تک کہ اب زید کی عمر ۲۲؍سال ہے، اسی وجہ سے زکوٰۃ وقربانی زید اپنی طرف سے ادا نہیں کرسکا، اب زید اپنے کل مال پر قادر وقابض ہوا ہے اور اپنے ذمہ کی زکوٰۃ وقربانی ادا کرنا چاہتا ہے تو کیسے ادا کرے اور کب سے کب تک کی ادا کرنا چاہیے؟

الجواب

آئندہ کو جب سے اس کے قبضہ میں مال آیا ہے، زکوٰۃ ادا کرے، گزشتہ زمانہ کی لازم نہیں ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۵)

مندرجہ ذیل اشیا میں سے کن چیزوں پر زکوٰۃ ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس اشیاء مندرجہ ذیل ہیں، کن کن اشیا پر زکوٰۃ آوے گی: جائیداد اراضی، برتن، مویشی، پارچہ جات، زیور قیمتی ایک ہزار روپیہ، غلہ ہر قسم، نقد دو ہزار، دیگر اسباب خانگی؟

قرض دار پر زکوٰۃ ہے، یا نہیں:

(۲) شخص مذکور پر قرضہ بھی ہے اور موجودہ نقدی سے زیادہ ایسے قرض دار ہونے کی حالت میں کیا زکوٰۃ دینا لازم ہے؟

الجواب

(۱) ان اشیاء مذکورہ میں سوائے زیور ونقد کے اور کسی سامان خانگی میں زکوٰۃ لازم نہیں ہے، اراضی میں موافق شرائط کے عشر واجب ہوتا ہے اور مویشی میں اگر وہ سائم ہوں، حسب قاعدہ زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، باقی اشیائے استعمالی برتن؛ یعنی ظروف وپارچہ پوشیدنی وغلہ خوردنی میں زکوٰۃ نہیں ہے۔(والتفصیل فی کتب الفقه)(۲)

---

(۱) (و)عند قبض (مائتين منه لغيرها) أى من بدل مال لغيرتجارة وهوالمتوسط كثمن سائمة وعبيدخدمة ونحو هما مما هومشغول بحوائجه الأصلية كطعام وشراب و املاک ويعتبرما مضىٰ من الحول قبل القبض فى الأصح.(الدرالمختار)

أما المتوسط ففيه روايتان فى رواية الأصل تجب الزكاة فيه ولايلزمه الأداء حتىٰ يقبض مائتى درهم فيزكيها وفى رواية ابن سماعة عن أبى حنيفة لازكوٰة فيه حتىٰ يقبض ويحول عليه الحول؛لأنه صارمال الزكوٰة الآن فصاركالحادث ابتداء ... وعلىٰ رواية ابن سماعة لايزكيها عن الماضى ولاعن الحال إلا بمضى حول جديد بعد القبض.(ردالمحتار، كتاب الزكاة،باب زكوٰة المال:۳/ ۲۱۷-۲۱۸،دارالكتاب ديوبند، ظفير)

(۲) (ولا فى ثياب البدن) المحتاج إليها لدفع الحروالبرد (وأثاث المنزل ودورالسكنىٰ ونحوها) ... (وشرطه) أى شرط افتراض أدائها(حولان الحول) وهوفى ملكه (وثمنية المال كالدراهم والدنانير)لتعينهماللتجارة باصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفماأمسكهماولو للنفقة (أوالسوم) بقيدها الآتى (أونية التجارة) فى العروض(الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/ ۲۶۵، ۲۶۶،دار الفكر بيروت) ==

(۲) مدیون پر بقدر دین زکوٰۃ ساقط ہے اور اپنا دین کسی پر ہو تو وصول کے بعد زکوٰۃ دینا لازم ہے۔(۱) فقط
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۶۰-۶۱)

مالدار بچہ کے مال میں زکوٰۃ ہے، یا نہیں:

سوال: مالدار بچہ کے مال کی زکوٰۃ اس کے مال میں سے دینی جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں۔(ولیس علی الصبی والمجنون زکاۃ ... لنا أنها عبادۃ فلاتتاوی إلا بالاختیار تحقیقاً لمعنی الابتلاء و لا اختیار لهما. (الهدایة، کتاب الزکاۃ: ۱/۱۶۸، ظفیر) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۶۱)

زکوٰۃ کے نقد روپے اگر اپنے روپے میں ملالے اور زکوٰۃ بتدریج دے دے تو یہ کیسا ہے:

سوال: نقود میں چوں کہ تعیین نہیں ہے، پس اگر زکوٰۃ کا پیسہ اپنے مال میں ملا دیا جاوے اور پھر وقتاً فوقتاً بہ نیت ادائے زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ خرچ کیا جائے تو صاحب زکوٰۃ کی زکوٰۃ کس وقت ادا ہوگی، جس وقت اس نے وکیل کو سپرد کیا ہے، یا جب کہ مصرف کے پاس پہنچ گیا اور جب کہ وکیل نے اپنے پیسہ میں ملالیا اور بہ نیت خیرات مصرف زکوٰۃ اور غیر مصرف مثلا سادات، یا غنی مجہول پر خرچ کرتا رہا، حتی کہ اس زکوٰۃ کے پیسہ سے بدرجہا زیادہ خرچ ہوا تو زکوٰۃ ادا ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

نقود میں عدم تعیین مطلقا نہیں ہے؛ بلکہ امانات وصدقات وغیرہ میں نقود متعین ہیں، جیسا کہ الاشباہ والنظائر میں ہے: ”لایتعین فی المعاوضات ... ویتعین فی الأمانات والهبة والصدقة“. اور ایسا ہی شامی میں ہے۔

پس زکوٰۃ کی رقم بدون اجازت مزکی کے اپنے مال میں ملانی جائز نہیں ہے اور زکوٰۃ مزکی اس وقت ادا ہوگی کہ مصرف کے پاس پہنچ جاوے اور اگر وکیل نے اپنے روپے میں مؤکل کی رقم زکوٰۃ ملالیا، پس اگر یہ ملانا مؤکل کی اجازت سے ہے تو جس وقت رقم زکوٰۃ علاحدہ کر کے بہ نیت زکوٰۃ مزکی کی طرف سے دے گا، اس وقت زکوٰۃ اس کی ادا ہوگی اور اگر بلا اجازت مؤکل کے وکیل نے ایسا کیا تو اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور جو کچھ وکیل فقرا وغیرہم کو دے گا، وہ وکیل کی طرف سے ہبہ، یا صدقہ ہوگا۔

درمختار میں ہے: ”ولو خلط زکاۃ موکلیه ضمن و کان متبرعاً.

== (واللازم فی مضروب کل) منهما أی الذهب والفضة (ومعموله ولو تبراً أوحلیاً مطلقاً). (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال: ۲/۲۹۷-۲۹۸، ظفیر)

(۱) (فلازکاۃ علیٰ مکاتب) ... (ومدیون للعبد بقدردینه) فیزکی الزائد ان بلغ نصاباً. لوکان الدین علیٰ مقر، إلخ، فوصل إلیٰ ملکه لزم زکاۃ ما مضیٰ. (الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۳، دار الفکربیروت)

قال وفی الرد تحت:(قوله:ضمن و كان متبرعاً)لأنه ملكه بالخلط صارمودياً مال نفسه، قال فی التتارخانية:إلا إذا وجد الأذن أو أجاز المالكان،آه، أی أجاز قبل الدفع إلى الفقيرلما فی البحرلوأدى زكاة غيره بغيرأمره فبلغه فأجاز لم يجز؛لأنها وجدت نفاذاً على المتصدق؛لأنها ملكه ولم يصرنائباًعن غيره فنفذت عليه لكن قد يقال تجزى عن الآمرمطلقاً لبقاء الإذن بالدفع قال فی البحرولوتصدق عنه بأمره جاز... ثم قال فی التتارخانية: أووجدت دلالة الإذن بالخلط كماجرت العادة بالإذن من أرباب الحنطة بخلط ثمن الغلات.(۱)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۶۳-۶۴)

خاص ضرورت کے لیے جو رقم جمع کرے، اس پر زکوٰۃ:

سوال: اگر اپنی بہت سی ضروریات کو بند کر کے کسی خاص ضرورت کے لیے روپیہ جمع کیا جائے تو اس پر زکوٰۃ آوے گی، یا نہیں؟

الجواب

بعد سال بھر کے اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۶۵)

سال پورا ہونے کے دوتین ماہ تاخیر سے زکوۃ کی رقم دے تو یہ کیسا ہے:

سوال: گزشتہ رمضان شریف میں زیور کی زکوٰۃ واجب الادا تھی؛مگر روپیہ آمدنی کا دوتین ماہ بعد ملنے والا تھا تو یہ وقفہ کرنا درست ہے، یا نہ؟

الجواب

یہ وقفہ درست ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۶۶)

شرکت کی تجارت میں جو زکوٰۃ نکلی، اگر دوسرا شریک نہیں دے تو کیا حکم ہے:

سوال: عرصہ تقریباً سات سال کا ہوا کہ زید اور بکر نے ایک دکان شراکتی تجارت کی شروع کی تھی، شراکت کرنے کے وقت زید اور بکر کا باہمی معاہدہ یہ ہوا تھا کہ زکوٰۃ اپنے اپنے روپیہ کے مطابق ادا کی جاوے گی، چناں چہ اسی

---

(۱) الدر المختارمع ردالمحتار، كتاب الزكاة: ۲/۱٤،دارالفكربيروت،ظفير

(۲) شرط افتراض أدائها(حولان الحول)وهوفی ملكه (وثمنية المال كالدراهم و الدنانير)لتعيّنهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكوٰة كيفما أمسكهماولوللنفقة.(الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،كتاب الزكاة: ٤/٢٧٦، دار الفكربيروت،ظفير)

(۳) (وافتراضهاعمری) أی على التراخی (الدرالمختار)وفی الرد:قال فی البدائع وعليه عامة المشائخ ففی أی وقت أدٰی يكون مودياً للواجب.(كتاب الزكاة: ٢/٢٧١،دار الفكر بيروت،ظفير)

طور سے عرصہ چہار سال تک عمل درآمد رہا، ایک سال میں تقریباً دو ہزار روپیہ زکوٰۃ کے نام صرف ہوا تو بموجب معاہدہ کے زید کے ذمہ مبلغ دوصد پچاس روپیہ نکلے اور بکر کے ذمہ ایک ہزار سات سو پچاس روپے نکلے تو اب زید اپنے حصہ کا روپیہ دینے سے انکار کرتا ہے تو شرعاً اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب

اس صورت میں جس قدر زید کے روپیہ کی زکوٰۃ ادا کی گئی، وہ زید کے ذمہ ہے، اس کے حساب میں لگائی جائے گی اور جو رقم بکر کے ذمہ واجب ہے، وہ بکر کے حساب میں لگائی جائے گی، زید کا انکار کرنا معتبر نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے:

وإن تعددالنصاب تجب اجماعًا ويتراجعان بالحصص وبيانه فى الحوى فإن بلغ نصيب أحمدهمانصاباً زكاة دون الآخرولوبينه وبين ثمانين رجلاً ثمانون شاة لاشيئ عليه؛لأنه مما لا يقسم خلافاً للثاني. (الدرالمختار) **وفى الرد(قوله:إن تعدد النصاب):أى بحيث يبلغ قبل الضم مال كل واحد بانفراده نصابًا فإنه يجب حينئذٍ علىٰ كل منهماز كاة نصابه.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۶۷-۶۸)

زکوۃ سے قرضہ ادا کرنا:

سوال: زید ایک مدرسے میں زکوٰۃ کی مد میں سے ہمیشہ کچھ رقم دیا کرتا تھا حسب معمول مدرسہ کا محصل چندہ لینے کی غرض سے آیا زید نے کہا کہ کل آ کر لے جانا اتفاق سے زید دوسرے روز باہر سفر میں چلا گیا، چوں کہ محصل کو اسی روز واپس جانا تھا؛ اس لیے اس نے وہ رقم بکر سے لے لی اور کہا کہ تم زید سے لے لینا، اب اگر زید واپس آ کر وہ رقم بکر کو دے دے تو اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی، یا نہیں؟ اگر ادا نہ ہو تو کیا صورت کی جائے گی؟

(المستفتی: ۱۶۳، حافظ صبیح الدین صاحب، سوداگر اسلحہ، میرٹھ، ۵/رمضان ۱۳۵۲ھ، ۲۳/دسمبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

محصل نے جو رقم بکر سے لے لی ہے، وہ قرض ہے، اب زید کو چاہیے کہ وہ رقم محصل کو ادا کرے اور محصل اس رقم سے بکر کا قرض ادا کرے، یا زید بکر کو وہ رقم دے کر یہ ہدایت کرے کہ یہ رقم محصل کو دینے کے لیے میں تمہیں وکیل کرتا ہوں، تم اس کی طرف سے قبضہ کرلو تو زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۹۴-۲۹۵)

(۱) **كتاب الزكاة،باب زكاة المال: ۲/ ۳۰۴، ظفير**

(۲) اور چوں کہ محصل نے بکر کو قبضہ کر کے اپنے قرض رکھنے کی اجازت پہلے سے دے رکھی ہے، لہذا اس کو دینے کی ضرورت نہیں۔

وكذا فى حق الوجوب يعتبرأن يبلغ وزنها نصابًا،ولا يعتبرفيه القسمة بالإجماع.(الهندية،باب زكاة الذهب والفضة والعروض: ۱/ ۱۷۹،ط: كوئٹة)

گائے بیل وغیرہ اگر سال کا اکثر حصہ چر کر گزارتے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے:

سوال: گورنمنٹ عالیہ نے مجھے کچھ زمین پر اس شرط پر پٹہ دے رکھی ہے کہ اس زمین پر پانچ سو گائیں رکھ کر نسل کشی سے گاؤں کو ترقی دوں، اس زمین پر بہت کافی مالیہ ادا کرتا ہوں، جانوروں کی کمی بیشی ہر سال ہوتی رہتی ہے، ان گایوں پر زکوٰۃ دینا چاہتا ہوں۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ گایوں کے بدلے چھوٹی بچھڑیاں زکوٰۃ میں دینی چاہئیں، مطلع فرمائیں کہ شرعی طور پر کیا حکم ہے، گایوں کے بدلے کیا دیا جائے؟ بیل جو زراعت میں کام آتے ہیں، ان کی زکوٰۃ ہے، یا نہیں؟ بھیڑ بکری پر کیا دینا چاہیے؟ تمام گائیں سارے دن باہر ذخیرہ میں چر کر شام کو گھر آجاتی ہیں۔

(المستفتی: ۹۵۰، دوست محمد خاں، ضلع ملتان، ۳/ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، مطابق ۲۵/مئی ۱۹۳۶ء)

الجواب

اگر ان گایوں کو کھانے کے لیے چارہ وغیرہ دینا ہوتا ہے؛ یعنی ان کی زندگی سال کے اکثر حصہ میں صرف چرنے پر نہیں ہے تو ان پر سوائم کی زکوۃ واجب نہیں؛(۱) بلکہ اگر وہ تجارت کے لیے ہیں تو ان کی قیمت پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ کا واجب ہے اور اس صورت میں زکوٰۃ بصورت نقد، یا اتنی قیمت کے بچھڑے، یا گائے سب دینا جائز ہے،(۲) اور اگر گائے سال کے اکثر حصہ میں چرنے پر گزارہ کرتی ہے تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں؛ بلکہ گنتی پر ہے اور اس صورت میں بچھڑے زکوٰۃ میں دینا درست نہیں؛ بلکہ اسی قاعدے سے دینی ہوگی، جو سوائم کی زکوٰۃ کے لیے مقرر ہے،(۳) اس کو کسی مقامی عالم سے تفصیل وار دریافت کرلیں۔

زراعت کے بیلوں پر زکوٰۃ نہیں،(۴) بھیڑ بکریاں جو صرف چر کر گزارہ کرتی ہیں، ان پر زکوۃ ہے، ان کا حساب بھی معین ہے،(۵) جو کسی مقامی عالم سے دریافت کرلیا جائے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۶/۴)

زکوٰۃ دینے والے کا وکیل اگر رقم ضائع کردے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی:

سوال: زید نے مد زکوۃ وفطرہ مشترکہ کسی مدرسہ یتیم خانہ میں بذریعہ رجسٹری مذکورہ بالا رقوم روانہ کیا، مدرسہ مذکورہ

---

(۱) ولیس فی العوامل، والحوامل، والعلوفة صدقة. (الهداية، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم: ۱۹۲/۱، ط: شركة علمية، ملتان)

(۲) یعنی تجارت کے لیے ہوں تو ان پر عروض تجارت کے احکام جاری ہوں گے۔

(۳) ليس في أقل من ثلثين من البقر صدقة فإذا كانت ثلثين سائمة وحال عليها الحول، ففيها تبيع أو تبيعة. (الهداية، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم فصل في البقرة: ۱۸۹/۱، ط: شركة علمية، ملتان)

(۴) وليس في العوامل، والحوامل، والعلوفة صدقة. (الهداية، كتاب الزكاة، باب صدقة السوائم: ۱۹۲/۱، ط: ملتان)

(۵) فإذا كانت أربعين وحال عليها الحول، فيها شاة. (الهداية، باب صدقة السوائم، فصل في الغنم: ۱۹۰/۱، ط: ملتان)

کے ناظم کا خط آیا کہ رجسٹری مذکور مہر بند دستیاب ہوئی، جس میں ایک رقعہ بھی ہمراہ تھا وہ برآمد ہوا؛ لیکن رقوم نہ ملیں، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ زید کے ذمے سے ہر دونوں زکوٰۃ وفطرہ ساقط ہو گئے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۸۱، حاجی محمد ظہور احمد خاں صاحب، نزد مانڈوے، ۳۰/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ، ۱۴/مارچ ۱۹۳۷ء)

الجواب ــ

اس صورت میں بھیجے جانے والے کے ذمہ سے زکوٰۃ اور فطرہ ادا نہیں ہوا؛ کیوں کہ ڈاک خانہ مرسل کا وکیل ہے، مرسل الیہ کا نہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۹۷/۴)

زکوٰۃ کو دوسرے کی ملکیت میں دینا ضروری ہے:

سوال: ایک شخص زکوٰۃ کے روپے سے یہ کام کرنا چاہتا ہے کہ ایک یتیم خانہ جاری کرے اور یتیم بچوں کو مختلف قسم کے کام سکھائے، ازاں جملہ بیڑی بنانے کا کام بھی سکھایا جائے اور جو بیڑی اس طرح تیار ہوں، وہ فروخت کی جائیں اور وہ رقم یتیم خانہ میں صرف ہو، چوں کہ تمبا کو میں ایک قسم کا نشہ ہے، گو یہ ہر جگہ اور ہر ملک میں خصوصاً عرب میں عام رواج ہے اور بیڑی کثرت سے فروخت ہوتی ہے؛ تاہم چوں کہ زکوٰۃ کا معاملہ ہے؛ اس لیے یہ اطمینان کرنا ضروری ہے کہ یہ کام جائز ہوگا، یا نہیں؟ دوسری بات دریافت طلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ یتیم خانہ کی عمارت تعمیر کرانے میں اور اس کا سامان مثلاً فرش، پلنگ وغیرہ خریدنے میں صرف کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۵۳۲، ایچ محمد سمیع اللہ صاحب، علی گڑھ، ۲۸/جمادی الثانی ۱۳۵۸ھ، ۱۶/اگست ۱۹۳۹ء)

الجواب ــ

زکوٰۃ ادا ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مستحقین زکوٰۃ کو بغیر عوض تملیکاً دی جائے،(۲) پس زکوٰۃ کی رقم یتیم خانہ کی تعمیر میں نہیں ہو سکتی، ایسا سامان بھی نہیں خریدا جا سکتا، جو بطور تملیک کے مستحقین کو نہ دیا جائے، مثلاً یتیم خانہ کے پلنگ، فرش، فرنیچر، ظروف وغیرہ زکوٰۃ کا روپیہ ملازمین یتیم خانہ کو تنخواہ کے طور پر خدمات مفوضہ کے عوض میں بھی نہیں دیا جا سکتا۔(۳) ہاں یتیموں کی خوراک، لباس میں خرچ ہو سکتا ہے، یا وظائف کی شکل میں نقد دیا جا سکتا ہے،

(۱) لہٰذا تملیک نہیں پائی گئی اور تملیک شرط ہے۔ إذا فات الشرط فات المشروط تو جس طرح مؤکل خود اگر نہ دیتا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوتی، اسی طرح وکیل کے ضائع کرنے سے بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

فإن فعل الوکیل کفعل المؤکل. (الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة: ۳۹٤/۱، دار المعرفة بیروت)

(۲) فھی تملیک مال من فقیر مسلم غیر ھاشمی، ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة، عن المملک من کل وجه، إلخ. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الزکاة: ۱۷۰/۱، ط: کوئٹة)

(۳) ان تمام صورتوں میں یا تملیک نہیں، یا تملیک ہے؟ لیکن بلا عوض نہیں۔

بیڑی کا کام کرنا اور یتیموں سے بیڑی بنوانا اور اس کی تجارت کرنا مباح ہے، زکوٰۃ کی رقم ایسے کاروبار میں لگانا بھی مباح ہے؛ مگر زکوٰۃ اس وقت ادا ہوگی، جب رقم مستحق کی ملک میں بغیر عوض داخل ہوگی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۴/۲۹۷-۲۹۸)

تجارت میں نفع پر سال گزرنا ضروری نہیں، کیا اصل مال کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ ضروری:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲/فروری ۱۹۲۶ء)

سوال: ایک شخص نے دوہزار روپے کے سرمائے سے ایک کام جاری کیا اور ایک سال کے بعد چٹھ باندھنے پر اس کو کچھ نفع بھی ہوا تو اس کی زکوٰۃ مع نفع کے دینی چاہیے، یا اس کے نفع پر ایک سال گزرنا چاہیے؟

الجواب

سال ختم ہونے پر کل مال؛ یعنی اصل و نفع دونوں کے مجموعہ کی زکوۃ دینی چاہیے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۹۸-۲۹۹)

زکوٰۃ کی رقم دوسری رقوم میں ملا کر پھر مصرف میں خرچ کیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی:

(الجمعیۃ مورخہ ۱۸/دسمبر ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک شخص کی آمدنی کو جس میں زکوٰۃ وغیرہ ہے، خلط کر دیتا ہے اور قرض بھی دے دیتا ہے اور خود بھی لے لیتا ہے، اس کی ادائیگی شرعاً کس طور پر کرے؟

الجواب

زکوٰۃ کی آمدنی کو دوسری آمدنی میں ملانا نہیں چاہیے، ملانے کے بعد ملانے والا ضامن ہو جاتا ہے، یعنی اگر وہ روپیہ ہلاک ہو جائے تو اسے دینا پڑے گا، اگر ہلاک نہ ہو تو مصرف زکوٰۃ میں خرچ کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور قرض بھی وصول ہونے اور مصرف میں صرف کرنے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ غفر لہ (کفایت المفتی: ۴/۲۹۹)

قرضہ معاف کر کے اسے زکوٰۃ میں شمار کرنا:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۳۷ء)

سوال: ایک شخص کو بوجہ شراکت کارخانہ روپیہ بطور قرض حسنہ دیا تھا اور وعدہ یہ تھا کہ اس روپے کو میں آہستہ آہستہ

---

(۱) فهي تمليك مال من فقير مسلم غير هاشمي، ولا مولاه يشترط قطع المنفعة، عن المملك من كل وجه، إلخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۰، ط: كوئٹة)

(۲) ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالاً من جنسه، ضمه إلى ماله، وذكاه سواء كان المستفاد من نمائه، أولا، وبأوجه استفاد ضمه إلخ. (الهندية، كتاب الزكاة: ۱/۱۷۵، ط: سعيد

اتار دوں گا؛ مگر کچھ دنوں بعد شراکت توڑ دی اور کاروبار تمام اس کے سپرد کر دیا، کچھ دنوں بعد اس نے بھی بوجہ تنگ دستی کارخانہ چھوڑ دیا، روپیہ شخص مذکور کے ذمہ اسی طرح ہے اور وہ بوجہ غربت ادا نہیں کرسکتا، آیا وہ روپیہ مدز کوٰۃ میں کٹ سکتا ہے، یا نہیں؟ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زکوۃ اس روپے میں کاٹ لیں، یا نہیں؟

الجواب

مدیون مفلس ہو جائے اور اس سے ادائے دین کی امید نہ ہو اور دائن اس سے درگزر کرنا چاہے تو یہ صورت تو جائز نہیں کہ زکوۃ کو دین میں محسوب کر کے اس کو بری کر دے؛(۱) مگر یہ صورت جائز ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس مدیون کو علاحدہ دے دے اور اس کے قبضہ ملک میں چلے جانے کے بعد پھر اس سے اپنے قرض میں واپس لے لے، نتیجہ ایک ہی ہے؛ مگر یہ صورت ادائے زکوٰۃ کی شرعی صورت ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۰/۴)

زکوٰۃ میں سرکاری ریٹ کا اعتبار ہوگا، بلیک مارکیٹ کا نہیں:

سوال: ایک شخص نے کوٹہ میں دس بنڈل سوت مقررہ سرکاری ریٹ، یا بحساب رٹیل مثلا دس روپے فی بنڈل کے حساسے چالیس بنڈل سوت پایا؛ مگر بلیک مارکیٹ میں اس سوت کا تیس روپے فی بنڈل ہے تو اب زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس شخص کو سوت مذکورہ کا دام دس روپے فی بنڈل (جو کہ قیمت خرید ہے) لگانا چاہیے، یا تیس روپے فی بنڈل (جو کہ بلیک مارکیٹ کا دام ہے)؟ (المستفتی: سعید احمد انصاری زید پوری، ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء)

الجواب

دس روپے فی بنڈل قیمت لگانی چاہیے اور اسی حساب سے فروخت کرنا چاہیے، بلیک مارکیٹ سے فروخت کرنا ناجائز ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۱/۴)

بارہویں مہینہ میں جس روپیہ سے مکانات خریدے، کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہے:

سوال: ایک شخص کے پاس ہزار روپیہ ہے، جو حاجات ضروریہ سے زائد ہے، جب اس پر گیارہ ماہ گزرے تو اس نے زکوٰہ سے بچنے کے لیے مکانات، یا اور مال خرید لیا تو اس پر اس روپیہ کی زکوٰۃ ہے، یا نہ؟

---

(۱) وأداء الدين عن العين، و عن دين سيقبض،لا يجوز.(الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲۷۰/۲،ط:سعيد)

(۲) وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته،ثم يأخذ ها عن دينه ولو امتنع المديون مديده،أخذها،لكونه ظفر بجنس حقه.(الدر المختار، كتاب الزكاة: ۲۷۱/۲،ط:سعيد)

(۳) لیکن اگر بلیک مارکیٹ میں فروخت کرلیا تو آمدنی حلال ہوگی؛ مگر حکومت کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا، باقی زکوٰۃ میں ادا کرتے وقت قانونی نرخ کا اعتبار ہوگا۔

الجواب

جب تک حولان حول نہیں ہوا، اس نے مکان یا وہ سامان خرید لیا، جس میں زکوٰۃ نہیں ہے تو اس روپیہ کی زکوٰۃ ساقط ہوگئی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۷۰)

سو روپے دو بھائی اور دو بہن میں ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، یا نہیں:

سوال: ایک شخص کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد سو روپے ہیں اور اس کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں؛ مگر وہ اس روپے کے لینے کے بارہ میں کچھ کہتے بھی نہیں اور انکار بھی نہیں کرتے تو اس شخص پر اس روپے کی زکوٰۃ واجب ہے، یا نہ؟

الجواب

اگر سو روپے تنہا اس کی ملک ہیں تو زکوٰۃ اس پر واجب ہے اور اگر وہ ترکہ پدری ہے اور دو بھائی اور دو بہن اس میں شریک ہیں تو ان میں سے کسی کے حصہ میں بقدر نصاب نہیں آتا، لہذا کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں اور اس میں اس بھائی اور دونوں بہنوں کا حصہ ہے، ۳۳،۳/روپے ایک بھائی کے اور اسی قدر دوسرے بھائی کے اور اسی قدر ہر دو بہنوں کے ہیں۔(۲) ان کے نہ لینے سے ان کا حق ساقط نہیں ہوا۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۷۰)

بارہ سو روپے جس کے پاس ہوں وہ گیارہ سو کا مقروض ہے تو کتنے کی زکوٰۃ دے:

سوال: زید کے پاس سال بھر بارہ سو روپے رہے؛ لیکن گیارہ سو روپے کا قرض دار رہے، اگر بکر اس کا والد اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کردے تو ایک سو روپے کی کرے، یا گیارہ سو کی؟

الجواب

اس صورت میں صرف ایک سو روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی، گیارہ سو روپے قرض میں مستثنیٰ ہوں گے۔(۳)
(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶/۷۱)

وکیل زکوٰۃ میں تصرف نہیں کرسکتا ہے:

سوال: وکیل مال زکوٰۃ کو اپنے تصرف میں لاکر اس کے بجائے اپنے پاس سے زکوۃ ادا کرسکتا ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ولابد من الحول؛ لأنه لابد من مدة يتحقق فيها النماء وقدرالشرع بالحول لقولہٖ صلی اللّٰہ علیه وسلم لازكوٰة فی مال حتیٰ يحول عليه الحول. (الهداية، كتاب الزكاة: ۱/۱۶۸، اقرأبکڈپو دیوبند، ظفیر)

(۲) ليس فيما دون مائتی درهم صدقة لقوله عليه السلام ليس فيما دون خمس أواق صدقة والأوقية أربعون درهماً. (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة المال: ۱/۱۷۶، ظفير)

(۳) ومن كان عليه دين يحيط بماله فلازكوٰة عليه ... وإن كان ماله أكثرمن دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصاباً بالفراغة عن الحاجة والمرادبه دين له مطالب من جهة العباد حتیٰ يمنع دين النذر والكفارة. (الهداية، كتاب الزكاة: ۱/۱۶۸، ظفير)

الجواب

وکیل کو یہ تصرف کرنا جائز نہیں ہے، جو روپیہ زکوٰۃ کا اس کے پاس آوے، اس کو فقرا کو دیوے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۷۱)

مالک کے مال سے نفع اٹھانے والے زکوٰۃ ادا کردیں تو کیا حکم ہے:

سوال: ایک شخص جو مالک نصاب ہے اور جو اس کی ملکیت ہے، اس سے دوسرے لوگ نفع اٹھاتے ہیں، کیا اگر زکوٰۃ مالک نصاب دوسرے لوگ جو نفع اٹھاتے ہیں، اگر اکٹھے تمام کے تمام نکال لیں تو اس صورت میں مالک نصاب کی طرف سے فریضہ زکوٰۃ کا ادا ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں زکوٰۃ مالک نصاب کے ذمہ واجب ہے؛ لیکن اگر اس کے امر اور اجازت سے اس کی طرف سے وہ لوگ زکوٰۃ ادا کردیں، جو نفع اٹھاتے ہیں تو مالک نصاب کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جاوے گی۔

”لو أمر غیرہ بالدفع عنه جاز“. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۷۲)

سال بھر خرچ کے بعد جو غلہ رہ گیا، اس پر زکوٰۃ ہے، یا نہیں:

سوال: جو غلہ سال بھر کے خرچ کے بعد باقی رہ گیا ہو، اس پر زکوٰۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس غلہ میں جو سال بھر کے کھانے کے لیے خریدا اور بعد ختم سال باقی رہ گیا، زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۷۲)

زرعی جائیداد پر زکوٰۃ ہے، یا نہیں:

سوال: اگر کسی شخص کے پاس زرعی جائیداد ہے اور قرض بھی دینا ہے؛ لیکن اگر جائیداد کی قیمت ٹھہرائی جائے تو قرض کم ہے، ایسے شخص کے پاس اگر کچھ زیور ہو تو اس پر زکوٰۃ ہے، یا نہیں؟ زیور وغیرہ کی قیمت قرض سے بہت کم ہے۔

الجواب

اس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔(۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۶/۷۳)

---

(۱) ولو خلط زکاۃ موکلیه ضمن. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ: ۲/۲۶۹، دار الفکر بیروت، ظفیر)

(۲) رد المحتار، مطلب فی زکاۃ ثمن البیع وفاء فرع للوکیل بدفع الزکاۃ أن یؤکل غیرہ: ۲/۱۵، دار الکتاب دیوبند، ظفیر

(۳) ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلیة فلیس فی دور السکنیٰ وثیاب البدن وأثاث المنزل ... وکذا طعام أهله. (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الزکاۃ، الباب الأول فی تفسیرها وصفتها: ۱/۱۷۲، ظفیر)

(۴) (ولا فی ثیاب البدن) المحتاج إلیها لدفع والبرد ابن ملک (أثاث المنزل ودور السکنیٰ ونحوها. (الدر المختار)==

زکوٰۃ میں مہینہ کا اعتبار ہے، یا تاریخ کا:

سوال: زکوٰۃ کے حساب کے لیے کوئی تاریخ معینہ کا اعتبار ہے، یا مہینہ کا؛ کیوں کہ اس میں بڑا فرق ہوجاتا ہے، شرعًا کیا حکم ہے، تاریخ مقرر کرے، یا ماہ؟

الجواب

زکوٰۃ کے حساب کے لیے تاریخ کا اعتبار ہے، جس تاریخ کو سال پورا ہوجاوے، اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہوگی، جس وقت بھی زکوٰۃ ادا کرے گا، اعتبار اسی تاریخ وجوب کا رہے گا۔ اگلے سال اسی تاریخ میں زکوٰۃ واجب ہوجاوے گی، جس تاریخ پر پچھلے سال واجب ہوئی ہے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷۵/۶)

جو پیداوار کھانے کے لیے بھی کافی نہ ہو، کیا اس میں بھی زکوٰۃ ہے:

سوال: بسا اوقات پیداوار میں اس قدر غلہ بھی نہیں ہوتا، جس کی قیمت خرچ شدہ رقم کے برابر ہو، ایسی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

الجواب

جو کچھ پیدا ہو، اس کا دسواں حصہ نکالنا چاہیے، خواہ کم ہو، یا زیادہ، مثلاً اگر سو من غلہ پیدا ہوا تو دس من دیا جائے اور اگر دس من پیدا ہوا تو ایک من دیا جاوے۔ (۲) اور اخراجات کو محسوب نہ کیا جاوے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷۶/۶)

سال میں جو رقم گھٹتی بڑھتی رہے، اس کی زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی:

سوال: زید کے پاس ابتداء سال میں مثلاً ایک ہزار روپیہ تھا، اثنائے سال میں کم و بیش ہوتا رہا، آخر میں دس ہزار ہوگیا تو کس قدر روپے کی زکوٰۃ واجب ہے؟

الجواب

آخر سال کا اعتبار ہے، اس صورت میں دس ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۷۷/۶)

== وفی الرد: تحت (قوله: ونحوها أی كثياب البدن غير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (كتاب الزكاة: ۱۷۰/۳، دارالكتاب، ديوبند، ظفير)

(۱) عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم من استفاد مالاً فلازكٰوة فيه حتٰى يحول عليه الحول رواه الترمذی. (مشكاة المصابيح، ص: ۱۵۷، ظفير)

(وسببه) أی سبب افتراضها (ملک نصاب حولی) نسبه للحول لحولانه عليه. (الدرالمختار) وفی الرد تحت قوله: (نسبه للحول) أی الحول القمری لا الشمسی. (كتاب الزكاة: ۱٦٤/۳، دار الكتاب ديوبند، ظفير)

(۲) قال أبوحنيفة فی قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقی سيحاً أو سقته السماء إلا القصب والحطب و الحشيش. (الهداية، كتاب الزكاة، باب زكاة الزروع والثمار: ۲۰۱/۱، اقرأ بكڈپو ديوبند، ظفير)

(۳) والمستفاد ولو بهبةٍ وإرث (وسط الحول يضمّ إلٰى نصاب من جنسه) فيزكيه بحول الأصل. (الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم: ۳۱/۲، دارالفكر بيروت، ظفير)

جو روپیہ دھوکہ سے غریب کو دے دیا، نیت سے زکوٰۃ ہوگی، یا نہیں:

سوال: زید نے ایک سو ساٹھ روپے عمر کے پاس بھیجے اور لکھ دیا کہ سو روپے تمہارے ہیں اور ساٹھ روپے خالد کے لڑکوں کے ہیں، زید سے حروف کے پڑھنے میں غلطی ہوئی، اس بنا پر وہ یہ سمجھا کہ سو روپے خالد کے لڑکوں کے ہیں اور ساٹھ میرے ہیں، چناں چہ اس نے سو روپے خالد کے لڑکوں کو دے دیئے، خالد کے لڑکے غنی نہیں ہیں اور عمر خالد کے لڑکوں سے چالیس روپے لینا مناسب نہیں سمجھتا، لہذا وہ روپیہ زکوٰۃ میں مجرا ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــ

اگر وہ روپیہ ان کے پاس موجود ہے تو نیت زکوٰۃ کی ہو سکتی ہے، ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے:

"کما لو دفع بلانیة ثم نویٰ والمال قائم فی ید الفقیر... صح، الخ". (۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۷۸-۷۹)

جس غلہ کی زکوٰۃ نہ نکلی ہو، وہ حلال ہے، یا حرام:

سوال: زید نے گلہ میں دسواں حصہ زکوٰۃ نہیں نکالی تو وہ غلہ حرام ہوگا، یا حلال؟

الجواب ــ

وہ غلہ حلال ہے، زید زکوٰۃ نہ دینے سے گناہ گار اور فاسق ہو جاوے گا۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/۱۸۰)

جن غلہ کی زکوۃ نہ دی جائے، اس کا حکم:

سوال: اکثر کھیتی کرنے والے جب کہ وہ غلہ اکٹھا کرتے ہیں اور حکم ہے کہ دس من غلہ سے ایک ایک من غلہ زکوۃ نکالیں اور وہ زکوۃ نہیں نکالتے تو کیا ایسے مال سے کوئی نیک کام مثل قربانی، عقیقہ، یا میت کے لیے ایصال ثواب کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر کر سکتے ہیں تو از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

جو شخص واجب نہیں ادا کرتا تو وہ گنہ گار ہے؛ (۲) لیکن اس سے وہ غلہ حرام نہیں ہوتا، اس کا استعمال اپنی ذاتی ضروریات میں بھی درست ہے اور اور عبادت میں بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۱۰)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/۲۶۸، دار الفکر بیروت، ظفیر

(۲) قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿والذین یکنزون الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله ... فذوقوا ما کنتم تکنزون﴾ (التوبة: ۲٤)

==

جوزکوٰۃ ادانہیں کرتا،اس کا ہدیہ قبول کرنا:

سوال: جولوگ اپنے حلال مال کی زکوۃ ادانہیں کرتے ہیں،ایسے لوگوں کے یہاں دعوت کھانا اور وہ کچھ تحفہ وغیرہ دیں تو قبول کرنا شرعاً کیا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

جوشخص زکوۃ ادانہیں کرتا ہے،حالانکہ اس کے ذمہ زکوٰۃ فرض ہے تو وہ سخت گناہگار رہے۔(۱) زکوٰۃ اس کے ذمہ دین ہے؛مگر اس کی وجہ سے اس کا اصل مال حرام نہیں ہوا،اس کا ہدیہ تحفہ،دعوت قبول کرنا درس ہے۔(۲) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ،۱۳۹۰/۴/۲۴ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۳۱۰/۹)

زکوۃ کو جمع رکھنا:

سوال: ماہ رمضان مین جوزکوٰۃ کا روپیہ جمع کیا ہے،کیا وہ زکوٰۃ کا روپیہ عید کو نماز سے پہلے (حق دار تک) یعنی ضرورت مند نہ ملنے پر سال کے آخر تک،یا ایک عرصہ تک کسی اور امدادی مصرف کے لیے جمع رکھا جاسکتا ہے؟ مندرجہ بالا سوال کی تفصیل اس طرح ہے کہ میں ’’کوکنی مسلم انجمن‘‘ کا سیکٹری ہوں،پچھلے دوسال سے ہماری انجمن نے ماہ رمضان میں زکوٰۃ کے نام پر کل ایک سوستر ہیرے جمع کئے تھے،اس مال میں سے صرف ۲۵/۲۷/۲دوضرورت مندوں کو دیئے گئے تھے اور باقی رقم ۱۳۲/۷۵/۱ابھی تک انجمن کے پاس جمع ہیں۔

اس سال پھر انجمن ماہ رمضان میں زکوۃ کا روپیہ جمع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے،میں نے بحیثیت سیکریٹری انجمن کے اس ارادے کی مخالفت کی انجمن عاملہ کے چند ممبران میری اس مخالفت کو ماننے کے لیے تیار نہیں،ان کا کہنا ہے کہ یہ جمع شدہ روپیہ ہم اپنے پاس رکھ کر کسی اور امدادی مصرف کے لیے صرف کر سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں ہے کہ زکوٰۃ کا روپیہ عید کی نماز

== عن خالد بن أسلم قال:خرجنا مع عبد الله بن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما فقال أعرابی:أخبرنی عن قول الله تعالیٰ: (والذینیکنزون الذهب والفضة) قال ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما:"من كنزها فلم یؤد زكاتها،فویل لها نما كان هٰذا قبل أن تنزل الزكاة ، فلما أنزلت جعلها الله طهراً للأموال" "عن أبی هریرة قال:قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم:"من آتاه الله مالاً فلم یؤد زكاته،مثل له ماله یوم القیامة شجاعاً أقرع،له زبیبتان یطوقه یوم القیامة،ثم یأخذ بلهزمتیه یعنی لبشد فیه،ثم یقول: أنا مالك أنا كنزك، ثم تلا:(ولاتحسبن الذین یبخلون) الآیة ....(بما آتاهم الله من فضله هو خیرأنهم بل هو شرلهم)،إلخ". (صحیح البخاری: ۱۸۸/۱،قدیمی)

(۱) حوالہ بالا

(۲) أهدیٰ إلیٰ رجل شیئاً أوأضافه إن كان غالب ماله من الحلال،فلا بأس،إلا أن یعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هوالحرام،ینبغی أن لا یقبل الهدیة ولا یأكل الطعام،إلا أن یخبره بأنه حلال ورثته أواستقرضته من رجل،كذا فی الینابیع.(الفتاویٰ الهندیة: ۳٤۲/٥،الباب الثانی عشرفی الهدایا والضیافات،رشیدیة)

سے پہلے ضرورت مندوں کو دے دیا جائے؛ لیکن میرا یہ کہنا ہے کہ جب ہماری انجمن کے ممبران میں کوئی ایسا ضرورت مند نہیں ہے، جو حقیقی زکوٰۃ کا حق دار ہے تو جب تک کہ پہلے جمع شدہ زکوٰۃ کا روپیہ حقیقی حق داروں کو نہ پہنچ جائے، اس سال زکوٰۃ جمع نہ کی جائے، جو ممبران زکوٰۃ دینے کی حیثیت رکھتے ہیں، یا زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں، وہ اپنے قریبی رشتہ داروں، یا پڑوسیوں، یا محلّہ کی مسجد میں دے دیں۔ اب آپ ہی ہماری اس انجھن کو اسلام کی روشنی میں سلجھا ئیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

مستحق کو زکوٰۃ جلد از جلد پہونچا دینا بہتر ہے؛ تا کہ فریضہ جلد ہی ادا ہو جائے؛ (۱) مگر یہ ضروری نہیں کہ عید کی نماز سے پہلے ہی دے دی جائے، اگر مستحق موجود نہ ہوں تو تاخیر بھی کی جاسکتی ہے؛ لیکن سال بھر پورا ہونے سے پہلے ہی ادا کر دی جائے، کسی اور مد میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں، انجمن کے پاس جب زکوٰۃ کے صحیح مصرف پھوپی، چچا، ماموں اور ان کی اولاد کو خود ہی حسب صواب دیدے دیا کریں، اس امانت کو محفوظ رکھنے اور اس کو مستحقین پر صرف کرنے کی ذمہ داری نہ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۱۱-۳۱۲)

زکوٰۃ دے کر احسان جتانا:

سوال: میں نے زکوۃ فرض میں سے بیس روپے ایک بیوہ عورت کو دے دیئے؛ مگر ایک مرتبہ غصہ میں یہ الفاظ نکل گئے کہ ''زکوٰۃ کھا کر مقابلہ کرتی ہے'' ان الفاظ سے زکوۃ باطل ہو جائے گی، یا نہیں؟ جیسا کہ پارہ ''تلک الرسول'' کے الفاظ ہیں: ﴿یـأیها الذین آمنوا لاتبطلوا صدقاتکم بالمن و الأذی﴾ (۲) اور اب اس روپے کی مقدار دوبارہ دینا ضروری ہے، یا نہیں؟ نیز یہ واقعہ زکوٰۃ دینے سے تقریباً ایک سال بعد کا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس زکوٰۃ کا تو دوبارہ ادا کرنا ضروری نہیں؛ کیوں کہ فریضہ ادا ہو گیا ہے، البتہ اس پر رضائے ڈاوندی مرتب نہیں ہوگی، اس کے لیے معافی مانگنے اور اس کو خوش کرنے کی ضرورت ہے۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۳۹۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹/۳۱۲)

(۱) (وافتراضها عمری): أی علی التراخی، و صححه الباقالی وغیره (وقیل: فوری): أی واجب علی الفور (وعلیه الفتویٰ) کما فی شرح الوهبانیة (فیأثم بتأخیرها) بلاعذر.

(قوله: فیأثم یتأخیرها، إلخ) .... وقدیقال: المراد أن لایؤخر إلی العام القابل: لما فی البدائع عن المنتقی بالنون: اذ لم یؤدحتیٰ مضی حولان، فقد أساء وأثم، آه. (الدر المختارمع رد المحتار، کتاب الزکاة: ۲/ ۲۷۲، سعید)

(۲) سورة البقرة: ۲٦٤

(۳) أخبر اللّٰه تعالیٰ فی هٰذه الآیات ان الصدقات إذا لم تکن خاصة للّٰه عاریة من من وأذی، فلیست بصدقة؛==

جو روپیہ کھیت میں لگا، اس پر زکوۃ کا حکم:

سوال: ایک مقام پر عامۃ الناس ہزاروں روپیہ لگا کر کھیتی کرتے ہیں، تقریبا چھ ماہ ک وہ روپیہ کھیت میں لگا رہتا ہے، پھر چھ ماہ تک اپنے پاس رہتا ہے، ان پر زکوۃ واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

روپیہ کا سامان (بیج وغیرہ) خرید کر جب کھیت میں لگا دیا تو روپیہ ختم ہوگیا، کھیت تیار ہونے کے بعد جب غلہ فروخت کیا اس کی قیمت کا روپیہ وصول ہوا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور نقد موجود نہیں اور اس روپیہ پر سال بھر نہیں گزرا؛ بلکہ اس سے پہلے ہی کھیت کے کام میں خرچ ہوگیا تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوئی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۱۰/۱۳۸۸ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۹/۳۳۸)

نفع پر بھی زکوۃ واجب ہے، یا صرف سرمایہ پر:

سوال: صورت مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس رمضان ۱۳۹۲ھ کی پہلی تاریخ کو دو ہزار روپے تھے، دو مہینہ تک ایک دو ہزار میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی؛ بلکہ دو مہینے بعد اس میں زیادہ تی ہوئی تجارت کے وسیلہ سے، یہاں تک کہ ۱۳۹۳ھ کی پہلی تاریخ کو مبلغ پانچ ہزار روپے ہو گئے اور مجھ پر زکوٰۃ صرف دو ہزار واجب ہے، یا پورے پانچ ہزار پر؟ مہربانی فرما کر فوری طور پر جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اس صورت میں پانچ ہزار کی زکوۃ لازم ہوگی، درمیان سال میں جس قدر آمدنی میں اضافہ ہو، ختم سال پر اس تمام پر زکوۃ ہوتی ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔ الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۹/۳۴۰)

تنخواہ جو بچتی نہ ہو اور مکان پر زکوٰۃ نہیں:

سوال: زید ایک معمولی حیثیت کا آدمی ہے اور بہت عرصے سے ملازمت کرتا ہے، جتنی اس کی تنخواہ ہے، وہی اس کا خرچ ہے، اتنے عرصے میں وہ تنخواہ میں سے کچھ بھی اپنے، یا اپنے بچوں کے لیے پس انداز نہیں کر سکا، اس کی گھر والی کے پاس آٹھ نو سو روپے کا زیور ہے، جس کی وہ برابر زکوٰۃ دیتا رہتا ہے؛ مگر زیور پہننے سے ٹوٹ گیا ہے اور چار پانچ سال سے رکھا

== لأن إبطالها هو إبطال ثوابها، فيكون فيها بمنزلة من لم يتصدق ... ومالم يخلص لله تعالىٰ من القرب فغير مثاب عليه فاعله، الخ. (أحكام القرآن للجصاص: ٦٣٣/١، باب الامتنان بالصدقة قديمى)

(۱) سبب افتراضها ملك نصاب حولي، نسبه حول لحولانه عليه. (الدرالمختار: ٢٥٩/٢، كتاب الزكاة، سعيد)

(۲) المستفاد ولو بهبة أوإرث وسط الحول يضم إلىٰ نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل. (الدرالمختار: ٢٨٨/٢، سعيد)

ہوا ہے اور وہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے بنوا نہیں سکا، اب اس نے وہ زیور فروخت کر کے اور چار پانچ سو روپے بلا سود قرض لے کر ایک مکان خرید لیا، جس کے دس روپے ماہوار آمدنی ہے، اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۵۱۱، مہر الٰہی، صدر بازار، دہلی، ۴ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۶/ جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

اس مکان پر زکوۃ واجب نہیں، (۱) اور اس کی کرایہ کی آمدنی پر بھی جب کہ وہ خرچ ہوتی رہتی ہے، جمع نہ ہوتی ہو، زکوۃ واجب نہیں ہے۔ (۲) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۷/۴)

اولاد کی شادی کے اخراجات مانع زکوۃ نہیں:

سوال: ایک آدمی کے پاس نصاب شرعی روپیہ موجود ہے؛ مگر اس کی اولاد کا نکاح نہیں ہوا ہے اور ظاہری اسباب معاش اولاد کے واسطے بھی نہیں ہیں، ضروریات مذکورہ باقی حوائج اصلیہ میں داخل ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی: ۶۸۳، مولوی اعظم الدین زنجبار، افریقہ، ۱۲/ رمضان ۱۳۵۴ھ، ۹ دسمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

اولاد نابالغ یا بالغ معذورین کا نفقہ تو باپ کے ذمہ ہے؛ (۳) اس لیے محض نفقہ حوائج اصلیہ میں داخل ہے؛ لیکن ان کی شادیوں کے رسمی اخراجات کا تصور حوائج اصلیہ میں داخل نہیں ہے اور نہ وہ مانع وجوب زکوۃ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۸/۴)

اجارہ کی زمین پر زکوۃ ہے، یا نہیں:

سوال: جو زمین منافع پر لیا جاوے اور روپیہ چند سال کا پیشگی ادا کر دے، اس پر زکوۃ دینی پڑے گی، یا نہیں؟

الجواب

جو زمین ٹھیکہ پر؛ یعنی اجارہ پر لی جاوے اور ہر سال کی اجرت معین کر کے چند سال کی اجرت پیشگی دے دی جائے تو یہ درست ہے اور اس روپے کی زکوۃ لازم نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۳۳۳/۶)

زکوۃ کی نیت سے جو مختلف رقمیں خرچ کی جاتی ہیں، ان سے زکوۃ ادا ہوتی ہے، یا نہیں:

سوال: میں نے زکوۃ کا ایک کھاتہ علاحدہ رکھ لیا، اب جو کچھ محتاجوں پر خرچ کرتا ہوں، اس پر لکھ لیتا ہوں، مثلا

---

(۱) کرایہ کا مکان مال نامی نہیں اور زکوۃ کے لیے نامی ہونا شرط ہے۔
"ومنها كون النصاب نامیًا، إلخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة: ۱۷٤/۱، ط: كوئٹة)

(۲) ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلية، إلخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة: ۱۷۲/۱، مكتبة رشيدية، كوئٹة)

(۳) ونفقة أولاد الصغار علی الأب. (الهداية، باب النفقة: ٤٤٤/۲، شركت علمية، ملتان)

ایک لاوارث کے کفن میں پانچ روپے صرف کیا، اس کولکھ لیا اور جس قدر راہ خدا میں مسکینوں غریبوں کی خبر گیری کی وہ سب لکھتا رہا اور وقت دینے کے دل میں نیت زکوٰۃ کی بھی کرلی، اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

مسکینوں اور غریبوں کو متفرق طور سے جو کچھ بہ نیت زکوٰۃ دیا جاوے، جیسا کہ آپ کرتے ہیں، جائز ہے اور زکوٰۃ اس میں ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن لاوارث میت کے کفن میں جو کچھ صرف کیا گیا، وہ زکوٰۃ میں محسوب نہ ہوگا، وہ صدقہ نفلی رہے گا، زکوٰۃ میں زندہ فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۴/۶)

مہر کے مقروض پر زکوٰۃ واجب ہے:

سوال: مہر کے مقروض پر زکوٰۃ آوے گی، یا نہیں؟

الجواب

شامی میں ہے: ''والصحیح أنه غی مانع''. (۱) یعنی صحیح یہ ہے کہ دین مہر مؤجل وجوب زکوٰۃ سے مانع نہیں ہے؛ یعنی زکوٰۃ اس پر مال موجودہ بقدر نصاب کے واجب ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۵/۶)

زکوٰۃ غریب کو دے کر اپنے قرض میں لے لے تو کیا حکم ہے:

سوال: زید کا ایک شخص پر روپیہ قرض ہے اور وہ شخص مفلس ہے، زید یہ حیلہ کرتا ہے کہ اپنے روپیوں کی زکوٰۃ نکال کر اس مقروض کو دیتا ہے اور پھر اس سے قرض وصول کر لیتا ہے، یہ زکوٰۃ ادا ہوگی، یا نہ؟

الجواب

ادا ہو جاوے گی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۵/۶)

مدفون روپے کی زکوٰۃ:

سوال: سو روپیہ زمین میں مدفون ہے اور اس سے کسی قسم کا نفع نہیں ہے تو اس میں زکوٰۃ ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس روپے کی زکوٰۃ ہر سال دینی چاہیے۔ (۳) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۳۸/۶)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الزکاۃ: ۷/۲، ظفیر

(۲) وأداء الدین عن العین وعن دین سیقبض لایجوز وحیلة الجواز أن یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یأ خذها عن دینه ولو امتنع المدیون مدیده وأخذها لکونه ظفر بجنس حقه. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الزکاۃ: ۱۶/۲، ظفیر)

(۳) ولا فی مال مفقود ... ومدفون ببریة نسی مکانه ثم تذکره ... بخلاف المدفون فی حرز. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱۲/۱، ظفیر صدیقی)

روزے کے فضائل ومسائل

رسالة كلمة القوم فى حكمة الصوم:

سوال (تمہید): ایک صاحب نے اپنے خط کے ساتھ ایک مولوی صاحب کا ایک مضمون دیکھنے کے لیے بھیجا، اس کے متعلق یہاں ایک تحقیق لکھی گئی۔ ذیل میں دونوں منقول ہیں؟

مضمون: صوم رمضان کے متعلق ایک نہایت ضروری اصلاح کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں؛ کیوں کہ جہاں تک مجھے یاد ہے، آپ نے اب تک اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں دلائی ہے۔ یہ مسلم ہے کہ رمضان کے روزوں کا اصلی مقصد قوت بہیمیہ کو مغلوب اور قوت ملکیہ کو غالب کرنا ہے؛ اسی لیے شارع نے ان مہیجات ومحرکات سے چند دنوں کے لیے روکا ہے، جن سے قوت بہیمیہ میں ہیجان پیدا ہوتا ہے؛ یعنی کھانا پینا، عورتوں سے متمتع ہونا اور تینوں چیزوں کے چھوڑ دینے کے بعد مادی حیثیت سے روزے کی حقیقت مکمل ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم اسرار الدین کے ماہرین نے روزے کی تکمیل کے لیے جو باتیں ضروری قرار دی ہیں، ان میں ایک یہ ہے کہ غذا میں جہاں تک ممکن ہو، کمی کی جائے، چناں چہ امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ روزے کی تکمیل کی پانچویں شرط یہ ہے کہ افطار کے وقت حلال کھانا بھی اس قدر نہ کھایا جائے کہ پیٹ میں امتلا پیدا ہوجائے؛ کیوں کہ خدا کے نزدیک کوئی ظرف اس پیٹ سے زیادہ مبغوض نہیں، جو حلال کھانے سے بھر لیا جائے۔ درحقیقت روزے سے خدا کے دشمن کی شکست اور خواہش نفسانی کی مغلوبیت کیوں کر ممکن ہے جب کہ روزے دار اپنے افطار کے وقت اس کمی کی تلافی کرے، جو دن میں کی گئی ہے؛ بلکہ بسا اوقات طرح طرح کے کھانے وغیرہ سے وہ اس پر اضافہ کرلیتا ہے، یہاں تک کہ یہ ایک مستقل عادت ہوگئی ہے۔ کہ رمضان کے لیے ہر قسم کے کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اور اس میں وہ وہ کھانے مہیا کئے جاتے ہیں جو اور مہینوں میں نہیں کھائے جاتے، حالاں کہ یہ معلوم ہے کہ روزے کا مقصد بھوکا رہنا اور خواہش نفسانی کو شکشت دینا ہے؛ تاکہ نفس کو تقوی حاصل کرنے کی قوت حاصل ہو؛ لیکن جب معدے کو صبح سے شام تک خالی رکھا جائے، یہاں تک کہ اس کی خواہش طعام میں ہیجان پیدا کردیا جائے اور اس کی رغبت غذا کی طرف زیادہ ہوجائے، پھر اس کو لذیذ کھانے کھلا کر آسودہ وسیر کردیا جائے تو اس کی لذت طلبی بڑھ جائے گی، اس کی قوت دگنی ہوجائے گی اور وہ خواہشیں ابھر جائیں گی، جو تقریباً دبی ہوئی تھیں۔ غرض روزے کی روح ان قوتوں کو ضعیف کرنا ہے، جو برائی کی طرف میلان پیدا کرنے میں شیطان کا آلہ ہیں اور

یہ غرض صرف تقلیل غذا سے حاصل ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ روزہ دار صرف وہی کھانا کھائے، جو رمضان کے علاوہ معمولاً کھاتا تھا؛ لیکن اگر صبح وشام دونوں وقت کا کھانا ملا کر کھائے، جو رمضان کے روزوں میں نہیں چاہیے تو اس کو روزے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا؛ بلکہ آداب صوم میں یہ ہے کہ روزہ داروں کو بہت نہ سوئے؛ تاکہ اس کو بھوک اور پیاس کا احساس ہو اور اپنی قوت کا ضعف معلوم ہونے لگے۔ (۱)

احادیث کے مطالعہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے؛ کیوں کہ عہد نبوت اور عہد صحابہ میں رمضان میں کھانے کا کوئی مزید اہتمام نہیں کیا جاتا تھا؛ بلکہ معمولی غذا رمضان میں بھی کھائی جاتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور، یا پانی سے افطار کرتے تھے۔ سحر میں بھی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے صرف کھجوریں کھائیں بعد کو بعض صحابہ ستو گھول کر لائے تو ستو پی لیا، اس سے زیادہ مجھے اس مبارک عہد میں غذاؤں کی رنگینی اور بوقلموئی نظر نہیں آئی؛ لیکن اس وقت مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ رمضان نے ایک تہوار، یا تقریب کی صورت اختیار کرلی ہے۔ معمولی آدمی کے لیے بھی افطار کے وقت گھگنی اور پھلوڑی (پھلکی) تو لازمی ہے، سحر کے لیے دودھ بھی ایک اہم چیز فرض کر لی گئی ہے، کھانے میں جو شخص دال روٹی کھاتا تھا، وہ کم از کم ترکاری کا اضافہ کر ہی لیتا ہے۔ اہل مقدرت کے دسترخوان تو رمضان میں گویا رنگینی غذاؤں کا گلدستہ بن جاتے ہیں، دعوتوں کا ہنگامہ گرم ہوجاتا ہے۔ روزہ کشائی کی رسم تو خالص شادی کی تقریب بن جاتا ہے، یہ حالت معمولی دنیاداروں کی نہیں ہے۔ علما وصوفیا بھی اس رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، رمضان میں بجائے اس کے کہ حدیث وقرآن کا درس دیا جائے، راحت طلبی کے لیے ہمارے عربی مدارس میں تعطیل ہوجاتی ہے، میں نے ایک خالص تصوف کے مرکز کے متعلق ایک مضمون پڑھا تھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مغرب سے سحر کے وقت تک تمام لوگ جو اس مرکز سے روحانی فیض اٹھاتے ہیں، بیدار رہتے ہیں اور زیادہ تر عمدہ غذاؤں کا لطف حاصل کرتے ہیں، تراویح سے پہلے تراویح کے بیچ میں اور تراویح کے بعد تین بار چائے کا دور چلتا ہے، چوں کہ آپ نے زیادہ تر علما وصوفیا کا فیض صحبت اٹھایا ہے؛ اس لیے براہ کرم مجھ کو اور ناظرین سچ لاخبار (کو اس معاملہ میں اپنی معلومات سے فائدہ پہنچائیے اور یہ بتائیے کہ اس کی سند کیا ہے اور یہ حالت مقاصد صوم کے منافی ہے، یا نہیں؟

تحقیق: بعد الحمد والصلوٰۃ تحقیق مقصود کے قبل بعض مبادی کی ضرورت ہے۔

(۱) احکام باعتبار ثبوت کے تین قسم ہیں:

(۱) منصوص (۲) اجتہادی (۳) ذوقی۔

اجتہادی میں اجتہاد سے مراد وہ ہے، جس کو فقہا اجتہاد کہتے ہیں اور ایسے اجتہاد سے جو احکام ثابت ہوتے ہیں، وہ واقع میں نص ہی سے ثابت ہوتے ہیں، اجتہاد سے صرف ظاہر ہوجاتے ہیں؛ سی لیے کہا جاتا ہے: ''**القياس مظهر لا مثبت**''

(۱) احیاء العلوم: ۱/ ۱۴۷، مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی

اور ذوق وہ احکام ہیں، جو نص کا مدلول نہیں، نہ بلاواسطہ جو منصوص کی شان ہوتی ہے۔ نہ بواسطہ جیسے اجتہادیات کی شان ہوتی ہے؛ بلکہ وہ احکام محض وجدانی ہوتے ہیں اور اس ذوق واجتہاد میں فرق یہ ہے کہ احکام اجتہادیہ تو مدلول نص ہیں اور یہ مدلول نص نہیں، اسی واسطے مجتہدین سے ایسے احکام منقول نہیں، نہ کسی پر ان کا احکام کا ماننا واجب ہے، محض اہل ذوق کا وجدان ان احکام کا مبنی ہوتا ہے، البتہ ان میں بعض احکام ایسے ہوتے ہیں کہ اشارات کتاب وسنت سے ان کی تائید ہوجاتی ہے تو اس صورت میں ان کا قائل ہونا جائز ہے اور اگر کتاب وسنت کے خلاف ہو تو اس کا رد واجب ہے اور اگر کتاب وسنت سے نہ متائد ہوں، نہ اس کے خلاف ہوں تو اس میں جانبین میں گنجائش ہے، اسی طرح اگر ایک صاحب ذوق کو متائد معلوم ہوں اور دوسرے کو خلاف، تب بھی اس میں جانبین میں گنجائش ہے اور اجتہادیات جز وفقہ ہیں اور ذوقیات جز وتصوف۔

(۲)　احکام اجتہادیہ کا مبنی علت ہوتی ہے، جس سے حکم کا تعدیہ کیا جاتا ہے اور ذوقیات کا مبنی محض حکمت اور وہ بھی غیر منصوص جس سے حکم متعدی نہیں ہوتا، نہ حکم کا وجود وعدم اس کے ساتھ دائم ہوتا ہے اور یہ عدم دوران حکمت منصوصہ میں بھی عام ہے، جیسے طواف میں رمل کہ اس کی بنا ایک حکمت تھی؛ مگر وہ مدار حکم نہیں رہی؛ مگر تمام مسائل تصوف کو اس شان کا نہ سمجھا جاوے، ان میں بھی بعض اجتہادی ہیں اور بعض منصوص بھی ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ان میں جو ذوقیات ہیں، ان کی یہ شان ہے، جو مذکور ہوئی۔

(۳)　ایک دوسرے اعتبار سے احکام کی اور دو قسمیں ہیں: مقاصد اور مقدمات، یہ احکام ذوقیہ صرف مقدمات ہوتے ہیں، مقاصد نہیں ہوتے۔ مقاصد صرف منصوص ہوتے ہیں، یا اجتہادی۔

(۴)　احکام منصوصہ واجتہادیہ شریعت ہے، احکام ذوقیہ شریعت نہیں، البتہ اسرار شریعت ان کو کہا جاسکتا ہے اور یہ سب مبادی ماہر قواعد شرعیہ کے نزدیک ظاہر ہیں، اب مقصود عرض کرتا ہوں کہ مسئلہ زیر بحث نہ منصوص ہے، نہ اجتہادی صرف ذوقی ہے اور ذوقی بھی مختلف فیہ، چناں چہ امام غزالیؒ کا یہی ذوق ہے اور کچھ اس باب میں احیاء العلوم میں فرمایا ہے، وہ اسی ذوق پر مبنی ہے اور ان کے نزدیک کچھ رمضان کی تخصیص نہیں۔ مطلق جوع کے باب میں وہ اسی کے قائل ہیں اور بعض کا ذوق اس کے خلاف ہے، چناں چہ علی قاریؒ شرح شمائل ترمذی میں ابن الجوزیؒ سے نقل کرتے ہیں:

”ومن جهلة الصوفية تقليل المطعم وأكل الدسم حتٰى ييبس بدنه ويعذب نفسه بلبس الصوف ويمتنع من الماء البارد وما هٰذه طريقة رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ولا طريقة صحابته و اتباعهم وإنما كانوا يجوعون إذا لم يجدوا شيئاً فإذا وجدوا أكلوا،الخ“. (من حاشية تقليل الطعام بصورة الصيام)

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ حجۃ اللہ البالغہ ابواب الصوم میں فرماتے ہیں:

”ثم إن تقليل الأكل والشرب له طريقان:أحدهما أن لايتناول منهما إلا قدراً يسيراً، والثانى أن تكون المدة المتخللة بين الأكلات زائدة على القدر المعتاد، والمعتبر فى الشرائع هو

الثانی؛لأنه يخفف،وينفه،ويذيق بالفعل مذاق الجوع والعطش،ويلحق البهيمية حيرة ودهشة، ويأتی عليها إتياناً محسوساً،والأول إنما يضعف ضعفا يمر به ولا يجد بالا حتیٰ يدفنه وأيضاً فإن الأول لا يأتی تحت التشريع العام الابجهد،فإن الناس علیٰ منازل مختلفة جداً،إلخ.(۱)

اس سے معلوم ہوگیا کہ مسئلہ متکلم فیہا میں ذوق مختلف ہیں۔اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سا ذوق اقرب الی الکتاب والسنۃ ہے،اس کا موازنہ ذوق کے مؤیدات میں غور کرنے سے ہوسکتا ہے،سو ذوق اول کے یہ مؤدات ہوسکتے ہیں۔

(الف) **﴿كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾**(۲)

أی کی تحذروا المعاصی فإن الصوم يعقم الشهوة التی هی أمها أويكسرها.

(ب) **عن عبد الله بن مسعود رضی الله عنه:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا معشر الشباب،من استطاع منكم الباءة فليتزوج،فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج ومن لم يستطع فعليه بالصوم فإنه له وجاء.**(رواه الشيخان)(۳)

(ج) احادیث فضیلت جوع وذم شبع ؛مگر ان سب استدلالات میں شبہات ہیں (الف) میں یہ کہ یہ تفسیر متعین نہیں،دوسری تفسیر بھی محتمل ہے،چناں چہ ابن جریر نے سدی سے نقل کیا ہے:

"فتتقون من الطعام والشرب والنساء مثل ما اتقوا قبلكم".

اور تفسیر نیشاپوری میں ہے:

"لعلكم تقون بالمحافظة عليها لقدمها وبعد أسطر أولعلكم تنتظمون فی سلک أهل التقوی فإن الصوم شعارهم".

اور اگر وہی تفسیر مان لی جاوے،تب بھی دلالت علی المقصود میں یہ شبہ ہے کہ کسر قوت بہیمیہ تقلیل طعام پر موقوف نہیں، **كما مر قريباً عن حجة الله البالغة وسيأتی أيضاً** اور'ب' میں یہ کہ اس میں صوم کی خاصیت بیان کی گئی ہے ،تشریع صوم کی حکمت بیان نہیں کی گئی اور یہ خاصیت موقوف نہیں ہے، تقلیل اکل پر؛ کیوں کہ تجربہ ہے کہ باوجود شبع من اللذات کے رمضان مین ضعف معتدبہ ہوجاتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ عادت تھی،دووقت رغبت کے ساتھ کھانے کی اور اب رغبت کے ساتھ صرف ایک وقت کھایا جاتا ہے؛ یعنی شام کو اور سحر کے وقت عادت نہ ہونے کے سبب رغبت سے نہیں کھایا جاتا؛اس لیے وہ جزوبدن اور بدل ما یتحلل نہیں بنتا،پھر جب وقت معتاد آتا ہے،عادت کے سبب طبیعت کو اشتیاق ہوتا ہے اور باوجود اشتیاق کے کھانے کو نہیں ملتا؛اس لیے طبیعت ضعیف ہوجاتی ہے،چناں چہ یہ ضعف عشرہ وسطیٰ میں کمی کے ساتھ اور عشرہ اخیرہ میں زیادتی کے ساتھ بین طور پر محسوس ہوتا ہے،البتہ اگر کئی مہینے کے روزے ہوتے تو چند

---

(۱) حجة الله البالغة،أبواب الصوم:۹۶/۲،انیس

(۲) سورة البقرة:۱۸۳،انیس

(۳) صحيح البخاری،باب قول النبی صلى الله عليه وسلم من استطاع منكم الباءة،رقم الحديث:۵۰۶۵،انیس

روز میں کھانے کے اوقات معتادہ بدل جاتے، پھر رغبت سے دونوں وقت کھانا کھایا جاتا اور جزو بدن بنتا اور ضعف نہ ہوتا اور قوت شہویہ میں انکسار نہ ہوتا اور اسی راز سے صوم دہر پسند نہیں کیا گیا اور صوم داؤدی میں عادت قدیمہ نہیں بدلتی؛ اس لیے اس کی اجازت مع بیان الفضیلت دی گئی اور یہی تقریر 'الف' میں بھی ہوسکتی ہے کہ اگر اس تفسیر کو متعین بھی مان لیا جاوے، تب بھی صوم ہر حالت میں قوت شہویہ کا کاسر ہے، **وهـذا هـو الذي وعدناه قريباً في قولنا وسياتي أيضاً** اور 'ج' میں یہ کہ احادیث فضل جوع وذم شبع میں یہ احتمال ہے کہ جوع سے مراد جوع اضطراری ہو؛ یعنی اگر میسر نہ ہو تو اس کی فضیلت کو یاد کر کے صبر کرے، جیسے نصوص میں بیماری کے فضائل بیان کئے گئے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمداً بیمار ہوجایا کرے، چناں چہ آیت ﴿**ولنبلونكم، الخ**﴾(۱) میں جوع کو مصائب میں شمار فرمایا ہے اور سب مصائب مذکورہ آیت غیر اختیاری ہیں تو جوع سے بھی مراد وہی ہوگا، جو غیر اختیاری ہو، اسی طرح شبع مذموم میں یہ احتمال ہے کہ شبع مفرط یعنی فوق الشبع مراد ہو، چناں چہ ایک حدیث میں "**أكثرهم شبعا**" فرمایا ہے، "**من شبع منهم**" نہیں فرمایا، سو ایسے شبع کو فقہا نے بھی حرام فرمایا، (كذا في الدر المختار ورد المحتار، كتاب الكراهة) یہ تو ذوق اول کے مؤیدات پر کلام تھا، اب ذوق ثانی کے مؤدات عرض کرتا ہوں۔

(د)　　حدیث میں ہے:

"**شهر يزاد فيه رزق المؤمن**". (كذا في المشكاة عن البيهقي)(۲)

تو کیا یہ امر معقول ہے کہ رزق زائد تو رمضان میں دیا جاوے اور اس سے منتفع ہونے کے لیے شوال کے انتظار کا حکم دیا جاوے، افطار کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قول منقول ہے:

"**ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الأجر إن شاء الله**". (رواه أبوداؤد)(۳)

ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ ذہاب ظماء وابتلال عروق بدون سیراب ہوکر پانی پینے کے نہیں ہوسکتا اور باوجود اس کے وہ منقص اجر نہیں ہوا، چناں چہ ثبت الاجر اس میں نص ہے اور کھانے اور پانی میں کوئی معقول فرق نہیں کہ ایک سے سیری پسندیدہ ہو اور دوسرے سے ناپسندیدہ ہو۔

(و)　　حدیث میں اشباع صائم کی فضیلت اور ثواب وارد ہے، اگر شبع ناپسندیدہ ہوتا تو اشباع جو کہ اس کا سبب اور معین ہے، وہ بھی ناپسندیدہ ہوتا، **لأن مقدمة الشيء ملحق به**، نہ کہ موجب اجر ہوتا۔

(ز)　　شبع اور ری (یعنی پیٹ بھرنا، اور سیرابی) تو مقدمات شہوت سے ہیں اور جماع خود قضاء شہوت ہے، اگر شبع اور ری مفوت روح صوم ہے تو جماع بدرجہ اولی اس کا مفوت ہے؛ مگر اس کی تقلیل کی کسی نے ترغیب نہیں دی؛ بلکہ اس کی

---

(۱)　　سورة البقرة: ۱۵۵، انیس

(۲)　　مرقاة المفاتيح على شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ۳۹۷/٤، انیس

(۳)　　سنن أبي داؤد، باب القول عند الافطار: ۶۰۶/۲، رقم الحديث: ۲۳۵۷، انیس

اجازت وسیعہ کو موقع امتنان میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ﴿فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم﴾ (۱) اوراس کے ساتھ ﴿كلوا واشربوا﴾ کو بھی مقرون فرمادیا گیا ہے اور سب کے لیے غایت فرمائی ﴿حتی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود من الفجر﴾ (۲) اگر تقلیل طعام فی رمضان کوئی امر مقصود ہے تو فضائل صوم کے ساتھ اس کی فضیلت اور منکرات صوم کے ساتھ شبع کی مذمت نصوص میں، یا مجتہدین کے کلام میں کیوں نہیں وارد ہوئی، کیا اس سے ﴿أكملت لكم دينكم﴾ (۳) میں اشکال نہیں وارد ہوتا، یہ پانچ مؤیدات ہیں ذوق ثانی کے، جو اس وقت ذہن میں حاضر ہوگئے، اگر اہل ذوق اول ان تائیدات میں بھی کوئی خدشہ نکالیں، ہم کو مضر نہیں؛ کیوں کہ احکام مختلفہ فیہا میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے؛ اس لیے اس کا بھی مطالبہ کیا جاوے گا کہ اہل ذوق اول بھی اہل ذوق ثانی پر طعن وتشنیع اوران کی تحقیر وتقبیح نہ فرماویں؛ کیوں کہ ذوقیات میں ایسا اختلاف کوئی امر منکر نہیں ہے، چناں چہ قوم میں دعا وترک دعا کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور مباشرت اسباب وترک اسباب کا مسئلہ مختلف فیہ ہے اور بہت مسائل ایسے ہی ہیں، اسی طرح یہ مسئلہ فقہی نہیں، جس کا اتنا اہتمام کیا جاوے، چناں چہ فقہا نے باوجودیکہ مستحبات تک کی تدوین فرمائی؛ مگر اس سے کہیں تعرض نہیں فرمایا اور اگر فقہی بھی ہوتا تو مختلف فیہ ہونے کی صورت میں پھر بھی یہی حکم ہوتا، اس تقریر سے امید ہے کہ اصل اجزاء مسئول عنہا کا جواب ہوگیا ہوگا، باقی بعض زوائد کے متعلق بھی کچھ مختصر عرض کئے دیتا ہوں۔

صحابہؓ کے وقت میں اہتمام نہ ہونا حجت نہیں؛ کیوں کہ ان کے یہاں ہر چیز میں سادگی تھی، اسی عادت کے موافق بھی عمل تھا، نیز جب صحابہ کو رمضان کے لیے تکثیر اطعمہ کا اہتمام نہ تھا، اسی طرح رمضان کی خصوصیت سے تقلیل کا بھی اہتمام نہ تھا، پھر اس سے مدعا؛ یعنی حکمت خاصہ کی بنا پر اہتمام جوع بھی کیسے ثابت ہوا۔

اوراس کو تقریب بنالینا اگر حدود کے اندر ہو تو کیا حرج ہے، خود حدیث میں ہے کہ رمضان کے لیے جنت کی زینت سال بھر تک ہوتی رہتی ہے، سو اگر اس کی تقلید میں یہاں بھی کچھ اہتمام ہو تو کیا حرج ہے۔

دعوتوں کا ہنگامہ یہ فرد ہے مواسات کی حدیث میں، اس کو شہر المواساۃ فرمایا گیا ہے۔ (مشكاة عن البيهقي)

روزہ کشائی کی تقریب بھی ایک فرد ہے فرحت عند الفطر کی اولاد کی توفیق دین فرح کیوں مذموم ہو، قرآن مجید میں اس کو قرۃ العین فرمایا گیا ہے۔

تعطیل مدارس کی راحت اوراعمال رمضان کے لیے کیوں منکر ہے اور وہ اس کے ساتھ عادۃً جمع نہیں ہوسکتے۔

صوفیا کی طرف سے جواب دینا خود صوفیا کے مذاق کے خلاف ہے، وہ بیچارے خود ہی اپنے کو سب سے اخس اور ادون سمجھتے ہیں، اپنی نصرت سے خود اس طرح منع کرتے ہیں:

---

(۱)　سورة البقرة:۱۸۷، انیس

(۲)　سورة البقرة:۱۸۷، انیس

(۳)　سورة المائدة:۳، انیس

بامدعی مگوئید اسرار عشق ومستی　　بگذار تا بمیر د در رنج خود پرستی

اس احقر کو صوفیا کے اور اعمال میں تو ان کی تقلید کی توفیق نہیں ہوئی؛ مگر یہ رسم منکر جواب تک نہ سنی تھی،ضرور حرص ہوئی کہ واقعی چائے کا دور جاگنے کی اچھے تدبیر ہے؛ مگر حرص ہی ہو کر رہ گئی؛ اس لیے کہ پھر نیند سے محرومی ہو جائے گی، جس میں اس سے زیادہ حریص ہوں اور جس طرح تقلیل طعام میں وہ ذوق پسند آیا، جس میں شبع بھی ہاتھ آوے، اسی طرح تقلیل منام میں وہ مسلک پسند ہے، جو مخل نوم نہ ہو، وہ مسلک یہ ہے۔

عن عثمان بن عفان قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من صلی العشاء فی جماعة فکأنما قام نصف اللیل ومن صلی الصبح فی جماعة فکأنما صلی اللیل کله، لمالک. (۱)

تفسیر: عن أنس تتجافی جنوبهم عن المضاجع قال: ما بین المغرب والعشاء وعنه أیضاً نزلت فی انتظار الصلاة التی تدعی العتمة وعنه أیضاً فی قوله تعالی ﴿کانوا قلیل من اللیل ما یهجعون﴾ قال: یتیقظون یصلون ما بین هاتین الصلاتین ما بین المغرب والعشاء وعن محمد بن علی قال: لاینامون حتٰی یصلوا العتمة وعن أبی العالیة قال: لاینامون بین المغرب والعشاء. (تفسیر ابن جریر)

وفی الدر المنثور: کانوا لاینامون اللیل کله، آه، فالقلیل لایقابل الکثیر بل یقابل الجمیع فهو فی معنی البعض. (کذا فی بیان القرآن)

أثر: قال سعید بن المسیب: من شهد العشاء من لیلة القدر فقد أخذ بخط منها. (موطأ الامام المالک)

قلت: وکأنه تفسیر للمرفوع من حرم خیرها فقد حرم فالذی شهد فی جماعة لم یحرم خبرها.

اس نوم کی پسندیدگی سے وہ چائے کی حرص بھی جاتی رہی اور اپنے جی کو یوں سمجھا لیا کہ اللہ تعالیٰ ناکاروں کو بھی بخش ہی دیں گے، اس امید مغفرت پر کلام کو ختم کرتا ہوں اور چوں کہ اس کی مقدار معتد بہ ہوگئی؛ اس لیے اس کا لقب بھی بمناسبت مضمون کے تجویز کیے دیتا ہوں؛ یعنی **کلمة القوم فی حکمة الصوم.**

ضمیمہ: یہ بھی محتمل ہے کہ امام غزالیؒ کے ارشاد کو اختلاف ذوق پر محمول نہ کیا جائے؛ بلکہ اپنے زمانہ کے قویٰ کو دیکھ کر بطور مجاہدہ اس طریق کو تجویز فرمایا اور مجاہدہ زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتا ہے، اب قویٰ ایسے ضعیف ہیں کہ اتنی تقلیل یقیناً طاعات مقصودہ میں مخل ہو جاوے گی، باقی یہ کہ حضرت امام نے عنوان تاکید سے کیوں فرمایا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات صوفیا پر بعض حالات کا، یا بعض اصلاحات کا غلبہ ہوتا ہے، اس میں اس قسم کا عنوان بے ساختہ صادر ہو جاتا ہے اور اس مقام پر ایک اور نکتہ قابل سمجھنے کے ہے، گویا قواعد طریقت سے وہ روح ہے مسئلہ کی، وہ یہ کہ مقصود سالک کا حسب تصریح ائمہ تشبہ ہے ملائکہ کے ساتھ اور یہ تشبہ جس طرح شبع مفرط سے فوت ہوتا ہے، اسی طرح جوع

---

(۱)　الصحیح لمسلم، ص: ٦٥٦، انیس

مشوش سے بھی؛ کیوں کہ ملائکہ دونوں سے منزہ ہیں اور یہ سب تحقیق اس تقدیر پر ضروری ہے کہ صوم میں حکمت معلوم نہیں تو اس تمام تر سوال وجواب ہی کی گنجائش نہیں۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صام رمضان إيماناً واحتساباً، الخ. (رواه الشيخان)(۱)

وكذا في الصحيح لمسلم حيث جعل الباعث عليه الإيمان وطلب الثواب لا شيئاً من الحكمة والمصلحة وهذا هو التعبد. والله أعلم

۲۵ر شعبان ۱۳۵۲ھ (النور، ص: ۹، شوال ۱۳۵۳ھ) (امداد الفتاوی: ۲/۱۱۴-۱۲۲)

روزہ میں کن باتوں سے پرہیز ضروری ہے:

سوال: روزہ میں کن کن باتوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

روزہ میں تین طرح کی باتوں سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے:

اول یہ کہ جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے: کھانا پینا، بیوی سے ہمبستری وغیرہ۔

دوسرے: ان چیزوں سے بچنا چاہیے، جن سے روزہ ٹوٹتا تو نہیں؛ لیکن روزہ کی حالت میں ان کا کرنا مکروہ ہے، جیسے: کھانے کی چیز کا صرف ذائقہ چکھنا، اسے صرف چبا کر پھینک دینا، بیوی کے ساتھ ایسا عمل کرنا کہ بے قابو ہو جانے کا اندیشہ ہو، منہ میں خاص طور سے تھوک جمع کرنا اور پھر اسے نگل جانا، ایسے افعال کا مرتکب ہونا کہ جس سے بہت زیادہ کمزوری ہو جاتی ہے اور اندیشہ ہے کہ تاب نہ لاکر روزہ توڑ دے گا۔(۲)

تیسرے: وہ باتیں جو روزہ میں آداب کے درجہ میں ہیں، اگر ان کا لحاظ نہ کیا جائے تو قانونی اعتبار سے تو روزہ ہو جائے گا؛ لیکن اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں روزہ مقبول نہ ہو اور اس پر اجر وثواب حاصل نہ ہو سکے، جیسے: روزہ کی حالت میں جھوٹ بولنا، یا غیبت کرنا وغیرہ کہ اس سے جھوٹ اور غیبت کا گناہ تو ہوگا ہی، اندیشہ ہے کہ روزہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہ ہو۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۸۷-۳۸۸)

رمضان المبارک کے ہر دن ورات کی فضیلت:

سوال: شبِ قدر کی برکت وخصوصیت تو رمضان المبارک کی ایک مخصوص رات کی خصوصیت ہے؛ مگر رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات کی کیا فضیلت ہے؟ (محمد غوث الدین قدیر، سلاخ پوری، کریم نگر)

(۱) صحيح البخاري، باب صوم رمضان احتسابا من الايمان: ۱/۱۶، رقم الحديث: ۳۸، انيس

(۲) حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳۷۱

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا:

''جب ماہِ رمضان کی پہلی شب ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات باندھ دئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کردئے جاتے ہیں اور اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا، جنت کے تمام دروازے کھول دئے جاتے ہیں، کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور ایک پکارنے والا ندا لگاتا ہے: ''اے طلب گار خیر! آگے بڑھ، اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے! رُک جا، اللہ کے لیے جہنم سے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں اور یہ ہر شب ہوتا ہے''۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ پورا رمضان المبارک اس کے دن بھی رات بھی برکتوں اور سعادتوں کے لمحات ہیں اور ہر آن اللہ تعالیٰ کا درِ رحمت بندوں کی طرف وا رہتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۰)

گرمی کے روزہ کا ثواب زیادہ ہے:

سوال: کیا روزہ اس رمضان میں جس میں روزہ گرمیوں میں پڑے زیادہ ثواب کی امید کر سکتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

گرمی کے ایام میں روزہ کا ثواب زیادہ ملنا تو اس کلیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: ''أجرک علیٰ قدر تعبک''، نیز افطار کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا فرمانا ثابت ہے:

''**كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا أفطر قال: ''ذهب الظمأ، وابتلت العروق، وثبت الأجر إن شاء الله تعالىٰ، آه''.** (أبو داود)(۲)

روزہ میں جس قدر پیاس کی شدت ہوگی، رگیں خشک ہوجائیں گی اسی قدر اجر زیادہ ملے گا (ان شاء اللہ) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۲۰۲-۲۰۳)

رمضان المبارک اور غیر مسلم بھائی:

سوال: ماہ رمضان المبارک میں غیر مسلم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کس طرح تعاون کر سکتے ہیں؛ تاکہ مبارک ماہ کے برکات سے مستفید ہوں؟ (کے راماراؤ، حیدرآباد)

---

(۱) عن ابی هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا كان اول ليلة من شهر رمضان، صفدت الشياطين ومردة الجن، وغلقت ابواب النار فلم يفتح منها باب، وفتحت ابواب الجنة فلم يغلق منها باب، وينادى مناد يا باغى الخير اقبل، ويا باغى الشر اقصر، ولله عتقاء من النار وذلك كل ليلة. (الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٦٨٢، باب ماجاء في فضل شهر رمضان)

(۲) سنن أبی دواود: ١/٣٢١، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، إمدادية، ملتان

الجواب

غیر مسلم بھائیوں کے لیے روزہ میں اپنے مسلمان بھائیوں سے تعاون کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) مسلمان دوستوں اور غریب مسلمان پڑوسیوں کے لیے افطار وغیرہ کا نظم کرنا۔

(ب) جو مسلمان ان کی دوکانوں، یا کارخانوں میں کام کریں، ان کو وقت کے معاملہ میں ممکن حد تک رعایت دینا؛ تاکہ وہ رمضان میں اپنے مذہبی فرائض ادا کرسکیں۔

(ج) جو کام ان سے متعلق ہے، اگر اس کو کچھ ہلکا کرنا ممکن ہو تو ہلکا کردینا؛ تاکہ ان کو روزہ رکھنے میں سہولت ہو۔

(د) رمضان اصل میں نزول قرآن کا جشن ہے، رمضان کا سب سے بڑا حق غیر مسلم بھائیوں پر بھی یہ ہے کہ وہ ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے اس ماہ میں قرآن کی دعوت کو جاننے اور سمجھنے نیز کھلے دل سے اس کا مطالعہ کرنے کا خصوصی اہتمام کریں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۱۹-۴۲۰)

صرف وضو کرنا اور نماز نہ پڑھنا، اور صرف سحری کھانا اور روزہ نہ رکھنا:

سوال: ایک شخص دن میں پچاس ساٹھ بار وضو کرتا ہے اور ہمیشہ سحری کھاتا ہے اور نماز نہیں پڑھتا ہے، نہ کبھی روزہ رکھتا ہے تو کیا یہ شخص وضو وسحری کا ثواب پانے کا مستحق ہے؟

(المستفتی:۲۷۶۵، حکیم محمد ایوب، سنبھل ضلع مرادآباد، ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ، مطابق ۲۵/اپریل ۱۹۴۳ء)

الجواب

ہاں اس کو وضو کرنے اور سحری کھانے کا ثواب اس شرط سے ملے گا کہ ان افعال کو بہ نیت قربت وادائے سنت عمل میں لاتا ہو۔(۱)

یہ دوسری بات ہے کہ ترک فرائض کے عذاب کے مقابلہ میں ان سنتوں کی ادائیگی کا ثواب کچھ کارآمد اور مفید نہ ہو، جیسے کوئی شخص ایک گلاس پانی میں دوتولے شہد ملائے تو اس کی شیرینی بجائے خود مفید اور پانی کو میٹھا کردینے والی ہے؛ لیکن اگر اس کے ساتھ دوتولے ایلوا بھی ملادے تو شکر کی شیرینی اور فائدہ مغلوب ہوجائے گا، اسی طرح معصیت کی شدت، یا کثرت فضائل اعمال کے ثواب کو مغلوب کردے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۲۴۹-۲۵۰)

بے نماز کا روزہ ہوتا ہے، یا نہیں:

سوال: جو شخص رمضان شریف میں روزے رکھتا ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو، اس کا روزہ ہوتا ہے، یا نہیں؟

(۱) إنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرء ما نوىٰ، إلخ. (صحيح البخاري، باب كيف كان بدء الوحي إلىٰ رسول الله صلى الله عليه وسلم: ۱/۲، قديمي كتب خانة)

الجواب

روزہ ہوجاتا ہے اور ترک نماز کا گناہ رہتا ہے، نمازوں کا قضا اس کے ذمہ فرض ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۶/۴۹۹)

بغیر نماز کے روزہ:

سوال: ایک صاحب نے اپنے خطبات میں کہا کہ روزوں کے ساتھ نمازوں کی پابندی بھی ضروری ہے، ورنہ روزے فاقہ مار ہوں گے، حالاں کہ روزہ اور نماز دو الگ الگ ارکان ہیں۔ کیا خطیب صاحب کی یہ بات درست ہے؟

(ملک حبیب اللہ خاں، قلعہ گولکنڈہ)

الجواب

فقہی اور قانونی اعتبار سے تو روزہ اس کا درست ہوجائے گا، کیوں کہ روزہ طلوع صبح سے غروب آفتاب تک کھانے پینے وغیرہ سے رکے رہنے کا نام ہے اور وہ اس سے رکا رہا ہے؛ لیکن کیا یہ روزہ اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہوگا؟ اگر دوسرے واجبات وفرائض کے انجام دینے اور محرمات وممنوعات سے بچنے کا اہتمام نہ ہو؟ اس سلسلہ میں تو اللہ ہی کو علم ہے؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ داروں کے حصہ میں صرف بھوک اور پیاس ہی آتی ہے، (۲) اس پس منظر میں اگر خطیب صاحب کا منشا یہ ہو کہ جو لوگ روزہ رکھتے ہیں اور اس حالت میں بھی نمازوں کا اہتمام نہیں کرتے۔ اندیشہ ہے کہ ان کے روزے مقبول نہ ہوں، تو یہ کوئی بے جا بات نہ ہوگی؛ لیکن چوں کہ صراحتًا یہ مضمون قرآن وحدیث میں نہیں آیا ہے؛ اس لیے یقین کے الفاظ میں یہ بات نہیں کہنی چاہیے؛ کیوں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی بات کو منسوب کرنے میں احتیاط ضروری ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۵)

جہاں چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہو، وہاں روزے کا حکم:

سوال: باشندگان جزیرہ لاپ لینڈ کہ جہاں پر چھ مہینہ تک دن رہتا ہے اور علی ہذا رات۔ روزہ کس اعتبار سے رکھیں، اگر یوں کہا جائے کہ گھڑی سے اعتبار رکھیں تو اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ با برکت میں گھڑی نہیں تھی، آپ نے کیوں اس جزیرہ کی بابت حکم نہیں فرمایا، نہ فقہ میں کہیں اس کا پتہ چلتا ہے، یا تمام دن کا روزہ رکھیں، یا نہ رکھیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

وہاں کوئی باشندہ ہی نہیں اور نہ کوئی زندہ رہ سکتا ہے؛ اس لیے نہ سوال متوجہ ہے، نہ جواب کی ضرورت۔

۲۵/شوال ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولی، ص:۶۳) (امداد الفتاوی:۲/۱۰۱)

---

(۱) دونوں فرض الگ ہیں، ایک دوسرے پر موقوف نہیں۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۲) عن أبي هريرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه أنه سمع رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يقول: رب قائم حظه من قيامه السهر ورب صائم حظه من صيامه الجوع والعطش "(سنن البيهقي: ٤/٤٤٩، باب الصائم ينزه صيامه عن اللغط والشماتة، محشي)

جہاں اٹھارہ گھنٹہ کا دن ہو، وہاں روزہ کی صورت:

سوال: جہاں دن اٹھارہ گھنٹے سے زیادہ کا بھی ہوتا ہےاور رات چھ گھنٹے، یااس سے کم اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ روزہ دن کے تناسب سے رکھا جائے گا، یا کوئی دوسرا حساب ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

وہاں کے قومی مزاج لوگ اتنے بڑے دن کا عموماً تحمل کرتے ہیں؛ اس لیے وہاں خود ان کا ہی دن معتبر ہوگا، کسی دوسرے حساب کی ضرورت نہیں، جیسا کہ مجموعۃ الفتاوی:۱/۲۹۶ میں ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۲)

لمبے دنوں میں روزہ وعید کا حکم:

الاستفتاء ما قولكم رحمكم الله فى المسائل الثانية أولاً: إن الأيام فى البلاد التى سكنا فيه و هى الدانمارک السويد والناروبج والبلاد القريبة من القطبين تكون طويلة جداً فى فصل الصيف ماحكم الصيام فى هٰذه البلاد.

أرسل إلٰى حضرتكم نسخة من مواعيد السحور والإفطار لرمضان فى الدنمارک بعض المنظمات أفتوا بجوازالإفطاربعد صوم ستة عشر ساعة على الأكثر وإن لم تغرب الشمس وبعضهم أفتوا بامتداد الصوم حسب التوقيت فى الحجاز المقدس وبعضهم يصومون حسب توقيتهم فى بلاد هم أوفى البلاد المجاورة يمكن لهم معتذرين بأنهم لايمكن لهم أن يصوموا هٰذه المدة الطويلة مع شغلهم فى المصانع لثمانى ساعات على الأقل،وأشعركم بأن الجو يكون بارداً

---

(۱) صوم وصلوۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لیے ہر شہر اور ہر زمانہ میں عام ہیں، لہٰذا اختلافِ اقالیم اور طولِ نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا اور یہ خیال کرنا کہ جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ ہلاکت کا باعث ہے غلط ہے؛ کیوں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی احکام کو عام کر رکھا ہے، اسی طرح جہاں روزہ رکھنا طاقتِ بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے، وہاں ابن آدم کا مسکن نہیں بنایا، آہ۔

اور بلغار میں زمانۂ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروبِ شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے، وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے، یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے، یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے مرتا نہیں''۔(۱/۲۹۶، کتاب الصلوۃ، سعید)

''لم أرمن تعرض عندنا لحكم صوميهم فيما إذا كان من يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أوبعده بزمان،لا يقدر فيه الصائم علٰى أكلم ما يقيم بيته،ولايمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛لأنه يؤذى إلى الهلاک،فإن قلنا بوجوب الصوم، يلزم القول بالتقدير وهل يقدرليلهم بأقرب البلاد اليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً،أم يقدرلهم بما يسع الأكل والشرب،أم يجب عليهم القضاء فقط دون الأداء؟ كل محتمل،فليتأمل.

ولايسمكن القولم هنا بعدم الوجوب أصلا كا العشاء عند القائل به فيها؛لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عد السبب،وفى الصوم قد وجد السبب وهو شهود ج:م من الشهر وطلوع فجركل يوم، هذا ما ظهر لى،والله تعالٰى أعلم''.(رد المحتار،كتاب الصلاة، مطلب فى طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳٦٦، سعيد)

جداً فی الصیف والصائم لایحس العطش کثیراً ولذا لا یجوزقیاسها علی المناطق الحارة فإذا قیاس مع الفارق ما هوحکم الشریعة الإسلامیة فی مثل هٰذاالوضع؟بینوابالأدلة حکم اللّٰہ تعالٰی.

ثانیاً: لایمکن رؤیة الهلال فی هٰذه البلاد والقمریبقی غائباً لمدة طویلة تستمر إلٰی شهرأحیاناً بعض العلماء أفتوا بأن رمضان والعیدین تکون حسب التوقیت والحساب المرصادی المرتب من الحکومة وبعضهم یتبعون ویصومون حسب رؤیة المملکة العربیة السعودیة ودول الخلیج وبعضهم یتبعون رؤیة أقرب بلد إسلامی حسب الخطوط وما إلٰی ذلک ما هوالأصلح عندکم؟شرحوا إرشادکم حسب الشریعة الإسلامیة الغراء.

أخوکم محمد ادریس (إمام المرکز الثقافی،دنمارک)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ وبا للّٰہ التوفیق

(۱) الأول البلاد التی تقع حوالی القطبین مثل دانمارک وغیرها یکون فیها مقداراليوم کبیراً جداً فی زمن الصیف لٰکن مع هٰذا لا یلحقهم الضرر بالعطش وغیره کما یلحقهم فی المناطق الحارة؛لأن بلاده تکون باردة جداً کما کتبتم فالحکم فیها للصوم أن الناسإن وجدوا وقتاً یکفی للإفطاروصلاة المغرب والعشاء مع الوتر ولاکل الطعام وأداء سنة السحوربعد غروب الشمس إلٰی طلوع الفجرالصادق بالطمانینة فیجب علیهم أن یصوموامن الفجر الصادق إلٰی غروب الشمس یوماً کاملاً لأن النهارلایکون ظرفاً للصوم مثل أوقات الصلٰوة فإذاها تتآدی فی أی جزء من أوقاتها والصوم لیس کذلک بل النهارمعیارله یعنی أن الصوم یکون مستوعبا لجمیع ساعات النهارفلذا لایصح أن یکون جزء النهارخالیاً عن الصوم هذا هو مطلب المعیار.(۱)

وأما إنکان أحد منکم مریضاً لایستطیع الصوم أوشیخاً فانیاً فیکون له أداء الفدیة وإباحة الإفطاروالقضاء بحسب تصریح الفقهاء کما دل علیه قوله تعالٰی:کلواواشربوا حتٰی یتبین لکم الخیط الأبیض من الخیط الأسود من الفجرثم أتمواالصیام إلٰیاللیل الآیة(البقرة:۱۸۷)،وکما دل علیه قوله علیه الصلوة والسلام:إذاجاء اللیل من ههنا وذهب النهارمن ههنا زاد مسدّد وغابت الشمس فقد أفطرالصائم.(أبو داؤد۱/۳۲۳)(۲)

إذاغابت الشمس فقد أفطرالصائم یوجب أن یکون مفطرًابغروب الشمس أکل أو لم یأکل.(أحکام القرآن:۲/۲٤۲) (۳)

وفی تفسیر روح البیان: فلأن اللّٰہ تعالی جعل اللیل غایة الصوم وغایة الشئی مقطعه فیکون بعدها الإفطار.(ص:۲۰۹)(۴)

---

(۱) والصوم یقوم به ویطول بطوله ویقصربقصره؛لأنه معیاره.(البحرالرائق:۱/۵۳۳)

(۲) سنن أبی داؤد،کتاب الصوم،باب وقت فطرالصام،رقم الحدیث:۲۳۵۱،عن عاصم بن عمرعن أبیه

(۳) أحکام القرآن للجصاص تحقیق محمد صادق قمحاوی:۱/۳۰۱

(۴) تفسیرروح البیان:۱/۳۰۰،مطبعة عثمانیه استنبول

ومن لم يجد الوقت للأعمال المذكورة بعد غروب الشمس فلهم يكون الحكم الآخرفإذا تغرب الشمس هناك: ۲/یولیو ۱۹۸۲م فی الساعة الثانية والعشرين ويطلع الصبح الصادق فی الساعة الثالثة إذا خمس دقائق هٰكذا وجدت فی جدولتكم المرسلة فحصل لهم حوالی خمس ساعات أوأربع ساعات إلٰی اختتام السحورفيما بين الغروب وطلوع الفجرالصادق ويمكن لهم أن يفطروا ويأكلواالطعام و السحورويؤدوا صلٰوة المغرب والعشاء مع الوتروغيرها فی أثناء ذلک الوقت بالطمانينة فلذا لايجوزأن يكون جزء النهارخاليا عن الصوم فالفتاوی الأربعة التی تشتمل علی أن الإفطارفی أیّ جزء من النهارلايصح واحد منها.

وأن تغرب الشمس بعد أربع وعشرين ساعة أوقبلها والناس لايجدون وقتا يكفی لأداء الصلٰوة المذكورة وغيرها ففيها تفصيل، فقط والله اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۱۴۰۲/۹/۲۲ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۵۵۶-۵۵۸)

☆ **ڈنمارک ونائیجیریا میں روزہ وافطار کا حکم:**

الاستفتاء ماقولكم رحمكم الله فی المسائل الثانية أولاً:إن الأيام فی البلاد التی سكنا فيه وهی الدانمارک السويد والنارويج والبلاد القريبة من القطبين تكون طويلة جدا فی فصل الصيف ما حكم الصيام فی هذه البلاد.

أرسل إلٰی حضرتكم نسخة من مواعيد السحور والإفطارلرمضان فی الدنمراک بعض المنظمات أفتوا بجواز الإفطاربعد صوم ستة عشر ساعة علی الأكثروإنلم تغرب الشمس و بعضهم أفتوابامتداد الصوم حسب التوقيت فی الحجازالمقدس وبعضهم يصومون حسب توقيتهم فی بلاد هم أو فی البلاد المجاورة يمكن لهم معتذرين بأنهم لا يمكن لهم أن يصوموا هذه المدة الطويلة مع شغلهم فی المصانع لثمانی ساعات علی الأقل، وأشعركم بأن الجو يكون بارداً جداً فی الصيف والصائم لا يحس العطش كثيراً ولذا لا يجوز قياسها علی المناطق الحارة فإنه قياس مع الفارق ما هوحكم الشريعة الإسلامية فی مثل هذا الوضع؟بينوابالأدلة حكم الله تعالٰی.

ثانياً:لايمكن رؤية الهلال فی هذه البلاد والقمر يبقی غائباً لمدة طويلة تستمرإلٰی شهر أحياناً بعض العلماء أفتوابأن رمضان والعيدين تكون حسب التوقيت والحساب المرصادی المرتب من الحكومة وبعضهم يتبعون ويصومون حسب رؤية المملكة العربية السعودية ودول الخليج وبعضهم يتبعون رؤية أقرب بلد إسلامی حسب الخطوط ومالإلٰی ذلک ماهوالأصلح عندكم؟ شرحوا إرشادكم حسب الشريعة الإسلامية الغراء.

ثالثاً: ما هوحكم التأمين (Insurance) فی الإسلام؟هل يجوزتأمين النفوس والبيوت و السيارات وغيرهاأم لا،خصوصاً فی ديارالكفرإذلا يجد واحد مخلصاً منها.

رابعاً: هل يجوزاستلام الربوامن البنوک فی ديارالكفروصرفهاإلی الفقراء أم لا؟بينوا بالأدلة الشرعية،توجروا والله الموفق.والسلام عليكم رحمة الله و بركاته

محمد ادريس(امام المركز الثقافی، دنمارک)

الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) الأول البلاد التی تقع حوالی القطبين مثل دانمارک وغيرها يكون فيها مقدارالیوم كبيراً جداً ==

بلاعذر روزہ نہ رکھنے والا فاسق اور منکر کافر ہے:

سوال: زید مسلمان نے رمضان المبارک میں عام دعوت کی اور بلاعذر شرعی روزہ نہ رکھا اور بعض کا روزہ توڑا دیا اور حقہ اور پان مہمانوں کو اعلانیہ طور پر کھلایا، صبح سے شام تک کھانا کھلانا اور تقسیم کرنا جاری رہا، شہر میں اس کا بڑا چرچا ہوا

== فی زمن الصیف لٰکن مع هٰذا لایلحقهم الضرربالعطش وغیره کما یلحقهم فی المناطق الحارة لأن بلادة تكون باردة جداً كما كتبتم فالحكم فيها للصوم أن الناس إن وجدوا وقتاً يكفى للإفطاروصلوة المغرب والعشاء مع الوترولاكل الطعام وأداء سنة السحوربعد غروب الشمس إلٰى طلوع الفجرالصادق بالطمانينة فيجب عليهم أن يصوموا من الفجر الصادق إلٰى غروب الشمس يوماً كاملاً لأن النهارلايكون ظرفاً للصوم مثل أوقات الصلاة فإنها تتادّى فى أى جزء من أوقاتها والصوم ليس كذلك بل النهارمعيارله يعنى أن الصوم يكون مستوعبا لجميع ساعات النهار فلذا لا يصح أن يكون جزء النهارخالياً عن الصوم هذا هومطلب المعيار(والصوم يقوم به ويطول بقصره لأنه معياره.(البحر الرائق: ٥٣٣/١)وأما إن كان أحد منكم مريضاً لايستطيع الصوم أوشيخاً فانياً فيكون له أداء الفدية والإباحة الإفطار والقضاء بحسب تصريح الفقهاء كما دل عليه قوله تعالى: كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود من الفجرثم أتموا الصيام إلٰىالليل الآية (سورة البقرة: ١٨٧)وكما دل عليه قوله عليه الصلاة و السلام:إذا جاء الليل من ههنا وذهب النهارمن ههنا زاد مسدّد وغابت الشمس فقد أفطر الصائم (أبوداؤد: ٨٢٣/١) (سنن أبوداؤد:٣٠٤/٢،كتاب الصوم،باب وقت فطرالصائم،رقم الحديث: ٢٣٥١،عن عاصم بن عمرعن أبيه)

إذاغابت الشمس فقد أفطرالصائم يوجب أن يكون مفطرا بغروب الشمس أكل أولم يأكل.(أحكام القرآن:٢٤٢/٢)(أحكام القرآن للجصاص تحقيق محمدصادق القمحاوى: ٣٠١/١)

وفى تفسيرروح البيان:فلأن اللّٰه تعالى جعل الليل غاية الصوم وغاية الشئى مقطعه فيكون بعدها الإفطار.(ص:٢٠٩)(تفسيرروح البيان،مطبعه عثمانيه استنبول: ٣٠٠/١)(تفسيرسورة البقرة:١٨٧)

ومن لم يجد الوقت للأعمال المذكورة بعد غروب الشمس فلهم يكون الحكم الآخر فإن تغرب الشمس هناک ٢/يوليو١٩٨٢م فى الساعة الثانية والعشرين ويطلع الصبح الصادق فى الساعة الثالثة إذاخمس دقائق هكذا وجدت فى جدولتكم المرسلة فحصل لهم حوالى خمس ساعات أو أربع ساعات إلٰى اختتام السحورفيما بين الغروب وطلوع الفجر الصادق ويمكن لهم أن يفطرواويأكلواالطعام و السحورويؤدواصلوة المغرب والعشاء مع الوتروغيرها فى أثناء ذلک الوقت بالطمانينة فلذا لايجوزأن يكون جزء النهارخاليًا عن الصوم فالفتاوٰى الأربعة التى تشتمل علٰى أن الإفطارفى أىّ جزء من النهارلايصح واحد منها.

وإذا تغرب الشمس بعد أربع وعشرين ساعة أوقبلها والناس لايجدون وقتا يكفى لأداء الصلٰوة المذكورة وغيرها ففيها تفصيل.

(٢) الثانى: بعد ثبوت الرؤية شرعياً أصلح لهم عندى اتباع قول الثالث أى اتباع أقرب بلد إسلامى حسب الخطوط.

(٣) الثالث: التامين فى الإسلام حرام لاجتماع المنهيات خاصة الربوا والقماركما قال اللّٰه تعالٰى أحل اللّٰه البيع وحرم الربوا (سورةالبقرة: ٢٧٥) وقوله تعالٰى:يا أيها الذين آمنوا إنما الخمرو الميسر والأنصاب والأزلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلكم تفلحون الآية(سورةالمائدة: ٥،انيس)

وغيرهما كثيرمن الآيات التى تدل علٰى حرمتها فالواجب الاحترازعنها علٰى كل مسلم مهما أمكن وإن لم يجدوامخلصًا منها لديارالكفر(يجوز) (مابین القوسین بتقاضائے سیاق کی طرف سے اضافہ ہے)للمضطر شرعيا بالشرائط.==

اور اہل ہنود نے بھی طعن کیا اور یہ بھی کہا کہ رنج وغم میں روزہ فرض نہیں ہے، ایسا شخص فاسق ہے، یا کافر؟ اور السلام علیک اسے کرنا چاہیے، یا نہیں؟ بیعت اس کے ہاتھ پر مسلمان کریں، یا نہ کریں اور پہلے جس جس مسلمان نے بیعت کی تھی وہ باقی ہے، یا ٹوٹ گئی اور جس مسلمان نے روزہ رکھ کر دوپہر، یا عصر کے وقت بسبب غلبہ بھوک و پیاس کے روزہ توڑ دیا، اس پر کیا حکم ہے؟ اور توبہ ایسے شخص کی اعلان سے ہو، یا تنہائی میں درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو شخص بغیر کسی عذر کے روزہ نہ رکھے، وہ فاسق ہے، (۱) اور رکھ کر توڑ ڈالے اس پر قضا وکفارہ دونوں واجب ہیں۔

"إذا أكل متعمداً ما يتغذى به أو يتداوىٰ به يلزمه الكفارة". (الهندية: ۲۱۸/۱) (۲)

اور جو شخص یہ کہے کہ رنج وغم میں روزہ فرض نہیں، وہ شخص کافر ہے، (۳) ایسے شخص کی بیعت گزشتہ فسخ ہوگئی اور آئندہ اس سے بیعت کرنا حرام ہے، اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے بھی روزہ پورا نہ ہو سکے تو بھی رمضان المبارک میں کھانا پینا شام تک ممنوع ہے تو بلا عذر کھلم کھلا کھانے پینے کا جرم عظیم ہونا ظاہر ہے، (۴) اور ان لوگوں کی توبہ بھی اسی اعلان کے ساتھ ضروری ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۴۰/۴)

== الرابع: إن حكم مال الغير إذا أخذ بغير إجازة شرعية غصبا كان أوربا أونهبة أوغيرها يجب على الآخذ الرد على صاحبه كما قال النبی صلی الله عليه وسلم لايحل لأحد أن يأخذ متاع أحد لاعبا ولا جاداً فذإذا أخذه فليرده. (سنن الترمذی: ۴۶۲/۴، كتاب الفتن، باب ماجاء لايحل لمسلم أن يروع مسلم، رقم الحديث: ۲۱۶۰ میں حدیث ان الفاظ میں وارد ہے: "لايأخذ أحدكم عصا أخيه لاعبا أوجاداً فمن أخذ عصا أخيه فليردها إليه") فی تحت قوله على الغاصب رد العين المغصوبة. (وفی الشامی: ۸۰/۴-۸۱) (ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب الصوم: ۳۶۶/۹):

الحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم وإذا فإن علم عين الحرام لايحل له و يتصدق به بنية صاحبه ومفاد الحرمة وإن لم يعلم أربابه لايحل له فيه مالم يودبدله فاذاأخذ الزائد من التامين أوالربوا يجب رده علىٰ أصحابه وإن كان على الآخذ من الضريبة مالايجوز فی ديارالكفررخص له دفع الضريبة إلىٰ الدولة والا صرفها الى الفقراء بنية دفع الوبال من الحرام إن أردتم المزيد أن تطلعوا عليه فعليكم أن تراجعوا إلىٰ الكتب الآتية مثلاً نظام الفتاوی المجلد الأول للعبد وإمدادالفتاوی لسماحة الشيخ التهانوی وجواهر الفقه لسماحة الشيخ مفتی محمد شفيع وفتاوی عزيزية للشيخ عبدالعزيز المحدث الدهلوی رحمهم الله أجمعين كاملة. فقط والله اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند، سہارنپور ۱۴۰۲/۹/۲۲ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۵۵۰/۱-۵۵۴)

(۱) إعلم أن الفرض، حتىٰ يكفر جاحده، ويفسق تاركه بلاعذر. (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۱۳/۶، سعيد)

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الرابع النوع الثانی يوجب القضاء والكفارة: ۲۰۵/۱ مكتبة رشيدية، كوئٹة

(۳) إعلم أن صوم رمضان فريضه لقوله تعالىٰ: ﴿كُتِبَ عليكم الصيام، وعلىٰ فرضية انعقد الاجماع، ولهٰذا يكفر جاحده. (الهندية، كتاب الصوم: ۲۱۱/۱، شركت علمية، ملتان)

(۴) "وكذا من وجب عليه الصوم فی أول النهارلوجود سبب الوجوب والأهلية ثم تعذرعليه المضی فيه بأن أفطر متعمدًا وأصبح يوم الشک مفطرًا ثم تبين أنه من رمضان أوتسحرعلى ظن إن الفجر لم يطلع ثم تبين أنه طالع فإنه يجب عليه الإمساک فی بقية اليوم تشبهاً بالصائمين كذا فی البدائع فی فصل حكم صوم الموقت. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، المتفرقات: ۲۲۸/۲، مكتبة رشيدية، كوئٹة)

رمضان میں بلا عذر شرعی کھانے والے کی مثال:

سوال: مولوی صاحب نے ایک شخص کو رمضان میں بلا عذر شرعی کھاتے پیتے دیکھ کر کہا کہ خنزیر خور ہے اور رمضان میں کھانا حرام ہے اور جس کو کھاتے دیکھتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ سور کھا رہا ہے، یہ کہاں تک درست ہے؟ رمضان میں بلا عذر شرعی کھانا حرام ہے، یا گناہ کبیرہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بلا عذر رمضان شریف میں دن کو کھانا پینا بے شک قطعاً حرام ہے اور کھانے والا مرتکب حرام فعل کا ہے اور گناہ کبیرہ کا ہے اور تشبیہاً اس کو خنزیر خور کہنا صحیح ہوسکتا ہے؛ یعنی جیسا کہ خنزیر خور حرام ہے اور مرتکب حرام فعل اور گناہ کبیرہ کا ہے، اسی طرح رمضان شریف میں بلا عذر کھانے والا حرام خور اور مرتکب فعل حرام اور گناہ کبیرہ کا ہے اور مثل خنزیر خور کے ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳۴۵/۶)

تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا:

سوال: ایک اشتہار ارسال ہے (اس کو دیکھ کر فتویٰ عطا کریں) شرعِ محمدی میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ جو مسلمان ماہِ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے، وہ ہرگز مسلمان نہیں، وہ خنزیر سے بدتر ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کرنا چاہیے اور ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہیے۔اس اشتہار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

رمضان المبارک کا روزہ اسلام کی عظیم الشان رکن ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔

﴿کتب علیکم الصیام﴾(۲)

﴿فمن شهد منکم الشهر فلیصمه﴾(۳)

بلا عذرِ شرعی کھلے بندوں رمضان المبارک میں سگریٹ پیتے پھرنا انتہائی جسارت اور رمضان المبارک کی حق تلفی اور اللہ پاک کی قانون شکنی ہے جس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی عذاب سخت ہے،(۴) جو لوگ ایسا

---

(۱) اعلم أن صوم رمضان فریضة لقوله تعالیٰ: ﴿یأیها الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾(سورة البقرة: ۱۸۳، انیس) وعلیٰ فرضیته انعقد الاجماع ولهٰذا یکفر جاحده. (الهدایة، کتاب الصوم: ۱۹۳/۱)

(۲) سورة البقرہ: ۱۸۳ (قال الجصاص: "فاللّٰه تعالیٰ أوجب علینا فرض الصیام بهذه الآیة؛ لأن قوله تعالیٰ: ﴿کتب علیکم﴾ معناه فرض علیکم. (أحکام القرآن للجصاص: ۲۴۲/۱، باب فرض الصیام، قدیمی)

(۳) سورة البقرة: ۱۸۵

(۴) "عن أبی هریرة رضی اللّٰه تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "من أفطر یوماً من رمضان من غیر رخصة رخصها اللّٰه له، لم یقض عنه صیام الدهر. (سنن أبی داؤد: ۳۳۳/۱، کتاب الصوم، باب التغلیظ فیمن أفطر عمداً، امدادیة ملتان)

کرتے ہیں، ان کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے بیان فرمودہ ارشادات سنائے جائیں اور نہایت شفقت ودلسوزی سے خوف دلایا جائے، اہلِ قلب حضرات کے وعظ کرائے جائیں، جس سے ان کی اصلاح ہو سکے؛ لیکن اگر کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے اور ان پر لعنت کی جائے گی اور ان کو اسلام سے خارج مانا جائے گا تو اس سے اصلاح کی توقع نہیں اور یہ طریقہ قرآن وحدیث کے موافق نہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ایک مومن کی عزت اللہ پاک کے نزدیک خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے''۔(۲) لہٰذا ایسا رویہ اختیار نہ کیا جاوے کہ وہ صرف کلمہ پر اکتفا کر کے بیٹھ جاویں اور اسلام کے بقیہ ارکان کی بھی فکر نہیں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاوے کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے، دونوں غلط طریقے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۲۱۵-۲۱۶)

بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ:

سوال: مولوی صاحب نے عید کے روز نماز پڑھانے سے قبل روزہ نہ رکھنے والے کو برا بھلا کہا اور نماز کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ بعد نماز مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ روزہ داروں کی نماز مکروہ ہوگی، یہ ہماری غلطی ہے کہ جس آدمی نے روزہ نہیں رکھا ہے، اس کو پچھلی صف میں کھڑا کر دیتے؛ کیوں کہ یہ لوگ روزہ نہیں رکھے، روزہ بھر انہوں نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

روزہ بھی فرض ہے اور نماز بھی فرض ہے، (۳) اگر کسی موقع پر روزہ کا بیان کیا گیا ہے اور نماز کا نہیں کیا گیا تو اس میں

---

(۱) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿أدع إلیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (النحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسولہ محمداً صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: أن یدعوا الخلق إلی اللّٰہ بالحکمة وقولہ: ﴿وجادلھم بالتی ھی أحسن﴾: أی من احتاج منھم الی مناظرة وجدال، فیلکن بالوجہ الحسن. (تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۸، مکتبة دار الفیحاء بیروت)

(۲) عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما قال: صعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع قال: "یا معشر من قد أسلم بلسانہ ولم یفض الإیمان إلیٰ قلبہ! لا تؤذوا المسلمین، ولا تعیروھم، ولا تتبعوا عوراتھم، فإنہ من تتبع عورة أخیہ المسلم تتبع اللّٰہ عورتہ، ومن یتبع اللّٰہ عورتہ، یفضحہ ولو فی جوف رحلہ. قال: ونظر ابن عمر یوماً إلی البیت أو الی الکعبة فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک، والمؤمن أعظم حرمة عند اللّٰہ منک". (جامع الترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فی تعظیم المؤمن: ۲/۲۳، سعید)

(۳) قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یا أیھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام﴾ (سورة البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "قال اللّٰہ تعالیٰ أوجب علینا فرض الصیام بھٰذہ الآیة؛ لأن قولہ تعالیٰ: ﴿کتب علیکم﴾ معناہ فرض علیکم". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۲۴۲، باب فرض الصیام، قدیمی) ==

کوئی حرج نہیں، اگر نماز میں روزہ دار پچھلی صف میں ہوں اور بے روزہ پہلی صف میں ہوں تو اس سے روزہ داروں کی نماز مکروہ نہیں ہوتی، نماز، یا روزہ، یا کسی اور دینی کام کے لیے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو نرم الفاظ میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔(۱) سخت الفاظ کہنا مثلاً یہ کہ ”بے روزہ لوگ خنزیر کھاتے رہے ہیں“ اس سے اکثر اوقات اچھا اثر نہیں ہوتا، لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؛ بلکہ ان کی طبیعت میں نصیحت کرنے والوں کی طرف سے غیظ پیدا ہوجاتا ہے اور جو کچھ نماز روزہ پہلے کرتے تھے وہ بھی ترک کردیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۲۱۶/۱۰-۲۱۷)

جیسا دس برس کے بچوں کو مار کر نماز پڑھانے کا حکم ہے کیا روزہ کا بھی یہی حکم ہے:

سوال: بہشتی زیور مسئلہ: ۱۲ ”جب لڑکا، یا لڑکی روزہ رکھنے کے لائق ہوجاویں تو ان کو بھی روزہ کا حکم کرے اور جب دس برس کی عمر ہوجاوے تو مار کر روزہ رکھاوے، اگر سارے روزے نہ رکھ سکے تو جتنے رکھ سکے رکھاوے“۔(۲)

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: ”جب کہ بچوں کیساتھ حکم نماز کا بعمر سات برس کے سکھلانے کا ہے، اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟

الجواب

روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں۔ فقط (ص: ۱۳۴، فتاوی رشیدیہ، حصہ دوم، قاسمی دیوبند)

بظاہر دونوں کتابوں میں اختلاف معلوم ہوتا ہے، واضح فرمایا جاوے؟

الجواب

فی الدر المختار أول کتاب الصلاۃ بعد ذکر حدیث: ”مروا أولادکم بالصلاۃ وھم أبناء سبع واضربوھم علیھا وھم أبناء عشر“. (۳) ما نصہ: والصوم کالصلاۃ علی الصحیح کما فی صوم

== ”وأنواعہ فرض وواجب ونفل، والفرض نوعان: معین کرمضان وغیر معین کالکفارات“. (الفتاوی الھندیۃ: ۱۹٤/۱، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفہ، رشیدیۃ)

قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿وأقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکاۃ وارکعوا مع الراکعین﴾ (سورۃ البقرۃ: ٤٣)

(۱) قال اللّٰہ تعالٰی: ﴿ادع إلٰی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۵) یقول تعالٰی آمراً رسولہ محمد صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم: أجن یدعوا الخلق إلی اللّٰہ بالحکمۃ، وقولہ: ﴿وجادلھم بالتی ھی أحسن﴾ أی من احتجا منھم إلٰی مناظرۃ وجدال، فلیکن بالوجہ الحسن. (تفسیر ابن کثیر: ۷۸۱/۲، مکتبۃ دارالفیحاء بیروت)

(۲) بہشتی زیور حصہ اول، ص: ۲۳، مجتبائی دہلی، مسئلہ: ۱۴۔

(۳) عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم: ”مروا أولادکم بالصلوٰۃ وھم أبناء سبع و اضربوھم علیھا وھم أبناء عشر وفرقوا بینھم. (سنن أبی داؤد، باب متٰی تؤمر الغلام بالصلاۃ: ۱۳۳/۱، رقم الحدیث: ٤۹۵، انیس)

القهستانی معزیا للزاهد ی،۱۵.

اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دوقول ہیں، پس ایک کتاب میں ایک قول کو لیا گیا، دوسری کتاب میں دوسرے قول کو لے لیا گیا، پس کچھ اشکال نہیں۔ واللہ اعلم

۲/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ (النور،ص:۲۰،ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ) (امدادالفتاوی:۲/۱۲۴)

نابالغ کا روزہ رکھنا بہتر ہے، یا پڑھنے میں محنت کرنا:

سوال: نابالغ طلبا کو رمضان کے روزے رکھنا بہتر ہیں، یا درس میں سعی کرنا جب کہ روزہ رکھنے سے ان کو ضعف ہوتا ہے اور وہ تیمّم میں مصروف رہتے ہوں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

(وإن وجب ضرب ابن عشرعليها بيد لا بخشبة) لحديث:"عن عمروبن سعيد بن المسيب عن أبيه عن جده قال:قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشرسنين"،قلت:والصوم كالصلاة على الصحيح كما فى صوم القهستانى معزياً للزاهدى وفى حظرالاختيارأنه يؤمربالصوم والصلاة وينهى شرب الخمرليالف الخيرويترك الشر،الخ.(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ لڑکوں کا حکم روزہ کے بارے میں مانند نماز کے ہے کہ سات برس کی عمر سے نماز روزہ کا حکم کیا جاوے اور دس برس کی عمر میں مار کر نماز روزہ رکھوایا جائے، پس چاہیے کہ رمضان شریف میں بچوں سے تحصیل علم کی محنت کم کی لی جاوے۔(۲) اس وجہ سے مدارس اسلامیہ میں عموماً رمضان شریف کی تعطیل کردی جاتی ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲/۴۹۰-۴۹۱)

بچے کب سے روزہ رکھیں:

سوال: جب کہ بچوں کیساتھ حکم نماز بعمر سات برس کے سکھلانے کا ہے اور دس برس کے بعد مارنے کا تو کیا روزہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے؟

---

(۱) الدرالمختارعلٰى هامش ردالمحتار،كتاب الصوم: ۴/۲-۵،مكتبة زكريا،ديوبند،انيس

(۲) ويؤمرالصبى بالصوم اذا أطاقه ويضرب عليه ابن عشر كالصلوٰة فى الأصح.(الدرالمختار)

قوله (يضرب) أى بيد لابخسبة ولايجاوز الثلاث كما قيل به فى الصلاة.(ردالمحتار،كتاب الصوم،باب ما يفسد الصوم ولا يفسد:۳/۳۸۵،مكتبة زكرياديوبند،انيس)

الجواب

روزہ کی نسبت یہ حکم نہیں ہے۔ فقط (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۶۹)

بچوں سے روزہ رکھوانا:

سوال: بچوں کو روزہ کتنے سال کی عمر میں رکھنا ہوگا؟ آج کل بعض بچے چار تا پانچ سال کی عمر میں روزہ رکھتے ہیں، یہ طریقہ صحیح ہے، یا غلط؟ (سید زاہد فردین، یاقوت پورہ)

الجواب

روزہ دوسری عبادتوں کی طرح بالغ ہونے کے بعد ہی فرض ہوتا ہے؛ لیکن جسمانی عبادتوں کا اچانک شروع کرنا اور اس پر کاربند رہنا دشوار ہوتا ہے؛ اسی لیے بلوغ سے پہلے ہی ان عبادتوں کی عادت ڈالنی چاہیے، تاکہ عبادت فرض ہونے کے بعد اس کی ادائیگی میں دشواری نہ ہو۔ نماز کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا باضابطہ حکم دیا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کو کہا جائے اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر سرزنش بھی کی جائے،(۱) روزہ کے بارے میں غالباً ایسی کوئی صراحت منقول نہیں؛ لیکن یہ ظاہر ہے کہ نماز سے زیادہ روزہ کی عادت ڈالنے کی ضرورت پیش آتی ہے؛ اس لیے بدرجۂ اولی بالغ ہونے سے پہلے اس کی عادت ڈالنی چاہیے اور نماز پر قیاس کرتے ہوئے سات تا دس سال کی عمر سے کچھ روزے رکھوانے چاہئیں، بچوں کے روزہ کے لیے کسی خاص عمر کی تحدید نہیں، اس کا خیال رکھنا چاہیے کہ اس میں روزہ کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہوگئی ہو اور وہ روزہ کا شعور رکھتا ہو؛ تاکہ اس کی نیت کر سکے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۳-۴۲۴)

روزہ رکھائی:

سوال: آج کل لوگ روزہ رکھائی بڑی دھوم دھام سے کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ (رشید احمد خاں، بھینسہ)

الجواب

روزہ رکھائی کے لیے کوئی تقریب منعقد کرنا حدیث سے ثابت نہیں اور نہ ایسی چیزوں میں اسراف وفضول خرچی جائز ہے، البتہ اگر کسی بچہ نے پہلی بار روزہ رکھا ہو، اس کی حوصلہ افزائی اور اس کے اس عمل پر خوشی کے اظہار کے لیے کسی دوست احباب کو افطار پر مدعو کرلیا جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ لوگ اسے دینی کام سمجھ کر عام طور پر نہیں کرتے؛ بلکہ اس کا مقصد محض مسرت کا اظہار ہے، تاہم ضروری ہے کہ فضول خرچی سے بچتے ہوئے اور تقریب کی شکل

(۱) عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر سنين". (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ٤٩٥، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة)

دئے بغیر دعوت کا اہتمام کیا جائے، آج کل تو لوگ اخبار میں اس کا اشتہار بھی دیتے ہیں اور تصویریں بھی شائع کرائی جاتی ہیں، یہ عبادت کی تشہیر ہے، جو عبادت کی روح کے خلاف ہے اور تصویر شائع کرنا تو نیکی کے ایک کام کو گناہ کی گندگی سے آلودہ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو ایسی خلافِ شرع باتوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳؍۴۲۳)

رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر:

سوال: رمضان المبارک کے متعلق کچھ ہدایت فرمائیں، دنیوی تفکرات سے قلب کو یکسوئی حاصل ہونے کا حضرت والا کوئی علاج بتائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اپنا نظام الاوقات بنا کر تمام اوقات کو کام میں مشغول رکھیں، کوئی وقت ضائع نہ ہونے دیں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کریں۔(۱) فضائل رمضان اپنے مکان پر یا مسجد میں سننے یا سنانے کا اہتمام کریں، اس سے رمضان کی عظمت دل میں پختہ ہو کر اعمالِ صالحہ کی رغبت میں اضافہ ہوگا اور ان شاء اللہ تعالیٰ یکسوئی میسر ہوگی، خدا دین و دنیا کی ترقیات سے نوازے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰؍۳۵-۳۶)

رمضان المبارک میں نظام الاوقات کی طباعت:

سوال: رمضان المبارک میں لوگ نظام الاوقات طبع کرا کر تقسیم کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رمضان گزرنے کے بعد ادھر ادھر نالیوں میں یہ نظام الاوقات ڈال دئے جاتے ہیں، کیا یہ گناہ نہیں؟ اور اس کا گناہ کس پر ہوگا؟ چھاپنے والے پر یا پھینکنے والے پر؟ (فوزیہ جبین، جگتیال)

الجواب ــــــــــــــــــــ

نظام الاوقات طبع کرانے سے روزہ داروں کو سہولت بہم پہنچتی ہے، اور سحر و افطار کا وقت معلوم ہوتا ہے، بعض لوگ اس میں افطار کی دعاء اور روزہ کی نیت بھی طبع کرتے ہیں، اس سے بھی آسانی ہوتی ہے؛ اس لیے طبع کرنے والوں کو تو بہر حال اس کا اجر و ثواب حاصل ہوگا، جو لوگ بے احتیاطی سے اسے گندی جگہوں پر ڈال دیتے ہیں، وہ یقیناً غلطی کرتے ہیں، انہیں چاہیے کہ یا تو وہ اسے محفوظ کر دیں، یا کسی پاک جگہ پر دفن کر دیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳؍۴۲۲)

---

(۱) فأن لایتکلم إلا بخیر...ویلازم التلاوة والحدیث والعلم وتدریسه وسیر النبی صلی الله علیه وسلم و أخبار الصالحین و کتابة أمور الدین. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الإعتکاف، رشیدیة)

جو شخص تمام عمر سفر میں رہے وہ قضا کرے، یا نہیں:

سوال: ایک شخص اکثر سفر میں رہتا ہے، اور رمضان بھی سفر میں گزرتا ہے، رمضان کے بعد اس کو اقامت کا موقع نہیں ملتا ہے، اگر ساری عمر اس کو اقامت کا موقع نہ ملے تو قضا رمضان اس پر لازم ہوگی، یا نہیں؟ اور وصیت فدیہ بھی اس پر لازم ہے، یا نہیں؟ بینوا ولکم الأجر الجزیل

الجواب

نص قرآنی میں قضائے مسافر ومریض کا سبب وجوب صیام عدۃ من ایام اُخر کا ادراک بتلایا ہے، سو اگر ادراک ایام ہوا تو قضائے صوم بقدر ادراک واجب ہوگی، ورنہ وجوب نہیں ہوتا خواہ مرض وسفر تمام عمر رہے۔

فی الدر المختار: ”فلاتجب علیهم الوصیة بالفدیة لعدم ادراکهم عدة من أیام آخر ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت الوصیة بقدر ادراکهم عدة من أیام آخر“. (۱)

(تتمہ خامسہ، ص: ۱۴۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲/۱۴۴)

سفر میں روزہ:

سوال: سفر میں روزہ معاف ہے، کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں سفر پیدل ہوا کرتے تھے، جس سے پریشانی اور تھکاوٹ ہوتی تھی تو معافی اس وقت کے لحاظ سے ہوئی ہوگی، اس دور میں تو سفر کی سہولتیں میسر ہیں؛ اس لیے وہ رخصت اب نہیں ملنی چاہیے۔　　(نعمت اللہ، مادھو پور، بہار)

الجواب

قرآن مجید نے جہاں سفر کی حالت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، وہاں مشقت کو معیار نہیں بتایا ہے؛ بلکہ سفر چوں کہ عموماً کچھ نہ کچھ مشقت سے خالی نہیں ہوتا؛ اس لیے خود سفر کو افطار کی اجازت کے لیے کافی سمجھا گیا، لہٰذا آج کل کے آرام دہ سفر میں بھی افطار کرنا جائز ہے اور اگر روزہ رکھ لے تو زیادہ بہتر ہے۔ (۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۰۳)

مسافر اگر روزہ افطار کرلے تو کفّارہ نہیں:

سوال: مسافر در سفر بوجود قصر روزۂ رمضان روزہ نہاد، پس بمیانِ نیمروز آں روزہ نہادہ راعمداً افطار ساخت آیا کفّارہ واجب گردد، یا قضا؟ (۳)

---

(۱) الدر المختار، باب مایفسد الصوم ومالایفسد: ۱/۱۴۹، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) (ویندب لمسافر الصوم) لآیة ﴿وأن تصوموا خیرلکم﴾ والخیر بمعنی البر لا أفعل تفضیل (إن لم یضره) فإن شق علیه أو علی رفیقه فالفطر أفضل لموافقته الجماعة. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۳/۴۰۵)

(۳) ترجمۂ سوال: ایک مسافر، سفر میں رمضان کے روزہ کی رخصت کے باوجود روزہ رکھا، پھر آدھے ہی دن میں اس رکھے ہوئے روزہ کو جان بوجھ کر توڑ دیا تو کیا اس پر کفّارہ واجب ہوا، یا صرف قضا؟ انیس

الجواب ــ

وللمسافر الذی أنشأ السفر قبل طلوع الفجر إذ لایباح له الفطر بانشائه بعد ما أصبح صائماً. قال الطحطاوی: لکن إذا أفطر لا کفّارة علیه. (نور الإیضاح مع الطحطاوی)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مسافر افطار کردے تو کفّارہ نہیں۔

۲۹/ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ۔(امداد الاحکام:۱۳۵/۳)

مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت:

سوال: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہوگیا، سفر کافی طویل ہے۔کیا زید اس روزہ کو توڑسکتا ہے؟ (حاجی عبدالحیٔ لکھنؤ)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر مشقت ہے، پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑسکتا ہے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۳۸/۱۰)

سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں:

سوال (۱) اگر سفر میں کوئی شخص روزہ رکھتا ہے تو یہ مکروہ تو نہیں ہے، اس کو رکھنے کی اجازت ہے؟

عذر کی وجہ سے روزے رہ گئے تو قضا کرنے پر پورا ثواب ملے گا:

(۲) کسی عذر سے اگر رمضان میں روزے نہ رکھے اور اس کی گنتی رمضان کے بعد پوری کرلے تو اس کو رمضان کی طرح ثواب ملے گا، یا کچھ فرق ہوگا؟ (المستفتی: مولوی محمد رفیق دہلوی)

الجواب ــ

(۱) سفر میں روزہ رکھنے میں کوئی کراہت نہیں نہ رکھنے کی اجازت ہے، ضروری نہیں کہ افطار کرے۔(۳)

(۲) اگر عذر صحیح ہے تو بے شک اس کو روزوں کا پورا ثواب ملے گا۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۲۵۲/۴)

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح،فصل فی العوارض،ص:۶۸۶،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) الأعذار التی تبیح الافطار منها السفر الذی یبیح الفطر...فلو سافر نهاراً،لایباح له الفطر فی ذلک الیوم،وان أفطر، لا کفارة علیه.(الفتاویٰ الهندیة،الباب الخامس فی الأعذار التی تبیح الافطار:۲۰۲/۱،رشیدیة)

(۳) عن عائشة رضی اللّٰه تعالٰی عنها أن حمزة بن عمرو الأسلمی سأل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عن الصوم فی السفر،و کان یسرد الصوم،فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إن شئت،فصم وإن شئت فأفطر.(سنن الترمذی،أبواب الصوم،باب ما جاء فی الرخصة فی الصوم فی السفر:۱۵۲/۱،سعید)

(۴) یعنی اگر عذر شرعاً معتبر ہو مثلاً بیماری وغیرہ یعنی اگر بیمار نہ ہوتا،تو رمضان کا روزہ رکھتا لہٰذا بعد میں رکھنے سے بھی اللہ کے فضل سے امید ہے کہ پورا ثواب عطا فرمائے گا۔

روزہ کا قصر حالت سفر میں:

سوال: روزہ ماہ رمضان فصل شرعی میں اپنے کسی دنیاوی، یا مقدمات کے سفر میں قصر کر سکتے ہیں، یا کہ نہیں؟ اور کیا روزہ قصر شدہ بعد کو رکھنا ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

سفر میں نماز قصر کرنے کا تو مطلب یہ ہے کہ چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے اور روزے کے قصر کا یہ مطلب ہے کہ سفر میں اگر تکلیف ہو تو سفر میں نہ رکھے، بعد میں قضا کر لے؛ لیکن اگر سفر میں رکھتا ہے تو افضل اور اچھا ہے، دنیاوی کاروبار و مقدمہ وغیرہ کے سفر میں بھی قصر کرنے کا وہی حکم ہے کہ جائز تو ہے، باقی روزہ رکھتے رہنا افضل ہے۔

"لمسافر... أو حامل... الفطر... ويندب لمسافر الصوم". (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور

الجواب صحیح: محمود عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۲/۹/۱۳۸۵ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۱۵۷)

کسی ظالم کے خوف سے روزہ قضا کرنا:

سوال: ایک ظالم ایک شخص سے کہتا ہے کہ اگر تو اس ماہ رمضان میں روزہ رکھے گا تو میں تجھ سے تیرا سب مال چھین لوں گا اور اس شخص کو اس مال کے جانے سے بہت دقت اور تکلیف ہوگی اور وہاں کوئی ایسا شخص نہیں ہے، جو اس کو اس ظلم سے بچائے اور اس کے پاس ایسا سامان اور حمایت بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ حاکم سے فریاد کر کے اس مال کو جو ظالم غصب کرتا ہے، وصول کر سکے۔ اس صورت میں مظلوم کو دفعِ ظلم کے واسطے، اس رمضان میں افطار کرنا اور اس کی قضا، دوسرے مہینے میں جائز ہے، یا نہیں؟

زید کہتا ہے کہ جائز نہیں ہے، اس واسطے کہ یہ شخص نہ مریض ہے، نہ مسافر اور بکر کہتا ہے کہ یہ افطار اور قضا جائز؛ بلکہ اولیٰ ہے۔ مرض اور سفر میں افطار کی علت قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا اور صورت مذکورہ میں روزہ رکھنے میں ایسی سختی ہے کہ اکثر اوقات مرض اور سفر میں بھی نہیں ہوتی۔

اس مسئلہ میں زید کا قول ٹھیک ہے، یا بکر کا، ان مسائل کا جواب شافی دوسرے ورق پر روانہ فرمائیں اور اپنی خیریت سے اطلاع دیجئے۔ فقط والسلام　　(عریضہ ادب: نظیر حسن عفی عنہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اکراہ جان پر ہوسکتا ہے، نہ مال پر، اگر مال لینے کی تخویف کرے اور روزہ فرض سے روکے تو مال اگر چہ جاوے

---

(۱) الدر المختار، کتاب الصوم: ۳/ ۴۰۳-۴۰۵

ترک فرض درست نہیں ہے اور غرض سفر کی تخفیف سے مال کو بچانا نہیں ہوسکتا، مال خرچ کے واسطے ہے، جان کی راحت کے واسطے ہوتا ہے۔

ہنوز طبع میری درست نہیں ہوئی، اسی واسطے سبق طلباء کا شروع کرایا نہیں گیا۔ فقط

(فرخ آباد، ص:۱۱-۱۵) (فتاویٰ رشیدیہ، ص:)

دائمی مریض کے روزہ کا حکم:

سوال: ایک شخص کو بوجہ بھوکا رہنے کے نکسیر وغیرہ ہوجاتا ہے، اسی حالت میں دو رمضان گزر گئے اور آئندہ بھی بہت کم امید ہے تو یہ شخص گزشتہ رمضان کا فدیہ دے، یا صحت کا انتظار کرے؟

الجواب

یہ شخص مریض ہے، شیخ فانی نہیں اور مریض کا حکم شریعت میں یہ ہے کہ اگر مرض سے اچھا ہونے کے بعد اتنی مدت اس کو ملے کہ اس میں قضا کرسکتا ہے تو روزے کی قضا اس کے ذمہ ہے، ورنہ قضا بھی نہیں۔

لقولہٖ تعالیٰ: ﴿فعدة من أيام أخر﴾(۱)

الغرض اس کو صحت کا انتظار کرنا چاہیے۔ (امداد المفتین: ۲/۴۱۵)

صومِ معذور کا حکم:

سوال: زید کا دماغ، یا پھیپھڑا، یا مسوڑھوں کے پھول جانے، یا دانتوں کے ہلنے کے سبب منہ کے راہ خون آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ سانس کے ذریعے فرد حلق بھی جاگتے سوتے رہتا ہے، ایسی حالت میں اگر زید روزے رکھے تو اس کا روزہ ادا ہوگا، یا نہیں؟ اگر روزہ اس کا اس سبب سے نہیں ادا ہوتا ہے تو بدلے، ان روزوں کے زید کو شرعاً کیا کرنا چاہیے؟ بینوا بالکتاب تو جروا بالصواب

الجواب

جس شخص کے دانتوں میں سے اکثر خون آتا رہتا ہو اور بلا اختیار جاگتے ہوئے، یا سوتے ہوئے حلق میں بھی داخل ہوجائے، اس کا حکم کسی جگہ صریح نہیں ملا؛ مگر علامہ شامیؒ نے اتنا لکھا ہے کہ:

”ومن هٰذا يعلم حكم من قلع ضرسه فى رمضان ودخل الدم إلٰى جوفه فى النهار ولو نائماً فيجب عليه القضاء إلا أن يفرق بعدم إمكان التحرز عنه فيكون كالقئ الذى عاد بنفسه فليراجع“. (۲)

(۱) سورة البقرة: ۱۸٤، انیس

(۲) رد المحتار علٰى هامش الدر المختار، باب ما يفسد الصوم ومالايفسده: ۲/۳۹٦، انیس

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے روزہ کو صحیح کہنے کی گنجائش ہے اور اگر شامی کی عبارتِ ذیل پر نظر کی جاوے تو اور بھی زیادہ گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

(قوله:يعني ولم يصل إلٰى جوفه)ظاهرإطلاق المتن أنه لايفطر وإن كان الدم غالباً على الريق و صححه في الوجيز كما في السراج وقال:ووجهه أنه لايمكن الاحتراز عنه عادةً فصاربمنزلة ما بين أسنانه ،لخ. (۱)

پس صاحب وجیز بدون مرض بھی دمِ خارج من بین الاسنان کو غیر ممکن الاحتراز قرار دے کر موجبِ فساد قرار نہیں دیتے تو حالتِ مذکورہ فی السوال میں تو بدرجۂ اولیٰ دخولِ دم فی الجوف کو غیر مفسد کہیں گے، جس میں احتراز کا عدمِ امکان مسلّم ہے۔ واللہ اعلم

ھدایتِ ضروری: چونکہ یہ مسئلہ قیاس سے لکھا گیا ہے اس واسطے دوسرے علما کو دکھالینا ضروری ہے۔

۱۱/رجب ۱۳۵۲ھ (امداد الاحکام: ۱۳۴/۳)

رفع اشکال عقوبت بر ترک افطار نفل:

سوال: رسالہ قشیریہ، باب حفظ قلوب المشائخ میں بسند ایک حکایت منقول ہے:

إن شقيقاًالبلخي وأبا تراب النخبشي قدما علٰى أبي يزيد فقدمت السفرة وشاب يخدم أبايزيد فقال له: كل معنا يا فتٰى، فقال: أناصائم، فقال أبوتراب: كل ولك أجرصوم شهر فأبٰى، فقال: شقيق كل ولك أجر صوم سنة فأبى فقال أبويزيد: دعوا من سقط من عين اللّٰه فأخذ ذلك الشاب في السرقة بعد سنة فقطعت يده،آه. (۲)

اس میں دو اشکال ہیں: ایک یہ کہ ایسی فضیلت کا وعدہ بدون نص کے کیسے جائز ہے۔ دوسرا یہ کہ جو عمل شرعاً واجب نہ ہو؛ بلکہ شاید جائز بھی نہ ہو، مثلاً افطار اس کے ترک پر عقوبت کیسے مرتب ہوئی؟

الجواب

ثبوت درجہ قطع، یا ظن میں تو ضرور موقوف ہے، نص پر وہ نص جس درجہ کی بھی ہو، لیکن ثبوت درجہ احتمال میں لفحوائے ''**انا عند ظن عبدی**''، محض بشارت الہامی سے بھی ممکن ہے، ان بزرگوں کو ایسی بشارت ہوئی ہوگی، خواہ ابتداءً خواہ بطور اجابت دعا، یا ابرار المقسم (۳) کے یہ پہلے اشکال کا جواب ہے اور دوسرے کا جواب یہ ہے کہ غالباً روزہ نفل ہوگا

(۱) **رد المحتار علٰى هامش الدرالمختار،باب ما يفسد الصوم ومالايفسده: ۳۹۶/۲،انیس**

(۲) **الرسالة القشيرية،باب المعرفة باللّٰه: ۵۰۲/۲،دارالمعارف القاهرة،انيس**

(۳) اشارہ ہے حدیث: **عن أبي هريرة أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: رب أشعث مدفوع بالأبواب، لوأقسم على اللّٰه لأبره.(الصحيح لمسلم،باب النار يدخلها الجبارون الجنة،رقم الحديث: ۵۴۲۸،انيس)**

یعنی اللہ کے بعض مقبول بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ کوئی قسم کھا بیٹھیں تو اللہ اس کو پورا کرتا ہے۔ منہ

جس کا افطار مضیف کو ضیف کے لیے اور ضیف کو مضیف کے لیے؛ بلکہ مدعو کو داعی کے لیے؛ بلکہ ایک روایت میں جس کو بعض محققین نے اختیار کیا ہے، بلا عذر بھی بشرط عزم قضاء جائز ہے، **وھٰذا کلہ مذکور فی الدر المختار** اور مباح بعض عوارض سے مندوب اور مندوب بعض عوارض سے ایک درجہ میں مؤکد ہو جاتا ہے اور ان عوارض میں سے ایک عارض وعدہ بھی ہے اور وعدہ عام ہے قولی وفعلی سے اور کسی کے ساتھ عقیدت کا معاملہ وعدہ فعلی ہے، عدم ایذا کا، اس قصہ میں اس خادم کی طرف سے ایسا ہی وعدہ متحقق ہوا اور اس کے اباء سے ان بزرگوں کو اذیت ہوئی جس سے تحرز مؤکد ہو گیا تھا اور گو وہ مؤکد ہو گیا تھا، اور گو وہ مؤکد اس درجہ کا نہ تھا کہ اس پر ایسی عقوبت مرتب ہو؛ مگر عقوبت خفیہ اس پر مرتب ہو سکتی ہے اور وہ عقوبت خفیہ ضعف تھا، ہمت طاعت وترک معاصی کا اور یہی ضعف ہمت (جس کی دوسری تعبیر قلت توفیق ہے) محمل ہے ابو یزید کے اس قول کا ''سقط من عین اللہ'' اور اس ضعف کا تدارک اور اس مقاومت اس کے اختیار میں تھا، اگر اختیار سے کام لیتا عقوبت سے محفوظ رہتا؛ مگر اس نے اپنے اختیار سے کام نہیں لیا اور معصیت کا مرتکب ہوا، پھر اس معصیت پر عقوبت مرتب ہوگئی، پس وہ اذیت ان وسائط سے اس عقوبت تک مفضی ہوگئی، **وھٰکذا سنة اللّٰه فی أولیاء ہ ومن إذا ھم بغیر عذر**، سو اس میں کوئی محذور لازم نہیں آیا۔ واللہ اعلم

۸/محرم ۱۳۵۴ھ (النور، ص:۹، ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاوی: ۱۴۹/۲)

روزہ کے لیے مانع حیض ادویہ کا استعمال:

سوال: سنا ہے کہ بعض خواتین رمضان المبارک کے روزے مکمل کرنے کے لیے میڈیکل گولیاں کھا لیتی ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

خواتین کو ماہواری کا آنا قانون فطرت کے مطابق ہے، اور اسے مصنوعی طریقہ پر روکنا غیر فطری امر ہے اور جو چیزیں فطرت کے عام اصول کے خلاف کی جاتی ہیں، وہ عام طور پر صحت کے لیے نقصاندہ ہوتی ہیں؛ اس لیے اس سے احتراز کرنا چاہیے اور بعد میں روزہ کی قضا کر لینی چاہیے، عورتیں چوں کہ اس معاملہ میں معذور ہیں؛ اس لیے امید ہے کہ رمضان کے بعد روزہ رکھنے کا ان کو اسی قدر ثواب ہوگا جو رمضان میں رکھنے کا ہوتا ہے؛ بلکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ اجر کی مستحق ہوں؛ کیوں کہ رمضان المبارک کے ماحول میں سبھوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنا آسان ہوتا ہے اور عام دنوں میں تنہا روزہ رکھنا نسبتاً دشوار اور جو کام اللہ کے حکم سے ادا کیا جائے اور اس میں زیادہ مشقت ہو، اس میں زیادہ اجر وثواب کی توقع ہے۔

تاہم اگر کوئی عورت ماہواری شروع ہونے سے پہلے ہی سے دوا کا استعمال شروع کر دے اور خون جاری ہی نہ ہو تو اس نے جن دنوں روزہ رکھا ہے، وہ درست ہو جائے گا، اگر خون شروع ہو چکا اور پھر اس نے دوا کھا کر خون کو روک لیا

تو میرا خیال ہے کہ اس دن سے اس کے معمول کے ایام تک، اور کئی عادت مقرر نہ ہو تو تین دنوں تک جو حیض کی کم سے کم مدت ہے، وہ حائضہ ہی تصور کی جائے گی اور ان دنوں کا روزہ درست نہیں ہوگا، نیز اس کی قضا واجب ہوگی۔

''والحائض إذا أحبست الدم عن الورد لايخرج من أن يكون حائضاً بخلاف صاحب الجرح''. (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۰۴، ۴۰۵)

حکم خوردن اعلانیہ در رمضان برائے معذور فطر:

سوال: رمضان میں جو بیمار ہو، یا حائضہ اس کو روزہ داروں کے روبرو پان، یا روٹی وغیرہ کھانا شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی النهاية: قيل تأكل الحائض سراً وقيل هي والمسافر والمريض جهراً. (جامع الرموز: ۱/۶۳)
اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اختلاف ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ پوشیدہ ہو کر کھاوے۔
۲۰/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۱۰۹) (امداد الفتاوی: ۲/۱۴۲)

عورت کو حالتِ روزہ میں حیض آجائے تو باقی وقت میں کھا پی سکتی ہے، یا نہیں:

سوال: روزہ دار کو بحالتِ روزہ حیض آ گیا تو اب باقی وقت اسی طرح پورا کرے، یا کچھ کھا پی لیوے، اگر کچھ کھالیوے تو گناہ تو نہیں ہوا؟ اور افضل کون سا ہے؟

الجواب

حیض کی حالت میں عورت کو روزہ داروں کی طرح رہنا جائز نہیں؛ بلکہ اس کو کھا پی لینا چاہیے؛ لیکن کھلّم کھلّا نہ کھانا چاہیے، چھُپ کر کھاوے۔

قال فی نور الإیضاح: یجب علی الصحیح وقیل: یستحب الامساک بقیة الیوم علیٰ من فسد صومه ولو بعذر ثم زال وعلیٰ حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر.

قال الطحطاوی فی حاشیته: وأما فی حالة تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساک؛ لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام وکذلک لایجب المساک علی المریض و المسافر؛ لأن الرخصة الافطار فی حقهما باعتبار الحرج ولو ألزمناهما التشبه لعاد الشئ علیٰ موضوعه بالنقض ولکن لایأکلون جهراً بل سراً، آه.

قلت: التعلیل یشتمل الحائض وقت طلوع الفجر والحائض بعده فکلاهما یحرم علیهما

(۱) خلاصة الفتاویٰ، کتاب الحیض: ۱/۲۳۱

الصوم نعم بينهما فرق من وجه وهو أن الأولٰى فسد صومها بعد الشروع فيه والثانية حرم عليهما الصوم ابتداءً ولكنهما تشتركان في حرمة الصوم بعد تحقق الحيض. والله أعلم

۳۰ رشعبان ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۳/ ۱۳۹-۱۴۰)

روزہ میں ماہواری شروع ہوجائے:

سوال: اگر کسی عورت نے صبح سے روزہ رکھا اور دوپہر میں اسے ماہواری شروع ہوگئی تو اس دن کا روزہ ہوگا، یا نہیں ؟اور دن کے بقیہ حصہ میں اسے کھانا پینا چاہیے، یا کھانے پینے سے رکا رہنا چاہیے؟ (فاطمہ سلمان، مہدی پٹنم)

الجواب

افطار کے وقت سے پہلے کبھی حیض آجائے تو اس دن کا روزہ جاتا رہے گا اور اس کے بدلہ قضا کرنا واجب ہوگی، جو عورت حیض ونفاس کی حالت میں ہو اسے کھانا پینا چاہیے، کھانے پینے سے رکنا نہیں چاہیے۔فقہا نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اس خاتون کے لیے روزہ رکھنا حرام ہے اور کھانے پینے سے رک جانا حرام کی مشابہت ہے اور حرام کی مشابہت اختیار کرنا بھی حرام ہے، البتہ کھلے عام نہیں کھانا چاہیے، لوگوں کی نگاہ سے چھپ کر کھائے کہ یہی تقاضۂ حیا ہے۔

" وأما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك؛ لأن الصوم منها حرام والتشبه بالحرام حرام ... ولكن لايأكلن جهراً بل سراً". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۴۰۷)

حالت حیض میں روزہ داروں کی مشابہت:

سوال: کیا عورتیں رمضان المبارک میں خاص ایام میں کھانا کھاسکتی ہیں، یا روزہ داروں کی مشابہت اختیار کریں گی؟ (س، ج، سنتوش نگر)

الجواب

اگر حیض، یا نفاس کی حالت ہو تو روزہ داروں کی مشابہت اختیار کرنا اور بھوکے رہنا درست نہیں؛ کیوں کہ حالت حیض میں روزہ رکھنا حرام ہے تو کھانے پینے سے رُکا رہنا گویا ایک فعل حرام کی مشابہت اختیار کرنا ہے اور یہ جائز نہیں۔طحطاویؒ فرماتے ہیں:

"وأما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الامساك؛ لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام". (۲)

البتہ اگر دن کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد پاک ہوگئیں تو اب دن کے بقیہ حصہ میں کھانے پینے سے رکا رہنا چاہیے۔

(۱) حاشية الطحطاوي، ص: ۳۷۱

(۲) حاشية الطحطاوي على المراقي، ص: ۳۷۰

"یجب علی الصحیح و قیل یستحب الامساک ... وعلی حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". (۱)

ہاں! رمضان المبارک کے احترام کی رعایت کرتے ہوئے برسرعام کھانے پینے سے گریز کرنا چاہیے کہ ایک تو اس میں رمضان کا احترام ہے، دوسرے یہ حیا کا تقاضہ بھی ہے، ورنہ کھانے پینے سے حالت ناپاکی کا اظہار واعلان ہوگا۔

(کتاب الفتاوی: ۳/۴۰۶)

عذر کی بنا پر افطار کرنے والے کو افطار کا اعلان نہیں کرنا چاہیے:

سوال: معذور علی الاعلان لوگوں کو کہہ دے کہ میں روزہ نہیں رکھوں گا، اور ظاہراً کھاتا پیتا پھرے، یا اپنے معاملے کو محفوظ و پوشیدہ رکھے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جو لوگ عذر کی وجہ سے افطار کریں ان کو اپنے افطار کا اعلان نہ کرنا چاہئے چھپ کر کھانا پینا چاہئے، اور اپنے حال کو پوشیدہ رکھنا چاہئے، اور جو اتفاقاً کسی کو معلوم ہو جاوے تو اس سے اپنا عذر بیان کر دے۔

۱۲/ رمضان ۱۳۴۱ھ　　(امداد الاحکام: ۳/۱۳۹)

رمضان میں جہرا کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا:

سوال: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے، علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں، رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مریض اور مسافر کو عذر شرعی کی بنا پر (حائضہ ونفسا کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہیے، سراً (یعنی چھپ کر) کھائیں۔ بلا عذر شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے، سخت جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے؛ مگر سزا دینا ہر ایک کے بس میں نہیں۔

"ولو أکحل عمداً جهرا بلا عذر یقتل، آه". (طحطاوی، ص: ۳۶۳) (۲)

"یجب الامساک بقیة الیوم علی من فسد صومه، وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۷۰

(۲) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۶۳، کتاب الصوم، باب ما یفسد به الصوم، آه، قدیمی

الفجر، وعلی صبی بلغ، و کافر أسلم بحرمة الوقت بالقدر الممکن، آه، أما فی حالة تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساک، ولکن لایجب الامساک علی المریض والمسافر، ولکن لا یأکولن جهرا بل سرا، آه". (طحطاوی مختصراً، ص: ۳۷)(۱)

سزا کے لیے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے، جو کہ امیر المؤمنین کو حاصل ہوتی ہے۔ (۲) جن پر روزہ فرض ہے، ان کو کھانا ہوٹل وغیرہ میں کھلانا بھی معصیت اور تعاون علی الاثم ہے۔

﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیة (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱/۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۹۱/۱/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹/۱۰)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم:

سوال: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/بجے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لیے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضا ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضا رکھے، البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پیئے نہیں۔

"یجب الامساک بقیة الیوم علی من فسد صومه، وعلی حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". (مراقی الفلاح) (۴) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۳۹/۱۰) ☆

---

(۱) حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۶۷۸، کتاب الصوم، فصل: یجب علی الصحیح الامساک، قدیمی

(۲) "ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً". (الدر المختار)

(وقوله: قادراً): أی علی تنفیذ الأحکام وانصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحمایة البیضة وحفظ حدود الإسلام وجر العساکر. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الکبریٰ: ۵۴۸/۱، سعید)

(۳) سورة المائدة: ۲

(۴) مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم، آه، فصل: یجب الامساک، ص: ۶۷۸، قدیمی

☆ حدیث شریف میں روزہ کا بڑا ثواب آیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کا بڑا رتبہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے روزے محض اللہ کے واسطے ثواب سمجھ کر رکھے تو اس کے سب اگلے گناہ بخش دئے جائیں گے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے قیامت کے دن روزے کا بے حد ثواب ملے گا۔

مسئله: رمضان شریف کے روزے ہر مسلمان پر جو مجنوں اور نابالغ نہ ہو فرض ہیں، جب تک کوئی عذر نہ ہو، روزہ چھوڑنا درست نہیں اور اگر کوئی روزے کی نذر کرے تو نذر کر لینے سے روزہ فرض ہوجاتا ہے اور قضا اور کفارے کے روزے بھی فرض ہیں اور اس کے سوا اور روزے نفل ہیں رکھے تو ثواب ہے اور نہ رکھے تو کوئی گناہ نہیں، البتہ عید اور بقرعید کے دن سے تین دن بعد تک روزہ رکھنا حرام ہے۔ ==

== **مسئلہ**: جب سے فجر کا وقت آتا ہے، اس وقت سے لے کر سورج ڈوبنے تک روزہ کی نیت سے سب کچھ کھانا پینا چھوڑ دینا اور جماع نہ کرنا شرع میں اس کو روزہ کہتے ہیں۔

مسئلہ: زبان سے نیت کرنا اور کچھ کہنا ضروری نہیں؛ بلکہ جب دل میں یہ دھیان ہے آج میرا روزہ ہے اور دن بھر نہ کچھ کھایا پیا نہ جماع کیا تو اس کا روزہ ہوگیا اور اگر کوئی زبان سے بھی یہ کہہ دے کہ یا اللہ میں کل تیرا روزہ رکھوں گا یا عربی میں یہ کہہ دے کہ " **بصوم غدٍ نويت** "تو بھی کچھ حرج نہیں یہ بھی بہتر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے نہ تو دن بھر کچھ کھایا نہ پیا، صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہا؛ لیکن دل میں روزے کا ارادہ نہ تھا؛ بلکہ بھوک نہیں لگی، یا کسی وجہ سے کچھ کھانے پینے کی نوبت نہیں آئی تو اس کا روزہ نہیں ہوا، اگر دل میں روزے کا ارادہ کر لیتا تو روزہ ہوجاتا۔

مسئلہ: شرع میں روزہ کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے؛ اس لیے جب تک صبح صادق نہ ہو کھانا پینا وغیرہ سب کچھ جائز ہے، بعض عورتیں پچھلے پہر ہی کو سحری کھا کر روزہ کی نیت کی دعا پڑھ کر لیٹ رہتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ اب نیت کر لینے کے بعد کچھ کھانا پینا نہ چاہیے، یہ خیال غلط ہے جب تک صبح نہ ہو برابر کھاتی رہیں، چاہے نیت کر چکی ہوں یا ابھی نہ کی ہو۔

مسئلہ: رمضان شریف کے روزے کی اگر رات سے نیت کرلے تو بھی فرض ادا ہوجائے گا اور اگر رات کو روزہ رکھنے کا ارادہ نہ تھا؛ بلکہ صبح ہوگئی، تب بھی یہی خیال رہا کہ میں آج کا روزہ نہ رکھوں گا، پھر چڑھے، خیال آیا کہ فرض چھوڑ دینا بری بات ہے؛ اس لیے اب روزے کی جیت کر لی، تب بھی روزہ ہوگیا؛ لیکن اگر صبح کو کچھ کھا پی لیا ہو تو اب نیت نہیں کر سکتا۔

مسئلہ: اگر کچھ کھایا نہ ہو تو دن کو ٹھیک دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے رمضان کے روزے کی نیت کر لینا درست ہے۔

مسئلہ: رمضان شریف کے روزے میں بس اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ آج میرا روزہ ہے، یا رات کو اتنا سوچ لے کہ کل میرا روزہ ہے، بس اتنی ہی نیت سے رمضان کا روزہ ادا ہوجائے گا۔

مسئلہ: کسی نے نذر مانی تھی کہ اگر میرا کام ہوجائے تو میں اللہ تعالیٰ کے لیے دو روزے، یا ایک روزہ رکھوں گا، پھر جب رمضان آیا تو اس نے اسی نذر کے روزے رکھنے کی نیت روزے کی نہیں، تب بھی رمضان ہی کا روزہ ہوا، نذر کا روزہ ادا نہیں ہوا، نذر کے روزے رمضان کے بعد پھر رکھے، سب کا خلاصہ یہ ہوا کہ رمضان کے مہینے میں جب کسی روزے کی نیت کروگے تو رمضان ہی کا روزہ ہوگا کوئی اور روزہ صحیح نہ ہوگا۔

مسئلہ: شعبان کی انتیسویں تاریخ کو اگر رمضان شریف کا چاند نکل جائے تو صبح کو روزہ اور اگر چاند نہ دکھائی دے تو صبح کو روزہ نہ رکھو، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے؛ بلکہ شعبان کے تیس دن کے پورے کر کے رمضان شریف کے روزے شروع کرو۔

مسئلہ: انتیسویں تاریخ کو ابر کی وجہ سے رمضان شریف کا چاند نہیں دکھائی دیا تو صبح کو نفل روزہ بھی نہ رکھو، ہاں اگر ایسا اتفاق پڑا کہ ہمیشہ پیر ور جمعرات، یا کسی اور مقرر دن کا روزہ رکھا کرتا اور کل وہی دن ہے تو نفل کی نیت سے صبح کو روزہ رکھ لینا بہتر ہے، پھر اگر کہیں سے چاند کی خبر آ گئی تو اسی نفل روزے سے رمضان کا فرض ادا ہوگیا، اب اس کی قضا نہ رکھے۔

مسئلہ: بدلی کی وجہ سے انتیس کا چاند نہیں دکھائی دیا تو دوپہر سے ایک گھنٹہ پہلے تک کچھ نہ کھاؤ نہ پیو، اگر کہیں سے خبر آجائے تو اب روزے کی نیت کرلو اور اگر خبر نہ آئے تو کھاؤ پیو۔

مسئلہ: انتیس تاریخ کو چاند نہیں ہوا تو یہ خیال نہ کرو کہ کل کا دن رمضان کا تو ہے نہیں لاؤ میرے ذمہ پارسال کا ایک روزہ قضا ہے اس کی قضا ہی رکھ لوں یا کوئی نذر مانی تھی اس کا روزہ رکھ لوں، اس دن قضا کا روزہ اور کفارے کا روزہ اور نذر کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے، کوئی روزہ نہ رکھنا چاہئے، اگر قضا یا نذر کا روزہ رکھ لیا تو پھر چاند کی خبر کہیں سے آ گئی تو بھی رمضان ہی کا روزہ ادا ہوگیا، قضا اور نذر کا روزہ پھر سے رکھے اور اگر خبر نہیں آئی تو جس روزے کی نیت کی تھی ادا ہوگیا۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

اکتیسواں روزہ:

سوال: آج کل اس کی نوبت آتی رہتی ہے کہ ایک شخص سعودی عرب میں رمضان کے پورے تیس روزے رکھ کر ہندوستان واپس آتا ہے اور یہاں ایک روزہ باقی رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اسے کیا کرنا چاہیے؟
(معین الاسلام قاسمی، بمبئی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

ایسے شخص کو ہندوستان میں مزید ایک روزہ مکمل کرنا چاہیے؛ کیوں کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ ''جو ماہ رمضان کو پائے، وہ روزہ رکھے''۔ ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ (۱)

یہی رائے علماء عرب میں ڈاکٹر وہبہ زحیلی (۲) کی اور علماء ہند و پاک میں مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ اور مفتی تقی عثمانی کی رائے ہے۔ واللہ اعلم (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲۴-۴۲۵)

تیس روزہ پورے کر کے سفر کیا، ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے:

سوال: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ پہنچ جائے، مکہ میں مغرب کی نماز تفاوت وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے۔ کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟ علی ہذا مکہ سے روزہ افطار کے، یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزہ سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے۔ اب کیا کرے، روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے ی، انہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

احتراماً للوقت وموافقة للمسلمين وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگر چہ اس کا فریضہ ادا و مکمل ہو چکا ہو۔ (۳) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۳۷-۳۸)

---

(۱) سورة البقرة:۱۸۵

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته: ۲/۶۰۷

(۳) هل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟.. واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود في مصلاها وهوتشبه بالصلاوة. (قوله:ولوشرعت تطوعا فيهما):أى في الصلوٰة والصوم".(رد المحتار،كتاب الصوم: ۱/۲۹۱، سعيد)

"وقال:يتشبه بالمصلين وجوباً،فيركع ويسجد،الخ".(الدرالمختار)"(قوله:وقالا:يتشبه بالمصلين): أى احتراماً للوقت...(قوله:كالصوم): أى في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان فإنها تمسک تشبها بالصائم لحرمة الشهر...(قوله:كالصوم): أى في مثل الحائض إذا طهرت في رمضان، فإنها تمسک تشبها بالصائم لحرمة الشهر...وكذا المسافرإذا أفطرفأقام".(الدرالمختارمع رد المحتار: ۱/۲۵۲، ۲۵۳، سعيد)

رؤیت ہلال کے احکام ومسائل

چاند کی خبر کے لیے خط اور تار کا اعتبار:

سوال: اگر کہیں سے خبر تحقیقی اس بات کی آوے کہ وہاں چاند اتنے اشخاص معتبر نے دیکھا اور شخص معین جس کو وہ اشخاص جانتے ہیں، وہ ان کو ایک تحریر اپنی ونیز گواہی گواہان سے مزین کر کے بھیجے تو وہ تحریر قابل سماعت ہوگی، یا نہیں؟ اور جو تحریر اس طرح پر ہو تو قابل قبول ہے، یا نہیں؟ اور اگر تار کہیں سے آوے کہ چاند ہو گیا، وہ معتبر ہے، یا نہیں؟

الجواب

تحریر خط جو مثل دستور کے لکھا، آیا از طرف فلاں بنام فلاں مثلاً اور مکتوب الیہ اس کو پہچانتا ہے اور اس کا ہی خط ہے تو اس کا لکھنا خبر رویت ہلال کے بارے میں معتبر ہوگا اور اس پر عمل کرنا درست ہوگا اور تار کی خبر بھی مثل تحریر کے ہے؛ مگر وساطت کفار کی موجب عدم قبول ہو جاتی ہے، ورنہ تحریر خط اور خبر تار کا ایک حکم ہے، **كذا يفهم من كتب الفقة.** (۱)
واللہ تعالی اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۶۹) ☆

تحقیق حکم خط:

سوال: ایک شہر سے یا چند شہروں سے ایک شخص، یا چند شخصوں کے خطوط کے ذریعہ سے رویت ہلال کی خبر آئی کہ ہم نے ۲۹ رکو خود چاند اور بہت سے لوگوں نے دیکھا، یہ قابل اعتبار ہے، یا نہیں؟ اور عوام الناس کے اور خاص قاضی کے نام کے خط میں کچھ فرق ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی ردالمحتار: والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من

(۱) کتب فقہ میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔

☆ **ملفوظ:**

چاند کی خبر تحریر خط سے دریافت ہوسکتی ہے، جب مکتوب الیہ کو غالب گمان یہ ہے کہ فلاں کاتب عدل کا خط ہے، اس میں کوئی انحراف نہیں ہوا تو اس پر عمل درست ہے۔ کتاب القاضی جیسی تو کید وتوثیق ضروری نہیں اور امام ابو یوسفؒ نے خود وہ قیود کتاب القاضی میں بھی کم کر دی تھیں۔ بعد تحریر کے فقط دلیل اعتبار خط کی یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دحیہ کلبیؓ کے ہاتھ اپنا نامہ ہرقل کو بھیجا تو ہرقل نے یہ نہ کہا کہ ایک آدمی کا اعتبار نہیں ہے اور نہ آپ کو یہ خیال ہوا کہ قاصد کا کیا اعتبار ہوگا۔ علیٰ ہذا ارسال نامہ جات پر آپ کے زمانے میں اور خلفا کے زمانے میں دو دو گواہ کہیں نہیں گئے۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۴)

المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد إذ لايفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان. (۱۴۰/۲)(۱)

وفي الدرالمختار: لايعمل بالخط إلا في مسئلة كتاب الأمان ويلحق به البراءات ودفتربياع وصراف وسمسار وجوزه محمد لراوٍ وقاض وشاهد إن تيقن به قيل وبه يفتي وأطال في ذلك صاحب ردالمحتار ورجع العمل به إذا أمن التزوير. (۵۴۶/۴-۵۴۹)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جو مضمون زبانی حجت ہے وہ خط سے بھی حجت ہے، جب خط کی شناخت اوراس کے واقعی ہونے پر اطمنان ہواور قاضی عرفی اورعوام برابر ہیں۔

(تتمہ ثالثہ، ص: ۸۰) (امداد الفتاوی: ۹۴/۲)

تار پر چاند کی خبر کا حکم:

سوال: تار انگریزی خواہ تار بابو دونوں طرف مسلمان ہوں، یا خط جو بذریعہ ڈاک انگریزی آیا ہو، رؤیت ہلال رمضان، یا عیدین میں معتبر ہوں گے، یا نہیں؟ اوراگر مفتی شہر، یا قاضی شہر اپنے مہر ودستخط کر کے کسی آدمی مسلمان کی معرفت کسی دوسرے شہر، یا جگہ خط لکھ کر بھیج دیں کہ یہاں رویت ہلال ہوئی ہے، لوگوں نے چاند دیکھا ہے، یا گواہی چاند دیکھنے والے کی مان لی گئی ہے تو ان کے خط کا اعتبار ہے، یا نہیں، یا خط پر اپنی مہر اور دوسرے لوگوں کی گواہی ثبت کرا کر آدمیوں مسلمانوں کے ہاتھ بھیجے اور وہ گواہی اس خط کی دیں، تب جائز ہے، یا نہیں؟ جب شہادت رؤیت ہلال خواہ بذریعہ شہادت، یا خط کے شرعاً معتبر سمجھی جاوے اور ایسے وقت پر شہادت پہنچے کہ گنجائش اس وقت صلوٰۃ عیدالفطر ادا کرنے کی نہیں ہے، ایک شخص بعض اپنے ضعیف احتمال پر روزہ افطار کرے تو شرعاً مرتکب کس گناہ کا ہوگا، اگر شاہد رؤیت ہلال نمازی تو ہے؛ مگر خلاف شریعت داڑھی رکھتا ہے، یا سودخوار ہے، یا شرابی ہے، یا زانی ہے وغیر ذلک تو اس کی گواہی شرعاً مانی جاوے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

خبر تار کی معتبر نہیں، اولاً یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ جس شخص نے تار دیا ہے، آیا واقعی وہی شخص ہے، یا اس کی طرف سے کسی نے فریب کیا ہے، چناں چہ اکثر تار اسی طرح دیئے جاتے ہیں، اگر چہ تحریر خط میں بھی یہ بات ہے؛ مگر خط میں طرز تحریر سے اور قرائن مضامین سے کچھ پتہ لگ جاتا ہے، تار میں کوئی پتہ اور قرینہ نہیں ہوتا، مثلاً تار ایک شخص کے نام سے آیا اور وہ عادل بھی ہے تو معلوم نہیں ہے کہ اس نے ہی تار بابو سے آن کر کہا ہے، یا کسی سے کہلا بھیجا ہے اور وہ پیغام

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۵۴/۳، انیس

(۲) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۱۳۵/۸-۱۳۸، انیس

لانے والا عادل ہے، یا فاسق ہے؟ مطلب سمجھا ہے، یا نہیں؟ ثانیاً بابو تار دینے والا معلوم نہیں ہوتا ہے کہ عادل ہے، یا فاسق؟ ثالثاً تار لینے والا علیٰ ہذا القیاس معلوم نہیں کہ کیسا ہے؟ رابعاً اکثر تار لینے میں اشارات کی خطا ہو جاتی ہے، مثلاً اکثر جملہ استفہامیہ کو جملہ خبریہ سمجھتے ہیں وغیر ذلک۔ خامساً ترجمہ کرنے والا اس تار کا بیشتر خطا کرتا ہے، جب اس قدر اشتباہ خبر تار میں موجود ہیں تو دیانات میں ایسی خبر کا کیا اعتبار ہوگا؟ اگر یہ سب احتمالات مرتفع ہو جاویں تو خبر معتبر ہو جاوے گی اور یہ بظاہر ہے محال۔

پس خبر تار کی تو لغو ہوئی، اب رہا خط ڈاک کا، سو اس میں یہ شبہ کہ فقہا لکھتے ہیں: ''**الخط يشبه الخط**''. (۱) تو وہ بھی اعتبار کے قابل نہ ہوا۔ پس ایسا خط کہ جس پر اعتبار ہو، وہ خط ہے کہ عادل لکھے اور اپنی رؤیت بیان کرے، ساتھ دوسرے عادل کے دیکھنے کے اور اس عادل کو کہہ دیں گے کہ میں نے دیکھا، یا عادلین کا اس شخص سے یہ بیان کرنا کہ ہم نے دیکھا اور کسی عادل کے ہاتھ وہ خط آوے، اگر چہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب القاضی میں زیادہ تشدد فرمایا ہے؛ مگر اتنا جو لکھا گیا یہ ادنیٰ درجہ ہے اور یہ وسعت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہوتی ہے۔ بدوں اس کے تو خط بھی قابل اعتبار کے نہیں۔ قاضی اور مفتی مسائل کا یہ لکھنا کہ یہاں رویت ہلال ہوئی ہے، قابل اعتبار نہیں ہے۔ اولاً فقہا نے ایسی خبر کو قابل اعتبار نہیں سمجھا ہے۔ ثانیاً اس زمانہ کے قاضی اور مفتی مشاہدہ سے معلوم ہیں کہ مسائل فقہ سے ایسے بے خبر ہیں کہ اگر ان کو عوام کہا جائے تو بجا ہے، ہاں اگر وہ عادل ہوں اور یوں بیان کریں کہ ہم سے دیکھنے والوں نے فلاں فلاں عادلین نے بیان کیا ہے، عادل بھی کہیں کہ ہم نے چاند دیکھا اور بدست عادل اپنا خط روانہ کریں تو اس پر عمل کرنا درست ہے۔ اگر موافق قاعدہ شرعیہ کے ثبوت رؤیت ہلال کا ہو جاوے تو اگر چہ وقت عصر کے ہی خبر معلوم ہو تو افطار روزہ کا لازم ہے، عدم افطار میں معصیت ہے کہ شرعاً ثابت ہو چکا ہے کہ آج یوم فطر ہے، اب روزہ رکھنا یوم الفطر کا خود ممنوع ہے، عدم افطار میں مرتکب اس معصیت کا ہوگا اور اگر موافق قاعدۂ شرع کے ثبوت نہیں اور ایسی خبر سے معلوم ہوا ہے کہ جس کا غیر معتبر ہونا معلوم ہو چکا تو افطار ممنوع ہوگا؛ بلکہ روزہ کا اہتمام چاہیے۔ افطار کرنے میں گنہگار رہوگا کہ بدوں حجت شرعی اس نے روزہ فاسد کیا، فقط نماز پڑھنے سے عادل نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ عادل وہ ہے کہ سب کبائر سے مجتنب ہو اور صغائر پر مصر نہ ہو۔ (۲) یہاں تک کہ فقہا لکھتے ہیں: اگر کسی نے چاند دیکھا اور اس

---

(۱) خط، خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (المبسوط للسرخسي، باب كتاب القاضي إلى القاضي في الوكالة: ۲٦/۱۹، انيس)

(۲) وَالْعَادِلُ مَنْ تَكُونُ حَسَنَاتُهُ غَالِبَةً عَلَى سَيِّئَاتِهِ بِنَاءً عَلَيْهِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ اعْتَادَ أَعْمَالًا تَخِلُّ بِالنَّامُوسِ وَالْمُرُوئَةِ كَالرَّقَّاصِ وَالْمَسْخَرَةِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمَعْرُوفِينَ بِالْكَذِبِ. (مجلة الأحكام العدلية، الفصل الرابع في بيان موافقة الشهادة للدعوىٰ: ۳٤٤/۱، نور محمد کارخانہ کتب تجارت، آرام باغ، کراتشی)

وعدالته وهي رجحان جهة الدين والعقل على طريق الهوى والشهوة بعدم اقتراف الكبائر والإصرار على الصغائر. (خلاصة الأفكار شرح مختصر المنار، باب بيان أقسام السنة: ۱۳٥/۱، دار ابن حزم، انيس)

نے شہادت دینے میں تاخیر کی اور پھر بعد وقت کے وہ چاند دیکھنا بیان کرے تو اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی؛ کیوں کہ اس پر فوراً خبر دینا واجب تھا، یہ شخص ترک واجب کرکے فاسق بن گیا۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۰-۳۷۲)

تحقیق حکم خبر تار در بارہ رویت ہلال رمضان وعید:

سوال: خبر تار واحد افطار شوال یعنی عید الفطر کرنے کے لیے موجب للعمل ہے، یا نہیں؟ بسند صحیح ارشاد فرمائیے۔

الجواب

تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیّزہ موجود ہے اور تار میں مفقود ہے، بہ نسبت خط کے توپ وطبل وغیرہ کے زیادہ مشابہ ہے اور خط امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن التزدیر مثل فرامین شاہی وغیرہ کے بدون اقرار کاتب، یا قیام بینہ حجت نہیں اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں، جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہوجاوے، حجت ہے، ورنہ نہیں اور توپ وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے، ورنہ نہیں۔ پس خبر ہلال افطار جو کہ (۲) مثل خبر ہلال صوم کے امور غیر ملزمہ سے ہے، چوں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے اس کا مدار محض، اخبار پر ہوتا ہے اور شہادت کا لحاظ نہیں کیا جاتا؛ اس لیے اگر بوجہ فقدان عدالت تار دہندہ توسط غیر مسلم وعدم لحاظ شہادت کے کسی کے شخص کے اعتبار سے مانع غلبہ ظن ہو، اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں اور اگر بوجہ عدم توسط غیر مسلم وعدالت تار دہندہ ولحاظ شہادت کے کسی اعتبار سے مانع نہ ہو تو اس کا حکم مثل نطق کے ہے اور حالت صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور حالت غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

والدلائل على الدعاوى المذكورة هٰذه:

فى الدر المختار: بخلاف كتاب الأمان فى دار الحرب حيث لايحتاج إلٰى بينة؛ لأنه ليس بملزم.

وفى ردالمحتار: قوله لأنه ليس بملزم؛ لأن له أن لايعطيهم الأمان بخلاف كتاب القاضى فإنه يجب على القاضى المكتوب إليه أن ينظر فيه ويعمل. ولابد للملزم من الحجة وهى البينة، فتح. (٥٤٦/٤، مطبوعة مصر)(٣)

---

(۱) وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى آخَرَ كَعَبْدٍ وَأُنْثَى وَلَوْ عَلَى مِثْلِهِمَا وَيَجِبُ عَلَى الْجَارِيَةِ الْمُخَدَّرَةِ أَنْ تَخْرُجَ فِي لَيْلَتِهَا بِلَا إذْنِ مَوْلَاهَا وَتَشْهَدَ كَمَا فِي الْحَافِظِيَّةِ

(قَوْلُهُ: وَيَجِبُ عَلَى الْجَارِيَةِ الْمُخَدَّرَةِ) أَيْ الَّتِي لَا تُخَالِطُ الرِّجَالَ وَكَذَا يَجِبُ عَلَى الْحُرَّةِ أَنْ تَخْرُجَ بِلَا إذْنِ زَوْجِهَا وَكَذَا غَيْرُ الْمُخَدَّرَةِ وَالْمُزَوَّجَةِ بِالْأَوْلَى قَالَ ط: وَالظَّاهِرُ أَنَّ مَحَلَّ ذَلِكَ عِنْدَ تَوَقُّفِ إثْبَاتِ الرُّؤْيَةِ عَلَيْهَا وَإِلَّا فَلَا (قَوْلُهُ: فِي لَيْلَتِهَا) أَيْ الرُّؤْيَةِ. (ردالمحتار، سبب صوم رمضان: ٣٨٦/٢، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) یہ تغیر تصحیح الاغلاط، ص:۳۱ سے کی گئی ہے۔

(۳) الدر المختار: ١٣٥/٨، انيس

وفی ردالمحتار:وذكر فی الكفاية آخرالكتاب عن الشافی أن الصحيح مثل الأخرس فإذا كان مستبيناً مرسوماً وثبت ذلک بإقراره أوببينة فهو كالخطاب.(٥٤٨/٤)

وفی ردالمحتار: وقد منا أول القضاء استظهاركون علة العمل بما له رسوم فی دواوين القضاة الماضيين هی الضرورة وههنا كذلک فإنه يتعذرإقامة البينة علٰی ما يكتبه السلطان من البراء ت الوظائف ونحوهم.

اور چندسطروں کے بعدرقم فرماتے ہیں:

وأن ابن الشحنة وابن وهبان جزماً بالعمل بدفتر الصراف ونحوه لعلة أمن التزدير كما جزم به البزازی والسرخسی وقاضی خان.قال:إن هٰذه العلة فی الدفاترالسلطانية أولٰی كما يعرفه من شاهد أحوال أها ليها حين نقلها.(٥٤٧/٤)(١)

وفی ردالمحتار:قال البيری:المراد من قوله لايعتمد أی لايقضی القاضی بذلک عند المنازعة؛لأن الخط مما يزور ويفتعل،كما فی مختصرالظهيرية.

نیز یہ بھی رقم فرماتے ہیں:

قال الشيخ أبوالعباس:يجوزالرجوع فی الحكم إلٰی دواوين من كان قبله من الأمناء أی لأن سجل القاضی لايزورعادة حيث كان محفوظاً عند الأمناء بخلاف ما كان بيد الخصم،آه.

نیز الاسعاف میں ہے:

:وصرح أيضاً فی الإسعاف وغيره بأن العمل بما فی دواوين القضاة استحسان والظاهرأن وجه الاستحسان ضرورة إحياء الأوقاف ونحوها عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجديد لإمكان الوقوف علٰی حقيقة ما فيه بإقرارالخصم أوالبينة فلذا لايعتمد عليه،آه.(٤٧٨/٤)(٢)

وفی الهداية،كتاب الشهادة: ثم التزكية فی السر أن يبعث المستورة إلی المعدل فيها النسب والحلی والمصلی ويرد المعدل وكل ذلک فی السركيلا يظهرفيخدع أويقصد ... قال:و إذا كان رسول القاضی الذی يسئل عن الشهود واحدا جاز (إلٰی قوله) ولهما أنه ليس فی معنی الشهادة،إلخ.(٣)

(قوله:مستورة) إسم للرقعة التی يكتبها القاضی ويبعثها سراً بيد آمنة إلٰی المذكی سميت بذلک؛لأنها تسترعن نظرالعوام.(كفاية)

---

(١)　ردالمحتار:١٣٥/٨-١٣٦،انيس

(٢)　الاسعاف:٤٥/٨،انيس

(٣)　الهداية:١٨٨/٣-١٨٩،دارإحياء التراث العربی بيروت،انيس

وفی ردالمحتار: یتسحر بقول عدل وکذا بضرب الطبول... لایجوز إذا لم یصدقه و لا بقول المستور مطلقا وبالأولٰی سماع الطبل أو المدفع الحادث فی زماننا لاحتمال کونه لغیره ولأن الغالب کون الضارب غیر عدل فلابد حینئذٍ من التحری فیجوز؛ لأن الظاهر مذهب أصحابنا جواز الافطار بالتحری ... وقد أن المدفع فی زماننا یفید غلبة الظن وإن کان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت یذهب إلٰی دار الحکم أخر النهار فیعین له وقت ضربه ویعینه(۱) أیضاً للوزیر وغیره وإذا ضربه یکون ذلک بمراقبته الوزیر وأعوانه للوقت المعین فیغلب علی الظن بهٰذه القرائن عدم الخطاء وعدم قصد الافساد. (۲/۱۶۹-۱۷۰)(۲)

وفی ردالمحتار: وکون المدعی والکاتب ذمیین یقوی شبهة التزدیر... وقلما یشتبه الخط من کل وجه، إلخ. (۵٤۹/٤)

وفی الدرالمختار: ولو کانوا ببلدة لاحاکم فیها صاموا لقول ثقة وأفطروا باخبار عدلین مع العلة للضرورة ... وقبل بلا علة جمع عظیم، إلخ واللّٰه أعلم

۲۷/شوال ۱۳۲۱ھ (امداد الفتاوی: ۲/۸۸-۹۰)

تحقیق خبر تار:

سوال: چاند دیکھنے کی خبر ایک شہر سے، یا چند شہروں سے بذریعہ تار، یا خط آوے تو وہ قابل اعتبار ہے، یا نہیں؟

الجواب

چوں کہ تار میں اس کی کوئی علامت نہیں کہ کس کا تار ہے۔ نیز اس میں غلط اور خلط بھی کثیر ہوتا ہے؛ اس لیے معتبر نہیں۔

(تتمہ ثالثہ، ص: ۸۰) (امداد الفتاوی: ۲/۹۳-۹۴)

کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار بر خبر تار کہ در ۱۳۲۷ھ اکثر جا واقع شد:

جواب سوال اول: اصل طریقہ اثبات رویت کا شہادت علی الرؤیۃ یا شہادت علی الشہادۃ یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی ہے۔ حتیٰ کہ شہادۃ علی رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں۔ (کذا فی الدر المختار ورد المحتار) باقی استفاضہ کو جو حجت کہا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجت نہیں کہا؛ بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے:

لأن البلدة لا تخلو عن حاکم شرعی عادة فلا بد من أن یکون صومهم مبینا علٰی حکم حاکمهم الشرعی فکانت تلک الاستفاضة بمعنی نقل الحکم المذکور، إلخ. (کذا فی ردالمحتار)(۳)

---

(۱) أقوال هٰذا فی الأصل أی الشامی ولیحرر بل هو للوزیر أو الوزیر. (تصحیح الأغلاط، ص: ۳۱)

(۲) رد المحتار، کتاب الصوم: ۳/۳۸۳، انیس

(۳) رد المحتار، کتاب الصوم: ۲/۱۵۰، انیس

اور جہاں یہ علت متحقق نہ ہو، وہاں حجت بھی نہ ہوگا اور جمعرات کے روزے کی خبر میں تو استفاضہ بھی نہیں ہوا اور جمعہ کے چاند میں شنبہ کی شب اور روز تک بذریعہ تاروں کے بعض کو استفاضہ کا شبہ ہو گیا تھا؛ مگر تار دینے والوں کا بکثرت بے علم خود رائے غیر محتاط ہونا اور علما سے رجوع نہ کرنا چوں کہ معلوم ہے؛ اس لیے وہ علت منتفی ہے، لہٰذا احتجاج بھی منتفی ہے، اگرچہ تار کو مثل خبر لسانی کے بھی قرار دیا جاوے؛ مگر خود خبر لسانی میں بھی جب یہی شرط ہے تو تار میں کیوں نہ ہوگی۔ پس اکثر جگہ ایسے تاروں کی بنا پر افطار کر ڈالنے میں غلطی عظیم ہوئی۔ واللہ علم

۱۲ر شوال ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص: ۶۰) (امداد الفتاویٰ: ۲/۹۰)

سوال: رؤیت ہلال ماہ رمضان وماہ شوال تار برقی کی خبر پر معتبر ہے، یا نہیں؟ اور تار کی خبر پر روزہ رکھنا، یا افطار کرنا جائز ہے، یا نہ جائز؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس کے قبل بندہ نے تار کو خط، یا طبل ومدفع؛ یعنی توپ پر قیاس کر کے اس باب میں ایک تقریر (۱) لکھی تھی، جس میں قبول خبر تار میں کچھ تفصیل اور بعض شرائط کے ساتھ تقیید تھی؛ مگر اس سال یعنی ۱۳۲۷ھ کی رؤیت شوال کے متعلق تاروں پر عمل کرنے میں بے علموں اور کم علموں نے بے احتیاطیاں کیں اور ان سے جو فتن وشرور پیدا ہوئے ان کو دیکھ کر تجربہ ہوا کہ عوام ان قیود وشرائط کو ملحوظ نہیں کر سکتے ونیز اخبار متواترہ سے تحقیق ہوا کہ تار میں مختلف اقسام کی غلطی اور دھوکہ بھی زیادہ محتمل ہے، لہٰذا وہ خط سے بھی ادون ہے کہ خط میں اس کے طرز سے کچھ تو معرفت کاتب کی ہوتی ہے، پھر بھی "**الخط یشبہ الخط**" بعض احکام میں کہا گیا ہے اور تار میں تو اس کی بھی کوئی علامت نہیں اور نیز طبل سحر ومدفع افطار سے بھی اضعف ہے؛ کیوں کہ ان کی ضرب ایک جماعت حاضرین کی مشارکت سے ہوتی ہے، جس میں جرأت تعمد خدع کی ابعد ہے، تار میں یہ بھی نہیں، ان امور پر نظر کر کے **سداً للذرائع وحسماً للمادة**، اس تفصیل سے رجوع کر کے اب یہ حکم متعین سمجھتا ہوں کہ اس باب میں تار کی خبر اصلا قابل اعتبار ولائق عمل نہیں، **ولهذا نظائر فی فن الفقه منها عدم جواز القضاء بعلمه کما بسط القول فیه فی الدرالمختار وردالمحتار**. (۲) واللہ اعلم

۳ر ذی عقدہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولی، ص: ۶۱ وحوادث: ۱-۲، ص: ۵۴) (امداد الفتاوی: ۲/۹۱)

سوال: متعلق حکم تار کے تھا، جس کی عبارت نقل نہیں کی گئی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

اول دو مسئلہ بطور تمہید کے لکھے جاتے ہیں، پھر جواب سوالات کا عرض کیا جائے گا۔

---

(۱) یہ تقریر اصل امداد الفتاوی مطبوعہ مجتبائی ۱۳۲۹ھ، جلد اول، ص: ۲/۱۷ میں چھپی ہے۔

(۲) الدرالمختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۴/۵۳۴ - ۵۵۰

اول مسئلہ یہ ہے کہ تار دلالت وضعیہ غیر لفظیہ میں مشابہ خط کے ہے اور اس فرق کے لحاظ سے کہ خط میں خود علامت ممیّزہ موجود ہے اور تار میں یہ مفقود ہے بہ نسبت خط کے توپ اور طبل وغیرہ کیساتھ زیادہ مشابہ ہے اور خط کا حکم یہ ہے کہ امور ملزمہ میں باستثناء مواضع معدودہ ضرورت شدیدہ بشرط امن من التزویر مثل فرامین شاہی وغیرہا کے بدون اقرار کاتب، یا قیام بینہ حجۃ نہیں اور امور غیر ملزمہ میں اگر قرائن صدق وصحت کے مجتمع ہوں، جس سے نسبت الی الکاتب مظنون ہو جائے، حجت ہے، ورنہ نہیں اور ثواب وغیرہ کا حکم بھی ایسے امور میں یہی ہے کہ ظن صحت میں معتبر ہے، ورنہ نہیں، پس خبر ہلال افطار میں کہ ہمارے دیار میں بوجہ والی مسلم نہ ہونے کے محض اخبار پر بلا اشتراط شہادت اس کا مدار ہونے میں مثل اخبار ہلال صوم کے امور ملزمہ سے ہے، اگر فقدان علامت تار دہندہ وتوسط غیر مسلم کسی شخص کے اعتبار سے مانع غلبہ ظن ہو، اس کو مطلقاً عمل جائز نہیں اور جس کے اعتبار سے مانع نہ ہو مثل نطق کے صحو میں اخبار کثیرہ متواترہ اور غیم میں اخبار عدلین پر عمل جائز ہے اور چوں کہ کلام ہلال عید میں ہے؛ اس لیے خبر واحد پر کسی طرح عمل جائز نہیں۔

(ثم ساق الدلائل علٰی هٰذه الدعاوی)

دوسرا مسئلہ(۱) یہ ہے طریق اثبات رویۃ کا۔شہادت علی الرؤیۃ یا شہادت علی الشہادۃ، یا شہادۃ علی قضاء الحاکم الشرعی ہے، حتیٰ کہ اثبات رویۃ الغیر بھی حجۃ نہیں۔(کذا فی الدر المختار ورد المحتار) باقی استفاضہ جو حجت لکھا ہے تو خود اس کو فی ذاتہ حجۃ نہیں کہا؛ بلکہ علت اس کی یہ لکھی ہے؛ **أن البلـدة لا تخلو عن حاكم شرعي عادة فلابد من أن يكون صومهم مبيناً علٰى حكم حاكمهم الشرعي فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور، إلخ.** (کذا فی ردالمحتار)(۲) اور علت جہاں متحقق نہ ہو وہاں حجۃ بھی نہ ہوگا، بعد اس تمہید کے اب سوالات کا جواب دیا جاتا ہے۔

(۱) اس ایک، یا متعدد تار کا مضمون دیکھنا چاہیے کہ کیا ہے۔اگر یہ ہے کہ یہاں چاند ہوا ہے، یا فلاں شخص نے دیکھا ہے، یا بہت آدمیوں نے دیکھا ہے اور اکثر تاروں کا ایسا ہی مضمون ہوتا ہے، تب تو معتبر نہیں، اگرچہ کتنے ہی تار ہوں اور اگر یہ مضمون ہے کہ میں نے دیکھا ہے، یا فلاں شخص نے میرے سامنے اپنا دیکھنا بیان کیا، یا یہاں کے فلاں حاکم شرعی، یا عالم ومفتی نے قبول کرلیا ہے، یا یہاں عید ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ایک تار ہے تو عمل جائز نہیں؛ کیوں کہ کلام ہلال عید میں ہے اور اگر دوتین ہیں اور بادل نہیں تھا، تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر دوتین تار بادل کی حالت میں آئے؛ مگر تار دینے والے معتبر نہیں، یا شناسا نہیں، تب بھی عمل جائز نہیں اور اگر بادل کی حالت میں دوتین معتبر لوگوں کے آئے، یا بدون بادل آٹھ دس آگئے اور مضمون وہ ہے، جو آخر میں لکھا ہے کہ میں نے دیکھا ہے، الخ، تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دل گواہی دے کہ اس میں کذب اور خطا نہیں ہوئی تو عمل جائز ہے اور اگر دل گواہی نہ دے تو عمل جائز نہیں اور جہاں کوئی محقق عالم ہو، وہاں عوام کے دل کی گواہی معتبر نہیں، عالم کے دل کی گواہی اور ان کا فتویٰ حجۃ ہے۔

---

(۱) یہ مسئلہ، ص: ۹۰ پر بعنوان کلام بر جواب سوال متعلق صوم وافطار، الخ منقول ہے۔رشید احمد عفی عنہ

(۲) رد المحتار، کتاب الصوم: ۱۵۰/۲

اورعوام کی خودرائی کرنا، یا فتویٰ کے خلاف کرنا جائز نہیں اور ایک جگہ کے تار کی خبر جو دوسری جگہ بذریعہ تار دی جاتی ہے، چوں کہ اس کا مضمون ویسا نہیں ہوتا جس کا معتبر ہونا اوپر بیان کیا ہے؛ اس لیے وہ بھی معتبر نہیں ہے اور یہی تفصیل صورتوں کی اور احکام کی خط میں بھی ہے۔عبارت سابقہ متضمنہ حکم تار میں ہر جگہ بجائے لفظ تار لفظ خط رکھدیا جائے تو خط کے سب احکام کی تعیین ہوجاوے گی۔

(۲)　جو طرق خبر کی حجۃ ہونے کے (نمبر شمار) ۱ر میں مذکور ہوئے ہیں، چوں کہ ان ممالک کے تاروں کے آنے یا منگانے میں ان کی رعایت نہیں کی جاتی ہے لہذا وہ حجۃ نہیں۔البتہ اگر قواعد شرعیہ کی پوری رعایت ہو تو واقعہ جزئیہ کو عین وقت پر کسی عالم سے رجوع کر کے حکم شرعی پوچھ لیا جاوے اور صرف اختلاف مطالع حنفیہ کے نزدیک مانع قبول نہیں۔

(۳)　چوں کہ معاملات و دیانات میں فرق ہے، اسی طرح شہادت و اخبار میں بھی فرق ہے؛ اس لیے معاملات میں عدم اعتبار شہادۃ مطلقاً مستلزم نہیں، دیانات میں عدم اعتبار مطلقاً کو؛ بلکہ اس میں تفصیل ہوگی، جو (نمبر شمار) ۱ر میں مذکور ہوئی۔

(۴)　جس طرح تار کے مضمون میں تفصیل ہے، اسی طرح خط کے مضمون میں بھی ہے، جو (نمبر شمار) ۱ر میں بسط کے ساتھ مذکور ہوچکی ہے۔فقط واللہ اعلم

۸ر شعبان ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۶۴) (امداد الفتاوی:۲ر۹۲-۹۳)

اگر کوئی شخص تار یا خط کے ذریعہ، چاند ہونے کی اطلاع دے تو:

سوال:　ایک شخص مثلاً لکھنؤ کا رہنے والا مرادآباد والوں کو خبر دیوے بذریعہ تار برقی، یا خط، یا اخبار ہلال دیکھنے کی کہ یہاں چند اشخاص نے ہلال رمضان وغیرہ کا ہونا دیکھا، ان کا خبر دینا معتبر ہوگا، یا نہیں؟ موافق مذہب امام ابوحنیفہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بذریعہ حوالہ کتب جواب فرمائیں اور نیز محدثین کا اس میں کیا مذہب ہے؟

الجواب

لکھنؤ کا، یا کہیں کا رہنے والا، مثلاً خبر دیوے کسی کو دور یا نزدیک بذریعہ خط کے، یا تار برقی کے کہ وہ بھی تحریر خط کی ہی نوع ہے، یا اخبار میں کسی کے نام درج خط کی طرح کرے، سوان تحریرات کا شرعاً اعتبار ہوگا، مثل خبر زبانی کے اور خبر دینے والے کا ثقہ ہونا اور دو مخبر کی خبر وتحریر ہونا چاہیے، اگر دو ثقہ خط سے، یا تار سے خبر رؤیت اپنی کی دیوے، شرعاً افطار درست ہوجائے گا۔خلاصہ جواب یہ ہے کہ کتابت خط، یا تار کی مثل اخبار زبانی کے ہے اور جو کچھ رعایات زبانی اخبار میں ہے، وہ ہی خط اور تار کی خبر میں ہو کر معتبر ہوجاوے گی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص:۲۴۲-۲۴۱) (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۰-۳۷۲)

تحقیق ومشورہ تحصیل خبر رویت از مقامات مختلفہ وایصالش بمقام دیگر:

بعالی خدمت جناب مولانا حافظ محمد اشرف علی صاحب ادام اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سوال: انجمن نے اس دفعہ ہندوستان کے مشہور شہر بلاد امصار میں جو اس ملک کے ہر طرف واقع ہیں، مثلاً کلکتہ، مدراس، بمبئی، پشاور، بنگلور، گوالیار، دہلی، میرٹھ، سہارن پور، ڈیرہ اسمٰعیل خاں، سرینگر، وغیرہ میں سرسٹھ (۶۷) خطوط اور تار برقیاں رویت ہلال کے بارے میں روانہ کیں؛ تاکہ سب جگہ رمضان سے غرہ ایک روزہ کا قرار پائے، چناں چہ اس کی تعمیل میں بموقع رویت ہلال رمضان المبارک ۱۳؍ تار برقیاں و ۱۷؍ خطوط درباب رؤیت ہلال بروز جمعہ موصول ہوئے، صرف کلکتہ و پشاور میں بسبب محیط آسمان ہونے کے رؤیت نہ ہوسکی۔ تمام ہندوستان میں شنبہ غرہ کی تصدیق ہوگئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر انجمن کی طرف استفتاء ذیل کے جواب پر موقوف ہے۔ اس دفعہ حیدرآباد سندھ کے علاقہ مورد میں اتوار کو روزہ ہوا، چناں چہ مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ ایک روزہ کی قضا دینی چاہیے؛ اس لیے گزارش ہے کہ استفتاء ذیل کا جواب ۲۵؍ رمضان تک عنایت ہو جاوے؛ تاکہ بصورت جواز بموقع عید اس کی تعمیل ہو سکے۔ دیگر علماء کرام کی خدمت میں مضمون ہذا کے علاحدہ استفتا ارسال کئے گئے ہیں۔ جوابات موصول ہونے پر مشتہر بھی کردئے جاویں گے۔ (پولیٹیکل سکرٹری انجمن نعمانیہ لاہور)

استفتا یہ ہے:

مسئلہ ذیل؛ یعنی بحالات ذیل جناب کے نزدیک شریعت غرائے محمدی علی صاحبہا الصلواۃ والسلام مفتیٰ بہ جواب کیا ہے؟ اگر ایسا انتظام کیا جاوے کہ رؤیت ہلال کے لیے ہندوستان کے مختلف بڑے بڑے مقامات سے رؤیت کی خبر بذریعہ تار برقی منگوائی جاوے اور ایسی تار برقیاں شرقی، غربی جنوبی، امصار ہندوستان سے بتعداد دس پندرہ بیس حاصل کی جائیں اور ان کی کثرت اور تواتر اور مختلف اور مقابل اطراف سے جن میں صدہا کوس کا باہمی فاصلہ ہو دو چار گھنٹے ایک جیسے کثیر خبروں کا موصول ہو جانا معمولی دنیوی عقل کے مطابق شائبہ کذب کو قطعاً محو کر دیتا ہے اور صداقت کا علم عام عقل کے مطابق تو ہو جاتا ہے؛ لیکن شرعی قواعد کے موافق ایسی تار برقی کی خبروں پر غرہ قرار دیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟ بہر دوشق اگر مطلع صاف ہو تو نہ ہو تو اور یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ تاریں ان لوگوں کی طرف پہونچیں گی، جن کے ساتھ پہلے خط وکتابت کے ذریعہ سے یہ بات قرار پا چکے گی کہ فلاں تاریخ فلاں وقت رؤیت کی بابت خبر بھیجیں گے اور وہ ایسے مسلمان ہوں، جو قابل وثوق معتبر شاہد ہوں۔

الجواب

ایسی صورت میں یہ خبر متواتر شرعاً بھی معتبر ہے، خواہ مطلع صاف ہو، یا نہ ہو؛ لیکن اگر دوسری جگہ یہ خبر بذریعہ تار، یا

خط بھیجی جاوے، جیسا خط مصحوب سے معلوم ہوتا ہے۔(۱) سو وہاں چوں کہ یہ خبر تواتر کے ذریعہ سے نہیں پہونچی اور جس طریق سے پہونچی ہے، وہ شرعاً موجب اور حجۃ نہیں ہے؛ اس لیے وہاں والوں کے حق میں قابل عمل نہ ہوگی۔ وھٰذا کلہ ظاھر.

۱۴/رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ (امداد الفتاوی:۲/۹۸)

جواب بالا کے ساتھ ذیل کے مضمون کا خط لکھا گیا تھا:

مکرم بندہ؛ السلام علیکم

جواب مسئلہ تو لکھ چکا۔ اب اپنی رائے بطور مشورہ کے عرض کرتا ہوں، اس کے قبول وعدم قبول کو اپنے ارکان کے قبول پر رکھئے، وہ یہ ہے کہ اول تو جب ثابت ہوا کہ یہ خبر دوسری جگہ قابل عمل نہ ہوگی تو اس صورت میں اطلاع کرنا ہی بیکار ہے؛ لیکن اگر دوسرے علماء کا فتویٰ بھی اس کے قابل عمل ہونے پر ہوجاوے اور علماء انجمن کے نزدیک وہ فتوی راجح بھی ہو، تب بھی بچند وجوہ یہ انتظام مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

اول: بےضرورت انجمن پر اتنے مصارف کا بار ڈالنا، اگر یہ رقم کسی مہم کام میں صرف کی جاوے تو کیسی خوبی ہے۔

دوم: مجھ جیسے آدمیوں کی نیت بھی اس انتظام میں خالص ہونا مشکل ہے، شہرت ورفعت کا شائبہ ضرور ہوجاتا ہے اور میں آپ کو نہیں کہتا۔

سوم: سب کا ماننا مشکل، سو اس صورت میں مسلمانوں میں بے حد اختلاف اور تفریق واقع ہوگا۔

چہارم: انجمن میں جب یہ رسم جاری ہوجاوے گی، پھر آئندہ آنے والے ارکان ممکن؛ بلکہ غالب ہے کہ تحقیق وایصال خبر میں اتنی احتیاط نہ کریں اور بانی اس کے لوگ ہوں گے۔ واللہ اعلم

اس کو خاتمہ تحقیق نہ سمجھا جاوے۔ ہمارے مولانا غلام احمد صاحب اور دیگر علماء وارکان انجمن کے نزدیک جو امر طے ہوجاوے، مبارک ہوگا، خواہ اس کے موافق ہو، یا اس کے خلاف۔

(امداد: ۱/۱۶۷) (امداد الفتاوی:۲/۹۸)

رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار کرنا:

سوال: ہمارے یہاں رمضان المبارک کا اول روزہ پنج شنبہ کا ہوا اور جب پنج شنبہ کو ۲۹/رمضان المبارک ہوا تو ابر ہونے کی وجہ سے نہ شہر بیاور میں چاند نظر آیا اور نہ شہر اجمیر شریف میں اور بروز جمعہ تیسواں روزہ کل مسلمانانِ شہر اجمیر وبیاور نے رکھا؛ مگر تیس رمضان المبارک بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے چار پانچ آدمیوں نے کسی شہر سے آکر اجمیر شریف میں ایک مولوی صاحب نے ایک مجمع میں یہ شہادت دی کہ ہم نے کل بروز پنج شنبہ بچشم خود فلاں شہر میں

(۱) یعنی اس عبارت سے مقام مذکور میں اطلاع دی گئی ہے کہ روزہ کی قضا دینی چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ ایک تار ہوگا۔ منہ

چاند دیکھا ہے، اس پر مولوی صاحب نے ایک مجمع میں حکم دیا کہ روزہ افطار کرلو، سب نے اجمیر شریف میں روزہ افطار کرلیا، اس مجمع میں دو آدمی شہر بیاور کے بھی موجود تھے، انہوں نے بھی بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے اسی مجمع میں روزہ افطار کرلیا۔ جب یہ دونوں شخص شہر بیاور میں آنے لگے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم بیاور والوں سے کہہ دینا کہ روزہ افطار کرلیں، ان دونوں آدمیوں نے بیاور میں آکر بوقت جمعہ جامع مسجد میں آکر کہا کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرلو، اس پر زید نے روزہ افطار کرلیا اور زید نے کہا کہ جب مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اور اجمیر میں روزہ افطار کرلیے ہیں تو شرعاً سب کو یہاں بھی روزہ افطار کرلینا چاہیے؛ مگر بکر نے افطار نہیں کیا اور بکر نے زید پر اعتراض کیا کہ جو مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے، اس کا ثبوت کیا ہے؟ ان دو آدمیوں کو مولوی صاحب نے تحریری سند دی ہے، یا درگاہ شریف کی مہر لگی ہوئی کوئی سند لائے ہیں، یا ان ہر دونوں نے خود چاند دیکھا ہے، لہٰذا علمائے کرام سے یہ عرض ہے کہ زید کا قول معتبر ہے، یا بکر کا؟ اور ایسی صورت میں روزہ بیاور والوں کو افطار کرلینا چاہیے تھا، یا نہیں؟ جو حکم ہو خلاصہ تحریر فرمائیں؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر بیاور کے لوگ ان مولوی صاحب کی طرف اپنے مسائل اور معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور وہ مرجع الفتویٰ ہیں، (۱) اور انہوں نے جن دو شخصوں کی معرفت روزہ افطار کرنے کا حکم و پیغام بھیجا ہے، وہ دونوں معتبر ومقبول الشہادۃ ہیں، نیز مولوی صاحب نے شرعی طریق پر شہادت حاصل کر کے پیغام بھیجا ہے، تو وہ معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کردینا چاہیے، ایسی حالت میں بکر کا یہ مطالبہ کہ کیا مولوی صاحب نے کوئی تحریری سند دی ہے بیکار ہے، کیوں کہ اگر یہ دونوں کوئی تحریر لاتے اور وہ بکر کے نزدیک معتبر ہوتی تو زبانی پیغام کے غیر معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اگر ان کے توسط کی وجہ سے زبانی پیغام معتبر ہوتی اور اس میں بھی احتمال ہوتا کہ شاید جعلی تحریر بنالیے ہوں، **لأن الخط یشبه الخط**. (۲) غرض بکر کا زبانی پیغام نہ ماننا اور تحریر کو ماننے کے لیے آمادہ ہونا بے دلیل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۱۵-۱۱۶)

---

(۱) ولایخلو الوجود عمن یمیز ھٰذا حقیقة لاظناً، وعلٰی من لم یمیز أن یرجع لمن یمیز لبراء ة ذمته. (الدر المختار)
قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی: "وعبر بعلی المفیدة للوجوب لأمر به فی قوله تعالٰی: ﴿فاسألوا أهل الذکر إن کنتم لا تعلمون﴾". (ردالمحتار، مقدمه: ۷۸/۱، سعید)
"أما أن یکون المفتی لیس له معرفة بقواعد الفقه وأصولها، أویکون عالماً متبحراً عارفاً بالقواعد والأصول، فالأول لایفتی فی هٰذه الحالة بل یقول: لا أدری، ویحول المستفتی إلٰی مفت آخر ... وإن کان المفتی له معرفة بالأصول و القواعد ونظر فی أدلة القرآن والسنه بحیث جعله أهلاً للاجتهاد فی المسائل، فإنه یجوزله أن یفتی فی تلک الحادثة بقیاسها علٰی نظیرتها المذکورة فی کتب المذهب أومن القواعد والضوابط المحررة فیه: أ فی المذهب، آه". (أصول الافتاء، الافتاء فی النوازل، ص: ۷۶-۷۷)
(۲) تبین الحقائق: ۱۶۰/۵، کتاب الشهادة، دارالکتب العلمیة، بیروت

لفظ عید مبارک کا تار کے ذریعہ سے معتبر، یا غیر معتبر ہونا:

سوال: مقام کراچی سے ایک تار آیا، جس کا مضمون یہ تھا کہ عید مبارک اور یہ تار وہاں سے ۲۹ رتاریخ کو دیا اور چنار گڑھ دس بجے دن کو ملا، لہٰذا اس تار پر چند لوگوں نے افطار کیا اور جمیع مسلمانان نے افطار نہ کیا، جن لوگوں نے افطار کیا ان پر کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

محض اس مضمون کا تار شرعاً شبہ پیدا نہیں کرتا اس لیے ان لوگوں پر کفارہ لازم ہے۔ (ونظائرہ کثیرۃ فی الفقہ) البتہ اگر بعد میں دلیل شرعی سے رویت کی خبر کہیں سے ثابت ہو جاوے کفارہ نہ آوے گا، **کما فی الدر المختار: ولم یطر مسقط**. فقط واللہ اعلم

۳ رشوال ۱۳۲۷ھ (امداد الفتاوی: ۹۰/۲)

تار کے ذریعہ چاند کی خبر کب معتبر ہے:

سوال: زید نے بصرہ سے بذریعہ تار برقی عمرو کو بمقام کوفہ یہ خبر بھیجی کہ ہم نے رؤیت ہلال کیا ہے، اس خبر کے پہنچنے سے عمرو کو افطار جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر زید مخبر عدل ہے تو اس کی خبر پر صوم جائز ہے اور افطار عدلین کی خبر پر جائز ہے، ایک عدل کی خبر سے افطار جائز نہیں اور عدلین اگر اپنا ہلال دیکھنا لکھیں، تو اعتبار ہووے گا، اگر اپنے شہر کے لوگوں کا دیکھنا لکھیں تو اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ الحاصل خبر تار کا اعتبار ہے، جیسا [کہ] تحریری خط کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور عدالت وغیرہ سب امور کا مرعی ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۱) (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۰-۳۷۲)

خط اور تار کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر معتبر ہے، یا نہیں:

سوال: رویت ہلال میں خط، یا تار کا اعتبار ہے، یا نہیں؟ فی زمانناجو تاریں موصول ہوتی ہیں، ان کے مرسل کا بھی حال عموماً مستور ہی ہوتا ہے اور بسا اوقات مرسل اہل ہنود نکلتے ہیں، ایسے حال میں کیا حکم ہے؟

الجواب

رؤیت ہلال میں تار بالکل معتبر نہیں۔ ہاں خط کا چند قیود سے اعتبار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل امداد الفتاویٰ، جلد اوّل، صفحہ: ۱۷۲، وجلد اول، صفحہ: ۶۴، تتمہ امداد الفتاویٰ، صفحہ: ۱۲، میں موجود ہے اور اس کے ساتھ ص: ۶۱ تتمہ مذکور کو بھی ضرور دیکھا جاوے۔

۱۴ رجمادی الثانی ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۱۱۲/۳)

---

(۱) نقل فتویٰ بدست مولوی محمد ابراہیم، برادر مولانا عبد الغنی، شاگرد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، پھلاودہ، ضلع میرٹھ

تار، خط اور ٹیلیفون کے ذریعہ رؤیتِ ہلال کی خبر معتبر نہیں:

سوال: تار، یا ٹیلیفون کے ذریعہ چاند کی اطلاع آوے تو اس کا اعتبار کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

تار اور ٹیلیفون کی خبر معتبر نہیں ہے۔

سوال: خط کتنے میل سے آیا ہوا ہونا اس کا اعتبار اور قابلِ سند ہے؟

الجواب

میل کی کوئی تفصیل نہیں ہے؛ مگر یہ ضروری ہے کہ چند خط ہوں اور ان کے لکھنے والے عادل ہوں اور ان کا خط شناخت کرلیا ہو اور جو خبر ان میں لکھی ہو، وہ محض سنی سنائی بات نہ ہو؛ بلکہ پختہ شاہدوں کی شہادت ہو۔

سوال: تار یا ٹیلیفون کے ذریعہ ریاست نظام حیدرآباد سے اطلاع آوے یا قرب وجوار سے مقامی عہدہ دار منصف صاحب، یا تحصیلدار صاحب کے اور اس روز ابر نہ ہو، یا ابر ہو اور ابھی مدت ختم نہ ہوئی ہو تو کیا عمل کرنا چاہیے؟

الجواب

تار اور ٹیلیفون کا کسی حال میں اعتبار نہیں۔ (امداد الاحکام: ۳/۱۲۱-۱۲۲)

صرف تار کی خبر پر عید کرنا اور روزہ افطار کرلینا درست نہیں:

سوال: ایک مولوی نے یہ خبر سنی کہ دہلی سے تار آیا ہے، وہاں انتیس کا چاند ہوگیا ہے، اسی خبر پر اس نے روزے افطار کرادیئے اور عید کرلی اور یہ کہہ دیا کہ اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے، آیا اس تار کی خبر پر روزے افطار کرانا اور اپنے ذمہ گناہ لینا درست ہے؟ بینوا توجروا؟

الجواب

صرف اس طرح خبر سن کر کہ دہلی سے تار آیا ہے کہ وہاں چاند انتیس کا ہوگیا ہے، روزے افطار کرڈالنا اور عید کرلینا ہرگز درست نہیں، عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دو عادل آدمیوں کی گواہی شرط ہے۔ صورت مسئلہ میں اول تو تار خود اپنے پاس نہیں آیا اور پھر اگر اپنے پاس بھی آئے، جب بھی چوں کہ تار میں کمی بیشی اور غلطی ہوتی رہتی ہے؛ اس لیے وہ ثبوت رویت ہلال کے واسطے کافی نہیں۔

"وإن كان بالسماء علة لا تقبل إلا شهاة رجلين أورجل وامرء تين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة، كذا في خزانة المفتين وتشترط العدالة، هٰكذا في النقاية، انتهٰى مختصرًا. (الهندية: ۲۱/۱)(۱)

(۱) كتاب الصوم، الباب الثاني في روية الهلال: ۱۹۸/۱، ط: رشيدية، كوئٹة

اور کسی شخص کا نعوذ باللہ یہ کہنا کہ روزے افطار کرلو، اس کا تمام گناہ میرے ذمہ ہے، بہت بڑی دیدہ دلیری ہے؛ بلکہ اس میں خوف کفر ہے، کس میں اتنی طاقت ہے کہ عذاب خداوندی (۱) کا متحمل ہو سکے، ایسی باتوں سے احتراز واجب ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۰۹/۴)

ایک فقہی لطیفہ:

ایک دفعہ ریاست چترال سے ایک تار برائے دریافت رویت ہلال عید حضرت مفتی صاحب کے نام آیا، حضرت موصوف سفر میں تھے، مدرسے میں چند چترالی طالب علم تھے، انہوں نے تار کا جواب دے دیا کہ ''چاند ہوگیا'' اس کے بعد چترال کا مندرجہ ذیل خط آیا:

۱۰/شوال ۱۳۵۳ھ، از چترال اسٹیٹ

معدن فضل وکمال، مخزن علم وافضال مولانائے اکرام مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب مکرم ومعظم دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون

خیر الانام مکشوف ضمیر منیر آنکہ بحصول مراسلہ گرامی از یاد آوری آں جناب بہجت وسرور وممنونیت حاصل شد اگر بایں طریق مراسلت واز دعاہا یاد آوری بفرمانید عین سعادت خود خواہیم دانست۔

درقران عید الفطر فقہائے ما در بحثے افتادہ بودند کہ آیا برائے ہلال عید بہ خبر تار برقی اعتبار جائز است یا نہ؟ در سند عدم جواز خبر تار برقی یک رسالہ تالیف آن جناب را حوالہ می دادن' مگر عجب اتفاق افتاد کہ عین در اثنائے نزاع آنہا از جانب آنجناب تار در رسید کہ ''ہلال عید را دیدہ شد''

وایں خبر نزاع آنہا را فیصلہ کرد زیادہ آداب۔ فقط

مخلص صادق شجاع الملک ہز ہائینس والئ چترال (۲)

حضرت مفتی اعظم نے فوراً مذکورہ بالا خط کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ ''یہ واقعہ جو آنجناب نے اپنے گرامی نامے میں تحریر فرمایا ہے، اس امر کی بہت بڑی قوی دلیل ہے کہ تار کی خبر ہرگز قابل اعتبار نہیں؛ کیوں کہ نہ مجھے آپ کا تار ملا، نہ آپ نے کوئی

---

(۱)　﴿وقال الذين كفروا للذين آمنوا اتبعوا سبيلنا ولنحمل خطاياكم وماهم بحاملين من خطاياهم من شيء﴾ (سورة العنكبوت: ۱۲)

(۲)　ترجمہ: بعد سلام مسنون واضح ہو کہ آنجناب کا گرامی نامہ موصول ہو کر موجب مسرت وامتنان ہوا، اگر اسی طریقہ سے آپ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تو ہماری سعادت ہوگی۔

عید الفطر کے قریب ہمارے فقہا وعلما کے درمیان یہ بحث ہو رہی تھی کہ آیا رویت ہلال عید کے لیے تار کی خبر قابل اعتبار ہے، یا نہیں؟ عدم جواز کی سند میں آپ کے مرتب کردہ رسالے کا حوالہ دیا جارہا تھا؛ مگر عجیب اتفاق ہوا کہ آنجناب کا ٹیلی گرام پہنچا کہ ''عید کا چاند دیکھ لیا گیا'' اور اس خبر نے علما کے اختلاف ونزاع کا فیصلہ کر دیا۔

زیادہ حد ادب مخلص صادق شجاع الملک ہز ہائنس والئ چترال

تار بھیجا، اب آپ ہی کے خط سے معلوم ہوا کہ میری طرف سے آپ کو کوئی تار موصول ہوا تھا'' (یعنی حضرت نے عدم اعتبار کا الزامی جواب دیا؛ کیوں کہ نہ تو یہ تار حضرت نے بھیجا تھا اور نہ ہی حضرت کو اس کی خبر تھی۔ (کفایت المفتی: ۲۲۹/۴-۲۳۰)

تار، یا ٹیلی فون کی خبر سے عید کرنا جائز نہیں:

سوال (۱) انتیسویں رمضان المبارک کو تار، یا ٹیلی فون کے ذریعے سے رویت ہلال شوال المکرّم کی خبر ملنے پر تیسویں کا روزہ افطار کرنا اور عید الفطر کی نماز پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

مطلع صاف ہو تو بھی دو عادل گواہوں کی گواہی معتبر ہے:

(۲)　انتیسویں رمضان المبارک کو گاؤں کے بہت سے آدمی چاند دیکھنے کے واسطے شہر سے باہر جنگل میں گئے اور مطلع بالکل صاف تھا، کسی کو چاند نظر نہیں آیا، ایک دو آدمی کہیں کہ ہم کو چاند نظر آتا ہے، دوسروں کو بلا لیتے ہیں تو کسی کو نظر نہیں آتا، اب جس کو چاند نظر آتا ہے، اس کو تیسویں کا روزہ رکھنا چاہیے، یا افطار کرنا چاہیے اور گاؤں کے لوگوں کو ان چاند دیکھنے والوں کی گواہی قبول کرنی جائز ہے، یا نہیں؟

مطلع صاف ہو تو عید کے چاند کے لیے کتنے گواہوں کی ضرورت ہے:

(۳)　اگر مطلع صاف ہو تو انتیسویں رمضان المبارک کو چاند کے واسطے کتنے گواہوں کی شہادت کی ضرورت ہے؟

رمضان کے چاند کے لیے ایسے گواہوں کی گواہی بھی معتبر ہے، جس کا فسق ظاہر نہ ہو:

(۴)　امسال ۲۹/رمضان المبارک کو مطلع بالکل صاف تھا، بہت سے اشخاص دیکھ رہے تھے، ایک دو شخص نے خواہ مخواہ کہہ دیا کہ چاند نظر آ گیا، ۳۰/رمضان المبارک کو سب نے روزے رکھ لیے تھے؛ مگر علی الصبح ایک پیر صاحب نے اپنے دوست کو تار دیا کہ ''عیدک مبارک'' ان دو کی گواہی اور اس تار کی خبر پر کہ عید ہوگئی، چند لوگوں نے بغیر کسی کے دریافت کرنے کے روزے افطار کر لیے اور بہتوں کے کرا دیئے خوب کھا پی کر عید منا کر نماز کے لیے تیار ہوئے جب زیادہ شور وشغب ہوا ایک مولوی صاحب سے دریافت کرنے گئے کہ اب کیا کرنا چاہیے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم امساک کر لو تمہارا روزہ ہے کوئی بات نہیں، لہٰذا صائم بن گئے؛ تاکہ اس قسم کی آئندہ کسی کو جرأت نہ ہو؟

(المستفتی: ۲۱۹۹، مولوی محمد عمر صاحب، اڑیسہ، ۹/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ، مطابق ۱۹/جنوری ۱۹۳۸ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱)　تار، یا ٹیلی فون کی خبر رویت ہلال میں معتبر نہیں، عینی شہادت ہونی چاہیے۔ (۱)

---

(۱)　کیوں کہ عید کے چاند کے لیے شہادت ضروری ہے اور شہادت روبرو دینا ضروری ہے؛ اس لیے ٹیلی فون پر شہادت جائز نہیں۔ ولا یشهد علی محجب بسماعه منه إلا إذا تبین لقائل بأن لم یکن في البیت وغیره ... أو یریٰ شخصها أي للقائلة مع شهادة إثنین بأنها فلانة ابن فلان، إلخ. (الدر المختار، کتاب الشهادات: ٤٦٨/٥، طبع، سعید)

(۲)　اگر یہ چاند دیکھنے والے معتبر اور نیک پابند شرع لوگ ہوں تو ان کی شہادت مقبول ہوگی۔(۱)

(۳)　مطلع صاف ہوتو اتنے آدمیوں کی شہادت ضروری ہے کہ اس سے چاند ہونے کا یقین ہوجائے، تعداد قاضی کی رائے پر مفوض ہے۔(۲)

(۴)　رمضان المبارک کے چاند کے لیے ایسے گواہوں کی گواہی قبول کرلی جاتی ہے، جن کا فسق ظاہر نہ ہو، محض تار کی خبر پر روزے افطار لر لینا جائز نہ تھا اور دو آدمی اگر نیک اور قابل اعتماد تھے تو ان کی گواہی قبول کی جاسکتی تھی،(۳) بسا اوقات مطلع پر ایسا غبار یا غیر مرئی ابر ہوتا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ مطلع صاف ہے، حالاں کہ وہ صاف نہیں ہوتا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۲۲۲/۴-۲۲۳)

تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان:

سوال (۱) موجودہ زمانہ میں اگر کسی شہر، یا ملک میں رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر، یا ملک سے صرف ذریعہ تار برقی، ٹیلیگراف، ٹیلیفون، ریڈیو اور وارلیس خبر موصول ہوتو کیا از روئے شرع شریف مطابقِ مذہبِ احناف اس شہر والوں پر جہاں رؤیت ہلال نہیں ہوئی ہے، روزہ رکھنا، یا رکھوانا، افطار کرنا، یا کرانا ضروری اور واجب ہے، یا اس قسم کی خبر واطلاع پر عمل کرنا ضروری ہے؟

(۲)　اس سال رؤیت ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے ذریعہ ریڈیو ۲۹/رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ لالِ عید الفطر کی رؤیت ہوگئی ہے اور کل عید ہے۔ کیا اس خبر کو صحیح باور فرما کر جناب نے شنبہ ۸/ستمبر/۱۹۴۵ء کو یوم الفطر قرار دیا تھا، یا نہیں؟

(۳)　بصورتِ معتبریٔ خبر ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے اس کو دعویٰ، شہادت، قضائے قاضی، خبرِ مستفیض کی شقوں میں سے کسی شق میں داخل سمجھا جاوے؟ از روئے شرع شریف معہ دلائل وحوالۂ کتب معتبرہ حنفی سے مستفیض فرما کر داخل اجر عظیم ہوں؟ بینوا توجروا۔　(المستفتی: عبداللہ عفی عنہ بھوپال)

الجواب ـــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　آلات مذکورہ کے ذریعہ جو خبر حاصل ہو، وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں؛ کیوں کہ شاہد کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے، ان کا علم واقعی طور پر حاصل ہونا دشوار ہوتا ہے۔

---

(۱)　فی الدر المختار: وعن الإمام،أنه يكتفى بشهادين،واختاره فی البحر. وفی الشامية: واختاره فی البحر حيث قال وينبغی العمل علىٰ هٰذه الرؤية فی زماننا،الخ. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۸۸/۲،سعيد)

(۲)　والصحيح من هٰذه كله أنه مفوض إلىٰ رأی الإمام إن وقع فی قلبه صحة ما شهدوا به. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۸۸/۲،طبع الحاج محمد سعيد)

(۳)　فی الدر المختار: وعن الإمام،أنه يكتفى بشهادين،واختاره فی البحر.　==

”لأن النغمة تشبه النغمة، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم“. (كذا في شرح الملتقى)(۱)

لہٰذا اسی خبر پر عید کرنا شرعاً درست نہیں، کیوں کہ عید کے لیے شہادتِ عدلین شرط ہے، (۲) ب کہ آسمان پر بادل وغیرہ اور مطلع صاف نہ ہو تو ثبوتِ رمضان کے لیے ایسی صورت میں قول واحد کافی ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ واحد عدل ہو یا مستور ہو، (۳) اگر متعدد تار برقی یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف خبریں حاصل ہوں اور قرائن قویہ سے ان کی صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو جاوے تو وہ خبر شہود کے حکم میں ہوگی اور اس پر روزہ رکھنا صحیح ہوگا۔

”وإذا كان بالسماء علة تمنع الرؤية، قبل في هلال رمضان خبر عدل أومستور في الأصح، لا فاسق. خلافاً للطحاوي. ولو عبداً أوأنثىٰ أومحدوداً في قذف تاب؛ لأنه خبر لا شهادة، ولهٰذا لا يشترط لفظ الشهادة. وقبل في هلال الفطر شهادة حرين، أوحر وحرتين بشرط لفظ الشهادة وعدم الحد في القذف، آه“. (سكب الأنهر)(۴)

(۲) اس خبر پر یہاں شنبہ ۸/ستمبر کو عید الفطر قرار نہیں دی گئی؛ بلکہ ۳۰/رمضان یوم شنبہ، ۸/ستمبر/۱۳۴۵ء کو رؤیت عامہ ہو کر ۹/ستمبر/۱۳۴۵ء، یوم یک شنبہ کو عید الفطر قرار دی گئی۔

(۳) نہ یہ قضائے قاضی ہے، نہ شہادت شرعیہ ہے، نہ خبر مستفیض ہے، کچھ بھی نہیں؛ بلکہ خبر مستور ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے، جس کا نام ”القول الكافي في حكم الخبر التلغرافي“ ہے، اس میں تفصیل موجود ہے، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۱۰-۱۱۲)

تار اور ٹیلیفون کی خبر:

سوال: خبر رؤیت ہلال بذریعۂ ریڈیو، یا تار، ٹیلیفون شرعاً معتبر ہے، یا نہیں؟

== وفي الشامية: واختاره في البحر حيث قال وينبغي العمل علىٰ هٰذه الرؤية في زماننا. (كتاب الصوم: ۲/۳۸۸، سعيد)

(۱) شرح الملتقى: ۲/۱۶۵، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت

(۲) وشرط للفطر... بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلىٰ رأى الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنه يكتفى بشاهدين“. (الدر المختار: ۳/۳۵۶، انيس)

”وينبغي العمل علىٰ هٰذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة“. (رد المحتار: ۲/۳۸۷، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) وقبل بلا لفظ دعوى وبلا لفظ أشهد للصوم مع علة كغيم خبر عدل أو مستور ... لا فاسق اتفاقا. (الدر المختار)

”وقول الطحاوي: أوغير عدلٍ محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن ... أما مع تبين الفسق، فلا قائل به عندنا“. (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۴) سكب الأنهر علىٰ هامش مجمع الأنهر، تحت قوله: إذا كان بالسماء علة قبل في هلال رمضان خير عدل: ۱/۲۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ خبر شہادت شرعیہ کے حکم میں نہیں، **لأن الخط یشبه الخط و النغمة تشبه النغمة**، خاص کر جب کہ تار وغیرہ کا واسطہ غیر مسلم ہوں اور مطلب سمجھنے میں بھی غلطی اکثر ہوتی ہے۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۴؍شعبان ۱۳۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶؍شعبان ۱۳۶۶ھ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰؍۱۱۰)

رمضان کے چاند کے سلسلے میں ٹیلیفون سے خبر:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر رویت ہلال عید کی خبر کسی معتبر شخص سے بذریعہ ٹیلیفون معلوم ہو تو عند الشرع وہ معتبر سمجھی جائے گی، یا نہیں؟

(۲) اگر رمضان المبارک کے چاند کی خبر مذکورہ بالا طریقہ سے معلوم ہو تو معتبر مانی جائے گی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ

گوان دونوں ہلالوں کی شہادت میں بعض احکام میں اختلاف؛ یعنی تفاوت بھی ہے؛ لیکن یہ شرط مشترک ہے کہ شاہد عدل، یا مستور بمعنی غیر معلوم الوصف ہو اور یہاں وہ خود غیر معلوم الذات ہے۔ باقی آواز اول تو ٹیلیفون میں صاف پہچانی نہیں جاتی، دوسرے اگر پہچانی بھی جاوے، تب بھی آوازوں میں تشابہ ہوا کرتا ہے اور وہ اس کو دیکھ کر کہیں کہ یہ متکلم فلاں شخص ہے اور یہ محتاج الی التعیین اس وقت ان دونوں کو دیکھ رہا ہو، یہ یہاں ممکن نہیں، لہذا یہ شہادت ٹیلیفون کے واسطے سے رمضان، یا فطر میں معتبر نہیں۔

فی الدر المختار: للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أو مستور علىٰ ما صححه البزازی علىٰ خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقاً، إلخ. (۲)

ولا يشهد علىٰ محجب بسماعة منه إلا إذا تبين لقائل إلىٰ قوله مع شهادة إثنين بأنها فلأنه بنت فلان إلخ قرب. (۳)

(حوادث خامسہ، ص: ۱۱)

ایضاً:

سوال: ایک شہر کے مفتی، یا دیندار عالم کے نزدیک رویت ہلال کا ثبوت بموجب شرع شریف کے ہوا اور وہ

---

(۱) **لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذا النغمة تشبه النغمة. (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)**

(۲) **الدر المختار: ۳۶۲/۳، انیس**

(۳) **الدر المختار: ۱۸۱/۳، ۱۸۲، انیس**

اس رویت کے ثبوت کی خبر دوسرے شہر کے مفتی یا دیندار عالم کو بذریعہ آلہ ٹیلیفون کے کرے کہ جس میں خبر دہندہ ومخبر الیہ ایک دوسرے کی آواز کو اچھی طرح سنتے اور پہچانتے ہیں اور تکلم کے وقت غیر کا واسطہ بھی نہیں ہوتا اور مخبر الیہ کو اس خبر کی تصدیق میں کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہیں رہتا تو اس خبر پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں اور صورت مسئولہ میں اور دوسرے قابل اعتبار ٹیلیفون کی ضرورت باقی رہی ہے، یا نہ؟

الجواب

ایک کلام تو خود طریق بموجب میں ہے، سو اس کا سوال مقصود نہیں۔ دوسرا کلام ٹیلیفون کے واسطے میں ہے اور یہی مقصود بسوال ہے، سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے، اس میں غیر معتبر ہے اور جن میں حجاب مانع نہیں، اس میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جاوے تو معتبر ہے۔

۱۶/محرم ۱۳۳۸ھ (حوادث خامسہ، ص:۳۱) (امداد الفتاوی:۲/۹۵)

ٹیلیفون کے ذریعہ رویتِ ہلال کی خبر کا اعتبار ہے، یا نہیں:

سوال: اگر رویتِ ہلال کی خبر مختلف مقامات سے ٹیلیفون کے ذریعہ آوے اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت بھی کر لے کہ فلاں شخص بول رہا ہے، اور ٹیلیفون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کر سکتا ہے، جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس کا محاورہ ہے اور اس وجہ سے ٹیلیفون کی خبر کو ٹیلی گرام کی خبر سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اور پھر سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اس کا اطمینان بھی ہو جائے کہ یہ خبریں سچّی ہیں، اور ضرور چاند ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلیفون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے، یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

اس سوال کا جواب لکھنے سے پیشتر چند امور ضروریہ درج ہیں:

(۱) جب مطلع صاف نہ ہو؛ یعنی چاند نظر آنے کی جگہ ابر، یا غبار ہو تو ہلالِ رمضان میں اصطلاحی شہادت شرط نہیں؛ بلکہ ایک عادل یا مستور الحال کی خبرِ رویت مقبول ہے، خواہ وہ خبر دہندہ غلام یا عورت ہی ہو۔

فی الدرالمختار: (وقیل بلادعویٰ) بلا (لفظ أشهد) وبلا حکم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لا شهادة (للصوم مع علة کغیم) وغبار (خبر عدل) أو مستور علی ماصححه البزّازی علیٰ خلاف ظاهر الروایة لافاسق اتفاقاً وهل له أن یشهد مع علمه بفسقه؟ قال البزازی: نعم؛ لأن القاضی ربما قبله (ولو) کان العدل (قناً أو أنثیٰ أو محدوداً فی قذف تاب) بین کیفیة الرویة أولا علی المذهب و تقبل شهادة واحد علیٰ اٰخر کعبد وأنثی ولو علیٰ مثلهما.(۱)

(۱) الدر المختار علی ردالمحتار، کتاب الصوم: ۳/۳۵۲-۳۵۳، انیس

(۲)　ہلالِ فطر میں شہادتِ اصطلاحیہ شرط ہے؛ اس لیے لفظِ شہادت بھی ضروری ہے اور شاہد کا عادل ہونا بھی لازم ہے، مستورالحال کی شہادت قابلِ قبول نہیں، نصاب شہادت بھی شرط ہے؛ یعنی دومرد، یا ایک مرد اور دو عورتیں، نیز غلام ومحدود فی القذف کا قول بھی اس باب میں معتبر نہیں۔

فی الدر: (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد) وعدم حد فی قذف لتعلق نفع العبد لكن (لا) تشترط (الدعوى) كمالا تشترط فی عتق الأمة وطلاق الحرة. (۱)

(۳)　چوں کہ اخبار میں خط مقبول ہے اور شہادت میں مقبول نہیں؛ اس لیے ہلالِ فطر میں زبانی شہادت شرط ہے، خط غیر معتبر اور ناقابلِ قبول ہے، اور ہلالِ رمضان میں خط بھی قابلِ قبول ہے، جبکہ اس کو بخوبی شناخت کرلیا ہو۔

(۴)　یہ سب احکامِ مذکورہ اس جگہ کے لیے مصرّح موجود ہیں، جہاں قاضی وغیرہ موجود (نہ) ہو اور جہاں اسلامی حکام نہ ہوں، چوں کہ وہاں ادائے شہادت ممکن نہیں، **لأن من أركانها مجلس القضاء**؛ اس لیے ایسی جگہ کے واسطے فقہائے کرام نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ:

"ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقه وأفطروا بأخبار عدلين مع العلة للضرورة". (الدرالمختار)

وقال العلامة الشامی تحت (قوله: لاحاكم فيها) أی لاقاضی ولا والی، كما فی الفتح، وتحت (قوله: للضرورة) أی ضرورة عدم وجود حاكم يشهد عنده". (۲)

اس کے جزو اوّل یعنی "**صاموا بقول ثقة**" میں تو کوئی تأمل نہیں؛ کیوں کہ ہلالِ رمضان کی شہادت وجودِ حاکم کے وقت بھی خبر ہی کے حکم میں ہے اور مجلسِ حاکم اس کے لئے فی نفسہ شرط نہیں؛ بلکہ صرف انتظام کی وجہ سے حاکم کے یہاں بیان دینے کی ضرورت ہے؛ مگر جزو ثانی یعنی "**أفطروا بأخبار عدلين**" میں یہ سوال ہے کہ اس حالت میں ہلالِ فطر کی شہادت اخبارِ محض کے ساتھ ملحق ہوکر اس میں شہادت کے تمام شرائط علاوہ نصاب وعدالت غیر ضروری ہوگئے، یا صرف مجلسِ حاکم ہی کی شرط کو غیر ضروری قرار دیا گیا ہے، سو لفظ اخبار کے اطلاق سے توشقِ اوّل مفہوم ہوتی ہے؛ مگر جو علت بیان کی گئی ہے، اس سے شقِ ثانی متبادر ہے؛ کیوں کہ عدمِ حاکم کی وجہ سے صرف اسی کی ضرورت پیدا ہوئی ہے کہ مجلسِ قضا کی شرط کو اٹھادیا جائے اور بقیہ شرائط کے ارتفاع کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا ان کو بحالہا رکھا جائے گا اور البحرالرائق میں ہے:

فيشترط فيه مايشترط فی سائر حقوقهم من العدالة والحرّية والعدد وعدم الحد فی قذف و لفظ الشهادة والدعوىٰ علىٰ خلاف فيه إن أمكن ذلک وإلا فقد تقدم أنهم لو كانوا ببلدة لا قاضی فيها ولا والٍ فإن الناس يصومون بقول الثقة ويفطرون بأخبار عدلين للضرورة". (۳)

(۱)　الدر المختار علی ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳/۳۵۲-۳۵۳، انیس
(۲)　ردالمحتار: ۳/۳۵۴، انیس
(۳)　البحر الرائق: ۲/۴۶۵-۴۶۶، انیس

اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ حاکم نہ ہونے کی صورت میں جو شرط غیر ممکن ہوگئی ہے، صرف وہی مرتفع ہوگی؛ یعنی دعویٰ اور لفظِ شہادت اور بقیہ شرائط پر کوئی اثر نہ پڑے گا اور گو قواعد یہ شقِ ثانی ظاہراً راجح معلوم ہوتی ہے؛ مگر ہنوز اس میں شرح صدر نہیں ہوا؛ اس لیے علمائے کرام سے مراجعت کرلی جاوے۔

(۵) خط کے متعلق جو تفصیل نمبر:۳ میں گزر چکی ہے، جہاں حاکم نہ ہو، وہاں غیر حاکم کو بھی اسی تفصیل کا پابند ہونا ضروری ہے، کما لا یخفیٰ، پس ہلالِ رمضان میں خط کو بشرطِ شناخت قبول کیا جائے گا اور شناخت میں شبہ ہو تو بالکل غیر معتبر ہے، اور ہلالِ فطر میں جس طرح حاکم خط کو قبول نہیں کرسکتا، اسی طرح غیر حاکم بھی قبول نہیں کرسکتا، خواہ نمبر:۴ کے جزو ثانی میں شقِ اول کو لیا جاوے، (یعنی ہلالِ فطر کی شہادت کو عدم الحاکم کے وقت تمام شرائط میں اخبار کے ساتھ ملحق کیا جاوے) خواہ شقِ ثانی کو (یعنی عدم الحاکم کے وقت مجلسِ قضاء کے علاوہ بقیہ شرائط میں شہادت کا حکم رکھا جاوے) ہر دو شق کا ایک ہی حکم ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ شقِ ثانی اختیار کرنے کی صورت میں تو خط کے عدم قبول حکم اصلی ہوگا اور شقِ اول اختیار کی جاوے تو فی نفسہٖ قبولِ خط کی گنجائش ہے بشرطِ شناخت؛ مگر عام بے احتیاطی پر نظر کرکے علی الاطلاق عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔

(۶) ٹیلیفون گو اپنی اصل کے اعتبار سے خط کے مثل ہے، **لأن النغمة يشبه النغمة كما أن الخط يشبه الخط**؛ لیکن غور کیا جائے تو اس میں خط سے زیادہ اشتباہ ہے؛ کیوں کہ خط میں مکرر نظر کرکے بخوبی شناخت کا موقع ملتا ہے اور ٹیلیفون میں قلتِ وقت کی وجہ سے مکرر غور کی نوبت نہیں آسکتی، نیز خط کو دوسرے لوگ بھی دیکھ سکتے ہیں اور ٹیلیفون کو صرف سننے والا تنہا سنتا ہے، اس واسطے اس کی خبر میں خط سے بھی زیادہ احتمال ہے۔

ان امورِ مندرجہ بالا سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اگر ٹیلیفون میں آواز کی بخوبی شناخت نہ ہو، تب تو وہ بالکل ہی قابلِ التفات نہیں اور اگر بخوبی شناخت ہوجائے تو ہلالِ فطر میں اس وقت بھی قابلِ قبول نہیں اور ہلالِ رمضان میں بخوبی شناخت کے بعد فی نفسہٖ قبول کی گنجائش ہوسکتی ہے؛ لیکن عام طور پر لوگوں کی بے احتیاطی کا غالب اندیشہ ہے؛ اس لیے اس میں بھی عدمِ قبول ہی کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ **والله أعلم وعلمه أتم وأحكم**

تنبیہ: آج کل رویتِ ہلال کے بارے میں یہ بھی کوتاہی کی جاتی ہے کہ ہر قسم کی خبر کو معتبر سمجھ لیتے ہیں، اس کا امتیاز نہیں کرتے کہ یہ شہادت ہے یا شہادت علی الشہادت یا مجرد حکایت، حالانکہ اس میں تفصیل طویل ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تفصیل معلوم کرلی جاوے۔ فقط

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۲۵؍شعبان ۱۳۵۳ھ۔

الجواب صحیح: اشرف علی، یکم رمضان ۱۳۵۳ھ۔ (امداد الاحکام:۳/۱۲۵-۱۲۷)

ٹیلی فون کی خبر پر چاند کے ثبوت کا حکم دینا:

سوال(۱) در بارہ رویت ہلال ٹیلی فون کی خبر شرعا معتبر ہے، یا نہیں؟اور دوست آشنا جن کی آواز کو شناخت بھی کر سکتے ہیں کہ ہاں یہ زید ہے، یا عمرو ہے اور ٹیلی فون کے ذریعے سے ہزاروں روپے کا کاروبار چلتا رہتا ہے تو وہ مسلمان ایک شہر سے دوسرے شہر میں خبر کریں ٹیلی فون سے تخمیناً ۴۰۰، یا ۵۰۰ میل سے تو اس پر عید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

ٹیلی فون پر حلفیہ بیان لے کر بھی عید کا حکم دینا جائز نہیں:

(۲)　جب دوسرے شہر سے خبر دی ٹیلی فون میں تو یہ شہر والے پھر ٹیلی فون میں ان کی شہادت حلفاً لے لیویں؟

ٹیلی فون کی خبر سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے:

(۳)　جب دوسرے شہر سے خبر ملی ٹیلی فون میں اس پر قلیل آدمیوں نے روزہ نہ رکھا تو ان پر قضا لازم ہے؟

(المستفتی:۲۰۸ مولوی سید عبدالقادر، پی ایم برگ ناٹال، افریقہ، ۳۰ر شوال ۱۳۵۲ھ، ۱۵ر فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

ٹیلی فون کی خبر پر رویت کے ثبوت کا حکم دینا ناجائز ہے؛ کیوں کہ ٹیلی فون پر بات کرنا شہادت شرعیہ کی حدود میں داخل نہیں، اگر چہ آواز پہچانی جائے تاہم اشتباہ سے خالی نہیں اور مشتبہ چیز پر رؤیت کا حکم نہیں دیا جاسکتا، ٹیلی فون پر تجارت؛ بلکہ حکومت کا کاروبار چلتا ہو، پھر بھی ٹیلی فون پر کوئی جج گواہی نہیں لے سکتا اور قانون شہادت کی رو سے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں ہوسکتی، پس قانون شریعت میں بھی حکم کے لیے ٹیلی فون پر شہادت مقبول نہیں۔(۱)

(۲)　جب ٹیلی فون کا ذریعہ اور واسطہ معتبر نہیں تو حلف لینا نہ لینا برابر ہے اور وہ حلف بھی معتبر نہیں؛ یعنی یہ ثابت نہ ہوگا کہ حلف کون کر رہا ہے، یا حلفی شہادت کون دے رہا ہے؛ اس لیے اس خبر پر عید کرنے کا حکم کرنا درست نہ ہوگا۔(۲)

(۳)　اگر دوسرے شہر سے کسی شخص کو رمضان کے چاند کی خبر ٹیلی فون پر ملے اور اس کو یقین ہو جائے کہ فلاں شخص کی آواز ہے اور اس میں کوئی شبہ باقی نہ رہے تو یہ شخص اپنے اس یقین پر اپنے نفس کے لیے عمل کر سکتا ہے؛ یعنی خود روزہ رکھ سکتا ہے؛(۳) لیکن دوسروں کو نہیں کہہ سکتا کہ تم روزہ رکھو اور نہ عام طور پر رمضان کے ثبوت کا حکم دیا جاسکتا ہے اور اگر عید کے چاند کی خبر کسی کو ٹیلی فون پر ملے تو وہ باوجود آواز پہچاننے اور یقین ہو جانے کے بھی روزہ نہ

(۱،۲)　ولا یشهد علٰی محجب بسماعه منه إلا إذا تبین لقائل بأن لم یکن فی البیت غیره ... أو یریٰ شخصها أی للقائلة مع شهادة إثنتین بأنها فلانة بنت فلان ابن فلان،إلخ.(الدر المختار، کتاب الشهادات: ٤٦٨/٥، طبع سعید)

(۳)　أنه لا یلزم لثبوت رمضان الشهادة الشرعیة بل یکفی خبر عدل،والخبر علی التلفون معتبر إذا عرف المتکلم وهو ثقة فلیتفکر. آلات جدیدة،ص: ١٩٤، إدارة المعارف کراتشی)

چھوڑے؛ بلکہ لوگوں کے ساتھ خود بھی روزہ رکھے اور جب عید کے چاند کی رویت ہو جائے یا رویت کا شرعی شہادت سے ثبوت ہو جائے اور سب عید منائیں تو یہ بھی عید منائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۲۱۵-۲۱۶)

ٹیلی فون کی خبر سے اگر چاند ہونے کا یقین ہو جائے:

سوال: اگر رویت ہلال مختلف مقامات سے ٹیلی فون کے ذریعے آوے اور ٹیلی فون میں بولنے والے کی آواز کو شناخت بھی کرلیا جائے کہ فلاں شخص بول رہا ہے اور ٹیلی فون میں بولنے والے کی آواز کو وہ شخص شناخت کرسکتا ہے، جس کو اس کا کام پڑتا ہے اور اس وجہ سے ٹیلی فون کی خبر کو ٹیلی گرام سے زیادہ معتبر سمجھا جاتا ہے اور پھر سننے والے کو متفرق مقامات کی خبریں سننے سے اس کا اطمینان بھی ہو جائے کہ یہ خبریں پہنچی ہیں اور ضرور چاند ہو گیا ہے تو ایسی صورت میں ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار کر کے روزہ رکھنے یا افطار کا شرعاً حکم دے سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی جگہ نشیب میں واقع ہو جیسے ڈربن (ناٹال ساؤتھ افریقہ) کہ اس کی مغرب کی طرف اونچے اونچے پہاڑ ہیں، چناں چہ سال بھر میں شاید ہی ایک دو دفعہ رویت ہلال ہوتی ہوگی اور وہاں رؤیت ہلال کی کوئی صورت نہیں، دوسری جگہ آس پاس سے بھی زبانی شہادت آنے کی کوئی صورت نہیں، سوائے اس کے کہ ٹیلی فون کے ذریعے سے خبر آوے۔

(المستفتی:۴۷۰۳ مولوی محمد کفایت اللہ، مدرسہ عربی، کٹھور، ضلع سور، ۶ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ، ۱۹ جولائی ۱۹۳۴ء)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ٹیلی فون کی خبر شرعی شہادت کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، البتہ جس شخص کو یقین ہو کہ ٹیلی فون پر بولنے والا فلاں شخص ہے اور وہ رؤیت کی خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا اور یا اتنے ٹیلی فون آجائیں کہ ان سے چاند ہونے کا غلبہ ظن حاصل ہو جائے تو جس کو یہ یقین حاصل ہو جائے وہ خود عمل کرسکتا ہے؛ لیکن اس ذریعے کو شہادت قرار دے کر عام حکم نہیں دیا جاسکتا۔(۲) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی:۴/۲۱۹)

ٹیلی فون کی خبر شہادت کے باب میں قابل قبول نہیں، اگر چہ اس میں تصویر بھی نظر آئے:

سوال: ہمارے شہر میں جو کہ ساحل بحر پر نشیب میں واقع ہے اور اکثر مطلع بھی صاف نہیں ہوتا بدیں وجہ چاند

---

(۱) رجل رأى هلال الفطر، وشهد، ولم تقبل شهادته كان عليه أن يصوم، فإن أفطر كان عليه القضاء. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۸، كوئتة)

(۲) ولايشهد علىٰ محجب بسماعه منه إلا إذا تبين لقائل بأن لم يكن في البيت وغيره ... أويرىٰ شخصها أي للقائلة مع شهادة إثنين بأنها فلانة ابن فلان، إلخ (الدر المختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۸، طبع، سعيد)

نظر نہیں آتا؛ مگر ہمارے شہر کے قریب ڈربن نامی مقام سے میرے دوست نے مجھ کو ۲۹ ر رمضان کے مغرب اور عشا کے درمیان بذریعہ ٹیلی فون خبر دی کہ میں نے ہلال فطر دیکھ لیا ہے، میں نے ان سے مزید تاکید کے لیے کہا: کیا صرف آپ نے دیکھا، یا آپ کے ساتھ کسی اور نے بھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ تین چار آدمیوں نے بھی دیکھا ہے۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ وہ اگر آدمی بھی ٹیلی فون پر آ کر ہلال کی رؤیت کے متعلق مجھ کو اطلاع دیں تو ہم کو تسلی تشفی ہو جائے گی، چناں چہ میرے دوست نے ان کو بلوایا اور انہوں نے چاند کی رویت کی اطلاع مجھ کو دی اور یہ خبر دینے والے چار آدمی معتبر قابل اعتماد عندالشرع ہیں اور چوں کہ روزمرہ تجارتی کاموں میں ان لوگوں کے ٹیلی فون آتے رہتے ہیں، اس وجہ سے ان کی آواز کو بخوبی میں پہچانتا ہوں۔

اسی طرح اور کئی مقامات مثل میرس برگ' لیڈسمتھ' نیو کاسل' جوہانسبرگ وغیرہ سے بھی ٹیلی فون پر آ کر متعدد وثقہ معتبر اشخاص نے ہلال عید کی خبر دی، جن کی آوازوں کو روزمرہ کاروبار کی وجہ سے میں خوب پہنچانتا ہوں، کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ایسی صورت میں ان خبرں کو معتبر شمار کیا جائے، یا نہیں؟ اور عام حکم دیا جائے، یا نہیں؟ جب کہ تواتر کے ساتھ تمام مقامات والے برابر خبر دے رہے ہیں، فطر کی طرح روزہ رکھنے کے بارے میں ثبوت رمضان کے لیے بھی ٹیلی فون کا اعتبار کیا جاوے، یا نہیں؟ یہ امر قابل توجہ ہے کہ یہاں کے تجارتی اور خانگی تمام کام بذریعہ ٹیلی فون کے ہوتے ہیں، جو ہمیشہ معتبر شمار کئے جاتے ہیں۔ اب تو یہ معلوم ہوا ہے کہ آئندہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے کا فوٹو بھی جس سے گفتگو ہوتی ہے، اس کے سامنے آیا کرے گا، اگر چہ اب تک رائج نہیں ہے، موجودہ شکل میں اور جو آئندہ آنے والی ہے کچھ فرق ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۸۸، مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب راندیر، ضلع سورت، ۶ ر صفر ۱۳۵۳ھ، ۳۱ ر مئی ۱۹۳۴ء)

الجواب

ٹیلی فون کی حیثیت اگر چہ ٹیلی گراف سے مختلف ہے؛ لیکن شہادت کے موقع پر دونوں کا حکم شرعی ایک ہے، جس طرح کہ تار کے ذریعہ سے شہادت ادا نہیں کی جاسکتی، اسی طرح ٹیلی فون بھی ادائے شہادت کے لیے مفید ومقبول نہیں، (۱) قانونی عدالتیں بھی تار یا ٹیلی فون پر شہادت قبول نہیں کرتیں اگر آئندہ فون پر بات کرنے والے کا فوٹو بھی سامنے آجائے تب بھی باب شہادت میں وہ نا قابل اعتبار رہے گا، تمام کاروبار کا اس پر مدار ہونا اور روزانہ لوگوں کا تجارتی اور نجی کاموں میں اس کو معتبر سمجھنا اس کے لیے کافی نہیں کہ شہادت میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے، جیسے کہ حکومت ہند کے اہم سے اہم کام تار کے ذریعے سے انجام پاتے ہیں؛ لیکن ایگزیکٹو (انتظامی) صیغہ میں تار پر بھروسہ کرنے کے باوجود جوڈیشنل (عدالتی) صیغہ میں اس کو معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

---

(۱)　ولایشهد علیٰ محجب بسماعه منه إلا إذا تبین لقائل بأن لم یکن فی البیت وغیره ... أویریٰ شخصها أی للقائلة مع شهادة اثنین بأنها فلانة ابن فلان، إلخ (الدرالمختار، کتاب الشهادات: ٥/٤٦٨، طبع، سعید)

ہاں جب کہ کثرتِ تار، یا ٹیلی فون کی وجہ سے کسی کو خبر کا یقین ہوجائے تو وہ شخصی طور پر عمل کرنے کے لیے کافی ہوسکتا ہے؛ لیکن حکم کے لئے کافی نہیں کیونکہ اس پر رؤیت ہلال، یا افطار، یا عید کا عام حکم نہیں دیا جاسکتا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۲۱۷-۲۱۸)

ٹیلی فون کی خبر کا اعتبار نہیں، اگرچہ آواز پہچانی جاتی ہو:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۲۵ء)

سوال: چند مسلمان ایک شہر سے جوانچاس (۴۹) میل کے فاصلے پر ہے، بذریعہ ٹیلی فون کے رمضان مبارک کے چاند ہونے کی خبر دیتے ہیں اوران حضرات کی آوازیں بھی پہچانی جاتی ہیں، کیاان کی خبر پر اعتبار کیا جائے گا؟

الجواب

ٹیلی گراف اور ٹیلی فون رویت ہلال کی خبراور شہادت کے لیے نا قابل قبول ہیں، اگرچہ ٹیلی فون پر آواز پہچانی جاتی ہو؛ کیوں کہ ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوسکتی ہے اور جب تک اشتباہ قائم ہے، خبر یا شہادت کے موقع پر اعتبار کے قابل نہیں ہے، ہاں زیادہ سے زیادہ جس شخص نے خبر دینے والے کی آواز پہچان لی ہے، وہ اس کے نزدیک معتبر شخص ہے اوراپنی رویت کی خبر دیتا ہے تو اس آواز کو پہچاننے والے کے حق میں ہلال رمضان کے بارے میں عمل کرلینا اور روزہ رکھ لینا جائز ہے؛ مگر نہ تو عام حکم دیا جاسکتا ہے اور نہ اس شخص پر بھی وجوب صوم کا حکم ہوسکتا ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ غفرلہ (کفایت المفتی:۴/۲۲۷)

ٹیلیفون کی خبر کا حکم:

سوال (۱) خبر ٹیلیفون جب کہ کسی معتبر شخص کی طرف سے ہو، مفید ظن ہے اور غلبہ ظن عمل کے لیے حجت ہے، پس خبر ٹیلیفون جب کسی معتمد علیہ عالم کی طرف سے ہو، اس پر صوم وافطار درست ہے، یا نہیں؟

(۲) فقہ کی کتابوں میں کتاب القاضی إلی القاضی کو مشابہ خطاب القاضی إلی القاضی بنا کر حجت مانتے ہیں تو

---

(۱) رویت ہلال رمضان کے لئے شہادت ضروری نہیں؛ بلکہ خبر کافی ہے، البتہ عید کے لیے شہادت ضروری ہے، لہٰذا ٹیلی فون وغیرہ سے اگر یقین ہوجائے تو رمضان کا حکم لگا دیا جائیگا، لیکن عید کا نہیں؛ کیوں کہ ٹیلی فون میں شروط شہادت مفقود ہیں۔

”قال علمائنا الحنفية في كتبهم، ويثبت رمضان لرؤية هلاله، وبا كمال عدة شعبان ثلا ثين، ثم إذا كان في السماء علة من نحو غيم، أوغبار، قبل لهلال رمضان خبرواحد عدل في ظاهر الرواية، أومستورعلى قول مصحح، لاظاهرفسق اتفاقاً سواء جاء ذلك المخبرمن المصر، أومن خارجه، وشرط هلال الفطرمع علة في السماء شروط الشهادة. (رسائل ابن عابدين، الرسالة التاسعة: ۲۳۴/۱، سهيل اكادمي لاهور)

(۲) اور كتاب القاضي إلى القاضي میں دومرد یا ایک مرد اور دوعورتوں کی گواہی ضروری ہے، ولا يقبل الكتاب إلا بشهادة رجلين أورجل، وامرأتين. (الهداية، كتاب أدب القاضي إلى القاضي: ۱۳۹/۳، إمدادية، ملتان)

ٹیلیفون قاضی شہر، مثلاً یہ قاضی کو ہاٹ خود جو کہ بعینہ خطاب القاضی الی القاضی ہے کیوں کر حجت نہ ہوگی؟

(۳) اختلاف مطالع کے اعتبار اور عدم اعتبار کے تحت میں قولِ فقہا کہ: ''**فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب**'' کا محمل اگر خبرِ ٹیلیفون قرار دیا جائے تو اس میں کیا خرابی، یا مخالفتِ روایات ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

(۱) محض ٹیلیفون کی خبر پر صوم وافطار درست نہیں۔

(۲) کتاب القاضی اِلی القاضی کو شرعاً معاملات میں حجت مانا ہے کہ نہ جمیع امور میں اور یہ بھی خلاف قیاس حجت ہے اور اس کے لیے جس قدر شروط ہیں کیا تمام ٹیلیفون میں موجود ہیں۔

''**يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجة شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالإجماع، ولٰكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط؛ البينة، حتٰى أن القاضي المكتوب لايقبل كتاب القاضي ما لم يثبت بالبينة أنه كتابه، إلخ**''. (۱)

اس کے علاوہ اور بھی شرائط ذکر کیے ہیں، ان میں سے کیا کیا شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں؟ کم از کم اس ایک شرط پر غور کرلیا جائے، کیا شرعی بینہ اس بات پر قائم ہے کہ یہ ٹیلیفون قاضی شہر ہی دے رہے ہیں؟ ٹیلیفون کو خطاب بعینہ قرار دے کر حجت سمجھنا تفقہ سے بعید ہے۔

وفي التبيين: ''لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لإحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة''. (۲)

دیکھئے! پسِ پردہ آواز سن کر شہادت دینا درست نہیں؛ مگر اس شرط سے:

''**إلا إذا كان في الداخل وحده، وعلم الشاهد أنه ليس فيها غيره، ثم جلس على المسلك، وليس له المسلك غيره، فسمع إقراره الداخل ولايراه؛ لأنه يحصل به العلم**''. (۳)

اس کے بعد بھی اگر شاہد نے قاضی کے یہاں پوری تفصیل وتفسیر کے ساتھ یہ شہادت دی تو قاضی قبول نہیں کرے گا۔

''**وينبغي للقاضي إذا فسر له أن لايقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة**''. (۴)

پس پردہ سے اگر کوئی شخص بولے اور دو گواہ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں اور کسی اور شخص کے سامنے یہ دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے بولا ہے تو جس نے فقط پس پردہ سے آواز سنی ہے، اس کو بغیر دیکھے محض آواز سن کر باوجود دو گواہوں کی گواہی کے اس بولنے والے کے متعلق گواہی دینا درست نہیں۔

---

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۳۸۱/۳، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، رشيدية

(۲-۴) تبيين الحقائق: ۱٦۰/۵، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت

"قالوا: إذا سمع صوت إمرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرٰى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده إثنان أنها فلا نة بنت فلان بن فلان، لايجوز لم سمع اقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآى شخصها حال ما أقرت، فحينئذٍ يجوز أن يشهد علٰى إقرارها برؤية شخصها، لارؤية وجهها، آه". (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲)(۱)

(۳)　خرابی یہ ہے کہ عبارت مذکورہ کے بعد کچھ اور بھی عبارت ہے، جس کو آپ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کردیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

" إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريقه موجوب، كما مر".

اس کی شرح اس طرح کی ہے:

"كان يتحمل إثنان الشهادة أويشهد على حكم القاضي أويستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، آه". (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرہ، مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۶۴/۱۰-۶۶)

ریڈیو، ٹیلیفون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت:

سوال　: ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی کی اطلاع پر کیا رؤیت ہلال، یا عیدین کے چاند ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، درآنحالیکہ حکومت خود ان ایجادات کو اس درجہ میں معتبر نہیں سمجھتی ہے کہ اس کی آواز پر کوئی عدالت کسی مقدمہ کا فیصلہ کردے؟ ان ایجادات کے جو موجد ہیں، جب ان کی نگاہوں ص میں یہ چیزیں اتنا اعتبار نہیں رکھتی ہیں تو پھر کیا شریعت مطہرہ کے احکامات پر یہ ایجادات حاکم ہوسکتی ہیں؟ اور تمام علمائے متقدمین ومتأخرین کے طریق کار اور تحقیق کو لغو، فضول، دقیانوسی اور بیکار جیسے الفاظ سے یاد کیا جاسکتا ہے، رؤیت ہلال کے مسئلہ کی تحقیق کس طرح کی جائے؟ شریعت مطہرہ نے اس کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے؟ اور ان آلات وایجادات کے اعتبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہ عنایت جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں، تاکہ رفع فتنہ ہو؟ بینوا توجروا۔　(محمد احمد عفی عنہ رحمانی لدھیانوی)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

عید کے چاند کے لیے شہادت ضروری ہے، (۳) مثلا: اگر ۲۹/ رمضان المبارک کو مطلع صاف نہ ہو تو آئندہ دن کو

---

(۱)　مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي بيروت

(۲)　رد المحتار على الدر المختار: ۳۹۴/۲، كتاب الصوم، قبيل با ب ما يفسد الصوم، سعيد

(۳)　"شرط للفطر مع العدالة نصاب الشهادة ولفظ أشهد". (الدر المختار علٰى تنوير الأبصار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، سعيد)

۳۰/رمضان مانتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، الا یہ کہ چاند دیکھنے کی شہادت حاصل ہوجائے اور وہ شہادت اصول شرعیہ پر قابل قبول ہو، جس کے لیے ایک امر یہ بھی ضروری ہے کہ شاید مجلسِ شہادت میں (جہاں پر شہادت قبول کی جارہی ہو اور شاہد پر جرح کی جاسکتی ہو) حاضر ہو۔(۱) پس پردہ کی شہادت یعنی غائبانہ آواز پر حکمِ شہادت نافذ کرکے احکام شرعیہ کو جاری نہیں کیا جائے گا، اس سے ریڈیو، ٹیلیفون تار برقی کا حکم سمجھ میں آ گیا ہوگا۔(۲)

رمضان المبارک کے چاند کے لیے شہادت ضروری نہیں، صرف خبر کافی ہے، پس اگر ریڈیو، ٹیلیفون، یا تار سے خبریں آجائیں اور ان پر وثوق ہو؛ یعنی خبر دینے والے رؤیت کی خبریں دیں اور یہ پورا امن ہو کہ کوئی دوسرا شخص نہیں بول رہا ہے، نہ دوسرے شخص نے تار دیا ہے؛ بلکہ بولنے والے اور تار دینے والے خوب اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور وہ ثقہ ہے مجروح نہیں ہے (تار میں تو یہ چیز ممکن ہی نہیں) تو اگر ایسی خبروں سے صدق کا ظنِ غالب ہوجائے تو ان کو معتبر مان لیا جائے گا۔ اگر مطلع صاف ہو تو اس میں ان آلات میں سے کوئی آلہ بھی کارگر نہیں؛ بلکہ جم غفیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو، خواہ عیدین کا ہو۔

”والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم،بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن،وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به،واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛إذ لايفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان“.(ردالمحتار)(۳)

”وشرط للفطرمع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ:”أشهد“ وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد“.(الدرالمختار)

(وقوله:مع العلة): أي من غيم وغبارودخان.(قوله: لتعلق نفع العبد)علة لاشتراط ما ذكرفي الشهادة علىٰ هلال الفطربخلاف هلال الصوم؛لأن الصوم أمردينيٌ فلم يشترط فيه ذلك،أُما الفطرفهونفع ديني للعباد فأشبه سائرحقوقهم،فيشتطر فيه ما يشترط فيها“.(ردالمحتار)(۴)

”الشهادة هي أخبارصدق لإثبات حق بلفظ ”الشهادة“ في مجلس القاضي“.(الدرالمختار)(۵)

(قوله:في مجلس القاضي)خرج به أخباره في غيره مجلس،فلا يعتبر“.(طحطاوی)(۶)

---

(۱) (الشهادة) فهوأخبارصدق الإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء (الفتاوىٰ الهندية: ٤٥٠/٣،كتاب الشهادات،الباب الأول في تعريفها،رشيدية)

(۲) لوسمع من وراء الحجاب،لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛إذا النغمة تشبه النغمة.(تبيين الحقائق:١٦٠/٥،كتاب الشهادة، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳،۴) ردالمحتارعلى الدرالمختار:٣٨٦/٢،كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشک،سعيد

(۵) الدر المختارعلى ردالمحتار:٤٦١/٥،كتاب الشهادات، سعيد

(۶) حاشيه الطحاوی علی الدرالمختار، كتاب الشهادات:٢٢٧/٣، در المعرفة بيروت

البتہ اگر باقاعدہ شرائط کے ساتھ رؤیت کا ثبوت ہوجائے اور حکومتِ مسلم کے انتظام سے (جس میں کسی غلطی یا تلبیس کا احتمال نہ ہو) اس رؤیت کا اعلان کیا جائے تو ماتحت علاقہ میں یہ اعلان قابل قبول ہوگا، جیسے کہ دوسرے اعلانات قابل قبول ہوتے ہیں، اگر چہ یہ اعلان ریڈیو ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو؛(۱) مگر ذمہ دار حکومت کے ریڈیو اور انتظام اور اعلان کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ قیاس کن زگلستان من بہار مرا؟ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۹۰-۹۲)

رؤیت ہلال کی خبر ریڈیو پر کن شرائط کے ساتھ معتبر ہے:

سوال: اگر مطلع ابرآلود، یا غبارآلود ہونے کی وجہ سے رمضان کا چاند، یا عید کا چاند نظر نہ آئے اور اسی شب آل انڈیا ریڈیو دہلی، یا پاکستان ریڈیو لاہور، یا ڈھاکہ سے، یا حیدرآباد دکن کے ریڈیو سے چاند نمودار ہونے کا اعلان بایں الفاظ کیا جائے کہ:

فلاں فلاں علماء کرام، یا خطباء مساجد سے چاند ہونے کی تصدیق ہوئی ہے، اس قسم کا اعلان مذکورہ بالا نشرگاہوں میں سے کسی ایک، یا متعدد نشرگاہوں سے سنایا جائے تو دوسرے روز روزہ رکھا جائے، یا نہیں؟ اور اگر عید کے چاند کا اعلان ہو تو دوسرے روز روزہ افطار کرنا اور عید کی نماز ادا کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

یہ سوال چند صورتوں پر مشتمل ہے، جن کے احکام جدا جدا ہیں، مثلاً عید کا چاند رمضان کے چاند سے بعض احکام میں مختلف ہے، اسی طرح ریڈیو کے اعلان اور بہت سے نشرگاہوں کے متعدد ریڈیو کے اعلانات میں احکام شرعیہ مختلف ہیں؛ اسی لیے سوال کے تجزیہ اور جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے، جو حسب ذیل ہے:

(ہلال رمضان) کے بارے میں حسب تصریحات فقہا مطلع غبارآلود ہونے کی صورت میں صرف ایک ثقہ اور معتبر صادق کی خبر ثبوت کے لیے کافی ہے، باقاعدہ شہادت شرعیہ اور اس کے جملہ شرائط ضروری نہیں؛ اس لیے ہلال رمضان کی عام رؤیت کی خبر، یا کسی باقاعدہ قاضی مفتی کے سامنے شہادت گزرنے اور اس کے فیصلے دینے کی اطلاع اگر کسی ریڈیو میں علما کے فیصلہ کے مطابق ثقہ لوگوں کے انتظام سے نشر کی جائے، جس میں مغالطہ اور بے احتیاطی کا خطرہ نہ رہے تو دوسرے شہروں میں جہاں یہ خبر سنی جائے، اس کا قبول کر لینا اور اس خبر ثقہ کی بنا پر اپنی بستی میں روزہ کا اعلان کر دینا جائز ہے؛ لیکن اس پر عمل کرنے اور قبول کرنے سے پہلے اس کی تحقیق ضروری ہے کہ جن نشرگاہوں سے یہ خبر نشر ہوئی ہے، وہاں اس کی تحقیق نہ ہو ہلال رمضان میں بھی اس کا قبول کرنا درست نہیں۔

---

(۱) ''البتہ جس شہر میں قاضی ہو، یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷)

(ہلال عیدین) میں حسب تصریحات فقہا با قاعدہ شہادت شرعیہ اور نصاب شہادت مع شرائط شہادت ضروری ہیں اور شرائط شہادت میں ایک شرط یہ ہے کہ شاہد خود مجلس قاضی میں حاضر ہوکر گواہی دے اور ظاہر ہے کہ تار ٹیلی فون، وائرلیس، ریڈیو کے ذریعہ جو خبر سنی جائے اس میں یہ شرط موجود نہیں؛ اس لیے ریڈیو کا انتظام اگر کسی جگہ ثقہ لوگوں کے سپرد بھی ہو اور با قاعدہ علما کا فیصلہ ہی نشر کیا جاتا ہو، جب بھی اس فیصلہ کی اطلاع جو دوسرے شہروں میں سنی جائے، وہ زیادہ سے زیادہ صادق ہوسکتی ہے، شہادت نہیں ہوسکتی، یہی وجہ ہے کہ دور حاضر کی آزاد حکومتوں میں بھی کسی معاملہ کی شہادت کے لیئے ریڈیو، یا ٹیلی فون کافی نہیں سمجھا جاتا، خواہ اس کا انتظام کیسا ہی مضبوط اور معقول ہو؛ بلکہ شاہد کو عدالت کے سامنے حاضر ہوکر گواہی دینا ضروری سمجھا جاتا ہے۔

اس لیے ان آلات کے ذریعہ سنی ہوئی خبر پر ہلال عیدین وغیرہ جن میں شہادت شرعیہ شرط ہے، عمل جائز نہیں۔ بعض تصریحات فقہاء اس بارے میں حسب ذیل ہیں:

قال في الدر المختار: وشرط للفطر مع العلة العدالة ونصاب الشهادة وبلفظ أشهد، إلخ.

قال الشامي: بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر ديني فلم يشترط فيه ذلك بالفطر فهو نفع دينوي للعبادة فأشبه سائر حقوقهم فيشرط فيه ما يشرط فيها. (۱)

وفي رسالة أحكام الهلال للعلامة ابن عابدين الشامي: وشرط لهلال الفطر مع علة في السماء شروط الشهادة؛ لأنه تعلق به نفع العباد وهو الفطر فأشبه سائر حقوقهم فاشترط له ما اشترط لها. من العدد والعدالة والحرية وعدم الحد في قذف وإن تاب ولفظ الشهادة. (۲)

ومن شرائط الشهادة ماذكره في شهادات الدر وردالمحتار مجلس القضاء، آه. (۳)

بہت سے ریڈیو یہاں اگر عام رویت ہلال یا کسی قاضی مفتی کے سامنے شہادت گزرنے اور اس کے فیصلے کی اطلاع مختلف شہروں اور مختلف اطراف کی دس بیس ریڈیو نشر گاہوں سے آ جائے تو اصطلاح فقہاء میں یہ خبر مستفیض ہو جائے گی، جس میں شرائط شہادت ساقط ہو جاتی ہیں ایسی صورت میں ہلال رمضان وہلال عیدین دونوں میں ریڈیو کی خبر پر عمل اور اس کے مطابق روزہ رکھنا یا افطار کرنا درست ہوگا، بشرطیکہ شہر کے مفتی قاضی اس چیز پر خبر مستفیض تسلیم کرلیں، عوام خود اس کا فیصلہ نہ کریں۔

قال شمس الأئمة الحلواني: الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذ استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرى يلزمهم حكم هٰذه البلدة انتهٰى. (۴)

---

(۱) الدر المختار: ۳۵۳/۳، انیس

(۲) رسائل ابن عابدين: ۲۳٤/۱

(۳) رد المحتار: ١٤٦/٤

(۴) رسائل ابن عابدين: ۲٥٢/۱

تنبیہ:

ہلال عید کے ثبوت کے لیے شہادت اور حضور مجلس قضا کی ضرورت جو اوپر مذکور ہوئی اس پر یہ شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ ایک بلدہ کا قاضی جب خود اپنا فیصلہ نشر کرے تو تمام بلاد بعیدہ وقریبہ میں بھی جہاں یہ فیصلہ سنایا جائے، اس کی حیثیت حکم قاضی کی ہوگی، شہادت کا درجہ نہیں ہوگا، جس کے لیے شرائط شہادت ضروری ہیں؛ کیوں کہ حسب تصریح فقہا ایک بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلدہ پر بلاواسطہ نافذ نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر کسی بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلدہ کے قاضی کے پاس مخصوص طریقہ؛ یعنی بطور کتاب القاضی الی القاضی، یا بطور شہادت شرعیہ کے پہنچ جائے، تو اس بلدہ کے قاضی پر لازم ہوگا کہ یہ شرائط شرعیہ کی تحقیق کے بعد اپنے بلدہ میں بھی اس حکم کو نافذ کردے، ورنہ بلاواسطہ ایک بلدہ کے قاضی کا حکم دوسرے بلاد میں نافذ نہیں ہوسکتا؛ بلکہ ایک بلدہ کے قاضی کا بیان دوسرے بلاد میں اگر بدون کتاب القاضی الی القاضی کی خاص صورت، یا شہادت علی القضاء کے پہنچے تو وہ صرف ایک شاہد کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں تمام شرائط شہادت ضروری ہیں، تصریحات اس بارے میں حسب ذیل ہیں:

في مبسوط شمس الأئمة: "اعلم بأن القياس يأبى جوازالعمل بكتاب القاضي إلى القاضي؛ لأن كتابه لايكون أقوىٰ من عبارتة ولو حضرنفسه مجلس القضاء المكتوبة إليه وعبربلسانه عما في الكتاب لم يعمل به القاضي فكذلك إذاكتب به إليه إلىٰ قوله ولكنا جوزنا العمل بكتاب القاضي إلى القاضي فيما يثبت مع الشهادة لحديث على رضي الله عنه أنه جوز ذلك". (المبسوط:۱۶/۹۵)

وفي الفتاویٰ الغياثية عن فوائد نجم الدين النفسي: سئل شيخ الإسلام أبوالحسن عن قاضي قضى برؤية هلال رمضان تبعاً لابخلاف قرىٰ هٰذا المصرومحاله وما ينسب إليه،آه". (الغياثية، ص:۵۰)

ہاں اگر صورت ایسی ہو کہ کسی اسلامی مملکت کا ریڈیو رویت ہلال کا شرعی فیصلہ جو علما، یا قضاۃ نے کیا ہو، اس کو مملکت کے صدر، یا سلطان سے نشر کرے، جس کا حکم پوری مملکت پر حاوی ہے تو پھر یہ ریڈیو کی خبر پوری مملکت پر لازم ہوجائے گی۔ ہذا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

کتبہ العبد الضعیف محمد شفیع، کراچی، ۲/رمضان ۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: شبیر احمد عثمانی، ۱۳/رمضان ۱۳۶۷ھ (اضافہ) (امداد المفتین:۲/۴۰۵)

ریڈیو کی خبر معتبر ہے، یا نہیں:

سوال: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہندو بیرونِ ہند مسلمانوں کے دینی معاملات میں رہبر اکبر مانے جاتے ہیں اور مسلم قوم کو دینی امور میں آپ پر کامل بھروسہ ہے؛ اس لیے آپ کو بھی یہ سمجھنا اور دیکھنا ہوگا کہ بوقت موجودہ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے، آج کے حالات میں اس کو ٹھیک طریقہ سے سمجھانے کا کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر وقت کو نہیں

سمجھا یا گیا اور مسائل دینی کو پندرہ سو سال پرانے طور پر ہی سلجھانے کی کوشش کی تو اس طرح عوام کا اطمینان حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ساتھ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ زمانہ کو دیکھ کر آپ نمازوں کے اوقات گھٹا دیں، زکوۃ کم کردیں، ایک آدھ بار شراب کی چھوٹ دے دیں، یا ایک بیوی تک شادی کا مسئلہ طے کردیں؛ اس لیے کہ بنیادی چیزوں پر تبدیلی کی توجہ دلانا بھی دین محمدی سے انحراف ہے؛ لیکن جہاں احادیث کے مسائل ہیں، وہاں وقت کی ضرورت کو سمجھ کر مسائل حل کرنا ضروری ہے۔ میرا مقصود رؤیت ہلال سے ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا مسئلہ ہے، لفظ ''دیکھنے'' کی بات چیت کہی گئی ہے۔

اس وقت انسان کے پاس جو ذرائع تھے، وہ صرف دیکھنے کے تھے، اللہ تعالیٰ کی طویل وعریض زمین اور اس پر طلوع وغروب کی حالت ایک ملک سے دوسرے ملک کے جداگانہ ہے اور اس اعتبار سے دیکھ کر عمل کرنا بہترین ضابطہ ہے؛ لیکن آج وقت نے ایسی تبدیلیاں کھڑی کی ہیں، جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لاسلکی پیغامات تک ہم نے جو دلیلیں چاند کے معاملہ میں آپ کے سامنے رکھی تھیں وہ لائق قبول نہیں؛ اس لیے عوام میں تار اور ٹیلیفون ایجاد ہونے تک بھی بحث نہیں چھڑی؛ لیکن ایک برقی بے تار طاقت نے ایک نیا ماحول سامنے رکھ دیا ہے اور وہ ہے ٹیلی ویزن، ریڈیو۔ ان آلوں نے ملکوں اور قوموں کی موت وبقا تک اپنا دسترس حاصل کرلیا ہے۔ اگر مشرقی بنگال میں کوئی حادثہ ہوا تو اس کی خبر فی الوقت دینے والے یہی آلے اور انہیں جیسی برقی طاقت کے آلے ہیں، جن پر بھروسہ کر کے دفاع، یا حملہ وغیرہ کا انتظام ہوتا رہتا ہے، کیا ان سے انکار کرنا اللہ تعالیٰ کے انعامات سے منکر ہونا نہیں ہے؟ اگر مسلمان کسی شے کو حاصل نہ کرسکا تو کیا اس بنا پر ان انعامات کو جھٹلانا، ان میں تاویلیں پیدا کرنا مناسب ہے؟ ہمارے علما میں کثرت ان کی ہے، جو دینِ محمدی کو محض ایک گھیرے میں دکھا کر عوام کو اس سے باہر جانے نہیں دینا چاہتے؛ لیکن ان علما کو جھٹلانے سے کثرت والی پارٹی کیا عوام میں مقبول ہوگی، جنہوں نے علامہ اقبال کی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے دقیق مطالعہ نے زمین کے ساتھ آسمانوں تک انسان کی دسترس کو قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے، قرآن حکیم کے ان رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے، جن کو سمجھنے میں علما کی عقل نے ساتھ نہیں دیا؟

نشر واشاعت پر ہندوستان میں بھی اختیار دے رکھا ہے، جہاں مسلم حکومتیں ہیں، وہاں سب آپ ہی ہیں، پھر کیا سبب ہے کہ آپ ایران، پاکستان، مدینہ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے بذریعہ ریڈیو کے اس اعلان کی مخالفت کرتے ہیں، جو رمضان المبارک کے چاند سے بطور خاص متعلق ہے؟ اور اگر اس کتاب کے مضمون کو پڑھا جائے جو ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے موسوم ہے اور جو حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھی ہے اور جہاں ''**کشف الظنون فی حکم الخط والتلفون**'' کی سرخی دیکھ کر ہلال پر بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھی حق اور ظاہر پر قطعی فیصلہ نہ کر کے عوام کو الجھن میں ڈالا ہے، ایسے مضامین جن کے پڑھنے کے بعد بھی انسان قطعی فیصلہ پر نہ پہنچے کیا معنی رکھتا ہے؟

کیا شہادت زیادہ قابل یقین ہے؟ جب کہ وہ شاہد جس کی تعریف کی گئی ہے، اس جمہوری دور میں غائب ہیں جیسے کبھی نہ تھے اور کیا اسلامی ممالک کے ریڈیو کی نشریات پر شبہ ظاہر کرنا مناسب ہے؟ علما کے رویہ سے مسلم عوام کس طرح مستفید ہوں؟ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال دو دو دن مسلمانوں کے رمضان اور عید ہو رہی ہے، گویا اس طرح تفریق کی دعوت دی جارہی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اتنی اتنی چھوٹی بات سے مسلمانوں کو دو اور تین روز تک علاحدہ علاحدہ رمضان اور عید کے جھگڑے سے بچائیں اور اس ریڈیو پر اظاہر اطمینان کریں، جو ملکوں اور قوموں کے تحفظ کی ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ فقط والسلام

نوٹ: اگر طبیعت پر ناراضگی آئے تو حقائق پر نظر رکھ کر معاف فرمائیں۔　　(محمود خان، قصبہ تال)

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

دینِ اسلام اور اس کے بنیادی احکام وہی ہیں، جو پندرہ سال پہلے عطا ہوئے اور احکم الحاکمین نے زبردست سند عطا فرمائیں:

﴿**اليوم اكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام ديناً**﴾(المائدة: ۳)

(ترجمہ: ''آج کے دن تمہارے لیے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لیے پسند کر لیا''۔)(بیان القرآن)

نیز ارشاد فرمایا:

﴿**ومن يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه وهو في الآخرة من الخاسرين**﴾(آل عمران: ۸۵)

(ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا، وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہوگا''۔)(بیان القرآن)

جس کی تفصیلات وتشریحات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائیں ہیں۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ آپ بنیادی طور پر پختگی سے قائم ہیں اور کسی ترمیم کے روادار نہیں؛ بلکہ ترمیم کو دین سے انحراف تصور کرتے ہیں، اللہ پاک مزید استعانت عطا فرمائے۔ اتنا تو ذہن نشیں رکھیں کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لیے اصل بنیادیں تو وہیں ہیں جن پر پندرہ سو سال گزر چکے، حق تعالیٰ نے ان بنیادوں میں ایسی گہرائی رکھی ہے کہ نئے مسائل کے لیے ان سے خوب روشنی ملتی اور علمائے امت نے ہمیشہ اسی روشنی سے نئے مسائل کو حل کیا ہے، ٹرین پلین میں نماز (اس کی نظیر فقہائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ ایسی سواری جسے جانور کھینچ کرلے جائے اور اس کا کوئی حصہ جانور کے جسم پر رکھا ہوا نہ ہو، کو ''سریر'' یعنی تخت کے درجے میں رکھا ہے اور بلا عذر اس پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے:

''أما الصلاة على العجلة، إن كان طرف العجلة على الدأبة وهي تسير أو لا تسير، فهي صلاة على الدأبة، تجوز حالة العذر، ولا تجوز في غيرها وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة، جاز، وهي بمنزلة الصلاة على السرير''. (۱)

---

(۱) فتاوى قاضي خان: ۱/۱۷۱، باب صلاة المسافر، رشيدية

ایک نماز مثلا: مغرب پڑھنے کے بعد جب ہوائی جہاز سے سفر کیا، دیکھا کہ آفتاب موجود ہے تو اس وقت اس پڑھی ہوئی نماز کا حکم وہاں غروب ہونے پر دوبارہ پڑھنے کا حکم،(۱) پیٹرول سے کپڑے دھونے کا حکم،(۲) انجکشن کے ذریعہ

---

(۱)　مفتی نظام الدین دامت برکاتہم فرماتے ہیں

:"نـام رسـول الـلّـه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی حجرعلی رضی الله تعالیٰ عنه حتیٰ غربت الشمس،فلما استیـقـظ ذکـرلـه أنـه فاتته الصلاة فقال:اللهم إنه کان فی طاعتک وطاعة رسولک فرددها علیه،فرددت حتیٰ صلی العصر، فکان ذلک بخیر". (ردالمحتار: ۲٦٥/۱)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے، جب ہی تو ان کے لیے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے۔ وقت کی اسی اہمیت کی بنا پر فقہا نے اس کو سبب وجوب کہا ہے، جیسا کہ مشہور ہے:"سببها أوقاتها عند الفقهاء". (البحرالرائق)

لیکن اگر ایسا ہے تو واقعہ دجال کے متعلق کیا کہا جائے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر وانداز ہ کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی، علما کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ وقت سبب وجوب نہیں ہے صرف علامت ہے۔ محقق ابن الہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"جعل علامة علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر" (فتح القدیر)

ان وجوہات کی بنا وقت کو سبب وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں۔ اگر وقت سبب وجوب نہیں تو کیا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ہمام کی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں:"کجعل الوقت علامة علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر".

البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوب نماز کا علم کس طرح حاصل ہو، علامہ شامی نے اس کا حل تجویز فرمایا کہ:

"إنا لانسلم لزوم وجوب السبب حقیقة بل یکفی تقدیره، کما فی أیام الدجال". (ردالمحتار: ۲٦٦/۱)

بنابریں احقر کی رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں، یا لینین گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲ر گھنٹے کے دن اور ۱۲ر گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنا چاہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفیق

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو اخیر میں بایں الفاظ:"ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ میں ہوں، یا ہوائی جہاز میں، یا لینین گراڈ، یا ماسکو میں ہر جگہ کو ۱۲ر گھنٹے کے دن اور ۱۲ر گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہیں"۔ تحریر فرمایا: اسے ہمیں پورا اتفاق اور وہ بالکل صحیح ہے، نماز پنجگانہ میں اصل علت وجوب حکم باری تعالیٰ عز اسمہ ہے اور وہ حکم ان اوقات پنجگانہ میں متوجہ ہوتا ہے؛ لیکن انتہائی خفی ہوتا ہے؛ اس لیے اس پر شریعت غرا اور دربار رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے کچھ اسباب وعلامات مقرر فرما کر رہبری فرما دی ہے، جن سے حکم خداوندی (جو اصل علت وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثال امر سہل ہو جاتا ہے۔ پھر بعض کتب مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے، محض تعبیر وعنوان کا فرق ہے"۔ (نظام الفتاویٰ: ۵۲/۱-۵۷، رحمانیہ)

"قـولـه:(فی حدیث:"صوموا لرؤیة"بخلاف أوقات الصلاة) فیه أن الخطاب عام أیضاً فی أوقات الصلوٰة مع أنه اعتبر فیها کجل قوم بحسبها مثلاً الدلوک جعله الله تعالیٰ سبباً للظهر،وعلیٰ وجوبه به،ومع ذلک إنما خوطب کل قوم بالدلوک الواقع عندهم لا بما عند غیرهم". (تقریرات الرافعی علیٰ رد المحتار، کتاب الصوم: ۱٤۸/۲،سعید)

وقت کو نماز میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ بعض علما کے نزدیک وجوب صلوۃ کے لیے سبب ہے، چنانچہ ان کے ہاں جن مقامات میں اوقات صلوۃ نہ پائے جاتے ہوں، ان پر نماز فرض نہیں اور نماز کو دوبارہ پڑھنے میں کوئی قباحت بھی نہیں، لہٰذا احتراما للوقت وموافقۃ للمسلمین غروب ہونے پر دوبارہ مغرب کی نماز پڑھی جائے، اگرچہ اس کا فریضہ مکمل ادا ہو چکا ہے۔ (فضل مولی ابن القاضی)

(۲)　ویـجـوزتـطهیرها بالماء،وبکل مائع یکن إزالتها کالخل وماء الورد. (الهدایة: ٥٤/۱،باب الأنجاس،مکتبة شرکت علمیه ملتان)

جانوروں کوگابھن کرانے اورعورتوں سے بچہ پیدا کرانے کاحکم،(۱) وغیرہ وغیرہ مسائل کاحل کیاہے،جس کی وجہ سے یہ سب مسائل بھی دائرے کے اندرآ گئے ہیں،دائرہ سے خارج نہیں۔

حق تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں کے احکام کوبیان کرکےقرآن کریم میں متعددمقامات پرارشادفرمایاہے:

﴿تلک حدود اللّٰه﴾

اوران حدوداللہ سے خارج ہونے پرارشادفرمایاہے:

﴿ومن يتعد حدود اللّٰه فقد ظلم نفسه﴾(الطلاق:۱)

(ترجمہ:''اور جوشخص احکام خداوندی سے تجاوزکرے گا،اس نے اپنے اوپرظلم کیا''۔)(بیان القرآن)

رہاعوام کااطمینان،ان بیچاروں میں اتنی صلاحیت اوراستعدادکہاں ہے کہ مسائل شرعیہ کی گہرائی تک پہنچ سکیں، اکثریت کافیصلہ کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہوتا۔

﴿وإن تطع أكثرمن فى الأرض يضلوك عن سبيل اللّٰه،إن يتبعون إلا الظن﴾(الأنعام:۱۱۶)

(ترجمہ:''اوردنیامیں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگرآپ ان کاکہنا ماننے لگیں،تووہ آپ کواللہ کی راہ سے بے راہ کردیں،وہ محض بےاصل خیالات پرچلتے ہیں اوربالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں''۔)(بیان القرآن)

پورے انتظامات اہل اسلام کے ہاتھ میں ہونے کے باوجودبھول چوک غلطی سے تحفظ کاکیااطمینان ہے،چندسال ہوئے پاکستان میں مولانا احتشام صاحب نے ریڈیوکوایک تقریرریکارڈکرائی تھی،جس میں اہل پاکستان کوعیدکی مبارکباداورپھراس کے متعلق ہدایات دی تھیں،ریڈیوکے ذمہ داروں کوغلط فہمی ہوئی،انہوں نے رؤیت ہلال سے پہلے ہی اس کونشرکردیا،جس سے تمام پاکستان میں ہیجان پیداہوگیا،پھرریڈیوکواپنی غلطی پرمعذرت کرنے کی نوبت آئی۔

اسمبلی میں یہ مسئلہ زیربحث آیاکہ ریڈیوسے آنے والی خبرمعتبرہے،یانہیں؟ان لوگوں نے اس پراطمینان نہیں کیا۔ عدالتوں،کچہریوں(میں)ریڈیواورٹیلیفون سے شہادت نہیں قبول کی جاتی،شاہدخودحاضرِعدالت ہو،یاپھراس کے پاس کمیشن جائے،تب وہ شہادت معتبرہوتی ہے،شرعاًبھی پس پردہ کی شہادت معتبرنہیں۔

''النغمة تشبه بالنغمة''.(۱)

کوئی شخص اپنی تحری بذریعہ ڈاک بھیج دےوہ بھی شرعاًکافی نہیں۔

''الخط يشبه الخط''.(۲)

جن بلادِاسلامیہ کاآپ نے تذکرہ کیاہے،کیاان میں ٹیلی ویژن کی شہادت پرمقدمہ فیصل کردیاجاتاہے؟

چاندکانکلناسب مقامات پربیک وقت نہیں ہے؛ بلکہ اس میں قدرت کاپیداکیاہوااختلاف ہے،کہیں ایک دن

(۱) الفتاوىٰ الهندية،كتاب الشهادات،الباب الثانى:۴۵۲/۳،رشيدية

(۲) رد المحتار،كتاب الوقف، مطلب:لايعتمد على الخط إلا فى مسائل: ۴۱۳/۴، سعيد

پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے۔ اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رؤیت ثابت ہوجائے اور دو عادل شاہد بذریعہ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں، جہاں اس روزہ اٹھائیس تاریخ ہوتو شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود ان کی شہادت قابلِ سماعت نہیں ہوگی۔

شہادت کے لیے محل ہونا ضروری ہے، اس کا محل یوم الشک ہے؛ یعنی ۲۹؍تاریخ اور ۲۸؍تاریخ کوتو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کا ذب قرار دیا جائے گا۔ اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے؛ یعنی اس کے پاس آلہ ہی موجود نہیں؛ بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں کے حد قذف جاری ہوگی۔(۱)

آفتاب غروب ہونے پر مغرب کا وقت ہوجاتا ہے، مغرب کی نماز کا پڑھنا فرض ہوجاتا ہے، اگر ٹیلی ویژن سے معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر آفتاب غروب ہوگیا تو کیا اس کی وجہ سے ایسی جگہ پر بھی نماز کا حکم کیا جائے گا، جہاں سورج سامنے ہو؟ اسی طرح ٹیلی ویژن کے ذریعہ رؤیت ہلال ثابت ہونے پر کیا دوروز پہلے حج کا بھی حکم کردیا جائے گا؟

یہ چاند سورج کا اختلاف قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، جورہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جو مسائل چاند وسورج سے متلق ہیں، ان میں بھی اختلاف ظاہر ہوکر رہے گا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ ''علماء تفریق کی دعوت دیتے ہیں'' یہ سوئے ظن ہے، یا مسائل سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔

اطمینان قلبی حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کی گہرائی تک آدمی پہنچ جائے تو وہ بہت جلد سمجھ جائے گا کہ یہ مسئلہ کس اصل پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قلب میں اسلام اور اس کے احکام کی انتہائی عظمت ہو، تب اطمینان حاصل ہوتا ہے؛ لیکن اگر ہر شخص اپنی عقل کی کسوٹی بنا کر ہر مسئلہ کو اس پر پرکھنے کی کوشش کرے، یا دوسروں کو دعوت دے تو اس کی سعی لا حاصل ہے۔ عقلاً، شرعاً، عرفاً کسی طرح بھی درست نہیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے، وہ کبھی صراط مستقیم پر قائم نہیں رہے، ''ضلوا فأضلوا''. ممکن ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کے کچھ نمونے ہوں، ممکن کیا ضرور آپ کے سامنے بھی نمونے ہیں۔

جو شخص تحقیقِ حق کے لیے مسئلہ دریافت کرے اس پر ناراض ہونا بے محل ہے، اگر چہ وہ حقیقت سے ناواقف ہو، نا مناسب بھی لکھدے تو وہ معذور ہے، اس کا علاج ناراضگی نہیں بلکہ نرمی وشفقت سے افہام وتفہیم ہے یہ بھی ممکن ہے کہ افہام وتفہیم میں کوئی جملہ سائل کے مزاج کے خلاف آگیا ہوتو اس کے لیے معذرت خواہ ہوں، معاف فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۱/۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۷-۶۳)

---

(۱) ولو شهدوا على زناها ولكن هي بكر ... لم يحد أحد، وكذا لو شهدوا على زناه فوجدوه مجبوبا''. (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۲/۳۳، سعيد)

ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے:

سوال: اس سال ہمارے یہاں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ بدلی کی وجہ سے اطراف ہی کے کسی گاؤں سے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، ریڈیو پر اعتماد کر کے ہمارے گاؤں میں عید پڑھ لی گئی، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ریڈیو کے اعتماد پر عید کی نماز پڑھنا شرعاً غلط ہے۔ اب جناب والا ہی بتائیں کہ ریڈیو پر اعتماد کر کے عید کی نماز ادا کرنا صحیح تھا، یا غلط؟ اور اگر صحیح نہیں تھا تو کیا اس معاملہ میں کسی شکل سے بھی ریڈیو پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفاصیل ہوں تو تحریر فرما دیں؛ تا کہ اس طرح کے موقع پر صحیح مسئلہ پر عمل کیا جا سکے؟ فقط

(محمد طیب سلطانپوری)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر حاکم مسلم، یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف اور متبعِ شریعت ہوں، ثبوت رؤیت کے بعد (شہادت لے کر) ریڈیو پر اعلان کرے، یا اعلان کرائے اس طرح ہم نے شہادت لی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہو گیا ہے، لہٰذا فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو اتنی دور تک کہ اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے اور ۳۱/ کا نہ ہو جائے، یہ اعلان شرعا قابل تسلیم ہوگا، جب کہ رؤیت یوم الشک یعنی ۲۹/ شعبان میں ہو اور مطلع نہ صاف ہو۔ (۱) ایسے اعلان پر بھی عوام کو پیش قدمی نہیں چاہیے؛ بلکہ ریڈیو کے اعلان کی پوری تفصیل ذمہ دار اہلِ علم کے سامنے رکھ دیں، وہ تحقیق وتفتیش سے اطمینان کر لیں تو ان کی ہدایت پر عمل کریں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۶۹-۷۰) ☆

---

(۱) والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، و غلبة الظن حجة موجبةٌ للعمل كما صرحوا به". (رد المحتار: ۳۸۶/۲، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: ’’البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی، یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے‘‘۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

☆ **ایضا:**

سوال: عید، یا رمضان کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو کس صورت سے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور متعدد ریڈیو سے چاند کی خبر آئے، جس سے ظنِ غالب ہو جائے تو ثبوتِ رمضان کے لیے اتنا بھی کافی ہے؛ لیکن ثبوتِ عید کے لیے شہادت ضروری ہے، پس اگر ۲۹/ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور مسلم حاکم، یا رؤیت ہلال کمیٹی جو کہ ذی علم اور دیانت دار افراد وارکان پر مشتمل ہوں، با قاعدہ شرعی شہادت پہنچ گئی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہو گیا ہے، ==

رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبروں کی شرعی حیثیت:

اس کے متعلق جو فتوی میرے رسالہ کشف الظنون میں چھپا ہوا ہے، وہ ہی معمول بہ ہے، ہلال رمضان کی خبر میں

== اب وہ رؤیت ہلال کمیٹی اعلان کراتی ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/کا نہ رہ جائے، یا ۳۱/کا نہ ہو جائے۔ (والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبةٌ للعمل كما صرحوا به. (رد المحتار: ۳۸۶/۲، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے، جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۰/۱۰)

رؤیتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے:

سوال: رمضان المبارک میں عید، بقرعید کی رؤیت ہلال سے متعلق ریڈیو کی خبر معتبر ہے، یا نہیں؟ خواہ ریڈیو ہندوستان کا ہو، یا پاکستان کا، عرب کا، یا مصر کا، اس کا کیا حکم ہے؟ امسال مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا؛ لیکن بعض مقامات پر پاکستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ چاند ہو گیا اور اس کا اعلان ریڈیو پر ہوا، اس کو مان کر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا کیسا ہے؟ آپ تفصیلی جواب لکھیں۔

شاہد کا مجلس شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، پس پردہ آواز سن کر شہادت قبول نہیں کی جائے گی، لہٰذا ریڈیو پر جو شہادت سنی جائے، وہ قبول نہیں، نہ نزدیک سے نہ دور سے، یعنی نہ ہندوستان سے، نہ پاکستان سے، نہ مصر سے، نہ مکہ مکرمہ سے۔ پس اگر ریڈیو پر کوئی شخص شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس شہادت پر عید کرنا درست نہیں، اگرچہ یہ شاہد ثقہ اور متدین ہو، ریڈیو پر اگر اس طرح خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا ہے، یا فلاں جگہ عید ہے تو یہ خبر بھی کافی نہیں۔ (لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمه تشبه النغمة''. (تبيين الحقائق: ۱٦٠/٥، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت) اگر باقاعدہ شرعی شہادت ذمہ دار حضرات حاصل کریں، مثلاً: قاضی شرعی، مسلمان وزیر، رؤیت ہلال کمیٹی، جمعیۃ العلماء، امارت شرعیہ جب کہ ان کے افراد باعلم اور متبع سنت ہوں اور پھر ان کی طرف سے ریڈیو پر اس طرح اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس چاند دیکھنے والے ثقہ گواہوں نے شہادت دی ہے اور ان کی شہادت سے رؤیت ہلال تسلیم کر لی گئی ہے، لہٰذا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک سے متعلق مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگا۔ (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگ ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف) خواہ ہندوستان کا اعلان ہو، یا کسی اور جگہ کا، جس مقام پر اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/دن کا رہ جائے، یا ۳۱/دن کا ہو جائے، وہاں یہ اعلان تسلیم نہ ہوگا۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی اس قسم کا ایک دو اعلان کافی نہیں ہوگا، تاوقتیکہ خبر مستفیض کے درجہ تک نہ پہونچ جائے۔

جن صورتوں میں یہ اعلان معتبر ہوگا، ان صورتوں میں بھی عوام کو جلدی اور پیش قدمی نہیں چاہیے کہ جیسے ہی اعلان سنا فوراً روزہ توڑ کر عید الفطر منانا شروع کر دیں؛ بلکہ اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ دینی حدود و قیود کو پوری طرح سمجھتے ہیں، ایسے اعلان کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اعلان کرنے والا خود بھی مقبول الشہادۃ ہو؛ بلکہ ذمہ دار مقبول الشہادۃ حضرات کی طرف سے اگر غیر مقبول الشہادۃ شخص اعلان کر دے تو وہ بھی کافی ہے جیسا کہ منادی کا حال ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اس میں آپ کے جملہ سوالات کا جواب مل جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۱/۲۲ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۶/۱۰-۷۷)

چونکہ شہادت شرط نہیں؛ اس لیے جس جگہ خبر دینے والے کی آواز پہنچائی جائے اور اس کا ثقہ ہونا معلوم ہو، یا کسی ریڈیو اسٹیشن کے متعلق؛ یعنی ذرائع سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں خبر ہلال کی اشاعت علما کے فتوی اور شرعی ضوابط کے مطابق نشر کی جاتی ہے تو دوسرے شہروں میں اس پر عمل جائز ہے؛ لیکن ہلال رمضان کے علاوہ ہلال عیدین اور دوسرے اہلہ کے معاملہ میں باتفاق فقہاء شہادت شرط ہے اور شہادت کے شرائط میں سب سے بڑی شرط شہود شاہد؛ یعنی عدالت کے سامنے گواہ کا حاضر ہونا ہے، جو ریڈیو کی خبر میں مفقود ہے، لہذا دوسرے شہروں میں ریڈیو کی خبر پر عید، یا افطار کرنا درست نہیں ہوسکتا، اگرچہ خبر دینے والے کتنے ہی ثقہ اور عالم کیوں نہ ہوں، البتہ جس شہروں میں یہ ریڈیو اسٹیشن موجود ہے اور اس میں رویت ہلال کا اعلان شرعی قواعد کے مطابق ہوتا ہے تو اس میں اور اس کے متعلقہ دیہات ومواضع میں اس کی خبر ایک اعلان کی حیثیت رکھے گی، جیسے عام طور پر شہروں میں گولہ چھوڑنے، یا گھنٹے نقارے وغیرہ بجانے کی عادت ہے اور اس کو فقہا نے اس بلدہ کے حق میں معتبر مانا ہے، اس حدیث سے کراچی ریڈیو کی نشر کردہ خبر پر اہل کراچی ومتعلقات عید کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ریڈیو نے علما کا فیصلہ نقل کر کے اعلان کیا ہو، دوسرے شہروں میں اس کی خبر پر عید منانے اور افطار کرنے کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں اس واقعہ اور اس کے متعلقہ مسائل کا بیان احقر کے مجموعہ رسائل آلات جدیدہ کے احکام میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے، مزید تحقیق کے لیے اس کو دیکھا جاسکتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم

محمد شفیع عفا اللہ عنہ، یکم محرم ۱۳۷۰ ہجری۔ (اضافہ) (امداد المفتین: ۴۰۸/۲)

ریڈیو کے اعلان کی حیثیت:

سوال (۱) پاکستان ریڈیو سے، یا ہندوستان ریڈیو سے اگر چاند کی خبر آوے تو وہ معتبر ہے، یا نہیں؟ جب کہ ریڈیو پاکستان مسلمانوں کی ریڈیو ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی خبر معتبر نہ مانی جائے؟

(۲) صبح کو ہی جب بمبئی سے چاند ہونے کی خبر امام صاحب جامع مسجد دلی کے پاس آگئی تو اس وقت انہوں نے بمبئی کی بات کیوں نہیں مانی اور بعد میں ایک بجے کیوں افطار کرایا؟ عجیب معمہ ہے، یہ سب واقعات ریڈیو سے معلوم ہوتے رہے، لہٰذا صحیح جواب سے نوازیں۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر کوئی شخص ریڈیو پر شہادت دے کہ میں نے عید کا چاند دیکھا ہے تو یہ شہادت سننے والوں کے حق میں معتبر نہیں،(۱) نہ بمبئی کی ریڈیو سے، نہ لاہور کی ریڈیو سے، نہ کسی اور اسلامی، یا غیر اسلامی ملک سے قبول شہادت کے لیے

---

(۱) لوسمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية بيروت)

شاہد کا مجلس شہادت میں حاضر ہونا شرط ہے، وہو مصرح فی کتب الفقہ ۔(۱) اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے، یا عید ہے تو یہ خبر کافی نہیں، اس میں بھی سب جگہ کا ریڈیو برابر ہے، اگر مسلم با شرع رؤیت ہلال کمیٹی، یا قاضی شرعی، یا حاکم مسلسل با قاعدہ شہادت لے کر ریڈیو پر اعلان کرے، یا کرائے کہ یہاں شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہوگیا، اس بنا پر اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں؛ یعنی ۲۹/رمضان کے بعد والے دن کے لیے مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں معتبر مانا جائے گا، جہاں اس کے مان لینے سے مہینہ ۲۸/ یا ۲۹/ کا نہ ہونے پائے، وہ ریڈیو کسی جگہ کا ہو سب کا یہی حکم ہے، ایسے ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہوگا، (۲) ضلع سہارنپور میں متعدد مقامات پر لوگوں نے چاند دیکھا اور ان کی با قاعدہ شہادت لی گئی، اس پر عید کا حکم کیا گیا اور یہ حکم بھی رات میں ہی کر دیا گیا تھا، بعض جگہ اس کی اطلاع دن میں پہنچی، اس شہادت پر اتوار کو عید ہوئی، کسی ریڈیو پر عید نہیں کی گئی، جس وقت بھی عید کے چاند کا ثبوت پہنچ جائے گا، خواہ دو پہر سے پہلے یا بعد، اسی وقت روزہ افطار کر دیا جائے گا، عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں ۔(۳) اگر ثبوت نہ پہنچا اور روزہ رکھ لیا گیا تو گناہ نہیں ہے، اگر محض ریڈیو یا کسی اور تار وغیرہ کی ایسی خبر پر روزہ افطار کر دیا گیا کہ جو شرعاً کافی نہیں تو گناہ ہوا؛ لیکن اگر پھر ثابت ہوگیا تو کہ وہ عید کا دن تھا تو اس روزہ کی قضا، یا کفارہ بھی لازم نہیں ۔(۳)

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیو بند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱/۱۱/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۸۰-۸۲)

ریڈیو کا اعلان:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ دہلی میں جو ہلال کمیٹی ہے، اس کا اعلان جو آل انڈیا ریڈیو دیتی ہے، اس کی حیثیت کیا ہے، آیا اس خبر پر عمل کیا جائے، یا نہیں؟ کیوں کہ کمیٹی کے صدر، یا اس کا

(۱) "فیشترط لجوازها شروط: الأول أن تکون الشهادة عند قاضي عدل عالم". (البحر الرائق، کتاب الشهادات: ۷/۱۱۱، رشیدیة)

"قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالیٰ: "(قوله: شرائط مکانها واحد): أي مجلس القضاء، منح ... وما یرجع إلیٰ مکانها واحد وهو مجلس القضاء". (رد المحتار، کتاب الشهادات: ۵/۴۶۲، سعید)

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: "البتہ جس شہر میں با قاعدہ قاضی ہو، یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(۳) ولزم نفل شرع فیه قصداً أداء وقضاء، إلا في العیدین وأیام التشریق، فلا یلزم لصیرورته صائماً بنفس الشروع، فیصیر مرتکباً للنهي. (ردالمحتار علی الدر المختار، فصل في العوارض المبیحة للصوم: ۲/۴۱۱-۴۱۳، سعید)

کوئی بھی رکن ریڈیو سے اعلان نہیں کرتا؛ بلکہ صرف خبروں میں کمیٹی کے صدر کا حوالہ دیا جاتا ہے، اسی طرح پاکستان میں بھی ہلال کمیٹی ہے، اس کا صدر عام طور پر خود ریڈیو پاکستان پر چاند کا اعلان فرماتے ہیں۔ آیا اس اعلان کا اطلاق صرف پاکستان پر لاگو ہوگا، یا ہندوستان والے اس اعلان پر عمل کر سکتے ہیں؟ شرعی حیثیت کے مطابق آپ مع حوالہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں اور اس رمضان کی پہلی تاریخ اور دن سے بھی مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر ہلال کمیٹی جس کے افراد اہل علم واہل دیانت ہو شرعی قاعدہ کے مطابق ثبوتِ رویت ہلال حاصل کر کے ریڈیو کے ذمہ دار کو تحریر لکھ کر دے دیں کہ ہمارے پاس شرعی شہادت ہے، فلاں روز رؤیت ہلال کا ثبوت ہوگیا ہے، اس بنا پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل فلاں دن روزہ رکھا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ ۲۹ر کو مطلع صاف نہ ہو۔

اعلان کرنے والا ریڈیو پر اگر چہ غیر مسلم ہو؛ لیکن جب اس کا پورا اعتماد ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر صاحب نے اس کو یہ تحریر دی ہے، جس کا اس نے ان کی طرف سے یہ اعلان کیا ہے تو یہ اعلان معتبر ہے جیسے سرکاری حکم، اعلان کوئی بہت چھوٹا آدمی بذریعۂ منادی کرتا ہے اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ اعلان نہیں کر رہا ہے؛ بلکہ سرکاری تحریر کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے اعلان کا اعتبار کر لیا جاتا ہے، جہاں تک اس ریڈیو کے اعلان تسلیم کرنے سے مہینہ اٹھائیس کا نہ رہ جائے، یا اکتیس کا نہ بن جائے، وہاں تک اس کا اعتبار کیا جا سکتا ہے، یہی حال پاکستان کے اعلان کا ہے کہ اگر وہ باضابطہ شرعی شہادت کے بعد کیا گیا ہے تو معتبر ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، ان میں دلائل بھی مذکور ہیں۔(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۴۰۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۸۲/۱۰-۸۴)

ہلالِ رمضان وعید کے لیے ریڈیو کی خبر:

سوال: اسلامی سلطنت میں خواہ والی ملک کی جانب سے، یا مسلمانان شہر کی جانب سے ایک محکمہ رؤیتِ ہلال کے متعلق ایسا قائم کیا جائے کہ جب چاند ۲۹ر کا نظر آجاوے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں تار، یا ریڈیو کے ذریعہ خبر پہونچا دیں اور اس تار، یا ریڈیو کی خبر معتبر سمجھی جا کر روزہ رکھیں، یا روزہ افطار کریں، یا عید کریں، لہٰذا علمائے کرام سے

(۱) (والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل". (رد المحتار: ۳۸٦/۲، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو، یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

عرض ہے کہ کیا اس محکمہ کی تار، یا ریڈیو کی خبر از روئے شرع معتبر سمجھی جائے گی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا شرعاً درست ہوگا؟ جو حکم ہو، تحریر فرمادیں، بینوا توجروا۔

(المستفتی: بابو عبدالغفور غزالی بیاوری، ڈونگری والے بیاور، ضلع اجمیر شریف)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اگر وہ محکمہ رؤیت ہلال کی شرعی طور پر تحقیق کر کے والی ملک کے امر سے تار یا ریڈیو کے ذریعہ رؤیت کا اعلان کردے تو خاص اس شہر میں نیز ان مقامات میں جو اس شہر کے تابع ہوں جیسے قرب وجوار کے قصبات اس اعلان کا اعتبار کے عمل کرنا شرعاً درست ہے۔(۱) جو شہر، یا قصبات اس کے تابع نہیں، وہاں یہ اعلان کافی نہیں، جیسے ایک قاضی کی قضا دوسرے قاضی کے شہر میں نافذ نہیں ہوتی۔ جن مقامات پر اس اعلان کو معتبر مانا جائے گا وہاں بھی بہت سے علما کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کی صحت وصدق کا غلبۂ ظن حاصل ہو، حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ضروری ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جعلی کارروائی نہ کرنے پائے۔(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/۶۷ ۱۳ھ

یہ حکم محض اعلان کا ہے جیسے بھنگی کے ذریعہ حکومت کوئی اعلان کرادیتی ہے، نفسِ ثبوت رؤیت، یا شہادت کے حق میں سب طریقہ شرعاً معتبر نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۵۵-۵۷) ☆

---

(۱) والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر ؛لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن،وغلبة الظن حجة موجبةٌ للعمل كما صرحوا به.(رد المحتار: ۳/ ۵۴،بحث فی صوم یوم الشک،مکتبة ریاض)

حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی، یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے ،تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے‘‘۔(آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

(۲) ’’فی تعبير المصنف كغيره‘‘بالظن‘‘إشارة إلٰى جواز التسحر والإفطار بالتحرى، وقيل: لايتحرى فى الافطار وإلٰى أنه يتسحر بقول عدل،وكذا بضرب الطبول،واختلف فى الديك. وأما الافطار،فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى،وظاهر الجواب أنه لابأس به إذا كان عدلا صدقه،كما فى الزاهدى،وإلٰى أنه لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد،وهو لغيره لم يكفروا،كما فى المنية،قهستانى.

قلت: ومقتضى:له:لابأس بالفطر بقول عدل صدقه أنه لايجوز إذا لم يصدقه،ولا بقول المستور مطلقا، وبالأولٰى سماع الطبل أوالمدفع الحادث فى زماننا،لاحتمال كونه لغيره،ولأن الغالب كون الضارب غير عدل،فلا بد حينئذٍ من التحرى فيجوز؛لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الافطار بالتحرى،كما نقله فى المعراج عن شمس الأئمة السرخسى؛لأن التحرى يفيد غلبه الظن،وهى اليقين،كما تقدم.فلولم يتحر،لايحل له الفطر لما فى السراج وغيره : لوشك فى الغروب لايحل له الفطر؛لأن الأصل بقاء النهار،آه‘‘. ==

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا:

سوال (۱) ریڈیو کی خبر دیانات ومعاملات میں شرعاً حجت ہے، یا نہیں؟ دیانات میں خصوصاً رؤیت ہلال رمضان وعیدالفطر میں؟

(۲) آگرہ میں ۱۷/اگست کو مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت نہ ہوسکی، ۱۸/اگست کو سب نے روزہ رکھا، مگر دوپہر کو بعض افراد نے یہ کہہ کر کہ ''پاکستانی ریڈیو کی خبر سے ہمارا دل گواہی دے رہا ہے کہ آج عید ہے'' روزہ افطار کیا اور دوسروں سے یہ کہہ کر افطار کرایا کہ آج شیطانی روزہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل صحیح تھا، یا غلط؟ اگر غلط تھا تو ان لوگوں پر قضا ہے، یا قضا مع الکفارہ، یا کچھ نہیں، اگر کچھ نہیں تو کیوں؟

== ''وفي البحر عن البزازية: ولا يفطر ما لم يغلب علىٰ ظنه الغروب، وإن أذن المؤذن، اھ. وقد يقال: أن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلىٰ دار الحكم اخر النهار، فيعين له وقت ضربه وعينه أيضا للوزير وغيره، وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن لهٰذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الافساد، وإلا لزم تأثيم الناس، وايجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحرو لا غلبة ظن''. (رد المحتار: ۲/ ۴۰۷، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، مطلب في جواز الافطار بالتحرى، سعيد)

☆ ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید:

سوال: ہمارے یہاں بہت سے آدمیوں نے ریڈیو کی خبر کے مطابق آج ۲۳/جنوری ۱۹۶۶ء، بروز اتوار سات آٹھ بجے دن کو روزہ افطار کرلیا ہے اور عیدالفطر کی نماز بھی ادا کرلی ہے؛ لیکن ہمارے یہاں اور گردونواح کی کسی بھی جگہ سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر نہیں سنی، سب جگہوں سے بدستور روزہ رکھنے کی اور ۲۴/جنوری کو عیدالفطر کی نماز ادا کرنے کی خبر ہے، لہٰذا جن آدمیوں نے ۲۳/جنوری کو روزہ افطار کرلیا اور عیدالفطر کی نماز ادا کرلی، ان کے لیے اسلام کی رو سے کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

محض ریڈیو کی خبر پر کہ فلاں جگہ عید ہے روزہ توڑ دینا اور عید پڑھنا درست نہیں، (لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ اذا النغمة تشبه النغمة''. (تبيين الحقائق: ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت) لیکن اگر رؤیت ہلال کمیٹی، یا قاضی شرعی باقاعدہ شرعی شہادت لے کر اعلان کرے، یا کرائے کہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت ہوگیا ہے؛ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان معتبر ہوگا، جب کہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار یکم شوال تھی۔ (حضرت مولانا مفتی شفیع دیوبندی فرماتے ہیں: ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلاجن کردیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)۔ جو روزہ اس روز توڑا گیا تھا اس کی قضا لازم نہیں اور جو نماز عیدالفطر پڑھ لی گئی ہے اس کی بھی قضا لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۱۰۵-۱۰۶)

(۳) فقہا کے نزدیک اختلاف مطالع کا کہاں تک اعتبار مانا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: چوں کہ میں ایک طالب علم ہوں؛ اس لیے دلائل سے سمجھنا چاہتا ہوں، جزاکم اللہ احسن الجزاء (۶/ستمبر ۱۹۴۷ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ریڈیو کی خبر حجت نہیں، محض ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرکے عید کرنا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ ناجائز اور معصیت ہے؛(۱) لیکن اگر بعد میں شہادت شرعیہ، یا خبر مستفیض سے ثبوت ہوجائے تو قضا، یا کفارہ کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا،(۲) رمضان کے متعلق اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں، یہی ظاہر مذہب ہے۔

”وإختلاف المطالع غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة،فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئك بطريق موجب،آه“.

كأن يتحمل إثنان الشهادة،أويشهدا علىٰ حكم القاضي،أويستفيض الخبر،بخلاف ما إذا أخبرأن أهل بلدة كذا رأوه؛لأنه حكاية،آه“. (۳)

تار ٹیلیفون، خط، ریڈیو وغیرہ کی خبر کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک رسالہ مستقل تالیف کیا ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو اس کو دیکھئے۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۱۳۶۶ھ

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/۱۱/۱۳۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ذیقعدہ/۱۳۶۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۰۷-۱۰۹)

ہلال رمضان وعید اور ریڈیو کی اطلاع:

سوال رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور شعبان کا ۲۹/کا چاند دیکھنے کے بارے میں شہر بھر میں اور اطراف شہر کے کسی نے چاند نہیں دیکھا اور نہ قصبہ میں دیکھا گیا؛ لیکن لوگوں نے صرف جنتری کے حساب سے گاؤں

---

(۱) لو سمع من وراء الحجاب،لايسعه أن يشهد،لاحتمال أن يكون غيره؛إذا النغمة تشبه النغمة.(تبيين الحقائق: ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) شہادت شرعیہ، یا خبر مستفیض سے عید کا ثبوت ہوجانے کے بعد قضا، یا کفارہ کا حکم اس لیے نہیں لگایا جائے گا کہ اس نے جو روزہ توڑا تھا، وہ اپنے محل (شوال) میں توڑا تھا، جس کی مزید تائید پھر شہادت یا خبر مشہور سے ہوئی؛ لیکن اگر شہادتِ شرعیہ، یا خبر مستفیض سے روزے کا ثبوت ہوتا تو اس صورت میں صرف اس دن کی قضا لازم ہوتی، کفارہ پھر بھی نہ ہوتا۔

”رأى مكلف هلال ... الفطر،ورد قوله بدليل شرعي ...فإن أفطرقضىٰ فقط، الخ“.(الدر المختار،كتاب الصوم: ۲/ ۳۸۴، سعيد)

(۳) ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۹۳، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد

(۴) آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ“، ادارۃ المعارف، طبع ۱۳۹۹ھ

اور دوسرے بہت سے قصبوں میں بغیر چاند دیکھے روزہ شروع کر دیا ہے، یہ روزہ رمضان کا ہے، یا نہیں؟ شہر سے ایک شخص نے پچاس میل دور ۲۹ رشعبان کے چاند دیکھنے کی خبر دی ہے، باقی دیکھنے والے ہندو تھے، صرف اکیلا ایک مسلمان شہادت دیتا ہے اور اس شخص کی نمازیں قضا ہوتی رہتی ہیں اور چاند دیکھنے کی حالت اس طرح بتلاتا ہے کہ کبھی کہتا ہے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ ایک ہندو نے دیکھا ہے اور اس نے مجھے بتلایا اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے موٹر روک کر خود دیکھا ہے اور یہ بات عشا سے پہلے ایک دو شہر کی مسجد والوں سے بتلائی اور ایک دو مسجد میں تراویح بھی ہوئی۔ ہم سے جب اس ڈرائیور نے آکر خبر دی اور اس نے بذریعۂ خط ہم کو خبر دی؛ لیکن لکھی ہوئی عبارت کی وجہ سے ہم لوگوں نے اس شخص کی خبر معتبر طریقہ سے نہیں معلوم کی؛ اس لیے ہم نے ۲۹ رشعبان کا روزہ نہیں رکھا اور کچھ لوگوں نے شہر میں روزے کا اعلان کر دیا۔ آپ مطلع فرماویں کہ ایک مسلمان کی شہادت معتبر ہے، یا نہیں؟ اور چاند ۲۹ رشعبان کا ہوا ہے، یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ عید مبارک کے چاند کا کیا مسئلہ ہے؟ فاسق، فاجر، ہندو، کافر، غلام وغیرہ کی شہادت ان مسائل میں معتبر ہے؛ یا نہیں؟ ٹیلی فون، ٹیلی گرام، ریڈیو، مشرق وسطیٰ کے ریڈیو کی خبریں جو رؤیتِ ہلال سے متعلق ہوں، وہ معتبر ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

۲۹ رشعان کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک مسلمان کا چاند دیکھ کر بیان کر دینا بھی کافی ہے، بشرطیکہ وہ ظاہر الفسق نہ ہو،(۱) امسال یہاں بھی ۲۹ رشعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعد میں متعدد مقامات سے چاند ہونے کی اطلاع آئی اور دیکھنے والے معتبر گواہوں نے خود جمعرات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اس وجہ سے یہاں جمعہ کو یکم تاریخ رمضان کی قرار پائی اور جن لوگوں نے جمعہ کو روزہ نہیں رکھا، ان کو ایک روز بعد میں رکھنے کا حکم کر دیا گیا اور اس چیز کو بذریعہ اعلان طبع کرا کر شائع کرا دیا گیا۔ جن لوگوں نے محض جنتری دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا انہوں نے ٹھیک نہیں کیا، یہ شرعی حکم نہیں کہ محض جنتری دیکھ کر روزہ رکھا جائے یا عید کی جائے، تاہم ان کا روزہ صحیح ہو گیا اور ان کے ذمہ قضا لازم نہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق بڑی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں معتبر ہوتی ہے، بعض میں نہیں۔ رسالہ آلاتِ جدیدہ اور ریڈیو کے متعلق احکام میں وہ تفصیل مذکور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۹۴و۹۵)

---

(۱) وقبل بلا دعوٰی وبلا لفظ: "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبر عدل أو مستور... لا فاسق اتفاقا. (الدر المختار)
وقول الطحاوی: أو غير عدل محمول على المستور كما هو رواية الحسن ... أما مع تبين الفسق فلا قائل به عندنا. (رد المحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، مبحث فی صوم يوم الشک، سعيد وكذا فی المحيط البرهانی: ۵۴۶/۲، الفصل الثانی فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

ریڈیو کا اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید:

سوال: فخر الاماثل مفتی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت! یہاں پر امسال عید کے موقع پر ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا اور ہمیشہ سے یہاں کے لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہیں، چناں چہ حضور والا کے تائیدی جواب کے بعد ان شاء اللہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دفن ہوجائے گا۔

آسمان ابر آلود ہے اور یہاں کے منتظمین نے اپنے قدیم غیر شرعی دستور ونظام کے موجب انتیس رمضان ۱۳۲۹ھ کو ایک بالکل فاسق فاجر مزدور لڑکے کو، جو نہ تو کبھی نماز پڑھتا ہے، نہ کبھی روزہ رکھتا ہے؛ بلکہ ہمیشہ فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے۔ سورت کے ایک تاجر کے پاس پرچہ دے کر بھیجا کہ اگر وہاں چاند ہوا اور عید ہو تو اس مزدور لڑکے کے ہاتھ میں چٹھی لکھ کر بھیج دینا، اس پر ہم عمل کریں گے۔

یہ لڑکا صبح چار بجے کے قریب ان تاجر صاحب کی چٹھی لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ یہاں عید کا نقارہ پٹ گیا اور صبح عید کی عید مبارک۔ مجھے اس کی اطلاع پہونچی تو میرے پاس حضرت العلامۃ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کا فتوی موجود تھا، جو میں نے پہلے ہی منگا رکھا تھا، اس فتوی میں لکھا ہوا ہے کہ ”باہر سے خبر، یا تحریر لانے والے دو عادل مسلمان ہونے ضروری ہیں، خواہ وہ ہلال رمضان ہو، یا عیدین“۔ سو میں نے یہاں کے لوگوں کو مذکورہ فتوی کی بنا پر روکا، بعض نے افطار نہیں کیا اور دوسرے دن میرے ہمراہ عید منائی اور یہاں کی اکثریت نے بھی افطار کرلیا اور عید بھی منالی۔

اب سورت کی شہادت کا حاصل کیا ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

میں نے یہاں تین ثقہ اشخاص کو، جن میں دو عالم ایک متشرع مستور الحال ہیں، راند یر بھیجا؛ تا کہ ان کی شہادت پر عمل کیا جائے، یہ لوگ راندیر کے علما سے ملے، چناں چہ انہوں نے ان حضرات سے کہا اور تحریر بھی لکھ دی، جس پر مولوی عبد الرحیم صادق صاحب اور حافظ صالح کے جو وہاں کے ایک مسلم بزرگ ہیں، دستخط تھے۔

زبانی روئیداد یہ بیان کی کہ یہاں کہ شہر قاضی نے بھی نقارہِ پیٹ دیا تھا؛ مگر ہم ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس شہر سورت سے جن چاند دیکھنے والوں کے نام آئے ہیں، ان کے نام ہم کو دو اور اپنی موٹر بھی دو، ہم ابھی تحقیق کر کے آتے ہیں اور چناں چہ یہ حضرات سورت گئے اور نام بنام سب سے دریافت کرنا شروع کیا تو سب ہی نے کہا کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا، ہمارا نام کسی نے غلط اڑایا ہے۔

بہر حال یہ راندیر کے علما رات بارہ بجے سے تین بجے تک موٹر میں گھومے اور شہر کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ چھان مارا اور جن جن لوگوں کے نام لیے گئے، ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور بعض نے کہا کہ صاحب! ہم ٹھیک تو نہیں کہہ سکتے؛ مگر ایک سیکنڈ کے لیے کچھ سفیدی سی معلوم ہوگئی۔ اخیر میں ایک شخص ایسا ملا، جس نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا ہے اور شہر قاضی نے بھی دیکھا ہے، چناں چہ یہ حضرات سورت کے شہر قاضی کے پاس گئے، ان سے دریافت

کیا گیا کہ آپ نے کس شہادت کی بنا پر شہر میں عید کا اعلان کرایا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے کچھ لوگ دو چار لوگوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ آدمی اچھے ہیں، جھوٹ نہیں بولتے، ان لوگوں نے چاند دیکھا ہے، میں نے ان کے دستخط لے لیے اور عید کا نقارہ پٹوا ڈالا۔

(۱)　ان حضرات نے قاضی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام بھی لیتے ہیں کہ قاضی صاحب نے چاند دیکھا ہے، جواباً کہا کہ حاشاوکلا، وہ جھوٹے ہیں، میں نے ہرگز چاند نہیں دیکھا، صرف ان لوگوں کے کہنے سے نقارہ پٹوا ڈالا۔ ان حضرات نے کہا کہ یہ حضرات تو انکار کرتے ہیں کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا اور یہ دستخط بھی ہمارے نہیں ہیں۔ اس پر قاضی صاحب خاموش ہوگئے؛ مگر عید تو صبح کو قاضی صاحب کے حکم سے ہو ہی گئی، راندیر والوں نے نہیں کی۔

بہر حال جس شہر کی شہادت کی بنا پر یہاں کٹھور میں عید منائی گئی، اس شہادت کا یہ حشر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ سورت میں شرعاً عید درست ہوئی، یا نہیں؟ صرف ایک بالکل فاسق وفاجر لڑکے کے وہاں کے کسی تاجر کی تحقیق لانے پر صرف یہاں والوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کی دوگانہ ادا کر لی گئی، سوا گر جن لوگوں کو روزہ توڑنے سے پہلے میں نے روکا اور مسئلہ بتلایا، ایسے لوگوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کر لی تو آیا ان لوگوں پر روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں ہیں، یا نہیں؟ نیز وہ دوگانہ واجب الاعادہ ہے، یا نہیں؟ نیز جن لوگوں کو اس مسئلہ کا علم ہی نہیں ہوا اور اس غیر شرعی شہادت پر روزہ توڑ ڈالا اور عید منائی، ان کے قضا اور کفارہ اور اعادہ کا کیا حکم ہے؟

(۲)　پاکستان ریڈیو سے اعلان ہوا ہے کہ آئندہ رمضان اور عیدین کے موقع پر پاکستان ریڈیو سے ایک ثقہ عالم رؤیت ہلال کی اطلاع دے دیا کریں گے، جن کا نام پروگرام میں بتلایا جائے گا، سو اس اطلاع کی بنا پر تمام مسلمان عمل کر لیا کریں، اول تو ریڈیو کی اطلاع، پھر وہ بھی بولنے والا صرف ایک ہی، کم از کم دو بھی نہیں، اس خبر عمل کر کے صوم وافطار کا حکم دیا جا سکتا ہے؟

(۳)　یہاں قاضی شرعی تو کوئی ہے نہیں، صرف نکاح خواں اور فاتحہ خواں شخص کو یہاں عرفاً قاضی کہتے ہیں، جو علاوہ جاہل ہونے کے ان میں عدالت تو کجا مستور الحال ہونے کی بھی اہلیت نہیں، سو ایسی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر رؤیت، یا شہادت کی تحریر لانے کے باب میں کتاب القاضی الی القاضی کی تو گنجائش ہے نہیں تو جس مقام سے تحریر منگائی جاتی ہے، اس مقام کا بذریعہ تحریر خبر دینے والا شخص کس قماش کا ہونا چاہیے؟ نیز تنہا ایک ہی شخص کی تحریر اور دستخط دو عادل اور ثقہ آدمی لے کر، یا اس تحریر پر دو شخصوں کے دستخط ہونے چاہئیں، نیز تحریر کے شاہدین عادلین کا حضور اس محرر کے سامنے ضروری ہے، یا نہیں؟ نیز ان شاہدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ یہ تحریر فلاں فلاں حضرات نے ہمارے حضور میں لکھی ہے؟ امید کہ جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے؟

(مولوی محمد عبد الرحیم حوالدار بدات، محلہ کٹھور، ضلع سورت)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　سورت کی اس شہادت اور قاضی صاحب کی حالت اور کٹھور کی پبلک کے (باوجود منع کرنے کے) روزہ توڑنے اور عید منانے پر حسرت وافسوس ہے، اللہ پاک صلاحیت عطا فرمائیں اور احکام شرع پر عمل کی توفیق دیں، دیانات میں فاسق کی خبر معتبر نہیں۔(۱) شہادت کا درجہ خبر سے بڑھ کر ہے، وہ کیسے معتبر ہوگی۔ سورت کے قاضی صاحب کو جب تحقیق ہوگئی کہ چاند نہیں ہوا اور ان کے سامنے جو بیانات دیے گئے تھے، وہ غلط تھے تو ان کے ذمہ لازم تھا کہ فوراً اعلان کراتے کہ عید کے لیے جو نقارہ پٹوایا گیا ہے، وہ غلط ہے، اس نقارہ کی بنا پر کل ہرگز عید نہ کی جائے اور بھی جن لوگوں کو اس غلط بیانی کی اطلاع ہوئی، ان کو لازم تھا کہ وہ روزہ رکھتے اور عید کی نماز اس روز نہ پڑھتے اور جب وہاں ثبوتِ رؤیت نہیں ہوا تو اس روزہ کی قضا لازم ہے، دوگانہ عید کی نماز لازم نہیں، اعادہ بھی نہیں، روزہ کا کفارہ بھی لازم نہیں، کفارہ شبہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے۔

"لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفروا، كما في المنية، آه". (طحطاوی، ص: ۲۲۹)(۲)

(۲)　اگر حکومت رؤیت ہلال کا انتظام معتبر ومعتمد علما کے سپرد کرے کہ وہ باقاعدہ شہادت لیں، اس کے بعد حکومت کی طرف سے ذمہ دارانہ حیثیت سے کوئی عالم ریڈیو پر بطور اعلان نشر کردے اور اس امر کا پورا پورا انتظام ہو کہ کوئی دوسرا شخص اعلان نہ کرے اور بغیر شہادت شرعیہ کے اعلان نہ کیا جائے، غرض کسی قسم کی تلبیس نہ ہو تو اس علاقہ کے لوگوں کو بحیثیت اعلانِ حکومت اس اعلان کا اعتبار کرنا ہوگا، جیسے کہ دیگر اعلاناتِ حکومت بذریعۂ منادی کیے جاتے ہیں، جن کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو مسلمان اس علاقہ کے رہنے والے نہیں، وہ اس اعلان کے بھی پابند نہیں۔(۳)

اگر بذریعہ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم، یا مفتی، یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہادت شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدودِ ولایت تک معتبر ہے، حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں۔(۴)

(۳)　اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امورِ دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل

---

(۱)　ولا يقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۵٤٧/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(۲)　حاشيه الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح، ص: ٦٧٥، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء قديمی

(۳)　البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے۔ (آلات جدید کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی)

(۴)　احسن الفتاوی: ۴۲۱/۴، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید

کرتے ہیں تو ان کا تنہا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر ان کے حوالے کر دینا کافی ہے، وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے، تو اعتبار کر لیا کریں، (۱) اور اگر ان قاضی صاحب پر عام مسلمین کو اس قدر اعتماد نہیں تو تنہا کا لکھنا کافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال ۱۳۶۹ھ۔

الجواب: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال ۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۸۵-۸۹)

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی:

کراچی ۱۰/مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی نادانستہ غلطی سے کراچی کے باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے، بتایا گیا ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لیے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی؛ لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے، چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کر دیا ہے، جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہو گیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔

(اخبار روزنامہ سیاست کانپور، ۱۸/مارچ/۱۹۵۹ء۔ ۸/رمضان/۱۳۷۸ھ)

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

تار کا یہ حال ہے کہ روزانہ اس میں غلطی ہوتی ہے، ڈاکخانہ کے کہنہ مشق کچھ کا کچھ لکھتے ہیں اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں، چناں چہ ایک تار آیا ''کتابے دین'' ڈاکیہ تلاش کرتا پھرتا ہے، اس نام کا کوئی نہیں ملتا اور جس سے پڑھوایا سب نے یہی ''کتابے دین'' پڑھا، یہ ناس مارا گیا تھا ''قطب الدین'' کا۔

غرض ان آلات وایجادات پر خود ان کے استعمال کرنے والوں کا جس قدر اعتماد ہے، وہ سائل کے علم میں ہے، پھر ان کے مقابلے میں شرعی احکام واصول پر اس نوع کا کلام کرنا شرعی احکام سے بے خبری اور ان کی بے وقعتی ہے اور آلات مذکورہ کی صحیح حیثیت سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، اگر اصل حقیقت سے واقفیت ہو تو ایسے کلام کی جرأت نہ ہو سکے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۰۰-۱۰۱)

---

(۱) یجب أن یعلم أن کتاب القاضی إلی القاضی، صار حجة شرعا فی المعاملات بخلاف القیاس؛ لأن الکتاب قد یفتعل ویزوَّر والخط یشبه الخط، والخاتم یشبه الخاتم ولکن جعلناه حجة بالإجماع، ولکن إنما یقبله القاضی المکتوب إلیه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط: البینة حتیٰ أن القاضی المکتوب إلیه لایقبل کتاب القاضی ما لم یثبت بالبینة أنه کتاب. (الفتاویٰ الهندیة: ۳/۳۰۹، کتاب أدب القاضی، الباب الثالث والعشرون کتاب القاضی إلی القاضی،، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس)

مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا:

سوال: کیوں کہ متعدد خبریں غلط واقع ہوئی کہ ۲۹؍کو چاند ہوا اور یہ خبر کسی نے نہیں دی کہ چاند دیکھا، مشکوک خبر پر روزے افطار کیے گئے، لہٰذا اس روزہ کی قضا واجب ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ صحیح چاند ۳۰؍کا مانا گیا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

سہارنپور میں شرعی شہادت سے ۲۹؍کو عید کا چاند ثابت ہوا اور ۲۹؍روزے ہوئے، لہٰذا اس روزے کی قضا نہیں، دوسری جگہوں کا تفصیلی حال معلوم نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱؍۱۰؍۱۳۸۵ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰؍۱۰۵) ☆

☆ **ریڈیو کے ذریعہ رؤیت ہلال کا ثبوت:**

سوال: ہم لوگ مشرقی یوپی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلع صاف ہوتا ہے؛ مگر چاند نظر نہیں آتا، زمانہ کی ترقی اور ریڈیو کی ایجاد نے پوری دنیا کو ایک محلّہ بنادیا ہے، رؤیت ہلال نہ ہونے کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ کبھی پٹنہ، کبھی حیدرآباد، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور سے اطلاع آتی ہے کہ ان جگہوں میں کسی جگہ، یا تمام جگہوں میں چاند ہوگیا، وہاں کل عید ہے اور اطلاع یہ دی جاتی ہے کہ وہاں کے قاضی نے، یا وہاں کے جامع مسجد کے امام نے رؤیت ہلال کا اعلان کردیا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایسی اطلاع پر ہم لوگوں کا عید کرلینا جائز ہے، یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں جو روزہ رکھ لیتے ہیں، ان کا یہ فعل مستحسن ہے، یا غیر مناسب، مثلا: اسی سال راقم السطور نے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے سنا کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام صاحب نے اعلان کیا ہے کہ چاند کا ثبوت ہوچکا ہے، کل عید ہے، حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی نے چاند کی رؤیت تسلیم کرلی ہے اور کل عید ہے۔

ریڈیو کی ان خبروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آج کل ریڈیو کی خبروں پر بہت سے کام ہوتے ہیں، چاند کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا؛ لیکن فسادات انتخابات کے موقعوں پر ممبران کی کامیابی، یا ناکامی کی اطلاع، حکومت بننے کے بعد عہدوں کی تقسیم کا اعلان، کسی بڑے آدمی کے انتقال کی خبر اگر ریڈیو پر آجاتی ہے تو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے، پھر بھلا کسی کی جانب سے خصوصا مفتی اور قاضی کی طرف سے رؤیت ہلال کے ثبوت کا اعلان کیوں کر قابل تسلیم نہیں ہے؟

یا ایسا ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقہ کے لیے کسی علاقہ کی خبر نا قابل تسلیم ہے، مثلا: حجاز مقدس میں عید ہمیشہ یہاں سے پہلی ہوتی ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی علاقہ ایسا ہی ہو کہ اس میں عید یہاں سے پہلے ہی ہوتی ہو، اگر ایسا ہو تو اس کی نشاندہی کا آرزومند ہوں، ہم کم پڑھے لکھے لوگ تو بہشتی زیور (جو معتبر کتاب اور اہل دیوبند کے نزدیک قابل اعتبار ہے، نیز اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے تمام مسائل کو مدلل کردیا گیا ہے) دیکھتے ہیں، اس میں یہ ملتا ہے کہ 'ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر انتہائی مشرق کے رہنے والوں پر پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا''۔ (بہشتی زیور حصہ یازدہم) (بہشتی زیور، ص: ۱۸۹، حصہ یازدہم، تتمہ حصہ سوم، دارالإشاعت کراچی)

نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم صرف روزہ کے بارے میں ہے یا عید کے بارے میں بھی۔ حاشیہ پر عبارت ملتی ہے:

''واختلاف المطالع غیر معتبر علی ظاهر المذاهب، فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤیت أولئک بطریق موجب''. (الدر المختار) (الدر المختار: ۳۹۳/۲_۳۹۴، کتاب الصوم، سعید) (عالمگیری) (الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الباب الثاني في رؤیة الهلال: ۱۹۸/۱، رشیدیة)

==

== بہت سے معتبر علما کی رائے میری نگاہ سے ایسی بھی گزری کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی اطلاع ریڈیو پر آجائے کہ فلاں جگہ کے مفتی، یا قاضی، یا امام، یا رؤیت ہلال کمیٹی نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا ہے تو اس صورت میں اس کو تسلیم کر لینا چاہیے اور اس پر کار بند ہونا چاہیے؛ لیکن اگر یہاں کے صاحب علم اور اہل وجاہت اسے تسلیم نہ کریں تو میرے لیے روزہ رکھنا، یا افطار کر لینا شرعی حثیت سے جائز ہے، یا نہیں؟ امید ہے کہ جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مسائل دو قسم کے ہیں: ایک وہ کہ جن میں خبر معتبر بھی کافی ہے۔ دوم وہ کہ ان میں شہادت ضروری ہے۔ ریڈیو پر خبریں تو آپ سنتے اور معتبر مانتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ایسی خبروں کو معتبر مانا ہے؛ مگر کبھی یہ بھی دیکھا اور سنا ہے کہ کسی مجسٹریٹ نے کسی مقدمہ میں گواہی ریڈیو پر لے لی ہو اور اس پر فیصلہ کر دیا ہو، یا کسی قاضی نے مرد وعورت کا ایجاب وقبول ریڈیو پر کرا دیا ہو اور وہاں گواہ موجود نہ ہوں اور شرعا وہ نکاح معتبر مان لیا گیا ہو۔ علاوہ ازیں دو باتیں اور بھی غور طلب ہیں: ایک یہ کہ جب مطلع صاف ہو گیا، اس وقت بھی ایک دو آدمی کی خبر، یا گواہی کافی ہے، یا جم غفیر کی رؤیت ضروری ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جس مقام پر رؤیت ہو گئی ہے، وہاں سے خبر طریقِ موجب کے ساتھ پہنچنا ضرورتی ہے، جیسا کہ آپ نے عالمگیری کے حوالہ سے بہشتی زیور سے نقل کیا ہے۔

خبروں کا حال خاص کر ہنگاموں کے وقت مثلا: الیکشن اور جنگ وغیرہ کے وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہر فریق اپنے حریف کو شکست دینے کے لیے جو تدبیر مناسب سمجھتا ہے، اختیار کر لیتا ہے، پھر بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ فلاں فلاں خبر غلط تھی، اہل تدبیر وتجربہ شروع ہی سے بتلا دیتے ہیں کہ فلاں خبر غلط ہے، بعض دفعہ وہ بھی فریب میں آجاتے ہیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھ جاتے ہیں، یہ آئے دن کا حال ہے۔

پس کلیۃً یہ رائے قائم کر لینا کہ ریڈیو کی ہر خبر معتبر اور کافی ہے صحیح نہیں ہے۔ عید کے لیے خبر محض کافی نہیں؛ بلکہ شہادت ضروری ہے، یا خبر مستفیض ہو، (**وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد" ... وقبل: بلا علة جمع عظيم يقع العلم الشرعي بخبرهم.** (الدر المختار) "**والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الامام: إن وقع في قلبه صحة ما شهدوا به وكثرت الشهود، أمر بالصوم**". (**ردالمحتار، مبحث في صوم يوم الشك: ۳۸۶/۲-۳۸۸، سعيد**) اس کے شرائط شامی، بحر وغیرہ میں مذکور ہیں خبر، یا شہادت قبول کرنے کا محل بھی ذہن میں رکھیں، وہ ۲۹/ تاریخ ہے، اگر حجاز مقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں آکر گواہیں دیں کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے، جو کہ ہمارے حساب سے ۲۸/ تاریخ تھی تو ان کی گواہی سنی بھی نہیں جائے گی؛ کیوں کہ اس کے اعتبار سے ہمارا مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ مہینہ ۳۰/ کا ہوتا ہے، یا ۲۹/ کا (نہ ۲۸/ کا ہوتا ہے، نہ ۳۱/ کا) امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد آپ کے اشکالات کا جواب واضح ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۷۷-۸۰)

رؤیت ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے:

سوال: امسال ہندوستان میں ۲۹/ رمضان کو چاند نہیں دیکھا گیا، مگر ریڈیو پاکستان نے آٹھ بجے شب میں خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے، اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں، انہوں نے روزہ توڑا اور دوسروں سے بھی تڑوا دیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صرف ریڈیو پاکستان کی خبر، یا شہادت پر روزہ افطار کرنے والوں نے کیسا فعل کیا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، ان لوگوں کا فعل کیسا ہے؟ مولوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان مسلم حکومت ہے، وہ غلط خبر نہیں دے گی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

"صورت مسئولہ میں ریڈیو کی خبر کا شرعا کوئی اعتبار نہیں، پاکستانی ہو، یا ہندوستانی، یا عربی۔ جن مولوی صاحب نے پاکستان کی ==

== خبر پر روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے تڑوا دیا، انہوں نے سخت غلطی کی اور قضا لازم ہے،(لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانين أنه يوم العيد،فهو لغيره،لم يكفروا،كما في المنية.(رد المحتار،مطلب في جواز الإفطار بالتحري: ۴۰۷/۲، سعید) اور جن لوگوں نے پاکستان کی ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا شریعت کے حکم کے مطابق کیا۔

مفتی عبدالجبار الحنفی، مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ۲۵ رشوال المکرّم ۱۳۸۶ھ۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

''ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، اس پر جن لوگوں نے روزہ توڑا ان پر قضا کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگیا، جس میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں اور روزہ تڑوانے کی وجہ سے تمام روزہ توڑنے والوں کا گناہ بھی اس کے سر عائد ہوگا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا انہوں نے بالکل درست کیا۔ واللہ اعلم واحکم

حررہ ابوالقاسم محمد عتیق غفرلہ فرنگی محلی، ۴ر ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ۔

سوال: امسال بھی عید کے چاند میں بہت گڑبڑ ہوگئی، ابر کی وجہ سے ۲۹ رکا چاند نہیں دیکھا گیا؛ مگر آٹھ بجے رات کے بعد ریڈیو پاکستان (بمبئی واحمد آباد) حیدرآباد سے چاند کی خبر ملی، وہاں کے مولوی صاحب نے آپ کے فتویٰ کے پیش نظر ریڈیو پاکستان کی خبر مانتے ہوئے چاند کا اعلان کردیا اور جمعرات کو نماز عید ادا کی، ہمارے پاس تین جگہ کے فتاویٰ موجود ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہے کہ کس کو مانا جائے، بلیا کے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک الگ حکومت ہے، وہاں کی خبر، یا شہادت ہمارے لیے معتبر نہیں اور ہندوستان میں کوئی وزیر قاضی اعلان کرتا ہی نہیں؛ اس لیے یہاں کی بھی خبر معتبر نہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

دارالعلوم کے فتوی محررہ ۸۶/۳/۲۷ میں شروع ہی میں بتادیا گیا ہے کہ آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ تو اس سے روزہ توڑنا درست نہیں اور فرنگی محل لکھنؤ اور مفتاح العلوم مئو کے فتاوی منقولہ کی بنیاد بھی یہی چیز ہے، اس لیے اتنی بات میں ہر سہ فتاویٰ متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں، البتہ دارالعلوم کے فتوے میں ایک دوسرے شق بھی مذکور ہے، جس سے ریڈیو کی خبر محض خبر کے درجہ سے نکل کر ذمہ دارانہ اعلان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اس کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور بعض جگہ کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ'' پاکستان کی خبر، یا شہادت ہمارے لیے معتبر نہیں'' یہ تو بالکل بے بنیاد ہے، اگر ۲۹ رکو مطلع صاف نہ ہو اور دو مقبول الشہادۃ مرد آکر گواہی بھی دیں تو ان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد کردینا کہ یہ الگ حکومت کے آدمی ہیں، ہرگز صحیح نہیں، اختلافِ دارین کو فقہائے نے موانعِ ارث میں تو شمار کیا ہے، وہ بھی بحق اہل اسلام نہیں؛ مگر قبول شہادت کے موانع میں شمار نہیں کیا، لاہور اور امرتسر دو شہر قریب ہیں، مطلع بھی متحد ہی ہے، اگر ایک جگہ رؤیت ہوجائے اور چاند دیکھ کر دوسری جگہ شرعی شہادت پہنچ جائے تو یقیناً قبول ہوگی، اگر اختلاف مطالع کی بحث کو نہ لایا جائے تو فقہا کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مغرب کی رؤیت سے اہل مشرق پر بھی یہی حکم لازم ہوجائے گا، جب کہ رؤیت بطریق موجب ثابت ہوجائے۔

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب،آه". (الدر المختار)

"(قوله:بطريق موجب) كأن يتحمل إثنان الشهادة،أويشهد على حكم القاضي،أويستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛لأنه حكاية، اه". (ردالمحتار)(ردالمحتار على الدر المختار،مطلب في اختلاف المطالع: ۳۹۴/۲،سعيد)

مشرق ومغرب سب جگہ ایک حکومت اس وقت بھی نہیں تھی جب یہ مسئلہ فقہائے نے تحریر فرمایا تھا۔ بلیا کے علمائے کرام کے قولِ مذکور کا ماخذ ان سے دریافت کرکے ہم کو بھی مطلع فرمائیں تو احسان ہوگا اور مزید غور کا موقع ملے گا۔ رویت ہلال پر علامہ شامی کا مستقل رسالہ ہے جس میں مفصل بحث ہے۔(تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان،من مجموعة رسائل ابن عابدين: ۲۳۲/۱،سهيل أكادمي لاهور) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۹/۱۰/۲۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۹۸-۱۰۰)

ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر:

سوال: رؤیت ہلال کے لیے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لے کر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟ بمبئی میں جب چاند ہو گیا تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

عید کے چاند کے لیے یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے، (۱) خبر محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی، نہ تار کی، نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے، وہ بھی کافی نہیں، (۲) البتہ اگر رؤیت ہلال کمیٹی، یا قاضیٔ شرعی با قاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کر کے اعلان کرے، یا کرائے کہ شرعی شہادت

---

(۱) وشرط للفطر بلاعلة جمع عظيم يقع العلم الشرعی بخبرهم، وهو مفوض إلیٰ رأی الإمام من غير تقدير بعدد علی المذهب، و عن الإمام أنه يكتفی بشاهدين. (الدر المختار)

"وينبغی العمل علیٰ هٰذه الرواية فی زماننا؛ لأن الشک تكاسلت عن ترائی الأهلة". (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۸۷/۲-۳۸۸، سعيد)

(۲) يجب أن يعلم أن كتاب القاضی إلی القاضی صار حجة شرعاً فی المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالاجماع، ولكن إنما يقبله القاضی المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط؛ البينة، حتیٰ أن القاضی المكتوب لايقبل كتاب القاضی ما لم يثبت بالبينة أنه كتابه، إلخ. (الفتاویٰ الهندية، كتاب أدب القاضی، الفصل الثالث والعشرون فی كتاب القاضی إلی القاضی: ۳۸۱/۳، رشيدية)

وفی التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذا النغمة تشبه النغمة" (تبيين الحقائق: ۱٦٠/۵، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت)

"إلا إذا كان فی الداخل وحده، وعلم الشاهد أنه ليسا فيها غيره، ثم جلس علی المسلک، وليس له المسلک غيره، فسمع اقراره الداخل ولايراه؛ لأنه يحصل به العلم" (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

"وينبغی للقاضی إذا فسر له أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يری شخصها وقت الاقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده إثنان أنها فلا نة بنت فلان بن فلان، لايجوز لم سمع اقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآی شحصها حال ما أقرت، فحينئذٍ يجوز أن يشهد علیٰ إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها، آه." (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربی بيروت)

"كان يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد علیٰ حكم القاضی أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اه". (رد المحتار علی الدر المختار: ۳۹٤/۲، كتاب الصوم، قبيل با ب مايفسد الصوم، سعيد)

سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے؛ اس لیے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان شرعاً معتبر ہوگا۔(۱) گواہوں کے لیے شرط یکساں ہیں، خواہ سو دو سو میل کے فاصلے سے آکر گواہی دیں، یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دو معتبر آدمیوں کے ذریعہ سے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔ بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سو دو سو میل کے فاصلہ پر جا کر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۱۳۸۵ھ

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۸۴-۸۵)

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ:

سوال: گزارش یہ ہے کہ آپ حضرات نے آج تک رؤیت ہلال کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں فرمایا اور احکام رمضان المبارک جو دارالعلوم سے شائع ہوا ہے، اس میں بھی آپ نے یہی لکھا ہے کہ اس کے مستند اور غیر مستند ہونے کے متعلق علما سے معلوم کرلیا جائے۔ اگر آپ ریڈیو کو لے کر دیتے ہیں کہ خبر فلاں شکل میں معتبر ہوگی تو ہم لوگوں کو آسانی ہو جائے گی۔ امام صاحب دہلی نے گزشتہ عید الفطر کے موقع پر اعلان کر کے ہر جگہ روزہ کو افطار کرا کر عید دوسرے دن منائی۔ اس مرتبہ بھی وہ جمعہ کے روزہ کا اعلان کر چکے ہیں اور جا بجا عمل اس پر ہو رہا ہے اور ہر جگہ روزہ جمعہ و ہفتہ کا ہوا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی سعود صاحب بہ اجازت حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ علیہ اور سید عبدالقادر فرنگی محل لکھنؤ، مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی وغیرہ ان سب حضرات نے اس کو غیر معتبر فرمایا ہے اور آپ نے صرف خبر مستفیض کی بحث چھیڑ دی۔ ہندوستان میں بنگلور اور پٹنہ کی روایت کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچتی ہے اور پاکستان میں ہمیشہ چاند ۲۹/کا ہوتا ہے، وہ لوگ بذریعۂ ہوائی جہام اور دوربین تلاش کر لیتے ہیں، پھر بھی ان میں اختلاف رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۲۱/دسمبر اور اور ۲۹/شعبان اور ۳۰/شعبان پاکستان بروز سنیچر اگر مطلع ابر آلود ہوا اور چاند نہ دیکھا گیا ہمارے قرب وجوار میں اور ریڈیو میں یوپی سے اطلاع ملے تو اس ریڈیو کی خبر پر ہم لوگ عید کریں، یا نہ

---

(۱) والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبةٌ للعمل كما صرحوا به". (رد المحتار: ۳۸۶/۲، بحث فی صوم یوم الشک، سعید)

"البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف فیصلہ نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: "آلات جدیدہ کے شرعی احکام"، ص: ۱۷۷، و احسن الفتاوی: ۴/۴۲۱۸

کریں؟ ریڈیو کی اور چاند کی خبر کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں اختلاف کا ہونا قدرت کی طرف سے ہے، وہ یہ کہ چاند ہمیشہ ۲۹ر کو نظر نہیں آتا؛ بلکہ ۳۰ر تاریخ کو نظر آتا ہے، مطلع ہمیشہ صاف نہیں رہتا، کبھی ابر آلود رہتا ہے، ہر شخص کی نظر صاف نہیں دیکھ سکتی، اختلاف تو ہمیشہ سے چل رہا ہے، البتہ اس کو خلاف قرار دینا جو کہ نتیجہ ہے عناد کا، جس کا ثمرہ فساد ہے، شرعاً وعقلاً ہر طرح سخت مذموم اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والے خبروں کے متعلق تفصیل سے کلام کیا اور اس کو شائع کیا ہے کہ کس صورت میں ایسی چیزیں معتبر ہوں گی، کس صورت میں معتبر نہیں ہوگی، (۱) یہاں سے بھی چند شرائط کے ساتھ معتبر ہونے کو لکھا جاتا ہے، نہ یہ بات ہے کہ ہر حال میں ان کو معتبر مانا جائے، نہ یہ ہے کہ کسی حال میں معتبر نہ مانا جائے، جیسے کہ بغیر ریڈیو کی خبر نہ معتبر ہوتی ہے، نہ غیر معتبر ہوتی ہے۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دہلی سے اس کی تفصیل عرصہ ہوا شائع کردی ہے۔

ہمارے پاس امسال معتبر آدمیوں نے خود اپنا دیکھنا اور جمعہ کو روزہ رکھنا بیان کیا ہے، ان کے بیان کو یہاں معتبر تسلیم کیا گیا اور اعلان کردیا گیا کہ جمعہ کو پہلا روزہ ہے جن لوگوں نے رکھ لیا ہے، وہ بری ہو گئے، جنہوں نے نہیں رکھا، وہ بعد عید ایک روزہ کی قضا کریں۔ دہلی، بجنور وغیرہ متعدد مقامات پر ۲۹ر کی رؤیت ہوئی ہے، اب کوئی تردد نہیں رہا۔ آئندہ روزہ کا حکم اسی پر مرتب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۱-۱۰۳) ☆

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ادارۃ المعارف کراچی

☆ **ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا:**

سوال: امسال بلیا میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا، ہندوستان اور پاکستان کے تمام ریڈیو سے ۲۹ر رمضان کو خبر دی کہ کہیں چاند نہیں؛ لیکن ۱۲ر بجے رات کے پاکستان ریڈیو اور بمبئی ریڈیو نے خبر دی کہ ۲۹ر کا چاند ہو گیا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس میں ایک مولوی صاحب نے بھی ہیں انہوں نے بھی روزہ توڑ دیا؛ لیکن عید کی نماز دوشنبہ کو پڑھائی، حالاں کہ نماز کا وقت تھا؛ اس لیے کہ سحری کے وقت تک خبر معلوم ہو چکی تھی اور شہر بلیا اور اس کے قرب وجوار کے تمام لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا۔ اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور نماز عید نہیں پڑھی، حالاں کہ وقت تھا۔ ان لوگوں نے کیسا فعل کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا ان کا فعل کیسا ہے جب کہ عینی شہادت مفقود تھی؟ (حشمت اللہ پرمنداپور، بلیا)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

آج کل عامہ ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہو گیا، یا فلاں جگہ عید ہے، نہ یہ خبر کہ چاند کس نے دیکھا ہے، ایک دو نے، یا زائد نے، مطلع صاف تھا، یا نہیں؟ چاند دیکھنے والے مقبول الشہادۃ ہیں، یا نہیں؟ رؤیت ہلال کمیٹی نے شہادت قبول کرکے اعلان کیا ہے، یا ویسے ہی یہ اعلان حکومت مسلم کی طرف سے ہے؟ یا محض ریڈیو کے منتظمین کی طرف سے وغیرہ وغیرہ تو ایسی خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں، ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعہ چاند (شرط للفطر مع العدالۃ نصاب الشہادۃ ولفظ أشهد". (الدر المختار علیٰ تنویر الأبصار: ۳۸۶/۲، کتاب الصوم، سعید) ==

ریڈیو کی خبر، شہادت:

سوال: ریڈیو پر اگر چاند کی خبر آوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

یہ خبر حجت ملزمہ اور شہادتِ شرعیہ نہیں، لہٰذا دیانات میں مقبول نہیں، کیوں مخبر حاضر نہیں؛ بلکہ غائب ہے اور پس پردہ سے بات کرتا ہے، جس سے وقتِ اخبار نہ اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ صفات کی؛ تا کہ عادل (مقبول

== (الشهادة) فهو إخبار صدق الاثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء. (الفتاویٰ الهندية: ۴۵۰/۳، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيدية)

لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة. (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

"والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم، بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادة في ليلة الشك الا لثبوت رمضان". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ: "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد". (الدر المختار) "(وقوله: مع العلة): أي من غيم وغبار ودخان. (قوله: لتعلق نفع العبد) علة لاشتراط ما ذكر في الشهادة علىٰ هلال الفطر بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر دينيٌّ فلم يشترط فيه ذلك، أما الفطر فهو نفع ديني للعباد فأشبه سائر حقوقهم، فيشتطر فيه ما يشترط فيها". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۸۶/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

"الشهادة هي أخبار صدق لاثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي". (الدرالمختار) (۴۶۱/۵، كتاب الشهادات، سعيد) (قوله: في مجلس القاضي) خرج به أخباره في غيره مجلس، فلا يعتبر". (طحطاوي) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الشهادات: ۲۲۷/۳، درالمعرفة بيروت)

البتہ جس شہر میں قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو شہر کے قاضی، یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷) اگر وہ اعلان ریڈیو پر اس طرح ہو کہ فلاں جگہ شرعی شہادت کے ذریعہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی (جس کے ذمہ دار مسائلِ شرعی سے واقف اور مقبول الشہادۃ آدمی ہیں) یا حکومتِ مسلم (قاضی، یا وزیر وغیرہ) کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ خبر معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مستقل رسالہ میں بیان فرمائی ہے۔ (حوالہ سابق) اگر عید کے چاند کا ثبوت و اعلان ایسے وقت ہو جائے کہ نماز روزہ والوں کو خبر پہنچ جائے اور وہ نماز عید وقت پر (زوال سے پہلے) ادا کر سکیں تو آئندہ روز کے لیے بغیر کسی شرعی مجبوری (بارش شدید وغیرہ) کے نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں، (الدر المختار مع رد المحتار: ۱۷۶/۲، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لايبقى بعد موته، سعيد) آپ اپنے یہاں کے حالات کو اس مسئلہ کی روشنی میں خود سمجھ لیں اور مولوی صاحب سے دریافت کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۳/۱۰-۱۰۴)

الشہادۃ) اور فاسق (مردود الشہادۃ) ہونا متعین ہو جائے، محض آواز سے پہچاننا شرعا معتبر نہیں "لأن النغمة تشبه النغمة". ریڈیو پر جو شخص بولتا ہے اگر دو عادل شخص اس کے متعلق شہادت دیں کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان دو شاہدوں کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے کسی ثالث کو شہادت دینا کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے جائز نہیں اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، ریڈیو پر اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے اور دو شاہد اس کو سنتے ہوں تو ان کی شہادت سے نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

"ولا يشهد علٰى محجب بسماعه منه إلا إذا تبين القائل بأن لم يكن فى البيت غيره، لكن لو فسر لاتقبل. در أويرى شخصها: أن القائلة مع شهادة إثنين بأنها فلانة بنت فلان ابن فلان، آه". (الدر المختار) "(قوله: فسر): أى بأنه شاهد على المحجب. (قوله: شخصها) فى المتلفظ: إذا سمع صوت المرأة ولم ير شخصها، فشهد إثنان عنده أنها فلانة، لايحل له أن يشهد عليه، وإن رأ شخصها وأقرت عنده فشهد أنها فلانة، حل له أن يشهد عليها، بحر، آه". (شامی)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۳۶۶/۲/۲۷ھ۔ صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳۶۶/۲/۲۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۰۹-۱۱۰) ☆

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار: ٥/ ٤٤٨، كتاب الشهادات، سعيد

☆ **ریڈیو کے ذریعہ شہادت:**

سوال: عید کا چاند، یا کسی اور مہینہ کا چاند دکھائی نہ دے اور پاکستان، بمبئی سے ریڈیو سے اگر خبر ملے تو اس کی خبر معتبر ہوگی، یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں روزہ توڑنا مناسب ہے، یا نہیں؟ حالاں کہ اکثر کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو کی خبر معتبر نہیں۔ ہاں اگر اعلان کرنے والے کی آواز پہچان لی جائے تو معتبر ہے، نیز یہ کہ اگر چاند کے متعلق ریڈیو سے یہ اعلان کیا جائے کہ بمبئی سے جمعیۃ العلماء اور دہلی سے فلاں جماعت نے اعلان کیا ہے کہ چاند کی تصدیق ہوگئی ہے اور اس پر عمل کیا جائے تو عام مسلمانوں کو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگر کوئی شخص چاند دیکھ کر ریڈیو پر خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس کی یہ خبر شہادتِ شرعیہ نہیں، اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا؛ بلکہ اس کو لغو کہا جائے گا۔ (لوسمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق: ٥/ ١٦٠، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت) اگر رویت ہلال کمیٹی جس میں ذی علم اور قابل اعتماد لوگ ہوں، باقاعدہ چاند کی شہادت حاصل کر کے اعلان کریں، یا کرائیں کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو اعلان شرعا معتبر ہوگا، (والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجة موجبةٌ للعمل كما مر جوابه. (رد المحتار: ٢/ ٣٨٦، بحث فى صوم يوم الشك، سعيد) "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ) لیکن عوام کو چاہیے کہ اس اعلان پر اپنے یہاں کے اہل علم حضرات کی طرف رجوع کریں اور وہ اس کو معتبر مانتے ہوئے روزہ افطار کرنے اور نماز عید ادا کرنے کا حکم دیدیں، یہی احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۲۴ھ۔ الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۲۴ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۰۶-۱۰۷)

بذریعہ ہوائی جہاز رویت ہلال کا حکم:

سوال (۱) ہوائی جہاز میں اڑ کر جمعہ کو یعنی سنیچر کی شب انتیسواں چاند کراچی میں دیکھا گیا اور روزے رکھے گئے۔

(۲) کراچی پاکستانی ریڈیو نے ہلال رمضان اور عیدین کے مواقع پر یہ انتظام کیا ہے کہ ایک معتبر اور ثقہ عالم ریڈیو سے اطلاع نشر کریں گے، اس اطلاع پر عام مسلمان عمل کریں، اس معاملہ کی تحقیق اور اس کی شرعی حیثیت مطلوب ہے؟

الجواب

مسئلہ کی تحقیق سے پہلے یہ عرض ہے کہ دو اطلاعیں جن کا ذکر خط میں فرمایا ہے دونوں ابہام کی وجہ سے آپ حضرات کو مغالطہ ہوا حقیقت حال یہ ہے کہ:

امسال یعنی رمضان ۱۳۷۰ ہجری میں ہلال رمضان کا وقت چند علما وغیرہ نے ہوائی جہاز پر آ کر چاند دیکھا؛ لیکن یہ معاملہ علما کے کسی متفقہ فیصلہ سے نہیں؛ بلکہ نجی طور پر بعض لوگوں نے ایسا کیا پچھلے سال بھی ایک کمیٹی میں اس کا ارادہ ظاہر کیا گیا تھا، جس میں احقر اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بھی شریک تھے، اس وقت اس کو رد کر دیا گیا تھا۔

(۲) یہ خبر بھی صحیح نہیں کہ ریڈیو پاکستان میں کوئی قابل اطمینان انتظام ہوگیا ہے کہ اس پر ہلال کا جو اعلان ہوگا، وہ کوئی مستند عالم قواعد شرعیہ کے موافق کریں گے؛ بلکہ اسی سال اس کے خلاف یہ واقع پیش آیا کہ چاند دیکھنے والے ہواباز بھی فرش زمین پر آئے بھی نہ تھے کہ وہیں سے بذریعہ وائرلیس ریڈیو اسٹیشن کو اطلاع دے دی، ریڈیو نے اعلان کر دیا۔ علما کی مجلس میں شہادتیں گزر کر فیصلہ اس کے بعد ہوا، اس کے بعد اصل مسئلہ کے متعلق عرض ہے۔

(امداد المفتین: ۴۰۶/۲)

چاند دیکھنے کے لیے ہوائی جہاز میں پرواز:

سوال: چاند دیکھنے کے لئے ہوائی جہاز میں پرواز کرنے کا اہتمام کئی وجہ سے مناسب نہیں۔ اول تو ایک قسم کا غلو ہے، جس کی نظیر عہد رسالت اور قرون خیر میں نہیں ملتی، یہ کہنا کہ اس وقت ہوائی جہاز نہ تھے؛ مگر مکہ مکرمہ صفا اور مروہ اور جبل ابی قبیس جیسے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اس طرح مدینہ طیبہ کے قرب وجوار میں متعدد پہاڑیاں ہیں، اگر چاند دیکھنے کے لیے اتنی بلند پرواز کوئی اسلامی خدمت، یا شرعی ضرورت ہوتی تو یقین تھا کہ صحابہ کرام کی جماعتیں اس کام کے لیے پہاڑوں پر جایا کرتیں اور اس کی بے شمار روایتیں حدیث کی ذخیرہ میں موجود ہوتیں؛ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس اہتمام کی ایک نظیر بھی قرون مشہود لہا بالخیر میں نظر سے نہیں گزری؛ اس لیے بقول سعدی "ولیکن میفزائے بر مقتضی" کو پیش نظر رکھ کر ہو افق والوں کو اپنے ہی افق کی سطح پر چاند دیکھنے کا اہتمام کرنا چاہیے، چاند نظر آ جائے، اس کے مقتضی پر عمل کریں نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم قرار دیں، علاوہ ازیں ہوائی جہاز کے ذریعہ رویت ہلال کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ ہوائی جہاز اتنی بلندی پر پہنچ گیا ہو، جہاں مطلع بدل جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ دوسرے مطالع کا چاند تو مغربی جانب میں رویت ہلال

میں اختلاف مطالع معتبر ہے، یا نہیں؟ یہ مسئلہ ائمہ فقہا میں مختلف فیہ رہا ہے، خود حنفیہ کی روایتیں مختلف اور فقہا کے فتاوی اس بات میں مختلف ہیں تو یہ رؤیت ہلال بلا وجہ مسلمانوں میں اختلاف واضطراب پیدا کرنے کا موجب ہوگی۔

اب ایک سوال رہ جاتا ہے کہ فرض کر لیجئے کہ ہوائی جہاز پر چاند دیکھنے کے اہتمام سے نہیں؛ بلکہ اتفاقی طور سے ہوائی سفر کرنے والوں نے اوپر چاند دیکھ کر مجلس علما، یا قاضی کے سامنے شہادت دی تو اس کی کیا حیثیت ہوگی۔

سو جیسا اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے اور خود فقہاء حنفیہ میں بھی متون حنفیہ میں اگرچہ ''**لا عبر ہ باختلاف المطالع**'' کے الفاظ موجود ہیں؛ لیکن محققین حنفیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ بلاد بعیدہ جن میں اختلاف مطالع واقع ہوسکتا ہے، ان میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا چاہیے۔ فقہاء عراقین حنفیہ اسی طرف گئے ہیں، آخر میں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے بھی فتویٰ میں اس کو اختیار فرمایا ہے کہ قدیم زمانہ میں تو یہ مسئلہ ایک فرضی صورت بن کر رہ جاتا تھا؛ کیوں کہ ایسے بلاد بعیدہ جن میں اختلاف مطالع واقع ہو سکے، وہاں سے شرعی شہادت کا اس جگہ بہم پہنچنا ذرائع نہ ہونے کے سبب متصور نہیں تھا اور آج تو یہ روزمرہ کا معاملہ ہے کہ ہزاروں میل آدمی چند گھنٹے میں کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے؛ اس لیے اس پر گہری نظر ڈالنے اور غور کرنے کی ضرورت ہے۔

صحیح مسلم، **باب بیان إن لکل أھل بلدۃ رؤیتھم** میں حضرت کریبؓ کا ملک شام سے رمضان کا چاند شب جمعہ میں دیکھ کر مدینہ واپس آنا اور حضرت عبد اللہ بن عباس کے سامنے شہادت دینا یہ بیان کرنا منقول ہے کہ امیر شام حضرت معاویہؓ اور عام مسلمانوں نے جمعہ کا پہلا روزہ رکھا ہے، جس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ اس پر حضرت کریبؓ نے عرض کیا کہ آپ کے لئے حضرت معاویہ کی رویت اور ان کا فیصلہ کافی نہیں، ابن عباسؓ نے فرمایا: ''**لا ھٰکذا أمرنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم**''. (۱) اس حدیث سے بعض علماء نے یہ قرار دیا ہے کہ ہر بلاد کے لوگوں کو اپنی رؤیت پر عمل کرنا چاہیے؛ اس لیے محققین فقہا نے بشہادت واقعات اس کو بلاد بعیدہ کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جن میں اختلاف مطالع واقع ہوسکتا ہے اور صحیح بخاری کی روایت ''**صوموا لرؤیتہ وأفطروا لرؤیتہ**'' کا متبادر مفہوم بھی یہی قرار دیا ہے؛ اس لیے محققین حنفیہ کے نزدیک بھی یہی مختار ہے اور صاحب بدائع نے تو دوسرا قول نقل کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، صرف اسی کو بہ الفاظ ذیل لکھا ہے:

ھٰذا البلدین حکم الآخر؛ لأن مطالع البلاد عند المسافۃ الفاحشۃ تختلف فیعتبر فی أھل کل بلد مطالع بلادھم دون البلد الآخر، آہ. (بدائع الصنائع: ۸۳/۲)

اور یہی مضمون حضرت شاہ ولی اللہ نے شرح موطأ میں تحریر فرمایا ہے، بنا علیہ جو شہادت بذریعہ ہوائی جہاز ایسے بلاد بعیدہ سے، یا اتنی بلندی سے آئے جہاں اختلاف مطالع ہوسکتا ہے، وہ شہادت اس جگہ کے لیے قابل قبول ہی نہیں۔ سبحانہ تعالیٰ اعلم

(امداد المفتین: ۴۰۷/۲) ☆

---

(۱) ترجمہ: نہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔

==

ٹیلی گراف، خط کی خبر اور خبر مستفیض کی تحقیق: ☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ما قولكم (متع اللّٰه المسلمين بعلومكم) في اختلاف جرىٰ بين علمائنا في هلال رمضان والفطر حين غم أنه إذا ورد في بلدة تلغراف زائد على الخمسة إلى العشرة من بلدة أو بلاد متباينة مختلفة المطالع ومتفقتها علىٰ رجل أو رجال مكتوب فيه رأينا أو روى عندنا الهلال أو ذكر فيه كلمة علىٰ حسب اصطلاح وقع بين الطرفين بأنه إذا نرىٰ الهلال نذكر كلمة مثلا بغداد ليامن من التخليط والتغيير والإشتباه فمنهم من يقول بالتعويل علىٰ هٰذا الخبر مستدلا أنه خبر مستفيض والخبر المستفيض يعول عليه في أمر الهلال فقد ذكر في الدر المختار: نعم لو استفاض الخبر في البلدة لزمهم على الصحيح من المذهب. (۱)

== **غائبانہ خبروں سے اور ہوائی جہاز میں اڑ کر رویتِ ہلال کا شرعی حکم:**

سوال (۱) بعد سوال مسنون عرض ایں کہ ہمارے یہاں (بوتسوانہ) میں ۲۹ر شعبان اور ۲۹ر رمضان کو رؤیت نہ ہوسکی؛ نیز ہمارے پڑوسی ممالک مثلاً جنوبی افریقہ، زامبیا، زمبابوے وغیرہ میں بھی رؤیت نہ ہوئی؛ البتہ ملاوی جو ہمارے ملک سے تقریباً ہزار سے ڈیڑھ ہزار میل دور ہے، وہاں رؤیت ہوئی اور ہمیں معتبر ذریعہ سے خبر ملی تو ہم ملاوی کی خبر سے عید الفطر کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس سے مطلع فرمائیں۔

(۲) ہوائی جہاز کے ذریعہ فضا میں جا کر رمضان اور عید کے چاند کو تلاش کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۳) زمین پر رویت نہ ہوسکی؛ البتہ دو معتبر حضرات نے ہوائی جہاز کے ذریعہ فضا میں جا کر رویت کی تو اس رویت کی وجہ سے عید اور رمضان کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ اس سے مطلع فرمائیں۔

(۴) مطلع ہمارے یہاں صاف تھا اور رویت نہ ہوسکی تو ہم رویت کے سلسلے میں دوسرے شہروں اور ملکوں میں تحقیق کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقر عید یا کسی دوسرے مہینہ کے لیے ثبوتِ ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہوسکتا اور شہادت کے لیے حاضر ہونا لازمی ہے، غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہوسکتی، خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی خط وغیرہ ہوں، یا جدید طرز کے ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ۔ (رویتِ ہلال، ص: ۵۰، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اس لیے محض ملاوی کی خبر پر آپ حضرات کے لیے عید الفطر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۲،۳) رویتِ ہلال کے لیے شریعتِ مطہرہ نے جس طریقہ کی نشان دہی فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز میں اڑ کر چاند تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس قسم کا اہتمام شرعاً مطلوب نہیں، اس کے باوجود اگر کچھ لوگوں نے اس طرح چاند دیکھ کر اگر اس کی شہادت دی، تو شریعتِ مطہرہ کے مقرر فرمودہ ضابطۂ شہادت اور ثبوتِ رویت کے قانون کا لحاظ کرتے ہوئے اس شہادت پر عمل ہوسکتا ہے۔ (ماخوذ از قدیم نظام الفتاویٰ: ۱/۲۲۸-۲۲۹)

(۴) یہ طریقہ بھی شرعاً مطلوب نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۱۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر شوال المکرّم ۱۴۰۸ھ۔ (محمود الفتاوی: ۴/۲۴۸)

☆ منقول از رسالہ البیان الکافی مرتبہ مولانا حکیم ابراہیم راندیری، مطبوعہ ۱۳۳۶ھ

(۱) كتاب الصوم: ۲/ ۳۹۰، طبع: سعيد

وقال ابن عابدين فى حاشيته ناقلاً عن شمس الأئمة الحلوانى:الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبرإذا استفاض وتحقق فيما بين أهل البلدة الأخرىٰ يلزمهم حكم هٰذه البلدة.(۱)

علىٰ أنه قد تعارف بين الناس التعويل عليه فى معاملا تهم حتىٰ فى الموت والولادة وأمثالهما من الأمورالمهمة وهٰذا يدل علىٰ أنه يفيد غلبة الظن لا سيما إذا كان متعددا وغلبة الظن موجبة للعمل وخالفهم آخرون وقالوا:لايعول علىٰ هٰذا الخبرمع تسليم استفاضته وشيوعه بوجوه ما:

(أولاً) فلأنه يشرط فى الخبرالمستفيض الإسلام لأن أهل الأصول عدوه فى الأخبار الآحاد والخبرالواحد لايقبل إلا بنقل عدل والعدل مأخوذ فى تعريفه الإسلام كما لايخفى.

قال ابن عابدين فى رد المحتار:وفى عدم اشتراط الإسلام نظر؛لأنه ليس المراد هنا بالجمع العظيم ما يبلغ مبلغ التواترالموجب للعلم القطعى حتىٰ لايشترط له ذلك بل ما يوجب غلبة الظن كما يأتى وعدم اشتراط الإسلام له لابد له من نقل صريح،انتهى.(۲)

وخبرالتلغراف إنما يتلقاه من مخبره من هوقائم بدق السلك ونقره فيخبربه من كان فى الجانب الآخربنقراته فيستنبط منها هٰذا الخبرويكتبه ويؤديه إلىٰ من ضرب له التلغراف وهؤلاء غالبهم من المخالفين لملة الإسلام.

(وثانياً) فلأن الخبرالمستفيض إنما يكون حجة لكونه نقلاً عن قضاء القاضى وحكمه كما قال ابن عابدين فى حاشيته على الدر:

إن هٰذه الاستفاضة ليس فيها شهادة علىٰ قضاء قاض ولاعلىٰ شهادة لكن لما كانت بمنزلة الخبرالمتواتروقد ثبت بها أن أهل تلك البلدة صاموا يوم كذا لزم العمل بها؛لأن البلدة لا تخلو عن حاكم شرعى عادةً فلا بد من أن يكون صومهم مبنياً علىٰ حكم حاكمهم الشرعى فكانت تلك الاستفاضة بمعنى نقل الحكم المذكور،انتهى.(۳)

ولا يخفى عليك أن هٰذه البلاد ليس فيها حاكم شرعى ولا قاض فلايكون الحكم المستفاد من التلغراف نقلاً عن قضاء القاضى وحكمه بل إنما هوحكاية عن الرؤية والاعتماد عليها لايجوزكما فى الدر:لا لوشهدوا برؤية غيرهم لأنه حكاية.(۴)

قال ابن عابدين: فإنهم لم يشهدوا بالرؤية ولا على شهادة غيرهم وإنما حكوا روية غيرهم كذا فى فتح القدير،قلت:وكذا لوشهدوا برؤية غيرهم وإن قاضى تلك المصرأمرالناس بصوم رمضان؛لأنه حكاية الفعل القاضى أيضاً وليس بحجة بخلاف قضائه.(۱)

---

(۱) كتاب الصوم:۳۹۰/۲، طبع سعيد

(۲) رد المحتار،كتاب الصوم:۳۸۸/۲، طبع سعيد

(۳-۴) رد المحتار،كتاب الصوم:۳۹۰/۲، طبع سعيد

وقال فی البحر :لوشهد جماعة أن أهل بلد كذا رؤا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا و هٰذا اليقم ثلاثون بحسابهم ولم يروا هؤلاء الهلال لايباح فطرغد ولا تترک التراويح هٰذه الليلة لأن هٰذه الجماعة لم يشهدوا بالروية ولا علٰى شهادة غيرهم وإنما حكوا روية غيرهم.(۲)

(وثالثاً) فقال ابن عابدين فی حواشيه علی البحر :اعلم أن المراد بالاستفاضة،انتهی.(۳)

ولا أظنكم شاكين أن الخبرالمسفيض الحاصل بالتلغراف لايكون من الواردين من بلدة ثبوت بل من جهة الكتاب المكتوب علی التلغراف المعهود بين أهله وقد ذكرالفقهاء أن كتاب شهادة لايعول عليه ما لم يكن له شاهدان عالمان بما فيه من الشهادة فی الهداية لايقبل الكتاب إلا بشهادة رجلين أورجل وامرأتين لأن الكتاب يشبه الكتاب فلايثبت إلا بحجة تامة وهذا لأنه ملزم فلا بد من الحجة.(۴)

(ورابعاً) فلأن العوام وإن كانوا يثقون فی معاملاتهم بالتلغراف لكن الحكومة البريطانية مع مخالفتها للديانة الإسلامية لا تعتمد عليه فی أمرالشهادة ولعل ذلک بسبب احتمال تطرق الخطاء إليه وعدم الانكشاف التام عن أحوال الشهود به والتنقب عن كيفية شهادتهم هٰذا إذا كان التلغراف زائد علی الخمسة إلی العشرة وأما إذاكان واحد فی هلال رمضان واثنين فی الفطروقد غم الهلال فهل يكفی كفاية الواحد العدل فی رمضان والحرين العدلين فی الفطر وهل يقاس الكتاب المرسل بالبوسطة علی التلغراف فيما ذكرمن الصوروهل ينزل أمام المسجد الجامع أوغيره منزلة القاضی فی القضاء بثبوت الهلال خاصة بتراضی المسلمين فی بلاد لايوجد فيها الحاكم الشرعی ولا القاضی فما كان الحق عندكم أفيدوه بالتی تطمئن بها القلوب وتثلج بها الصدورليزول النزاع من البين ويتيسرالعمل بالصحيح من القولين ولكم الحسنی وزيادة.

كتبه:عبد الحی،خطيب جامع رنگون

الجواب

اعلموا رحمنا اللّٰه وإياكم أن فی الخبرالتلغرافی وجوها من الشبهة الوجه الأول أنه لا يحصل العلم للمرسل اليه بأن المرسل فی الواقع هوالذی أظهرإسمه فی الخبرأم غيره فإنه يمكن أن يذهب زيد مثلاً إلی البوسطة ويقول للعامل إن أرسل من عمرو إلٰی فلان إنی رأيت الهلال ليلة الجمعة مثلاً فيرسل العامل من غيرأن يستفسره من إنک أنت عمرو أورسوله أو مفترعليه وقد شاهدنا مرارًا إن الذی أظهر فی الخبرالتلغرافی مرسلاً لم يكن مرسلاً وإنما أرسل

(۱،۲) ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۹۰/۲،طبع سعيد

(۳) منحة الخالق علی البحرالرائق،كتاب الصوم: ۲۹۱/۲،طبع بيروت

(۴) الهداية،كتاب أدب القاضی، باب كتاب القاضی إلی القاضی: ۱۳۹/۳،طبع مكتبة شركة علمية،ملتان

علٰی لسانه والوجه الثانی إنه ربما يقع الغلط فی الفهم من العا مل المرسل أوالعامل المرسل لديه أو المرسل إليه نفسه بأنه يفهم الإنشاء خبرالحذف أداة الإنشاء أوبوجه أخروالوجه الثالث أن المرس إليه لايحصل له العلم بعدالة المرسل والوجه الرابع أن المرسل ربما لا يذهب إلى البوسطة بل يرسل مضمون الخبرمع خادمه الغيرالعدل فهٰذه الوجوه وأمثالها موجودة فی الخبرالتلغرافی ولايصح أن يحكم بقبول هٰذاالخبرمع وجو د هٰذه الشبه فيه نعم لوفرض خلوه عن هٰذه الشبهات حكمنا بقبوله لكن من المعلوم أن خلوه من هٰذه الشبهات أمرعسيروتعدد الطرق غيرنافع فإن الاحتمالات اللتی ذكرناها سالفًا لايدفعها التعدد وما لم تندفع عنه هٰذه الاحتمالات لايكون هٰذا الخبرمع تعدد طرقه مستفيضا فإن معنی الاستفاضة علٰی ما نقله العلامة الشامی عن الرحمتی الن تأتی من تلك البلدة(أی بلدة الروية) جماعات متعددون كل منهم يخبرعن أهل تلك البلدة أنهم صاموا عن رؤية.(۱)

ومن البين إن هٰذه الخبروإن كان بحسب الظاهرمن المخبرالمتعين المعلوم لكنه بحسبه الواقع ليس كذلك لعدم الأمن من تبدل المخبركما قد علمت فهٰذا داخل تحت قول العلامة لا مجرد الشيوع من غيرعلم بمن أشاعه كماقد تشيع اخباريتحدث بهاسائرأهل البلدة ولايعلم من إشاعها.(۲)

وإذا تقررهٰذا فنقول أن المجوزين الحاكمين بقبول هٰذا الخبرلم يمعنوا النظرفی أحواله،وقولهم بأنه مستفيض ناش عن عدم التد برفی معنی الاستفاضة فإن الاستفاضة كما قد علمت أن يحيئ الواردون بالخبرويخبرون به أهل بلدة و ردوها وكانوا من المسلمين وهٰذا منتف فيما هنا لك أما الاستفاضة بمعنی الشيوع مطلقاً فموجودة لكنها لا تجد نفعاً أماقولهم أنه قد تعارف بين النا س التعويل عليه فی معاملا تهم حتٰی فی الموت والولادة إلخ فهٰذا أيضاً لا يفيد فإن تعويل الناس علٰی أمرليس بحجة شرعية ألا ترٰی إنهم يعولون فی معاملا تهم علٰی أخبارآحاد الكفارمن عبدة الأوثان وغيرهم ويتيقنون بأخبارهم مع إن خبرآحاد الكفارغيرمعتبر اتفاقاً وأين غلبة الظن مع وجود الشبهات المذكورة ولوسلم أن الغلبة تحصل به لم ينفع فيما هنالك فإن الظن إذاكان ناشيًامن المظان الشرعية كان موجبًا للعمل أما إذاكان ناشيًا من المظان الغيرالشرعية لم يعتد به مع كونه أشد وأقوی ألا تری أنه لو كان فی البلد أحد من الكفارأمينًا وصدوقًا علمًا فی الصدق بحيث لايكذب أصلاً فيخبر برؤية الهلال لم يلتفت إلى خبره مع حصول الظن الغالب بل اليقين ولم يهمل هٰذا الخبروالشهادة مع وجود غلبة الظن إلا لكون الظن به ناشيًا عن المظان الغير الشرعية وأنت خبير بإن التلغراف مع وسائطه ليس من

(۱،۲)　ردالمحتار،كتاب الصوم: ۲/ ۳۹۰،طبع سعيد

المظان الشرعية فلاينفع الظن الحاصل به هٰذاوإذالم يعتمد عليه مع تعدد طرقه فكيف يجوزالاعتماد عليه إذا كان واحدًا أوإثنين.

أما الكتاب المرسل بالبوسطة فهووإن كان أقوى من التلغراف أيضاً غير معتبرإذالم يبلغ حد الشهرة أماإذاتعددالكتب وزادت على الخمسة وتيقن المرسل إليه أنها مكتوبة بخط المرسل نفسه وجزم بعدالته وكانت بلفظ يصلح للشهادة على الرؤية فينبغي أن يعتمدعليها فإن الشبهات التى فى الكتاب أقل منها فى التلغراف ومع ذلك فلا نحكم بقبوله جزما لأن رعاية شروط القبول لايتيسرلكل أحدٍ.أما نزول إمام الجامع أوالخطيب مقام القاضى فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى بتراضى المسلمين فأمرثابت حق،(۱) فإن الإمام إذاإرتضاه المسلمون لأقامة أمردينهم يصلح أن ينوب عن السلطان كما فى أمرالجمعة فإن السلطان أونائبه من شروط إقامتها ومع ذلك حكم الفقهاء فى بلاد ليس فيها حاكم شرعى أن الامام إذا إجتمع الناس عليه وصلّٰى بهم جازوذلک لأن الإهمال فى تلک المواضع يوجب ترک فريضة هى من شعائر الإسلام.

قال فى رد المحتار (۲) نقلاً عن التتارخانية:وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوزللمسلمين إقامة الجمع ... والأعيادويصيرالقاضى قاضيًا بتراضى المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسواواليًا مسلمًا منهم إنتهى وفيه نقلاً عن الفتح وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوزلاتقلدمنه كما هوفى بعض بلاد المسلمين كقرطبة الاٰن يجب على المسلمين أن يتفقواعلٰى واحد منهم يجعلونه واليًا فيولى قاضيًا ويكون هوالذى يقضى بينهم وكذا ينصبوا إمامًا يصلى بهم الجمعة إنتهٰى ومن البين إن المسلمين إذاولوأمرهم رجلاً من المسلمين كان هٰذا مواضعة محضةً فإن تولية الإمارة الحقيقية مع وجود سلطان كافرمتغلب ليست بممكنةولما صحت تولية الإمارة من المسلمين فأولٰى إن تصح عنهم تولية القضاء ودلت عبارة التتارخانية على الصحة هٰذا واللّٰه أعلم بالصواب وإليه المرجع والماٰب.

كتبه الراجى رحمة مولاه كفاية اللّٰه الشاه جهان فورى،مدرس مدرسة الأمينية الدهلوية

(ترجمہ:علمائے شرع متین (خداتعالیٰ آپ کے علوم سے مسلمانوں کوفائدہ پہنچائے)اس اختلاف میں کیا فرماتے ہیں،جو آج کل ہمارے علما میں دربارہ رؤیت ہلال رمضان وعید ہورہاہے اوروہ یہ کہ جب کسی وجہ سے کسی شہر میں رویت ہلال نہ ہواور دوسرے مقامات سے جن کے مطالع اس شہر کے مطالع سے مختلف،یامتفق ہوں،ایک شخص،یاچند شخصوں کے پاس پانچ سے دس تک تارآجائیں،جن میں یہ لکھا ہوکہ ہم نے چاند دیکھا یا ہمارے یہاں چاند دیکھا گیا،یااورکوئی اصطلاحی لفظ ذکر کیا

(۱) والعالم الثقة فى بلدة لاحكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية شرح الوقاية،كتاب الصوم: ۲٤٦/۱،سعيد)

(۲) كتاب القضاء: ۳٦۹/٥،طبع سعيد

گیا ہو، مثلا طرفین نے یہ اصطلاح مقرر کرلی ہو کہ جب رؤیت ہلال کی خبر دینی ہوگی تو ہم لفظ بغداد تار میں لکھ دیا کریں گے؛ تا کہ تبدیل وتخلیط کا احتمال نہ رہے۔

تو ایسے تاروں کے اعتبار کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہو رہا ہے، بعض علما کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا تار خبر معتبر ہے؛ کیوں کہ یہ خبر **مستفیض** ہے اور خبر **مستفیض** رؤیت ہلال کے بارے میں قابل اعتبار ہے۔ درمختار میں ہے: ''ہاں جب کہ کسی شہر میں خبر **مستفیض** ہوجائے تو وہاں کے لوگوں کو (روزہ) مذہب کی صحیح روایت پر لازم ہوجائے گا، انتہٰی'' اور علامہ ابن عابدین شامی نے ردالمحتار میں شمس الأئمہ حلوانی سے نقل کیا ہے: ''ہمارے اصحاب کا صحیح مذہب یہ ہے کہ کسی شہر میں خبر جب مستفیض اور متحقق ہوجائے تو ان پر بلدہ رویت کا حکم لازم ہوجائے گا، انتہٰی'' اس کے علاوہ لوگوں میں تار کی خبر امور مہمہ میں معتبر سمجھی جاتی ہے، موت اور ولادت میں اس کا اعتبار کیا جاتا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سے ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، بالخصوص جب کہ متعدد طریقوں سے حاصل ہو اور غلبہ ظن پر عمل واجب ہے اور علما کا دوسرا فریق اس کا مخالف ہے اور کہتا ہے کہ یہ خبر باوجود **مستفیض** شائع تسلیم کئے جانے کے بچند وجوہ غیر معتبر ہے، (ریڈیو کے ذریعہ رویت ہلال کے اعلان کے متعلق علمائے ہند کا اجتماعی فیصلہ کتاب الحظر والاباحہ سولہویں باب میں دیکھو) یہ کہ خبر **مستفیض** میں مخبرین کا مسلمان ہونا شرط ہے؛ کیوں کہ اہل اصول نے اس کو اخبار آحاد میں شمار کیا ہے اور اخبار آحاد کے مقبول ہونے کے لیے ناقلین کا عادل ہونا ضروری ہے اور عادل کی تعریف میں اسلام بھی داخل ہے اور یہ سب ظاہر ہے علامہ ابن عابدین ردالمحتار میں کہتے ہیں کہ'' **مستفیض** میں اسلام مخبرین کا شرط ہونا محل نظر ہے؛ کیوں کہ یہاں جمع عظیم سے وہ جمع عظیم مراد نہیں ہے، جو حد تواتر تک پہنچ جائے اور علم قطعی کا فائدہ دے اور اس میں اسلام کی شرط نہ ہو بلکہ صرف اس قدر مراد ہے کہ غلبہ ظن حاصل ہوجائے، جیسا کہ قریب آئے گا اور ایسی صورت میں بھی اسلام کی شرط نہ ہونے کے لئے کوئی نقل صریح ضروری ہے، انتہٰی'' اور تار خبر اصل مخبر سے وہ تار بابو لیتا ہے، جو تار دینے پر متعین ہے اور دوسری جانب کے تار بابو کو خبر دیتا ہے اور وہ اسے حاصل کر کے ایک کاغذ پر اس شخص کے حوالہ کرتا ہے، جو اسے مکتوب الیہ تک پہنچادے اور یہ تمام واسطے بسا اوقات غیر مسلم ہوتے ہیں۔

(۲)　دوسرے یہ کہ یہ خبر **مستفیض** کا حجت ہونا بھی اس بنا پر تھا کہ وہ قضاءِ قاضی کی نقل ہوتی تھی، جیسا کہ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں کہ ''اس استفاضہ میں نہ تو شہادت علی القضاء ہے، نہ شہادت علی الشہادت؛ لیکن چوں کہ وہ بمنزلہ خبر متواتر کے ہے اور اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ فلاں شہر میں فلاں روز روزہ رکھا گیا تو اس پر عمل لازم ہوگیا؛ کیوں کہ اکثری طور پر شہر حاکم شرعی سے خالی نہیں ہوتے تو ضروی ہے کہ شہر والوں کا روزہ ان کے حاکم کے حکم سے ہوا ہوگا یہ استفاضہ درحقیقت حکم حاکم کی نقل ہے، انتہٰی'' اور یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہمارے ان شہروں میں حاکم شرعی اور قاضی موجود نہیں، پس تار خبر باوجود استفاضہ کے قضاءِ قاضی کی نقل نہیں ہوئی؛ بلکہ محض حکایت رویت ہوئی اور حکایت رویت پر اعتماد جائز نہیں۔ درمختار میں ہے: ''اگر لوگ محض دوسروں کی رویت بیان کریں تو یہ نا قابل اعتبار ہے؛ کیوں کہ محض حکایت ہے'' اور علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: ''کیوں کہ نہ انہوں نے رویت کی شہادت دی اور نہ شہادت پر شہادت دی؛ بلکہ صرف رویت کی حکایت کی ہے، کذا فی فتح القدیر، میں کہتا

ہوں: ایسی ہی یہ صورت ہے کہ وہ شہادت دیں کہ لوگوں نے چاند دیکھا اور اس شہر کے قاضی نے ان کو روزہ رکھنے کا حکم کیا؛ کیوں کہ یہ بھی فعل قاضی کی حکایت ہے اور حجت نہیں، بخلاف قضاءِ قاضی کے اور بحر میں ہے کہ اگر ایک جماعت نے گواہی دی کہ فلاں شہر والوں نے چاند رمضان کا تم سے ایک روز قبل دیکھا تھا اور روزہ رکھا تھا اور آج ان کے حساب سے تیس تاریخ ہے اور ان لوگوں نے چاند نہیں دیکھا تو ان کو جائز نہیں کہ یہ کل روزہ نہ رکھیں اور نہ اس رات کی تراویح چھوڑی جاوے؛ کیوں کہ جماعت مذکورہ نے رویت کی شہادت یا شہادت علی الشہادۃ نہیں دی ہے؛ بلکہ صرف حکایت رویت کی ہے''۔

(۳)　یہ کہ علامہ شامی ردالمحتار میں فرماتے ہیں: ''جاننا چاہیے کہ استفاضہ سے یہ مراد ہے کہ بلدہ رویت سے بکثرت آنے والے وہاں کی رویت بیان کریں نہ صرف کیف ما اتفق خبر کا پھیل جانا، انتہی'' اور اس میں آپ کو شک نہ ہوگا کہ تار خبر ایسی نہیں ہے؛ یعنی جو بلدہ رویت سے بکثرت آنے والوں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہو؛ بلکہ وہ اس کاغذ، یا خط کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے، جو کہ تار کی اصطلاح معہود کے ذریعہ سے لکھا اور بھیجا جاتا ہے اور فقہا نے ذکر کیا ہے کہ کتاب شہادت اسوقت تک معتبر نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اس کے لیے دو گواہ اسے جاننے والے نہ ہوں۔ ہدایہ میں ہے کہ ''کتاب یعنی خط جب تک کہ اس پر دو گواہ مرد یا ایک مرد دو عورتیں نہ ہوں مقبول نہیں؛ کیوں کہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے، پس بغیر حجت تامہ کے ثابت نہیں ہوسکتا اور یہ اس لیے کہ وہ ملزم ہے اور الزام بغیر حجت کے نہیں ہوتا''۔

(۴)　اگر چہ عوام اپنے معاملات میں تار خبر کا اعتبار کرتے ہیں؛ لیکن برٹش گورمنٹ باوجود غیر مسلم ہونے کے شہادت میں تار کا اعتبار نہیں کرتی اور شاید اس کا منشا یہی ہے کہ تار میں تطرق خطا کا احتمال موجود ہے اور گواہوں کی حالت پوری طور پر منکشف نہیں ہوتی اور ان کی کیفیت شہادت کی چھان بین نہیں ہوسکتی۔

یہ تمام کلام اس تقدیر پر ہے کہ تار پانچ سے زیادہ دس تک ہوں؛ لیکن اگر صرف ایک تار ہو تو وہ رمضان کے چاند کے ثبوت کے لیے اور دو ہوں تو عید کے چاند کے ثبوت کے لیے ایک گواہ عادل یا دو گواہوں عادل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں، یا نہیں ؟اور ڈاک کے ذریعہ سے بھیجا ہوا خط تار پر قیاس کیا جاسکتا ہے، یا نہیں اور جن شہروں میں حاکم شرعی اور قاضی نہیں ہے، ان میں امام جامع مسجد یا اور کوئی شخص حکم ثبوت ہلال میں قائم مقام قاضی کے ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اس بارے میں جوابات حق ہو اس کو ایسے طور پر بیان فرمائیں کہ قلوب مطمئن ہو جائیں اور باہمی نزاع مرتفع ہو جائے اور صحیح قول پر عمل کرنے میں آسانی ہو۔ **ولکم الحسنی وزیادۃ**

کتبہ عبدالحی، خطیب جامع رنگون

الجواب

جان لو (خدا تعالیٰ ہم پر اور تم پر رحمت نازل فرمائے) کہ تار خبر میں کئی قسم کے شبہات ہیں: اول یہ کہ مکتوب الیہ کو اس بات کا علم نہیں ہو؛ تا کہ تار بھیجنے والا فی الواقع وہی شخص ہے، جس کا نام تار میں ظاہر کیا گیا ہے، یا کوئی دوسرا؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ مثلا زید تار آفس میں جا کر تار بابو سے کہے کہ عمرو کی طرف سے فلاں شخص کو یہ تار بھیج دے کہ میں نے جمعہ کی رات میں چاند دیکھا

ہے اور تار بابو اس مضمون کا تار بغیر دریافت اور تحقیق کے روانہ کردے کہ آیا تم خود عمرو ہو، یا اس کے قاصد ہو، یا اس پر بہتان باندھنے والے ہو اور اس کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جس شخص کا نام تار بھیجنے والے کی حیثیت میں ظاہر کیا گیا، وہ خود بھیجنے والا نہ تھا؛ بلکہ اس کی طرف سے کسی دوسرے نے بھیج دیا تھا، دوم یہ کہ تار دینے والے بابو، یا تار لینے والے بابو، یا خود مرسل الیہ سے غلطی ہو جائے کہ وہ انشا کو خبر سمجھ لے، یا اور کسی وجہ سے غلطی واقع ہو جائے۔ سوم یہ کہ مرسل الیہ کو مرسل کی عدالت کا علم حاصل نہیں ہوتا چہارم یہ کہ تار دینے والا بسا اوقات خود تار آفس کو نہیں جاتا؛ بلکہ مضمون خبر اپنے ملازم غیر عادل کے ذریعہ سے تار آفس کو بھیج دیتا ہے، پس یہ اور اسی قسم کی بہت سی وجوہ شبہ تار خبر میں موجود ہیں اور ان شبہات کے ہوتے ہوئے اس کے مقبول ہونے کا حکم دینا صحیح نہیں۔ ہاں اگر یہ خبر ان شبہات سے خالی فرض کر لی جائے تو اس کے قبول کرنے کا حکم دینا ممکن ہے؛ لیکن یہ معلوم ہے کہ اس کا ان شبہات سے خالی ہونا ایک دشوار امر ہے اور تعدد طرق کچھ نافع نہیں؛ کیوں کہ یہ احتمالات جو ہم نے ذکر کئے تعدد طرق سے مندفع نہیں ہوتے اور جب تک کہ یہ احتمالات دفع نہ ہوں، اس وقت تک یہ خبر باوجود تعدد طرق کے جب تک کہ حد تواتر کو نہ پہنچے مستفیض نہیں ہو سکتی؛ کیوں کہ جیسا علامہ شامی نے رحمتی سے نقل کیا ہے، استفاضہ کے معنی یہ ہیں کہ بلدہ رؤیت سے بکثرت آنے والے یہ بیان کریں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خبر اگرچہ بظاہر ایک مخبر معلوم متعین کی جانب سے حاصل ہوئی ہے؛ لیکن واقع میں ایسی نہیں ہے؛ کیوں کہ مخبر کے تبدل کا احتمال موجود ہے، جیسا کہ تم اوپر معلوم کر چکے ہو، پس یہ صورت علامہ شامی کے اس قول کے ذیل میں داخل ہے کہ ''مجرد شیوع کا اعتبار نہیں ہے کہ شائع کنندہ کا علم نہ ہو، جیسا کہ بعض خبریں ایسی پھیل جاتی ہیں کہ تمام شہر والوں کی زبان پر جاری ہو جاتی ہیں اور اصل شائع کنندہ کا پتہ نہیں چلتا''، جب کہ یہ بات ثابت ہو گئی تو اب ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے تار خبر کے اعتبار کرنے کا حکم دیا ہے، انہوں نے اس کے حالات کو بنظر غور نہیں دیکھا، ان کا یہ کہنا کہ یہ خبر مستفیض ہے، استفاضہ کے معنی پر غور نہ کرنے کی وجہ سے ہے؛ کیوں کہ استفاضہ سے مراد یہ ہے کہ بلدہ رؤیت سے بکثرت آنے والے خبر رویت کو بیان کریں اور جس شہر میں آئے ہیں، اس کے لوگوں کو رویت کی خبر دیں اور مسلمان بھی ہوں اور یہ بات تار کی خبر میں منتفی ہے۔ ہاں استفاضہ بمعنی مطلق شیوع پایا جاتا ہے؛ لیکن وہ نافع نہیں اور ان کا یہ کہنا کہ لوگ اس خبر کا اپنے معاملات حتی کہ موت اور ولادت میں اعتبار کرتے ہیں، الخ، یہ بھی مفید نہیں؛ کیوں کہ لوگوں کا کسی شے پر اعتبار کر لینا حجت شرعیہ نہیں ہے، آپ کو معلوم نہیں کہ لوگ اپنے معاملات میں آحاد کفار کی خبروں پر اعتبار کر لیا کرتے ہیں، خواہ وہ بت پرست ہوں، یا اور کوئی اور ان کی خبروں پر یقین کر لیتے ہیں، حالاں کہ کفار کی خبر دیانات میں اتفاقاً ناقابل اعتبار ہے اور غلبہ ظن باوجود ان شبہات محتملہ کے کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور اگر غلبہ ظن کا حصول تسلیم بھی کر لیا جائے؛ تاہم نافع نہیں؛ کیوں کہ عمل اسی غلبہ ظن پر واجب ہوتا ہے، جو مظان شرعیہ سے حاصل ہو اور اگر غلبہ ظن مظان غیر شرعیہ سے حاصل ہو تو خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو، معتبر نہیں ہوتا، دیکھو اگر شہر میں کوئی کافر اعلیٰ درجہ کا صادق اور امانتدار ہو اور اپنی سچائی میں ایسا مشہور ہو کہ کبھی جھوٹ نہ بولتا ہو اور وہ رویت ہلال کی خبر دے تو باوجودیکہ اس کی خبر سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے گا؛ لیکن ہرگز اس کی طرف التفات اور توجہ نہ کی جائے گی اور یہ کیوں

صرف اس لیے کہ یہ غلبہ ظن مظان غیر شرعیہ سے حاصل ہوا ہے اور تمہیں معلوم ہے کہ ٹیلی گراف مع اپنے تمام وسائط کے مظان شرعیہ میں داخل نہیں ہے، پس اس سے حاصل ہونے والا غلبہ ظن مفید نہیں اور جب کہ یہ خبر باوجود تعدد طرق کے ناقابل اعتبار ہے تو صرف ایک، یا دو طریقوں سے حاصل ہونے کی صورت میں کیسے معتبر ہو سکتی ہے اور خطوط جو ڈاکخانہ کے ذریعے سے آتے ہیں، وہ اگر چہ تار سے قوی ہیں، پھر بھی غیر معتبر ہیں، جب تک کہ حد شہرت کو نہ پہنچیں۔ ہاں اگر متعدد طریقوں سے حاصل ہوں اور پانچ سے زیادہ ہو جائیں اور مرسل الیہ کو اس امر کا یقین ہو جائے کہ بھیجنے والے کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور اس کی عدالت کا بھی یقین ہو جائے اور ایسے الفاظ سے لکھے گئے ہوں، جن میں شہادت رویت کی صلاحیت ہو تو مناسب ہے کہ (صرف مرسل الیہ کے لیے) ان پر اعتماد کر لیا جائے؛ کیوں کہ خطوط میں جو شبہات ہیں، وہ تار کے شبہات سے کم ہیں اور باوجود اس کے ہم یہ حکم نہیں کرتے کہ یقیناً یہ مقبول ہیں؛ کیوں کہ شروط کی رعایت ہر شخص کے لیے آسان نہیں اور امام جامع مسجد، یا خطیب کا ایسے شہروں میں قاضی کے قائم مقام ہو جانا جہاں حاکم شرعی نہ ہو ثابت اور حق ہے؛ کیوں کہ جس امام کو تمام مسلمان اپنے اُمور دینیہ کی اقامت کے لیے پسند کر کے مقرر کر لیں، وہ سلطان کا نائب ہو جانے کی صلاحیت رکھتا ہے، جیسا کہ جمعہ میں ہوا ہے کہ سلطان، یا اس کا نائب جمعہ کی شروط میں داخل تھا، باوجود اس کے فقہانے حکم دے دیا کہ جس جگہ حاکم شرعی نہ ہو، جب وہاں مسلمان کسی شخص کو اتفاقاً اپنا امام بنالیں اور وہ جمعہ پڑھاوے تو جائز ہے اور یہ اس لیے کہ ایسے مقامات میں اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو ایک ایسا فرض جو شعائر اسلام میں سے ہے، چھوٹ جاتا ہے۔ ردالمحتار میں تاتارخانیہ سے نقل کیا ہے:

”وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضی قاضيًا بتراضی المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليًا مسلمًا منهم، انتهٰى“.

اور اسی میں فتح القدیر سے نقل کیا ہے:

”وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو فی بعض بلاد المسلمين كقرطبة إلا أن يجب علٰى المسلمين أن يتفقوا علٰى واحد منهم يجعلونه واليًا فيولی قاضيًا ويكون هو الذی يقضی بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلی بهم الجمعة، انتهٰى“.

اور یہ ظاہر ہے کہ اگر مسلمان کسی شخص کو اپنا والی بنائیں گے تو یہ محض ایک قرارداد ہوگی، ورنہ یہ ناممکن ہے کہ سلطان کافر متغلب کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے شخص کو حقیقی والی بنالیں تو جب کہ مسلمانوں کا کسی شخص کو والی بنالینا جائز ہے تو قاضی بنالینا بدرجہ اولی جائز ہوگا اور تاتارخانیہ کی عبارت اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ **واللّٰہ أعلم بالصواب وإليه المرجع والمآب**

کتبہ الراجی رحمۃ مولاہ محمد کفایت اللہ شاہ جہانپوری، صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (مہر)

الجواب صحیح: بندہ ضیاء الحق مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، الجواب صحیح: محمد قاسم مدرس مدرسہ امینیہ، دہلی۔

الجواب صحیح: انظار حسین مدرس مدرسہ امینیہ دہلی، ما احسن الجواب: بندہ محمد امین الدین، مہتمم مدرسہ امینیہ دہلی۔

الجواب صحیح: بندہ محمود صدر مدرس مدرسہ دیو بند، الجواب صحیح: محمد عبد الغفور مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۲۳۵/۴-۲۳۹)

رؤیت ہلال میں استفاضۂ خبر کی تحقیق:

بنام حضرت مولانا کفایت اللہ دہلوی

سوال: رویت ہلال کے طریق موجب میں سے ایک طریقہ استفاضہ ہے، جس کا معنی شامی نے یہ لکھا ہے:

(تنبیه)قال الرحمتی: معنی الاستفاضة أن تأتی من تلک البلدة جماعات متعددون کل منهم بخبرعن أهل تلک البلدة أنهم صاموا عن رویته لا مجرد الشیوع من غیر علم بمن أشاعه. (۱)

اس عبارت سے احقر نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ یہ استفاضہ کی تعریف ہے؛ یعنی جس شہر میں رویت ہلال ہوئی ہو، وہاں سے مختلف جماعت آئیں اور یہاں یہ خبر دیں کہ وہاں کے لوگوں نے چاند دیکھ کر فلاں روز روزہ رکھا، یا فلاں دن عید کی نماز پڑھیں گے، چاہے یہ گروہ درگروہ آئیں، یا منفرداً ایک ایک آ کر یہ خبر دے، بہتر تقدیر خبر اس درجہ تک پہنچ جائے، جس سے غلبہ ظن حاصل ہو جائے محض افواہ نہ ہو، جس کا پتہ بھی نہ چلے، یہ خبر کہاں سے چلی، کیسے پھیلائی اور اگر اس کے علاوہ کوئی اور تعریف بھی ہو، جس کو فقہا نے تحریر کیا ہو، تحریر فرما دیں، یا آپ نے سمجھا ہو تحریر فرمائیں؟

اخبار الجمعیۃ میں ایک اعلان آپ کے نام سے شائع کیا گیا، جس میں درج ہے:

(مفہوم) رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت مل چکا ہے، اب جلسے جلوس کی ضرورت نہیں اور بقرہ عید کی نماز سنیچر کو ہوگی، آپ کا یہ اعلان جو صرف الجمعیۃ کے ذریعہ سے ہم لوگوں تک پہنچا ہے، کیا اس سے استفاضہ ہو گیا، یا نہیں؟ اور کیا الجمعیۃ کا اعلان حد تواتر کو پہنچ گیا؛ یعنی یہ اعلان کٹک والے، یا دہلی کے علاوہ دوسرے شہر والوں کے لیے ہیں۔

الجمعیۃ کے اعلان کا درجہ رؤیت ہلال کے بابت کٹک والے، یا دہلی کے علاوہ دوسرے شہر والوں کے لیے و نیز دوسرے جو دہلی کے علاوہ شہروں میں بسنے والے ہیں، ان کے لیے کیا ہے، کیا ہم لوگ ایک الجمعیۃ کے اعلان پر روزہ رکھ سکتے ہیں، یا عید منا سکتے ہیں اور کیا ہمارے لیے یہ اعلان طریقہ موجب ہے۔

اخبار الجمعیۃ، یا دوسرے اخباروں کا انفراداً، یا اجتماعاً رؤیت ہلال پر اعلان شائع کرنا ہمارے عید وصوم کا موجب ہو سکتا ہے، یا کم از کم ان اخباروں کا، یا اخبار الجمعیۃ کا اعلان ہمارے لیے خبر واحد کا کام دے سکتا ہے، یا نہیں؟ اگر خبر واحد ہو سکتا ہے تو فسق اور عدل میں ان اخباروں کا اور خصوصاً الجمعیۃ کا اعلان ہمارے لیے خبر واحد کا کام دے سکتا ہے، یا دوسری اخباریں رؤیت ہلال میں معتبر ہے، یا نہیں؟ جیسا تار و ٹیلی فون اور ریڈیو کے بابت حکم شرعی موجود ہے، ایسا ہی اخباروں کے متعلق عموماً اور الجمعیۃ کے متعلق خصوصاً حکم شرعی سے مستفید فرمائیں اگر مع دلائل تحریر فرمائیں تو عین نوازش ہوگی؟

الجواب

از: حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ: استفاضہ کی جو تعریف آپ نے نقل کی ہے، وہ صحیح ہے؛ مگر

(۱) ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۲۹

اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے علاوہ اور کوئی صورت استفاضہ کی نہیں، اگر متعدد اخبار یعنی کم ازکم دس اخبار اپنے اندر رؤیت ہلال کی خبر معتبر آدمیوں کے ذریعہ سے دیں تو وہ خبر مستفیض ہوئی، دہلی میں رؤیت ہلال کی خبر مستفیض ہوگئی ہے، کم ازکم بارہ چودہ آدمیوں نے خود چاند دیکھا بیان کیا اور ان کے علاوہ متعدد طرق سے اور لوگوں کا چاند دیکھنا معلوم ہوا؛ اس لیے یہاں تو اس کے مطابق حکم دیا گیا۔ اخبار الجمعیۃ میں جو خبر درج کی گئی ہے، وہ رؤیت کی خبر نہیں تھی؛ بلکہ حکم بالرؤیۃ کی خبر تھی، جن لوگوں کو اخبار الجمعیۃ اور میرے بیان پر یقین ہو، وہ اس پر عمل کرسکتے ہیں اور جو عمل نہ کریں، ان پر کوئی اعتراض نہیں؛ کیوں کہ اخبار کی خبر طریق موجب نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی

سوال دیگر:

بنام حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب

مخدوم منا المکرّم جناب مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش خدمت میں یہ ہے کہ آپ کا جواب ملا، چند شبہات کا ازالہ فرمادیجئے، عین نوازش ہوگی۔

آنجناب کا ارشاد (کیوں کہ اخبار موجب طریق نہیں ہے) اور پھر یہ تحریر کرنا کہ (اخبار الجمعیۃ میں جو خبر درج کی گئی ہے، وہ رویت کی خبریں نہیں؛ بلکہ حکم بالرؤیۃ کی خبر تھی، جن لوگوں کو اخبار الجمعیۃ اور میرے بیان پر یقین ہو، وہ اس پر عمل کرسکتے ہیں اور جو عمل نہ کریں ان پر کوئی اعتراض نہیں) یہ بتلاتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی ایسی خبر جو طریق موجب نہیں ہے، پہنچے اور اسے یقین ہوجائے تو اسے اختیار ہے، چاہے اس پر عمل کرے، یا نہ کرے، لہٰذا اگر ریڈیو اور ٹیلی فون سے خبر رویت کی پہنچے اور لوگوں کو اس پر یقین ہوجائے تو اس خبر پر عمل کرنا جائز ہے اور نہ عمل کرنے پر معصیت نہیں، حالاں کہ آنجناب نے اور دوسرے اکابر علما نے ریڈیو اور ٹیلی فون کی خبر پر عمل پیرا ہونے سے منع فرمایا ہے ونیز طیریق موجب میں بھی اگر امام قبول نہ کرے تو اس کو روزہ رکھنا پڑے گا اور اگر نہ رکھے تو قضا واجب ہے، حالاں کہ آپ کی تحریر کے مطابق ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اگر غیر طریق موجب میں اختیار ہے تو طریق موجب میں بدرجہ اولیٰ اختیار ہوگا، حالاں کہ اختیار نہیں، إن أفطر قضی.

آنجناب کا ارشاد فرمانا متعدد اخبار یعنی کم ازکم دس اخبار اپنے اندر رؤیت کی خبر معتبر آدمیوں کے ذریعہ دیں تو وہ بھی مستفیض ہوگی، علیٰ ہذا اگر مختلف جگہ سے ٹیلی فون اور ریڈیو کی خبر آئی تو اس پر بھی استفاضہ ہوگیا اور نیز اگر ایک شہر سے متعدد لوگوں نے ٹیلی فون سے خبر دی، یا ریڈیو کے ذریعہ اعلان کیا تو یہ صورت بھی استفاضہ کی ہوسکتی ہے۔ شامی کی تعریف سے دو باتیں میری سمجھ میں آئی ہیں، ایک تو ''من أشاعه'' یعنی جس نے خبر شائع کی، وہ معلوم ہو اور دوسرے اس ایک شہر سے بطریق متعدد خبریں پہنچیں، نہ یہ کہ مختلف شہروں سے مختلف خبریں پہنچیں، کیوں کہ یہ ''خبر من أهل

تلک البلدة أنهم صاموا'' ہے، ہاں البتہ آپ کے قول سے عموماً مستفاد ہوتا ہے، اپنی نظر جہاں گزری ہے، اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو طریق موجب نہیں اس پر عمل علی حکم الحاکم۔

چوتھا استفاضہ **کذا فی الدر المختار** (ص: ۱۲۸) **قوله: شهدوا أنه شهداء (إلٰی قوله) مجتبی وغیره (لأنه حکایة)(إلٰی قوله) لا مجرد الشیوع، (فیلزم أهل المشرق)(إلٰی قوله) کمامر.**

وفی رد المحتار: قوله بطریق موجب إلٰی قوله لأنه حکایة،آه. (ردالمحتار: ۱۲۸/۲)

ان عبارات فقہیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جو خبر بھی بطریق صراط مستقیم کی ہدایت دیں، عنداللہ ماجور ہوں گے۔

الجواب ــ

از بندہ محمد شفیع

جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمایا، یہ صحیح ہے کہ علامی شامی نے استفاضہ کی ایک خاص صورت بیان فرمائی، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق استفاضہ اس میں منحصر ہو؛ بلکہ یہ صورت بھی استفاضہ میں داخل ہے کہ مختلف شہروں سے مختلف لوگوں کے ذریعہ رؤیت ہلال، یا حکم بالرؤیۃ کی خبر بحد تواتر موصول ہوجائیں، اس میں مختلف شہروں کے اخبار، یا ٹیلی فون، یا مختلف ریڈیو اسٹیشنوں کی خبریں شامل ہیں، جب وہ حد تواتر کو پہنچ جائیں تو استفاضہ کی تعریف میں داخل ہیں؛ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ عمل کرنے والوں کو اختیار ہو؛ کیوں کہ اخبارات، یا مختلف جگہوں کے ریڈیو، یا ٹیلی فون وغیرہ کی خبر اگر حد تواتر کو پہنچ کر خبر مستفیض ہوگئی تو وہ طریق موجب ہے، اس پر عمل کرنا لازم ہے، خواہ ہلال رمضان کا قضیہ ہو، یا دوسرے اہلہ کا؛ کیوں کہ خبر مستفیض کے بعد شہادت شرط نہیں رہتی۔ ہاں اگر خبر مستفیض نہ ہو تو پھر یہ تفصیل ہے کہ ہلال رمضان میں چوں کہ شہادت شرط نہیں، صرف خبر کا بذریعہ ثقہ موصول ہونا کافی ہے؛ اس لیے جس شخص، یا جن لوگوں کو اس پر اعتماد ہو کہ خبر دینے والا فلاں شخص ہے اور وہ ثقہ بھی ہے، ان کے حق میں یہ خبر طریق موجب اور دوسرے لوگوں کے حق میں طریق موجب نہیں اور جن لوگوں کے حق میں موجب ہے، ان پر اس کا اتباع لازم آئے گا اور ہلال عیدین وغیرہ میں چوں کہ شہادت شرط ہے اور وہ بذریعہ ریڈیو، ٹیلی فون، یا اخبارات کے حاصل نہیں ہوتی؛ اس لیے اس میں کس کے لیے بھی وہ طریق موجب نہیں اور جب ثبوت ہلال بطریق موجب نہ ہوا تو پھر اس پر عمل کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استفاضہ کی صورت میں ہلال رمضان وعیدین سب میں عمل کرنا لازم اور جب کہ استفاضہ نہ ہو عیدین میں مطلقاً ناجائز رمضان میں جن لوگوں کو اعتماد ہو ان پر لازم ہے دوسروں پر نہیں (واللہ اعلم)

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ، کراچی، ۱۰/ربیع الاول ۱۳۷۰ھ (اضافہ) (امداد المفتین: ۴۱۱/۲)

آلات جدیدہ سے رؤیت ہلال کا ثبوت:

سوال (۱) ہمارے شہر دہرہ دون سے کوہ منصوری چودہ میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کی بلندی سے قدرتی طور پر

چاند دیکھنے کی آسانی ہے، لہٰذا اگر منصوری کی جامع مسجد کا امام مع دیگر متشرع مسلمانوں کے ۲۹؍شعبان، ۲۹؍رمضان اور ۲۹؍ذی قعدہ کو دیکھ کر چاند ہونے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون دے تو ممبران رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون ان کی رؤیت ہلال کو مستند سمجھ کر اعلان رؤیت ہلال کریں، یا نہیں؟

(۲)　اگر صدر رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون اپنے کسی متشرع ممبر کو بغرض رؤیت ہلال منصوری بھیجے اور وہ ممبر مع دیگر مسلمانان منصوری چاند دیکھ کر ہمیں بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا، یا نہیں؟ یا وہ ممبر بذاتِ خود منصوری سے واپس دہرہ دون آکر چاند دیکھنا بیان کرے اور ثبوت میں امامِ جامد مسجد منصوری ودیگر مسلمانانِ منصوری کی تحریریں تصدیق کے ساتھ اور چاند دیکھنا بیان کرے، تو ایسی صورت میں رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کی اعلان رؤیت ہلال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

(۳)　بذریعۂ تار، یا خطوط دیگر اضلاع، مثلاً: بمبئی، کراچی، مرادآباد، دہلی، سہارنپور سے رؤیت ہلال کی مستند خبر آئے تو کیا حکم ہے، جب کہ تار دہندہ وخط نویسندہ جانتے بھی ہیں، یا دریافت کرنے پر انہوں نے تار دیا ہے، یا خط لکھا ہے؟

(۴)　ریڈیو کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی خبر کا کیا حکم ہے؟

(۵)　اگر بعد تصدیقِ شرعی ممبران رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کے اعلان کو امام عیدگاہ، یا امام جامع مسجد قبول نہ کرے تو ایسی حالت میں ممبران رؤیت ہلال کمیٹی کیا کریں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱)　ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع ملنے پر اگرچہ امام جامع مسجد نے اطلاع دی ہو، اعلان اطلاع رؤیت ہلال کرنا شرعاً درست نہیں۔(۱)

(۲)　اس پر بھی عمل درست نہیں، (۲) وہ ممبر اگر ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے تو رمضان شریف کے چاند کے مطابق اس کا تنہا آکر شہادت دینا بھی کافی ہے جیسا کہ کوئی اور ثقہ شہادت دیتا تو وہ کافی ہوتی۔(۳) غیر رمضان کے لیے ایک شخص کی

(۱،۲)　إذا سمعه من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبة النغمة". (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية بيروت)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وارء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرىٰ شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده إثنان أنها فلا نة بنت فلان بن فلان، لايجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت، فحينئذٍ يجوز أن يشهد علىٰ إقرارها برؤية شخصها، لارؤية وجهها". (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أورآه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۷/۱، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها، و الامتناع عن ذلك، غفارية كوئٹه

(۳)　إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد علىٰ هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلا مسلما عاقلاً بالغاً، حراً كان أوعبداً، ذكراً أوأنثىٰ". (الفتاوىٰ الهندية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيدية)

شہادت کافی نہیں ہوتی۔ ہاں! اگر جامع مسجد کے امام صاحب اور دیگر مسلمانان کم از کم شرعی دو شہادتیں قلمبند کر کے کم از کم دو معتبر مسلمانوں کے ہاتھ بھیجیں اور وہ اپنے ساتھ لکھوا کر بحفاظت لائیں تو پھر اعلانِ رؤیت درست ہوگا۔(۱)

(۳) تار، یا بذریعۂ ڈاک سرکاری آئے ہوئے خطوط سے رؤیت درست نہیں، خواہ وہ تار یا خط مرسل نے از خود روانہ کیا ہو، خواہ دریافت کرنے پر۔(۲)

(۴) ریڈیو کے ذریعہ سے بھی شرعی شہادت حاصل نہیں ہوتی۔(۳)

(۵) شرعی شہادت کا قبول کرنا واجب ہے، ممبرانِ کمیٹی کو چاہیے کہ امام عیدگاہ اور امام جامع مسجد کے سامنے اپنے ذرائع تصدیق بیان کریں، اگر وہ ان ذرائع میں کوئی شرعی نقص بتائیں تو ان کا تدارک کریں، اگر باوجود شرعاً قابل قبول ہونے کے وہ قبول نہ کریں اور کوئی شرعی نقص بھی نہ نکال سکیں تو پھر ممبران کو رؤیت ہلال کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، مثلاً: اگر رمضان شریف کا چاند تھا تو روزہ رکھیں؛ مگر فتنہ فساد سے حتی الوسع پرہیز کریں۔(۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۶۶/۱۰-۶۸)

دوربین سے رؤیتِ ہلال:

سوال: دوربین سے چاند دیکھنا کیسا ہے؟ ممکن ہے آنکھوں سے نظر نہ آئے اور دُوربین سے نظر آجائے تو کیا دوربین سے نظر آنے کے بعد رمضان کا فرض روزہ رکھا جاسکتا ہے؟ اور کیا یہ ”صوموا لرویته“ کے خلاف نہ ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمایا ہے، حدیث پاک ”صوموا لرؤيته، الخ“ پیش

---

(۱) وإذا كان بالسماء علة، لم يقبل فى هلال الفطر إلا شهادة رجلين أو رجل وامراتين. (الهداية: ۲۲۵/۲، فصل فى رؤية الهلال، شركة علمية، وكذا فى الفتاوىٰ الهندية: ۱۹۸/۱، الباب الثانى فى رؤية الهلال، رشيدية)

(۲) لايعمل بالخط إلىٰ فى مسألة كتاب الأمان، ويلحق به البراء ات“. (الدرالمختار)

”عبارة الأشباه: لايعتمد على الخط، ولا يعمل بمكتوب الوقف الذى عليه خطوط القضاة الماضين. قال البيرى: المراد من قوله: (لا يعتمد): أى لايقضى القاضى بذلك عند المنازعة؛ لأن الخط ما يزوروا يفتعل“. (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴۳۵/۵، كتاب القضاء، مطلب: لايعمل بالخط، سعيد)

(۳) عن عبد الله بن عامر بن ربيعه عن أبيه رضى الله تعالىٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يستاك، وهو صائم“. (سنن أبى داؤد: ۳۲۹/۱، كتاب الصوم، باب السواك للصائم، إمدادية ملتان)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”لا تصوموا حتىٰ تروا الهلال، ولا تفطروا حتىٰ تروه، فإن غم عليكم فاقدروا له“. وفى رواية قال: ”الشهر تسع وعشرون ليلة، فلا تصوموا حتىٰ تروه، فإن غم عليكم فأكملوله عدة شعبان ثلثين“. (مشكوة المصابيح، ص: ۱۷۴، باب رؤية الهلال، قديمى)

کرکے تحریر فرماتے ہیں: ''جس کا حاصل یہ ہے کہ ریاضی کی تدقیقات اور ہیئت ونجوم کے حسابات میں جائے بغیر ہرشہر کے آدمی سادہ طور پر اپنی اپنی جگہ پر چاند دیکھنے کی کوشش کریں، چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرکے مہینہ ختم کرلیں، چاند دیکھنے کے لیے اہتمام بھی صرف اتنا کہ کسی ایسی جگہ جہاں مطلعِ قمر میں کوئی چیز حائل نہ ہو، کھڑے ہوکر دیکھ لیں، اس سے زیادہ اہتمام کو پسند نہیں فرمایا''۔ (آلات جدیدہ، ص:۱۷۳)

آگے فرماتے ہیں: ''عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر کے اس تعامل کی بنا پر ہمارے نزدیک کسی طرح مستحسن اور پسندیدہ نہیں کہ ہوائی جہازوں میں اڑکر (یا دوربین کے ذریعہ) چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے''۔ (۱۷۴)

اپنے ایک دوسرے رسالہ ''رؤیتِ ہلال'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''حاصل اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہوا کہ تمام احکامِ شرعیہ جو چاند کے ہونے، یا نہ ہونے سے متعلق ہیں، ان میں چاند کا ہونا یہ ہے کہ عام آنکھوں سے نظر آئے، معلوم ہوا کہ مدارِ احکام چاند کا افق پر وجود نہیں؛ بلکہ رویت ہے، اگر چاند افق پر موجود ہو؛ مگر کسی وجہ سے قابل رویت نہ ہوتو احکام شرعیہ میں وجود کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ (۱۶-۱۵)

اب یہ بات کہ دوربین کے ذریعہ چاند دیکھا گیا تو اس کا اعتبار ہوگا، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ چاند اس قدر تھا کہ بغیر دوربین کے دیکھنے والے بھی اگر اہتمام وتوجہ سے کام لیتے تو انہیں نظر آجاتا تو اس صورت میں دوربین سے دیکھا گیا بھی معتبر ہوگا، ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ بعض وہ دوربین جو آفتاب کی شعاع کو انسانی نگاہ کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتی، ان کے ذریعہ تو چاند کسی بھی تاریخ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (ماخوذ از رویت ہلال، ص:۱۳)

چناں چہ ہوائی جہاز سے متعلق اسی قسم کی ایک صورت کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اتفاقی طور پر کوئی ہوائی جہاز کا مسافر چاند دیکھ لے اور آکر شہادت دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے؛ کیوں کہ اس کی شہادت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں؛ بلکہ نیچے کی ہوا میں گردوغبار اور بخارات کی وجہ سے مستبعد نہیں کہ چاند نظر نہ آئے اور بلند جگہ پر ہوا صاف ہونے کی وجہ سے نظر آجائے، **كما قال الشامي: وقد يرى الهلال من أعلى الأماكن مالايرى من الأسفل فلايكون تفرده بالروية خلاف الظاهر.** (۱۲۷/۲)

شرط یہ ہے کہ ہوائی پرواز اتنی اونچی نہ ہو کہ جہاں تک زمین والوں کی نظریں پہنچ ہی نہ سکیں؛ کیونکہ شرعاً رویت وہی معتبر ہے کہ زمین پر رہنے والے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ سکیں، اس لیے اگر بیس تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرکے کوئی شخص چاند دیکھ آئے تو اس بستی کے لیے وہ رویت معتبر نہیں، جس سے عام انسان باوجود مطلع صاف ہونے کے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ (آلات جدیدہ ۱۷۴، ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاوی: ۲۴۵/۴)

صوم وافطار کا تعلق ہلال کے ساتھ:

سوال: رمضان کے روزے اور عید الفطر کا مدار کس چیز پر ہے؟

الجواب

دونوں کا مدار رؤیت ہلال پر ہے۔امام مسلمؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم:إذا رأیتم الهلال فصوموا وإذا رأیتموه فأفطروا،فإن غم علیکم فصوموا ثلاثین یوماً. (۱)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۴،۲۳۵)

ہلال کی رؤیت عامہ:

سوال: ہر شخص کا اپنے لئیے چاند دیکھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب

نہیں! کیوں کہ اگر ہر ایک انسان کا دیکھنا ضروری ہوتو نابینا پر روزہ فرض ہی نہ ہوگا۔

رسائل الارکان میں ہے: **رؤیة الکل غیر مشروط،انتهٰی.** (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۵)

ہلالِ فطر کا ثبوت:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹/رمضان کو بہت زیادہ ابر تھا، باوجود پوری کوشش کے چاند نظر نہیں آیا؛اس لیے جملہ مساجد میں تراویح پڑھی گئی، پھر ریڈیو سے بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ چاند نظر نہیں آیا۔اس کے بعد نصف شب گزر جانے پر قاضی شہر کے پاس چار شخصوں نے بیان دیا:ایک نوجوان مستورالحال نے کہا کہ میں نے بازار میں قبل از مغرب ایک سکنڈ چاند دیکھا،ابر آجانے سے دوسروں کو دکھا نہیں سکا،دوسرے نوجوان داڑھی منڈے نے کہا کہ میں نے لکیر سی دیکھا ہے غالباً وہ چاند تھا،تیسرے شخص نے جو رافضی ہے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، چوتھے شخص نے جو مولوی ہے کہا کہ چاند دیکھنے والے معتبر ہیں۔ان بیانات پر قاضی نے اعلانِ عید کردیا اور اہل شہر نے عید منالی،قرب وجوار کے قصبات اور گاؤں میں سے بعضوں نے اس کو تسلیم کیا اور بعضوں نے تسلیم نہیں کیا،بعض بستیوں میں نصف لوگوں نے عید منائی اور نصف نے نہیں منائی،بعض نے روزے رکھے،بعض نے نہیں رکھے اور بعض نے رکھ کر توڑ دیے بعض نے نہیں توڑے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ میں قاضی کو کیا فیصلہ دینا تھا؟ کیا جو فیصلہ دیا ہے، وہ از روئے شرع صحیح ہے،یا غلط؟ اور اس پر عمل جائز ہے، یا ناجائز؟ روزے کی قضا ہے،یا نہیں؟ اطراف کے لوگوں نے محض سورت کے

(۱) الصحیح لمسلم،رقم الحدیث:۱۰۸۱

(۲)

(۳)

فیصلہ کی خبر عید منائی اور روزہ نہیں چھوڑا اور نہیں توڑا، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ بڑا انتشار اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا جلد تفصیلی جواب مرحمت فرماویں؛ تاکہ شائع کر دیا جائے اور عوام وخواص مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہو جاویں؛ تاکہ آئندہ اس قسم کی بات اور اختلاف رائے نہ ہو، بعض نے منگل کو عید کی ہے، بعض مقامات کی اطلاع ہے کہ بعض اشخاص نے دونوں روز عید کی نماز پڑھی، پہلے روز ایک پارٹی کے ساتھ دوسرے روز دوسری جماعت کے ساتھ۔

یہ سارا اختلاف دراصل دیکھا جائے تو رمضان کے چاند کے بارے میں پاکستان کے ریڈیو نے اطلاع دی تھی، اس بنا پر ہوا ہے، بعضوں نے روزہ بھی رکھ لیا تھا اور تراویح بھی با جماعت ادا کر لی تھی، ان کے چوں کہ تیس روزے ختم ہو رہے تھے؛ اس لیے ان کو بھی سعی یہ تھی کہ دوشنبہ کی عید ہو جانی چاہیے کہ کراچی میں بھی اسی روز عید کی تھی۔ بینوا توجروا۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

ہلالِ عید کے لیے شہادتِ شرعیہ ضروری ہے، جو بیانات سوال میں نقل کیے گئے ہیں، ان کی حیثیت مجموعی طور پر شرعی شہادت کی نہیں، صرف پہلا نوجوان صرف ایک سکنڈ چاند دیکھنے والا مستور الحال ایسا ہے کہ بعض احکام میں اس کا بیان شہادت کہلانے کا مستحق ہے؛ مگر نصاب تام نہ ہونے کی بنا پر صرف اس کے بیان پر ثبوت ہلال کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ (۱) دوسرا نوجوان، اولا: داڑھی منڈا ہونے کی وجہ سے عادل نہیں، مستور الحال نہیں، مقبول الشہادۃ نہیں۔ (۲) ثانیاً: اس کو چاند کا یقین نہیں؛ بلکہ لکیر سی دیکھی ہے۔ تیسرا شخص رافضی ہے، جو مردود الشہادۃ ہے۔ (۳) چوتھے شخص مولوی نے خود چاند دیکھنا بیان نہیں کیا؛ بلکہ دیکھنے والوں کی توثیق کی ہے؛ اس لیے قاضی صاحب کا فیصلہ ان بیانات پر درست نہیں۔ (۴)

عید پڑھنا درست نہیں، روزہ نہ رکھنا درست نہیں، روزہ کی قضا لازم ہے، جنہوں نے توڑ دیا ہے ان کے ذمہ بھی قضا لازم ہے، (۵) جنہوں نے اس فیصلہ پر روزہ نہیں توڑا اور عید نہیں منائی، انہوں نے درست کیا، جنہوں نے دومرتبہ

---

(۱)　وإن كان بالسماء علة لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة. (الفتاوىٰ الهندية: ۱۹۸/۱، الباب الثاني، في رؤية الهلال، رشيدية)

(۲)　ولا تقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني في الفقه النعماني: ۵٤۷/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(۳)　ولا تقبل شهادة من يظهر سب السلف الذين هم الصحابة والتابعون وأبو حنيفة وأصحابه رضي الله عنهم أجمعين". (الفتاوىٰ الهندية: ٤٦۸/۳، الفصل الثاني: من إلا تقبل شهادته الفسقه، رشيدية)

(۴)　فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب. (الدر المختار)

كأن يتحمل إثنان الشهادة، أو يشهدا علىٰ حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية. (ردالمحتار: ۳۹٤/۲، كتاب الصوم، قبيل ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(۵)　لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره، لم يكفروا. (رد المحتار: ٤۰۷/۲، مطلب في جواز الافطار بالتحري، سعيد)

عید پڑھی انہوں نے بھی بیجا حرکت کی۔ ہمارے اطراف میں انتیس روزے ہوئے، پھر اکثر مقامات پر رؤیت ہوئی اور دہلی سے بھی بذریعہ ریڈیو اطلاع آ گئی؛ مگر سہارنپور میں ابر تھا، ریڈیو کی اطلاع کو شرعی شہادت قرار نہیں دیا گیا، کچھ دیر میں شرعی شہادت پہنچی، حتی کہ بہت سی مساجد میں تراویح بھی ہوئی اور دوشنبہ کو بالاتفاق عید ہوئی۔

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد" آه". (الدر المختار)(۱)

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/شوال ۱۳۶۹/ھ۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۰/۱۳۶-۱۳۷)

شرعی شہادت سے ہی روزہ رکھنا اور افطار کرنا چاہیے، عام خبر کا اعتبار نہیں:

سوال: زید بظاہر ایک دیندار شخص ہے اور مولوی بھی ہے وہ خود کسی پیر کا مرید بھی ہے اور خود ان کے بھی مرید ہیں، اس کا یہ قاعدہ ہے کہ رمضان شریف کا چاند نظر آنے سے پہلے؛ یعنی ۲۹/شعبان کو کبھی ۲۸/شعبان کو رمضان شریف کا روزہ رکھنا شروع کرتا ہے، مولوی صاحب کے حکم کے مطابق ان کے مرید بھی روزہ رکھتے ہیں، اس گنتی کے حساب سے ۲۸، یا ۲۹/رمضان کو تیس روزے پورے کر کے عید الفطر کرتے ہیں، جب کوئی مولوی صاحب سے کہے کہ آپ سب لوگوں کے خلاف ہلال رمضان سے پہلے رمضان کے روزے کیوں رکھتے ہیں، اسی طرح ہلال شوال سے پہلے کیوں افطار کرتے ہیں، جواباً مولوی صاحب فرماتے ہیں، چوں کہ ہمارا ملک چھوٹا ہے، یہاں چاند نہیں ہوسکتا، بڑے بڑے ملکوں میں انہی تاریخوں میں چاند نظر آتے ہیں، اس کی بابت مجھ کو میرے پیر صاحب جہاں کہیں بھی ہوں خبر دیتے ہیں۔ الغرض مولوی صاحب کے رویہ پر لوگوں میں سخت اختلاف پیدا ہو رہا ہے، لہٰذا چاند نظر آئے، یا کہیں سے خبر آنے سے پہلے ایسی باتوں پر اعتبار کر کے روزہ رکھنا اور افطار کرنا قرآن وحدیث وائمہ دین سے ثابت ہے، یا نہیں؟ مدلل جواب تحریر فرمائیے۔

(المستفتی: ۲۷۲۹، محمد سلطان ولد علی داؤد ساکن خاپولو، ریاست کشمیر، وارد حال دہلی، ۲۴/جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ، ۹/جولائی ۱۹۴۲ء)

الجواب

مولوی صاحب کا یہ عمل شریعت کے احکام کے خلاف ہے اور ان کا جواب بھی شرعی اصول کے لحاظ سے درست نہیں، رمضان کا چاند دیکھ کر، یا رویت کی معتبر ذریعہ سے خبر پا کر رمضان المبارک کا روزہ رکھنا چاہیے اور فطر کا چاند دیکھ کر، یا رویت کی شہادت معتبرہ پر روزے ختم کرنے چاہیے۔ صحیح حدیث شریف میں ہے:

"صوموا الرؤيته وأفطروا لرؤيته". (۲)

---

(۱) الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۳۸٦/۲، كتاب الصوم، سعيد

(۲) عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن حالت دونه غيابة، فأكملوا ثلثين يومًا. قال أبوعيسىٰ: حديث ابن عباس حديث حسن صحيح قد روى عنه من غير وجه. (الجامع للترمذی،، باب ما جاء أن الصوم لرؤية الهلال والافطار له: ۱٤۸/۱، ط: سعيد)

ان کا یہ کہنا کہ میرے پیر مجھے چاند ہونے کی خبر دیتے ہیں، شرعاناً قبل اعتماد ہے؛ یعنی ایسی خبر حکم رویت کے لیے شرعاً معتبر نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۲۵/۴-۲۲۶)

حکم انتظار خبر رؤیت درصورت عدم غیم:

سوال: ۲۹/شعبان کو باوجود نہ ہونے ابر و باد کے چاند نہیں دکھائی دیا، اس صورت میں انتظار کرنا کہ اگر کل چاند کی خبر ہوگی تو نیت روزہ کی کرلیں گے، ورنہ نہیں، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

بعض اقوال پر مطلع صاف ہونے پر بھی انتظار منقول ہے؛ لیکن زیادہ مناسب حالت عوام کے دوسرے قول پر فتوی دینا ہے کہ اس میں انتظار نہ کریں۔

فی الدرالمختار: (ولایصام یوم الشک) هو یوم الثلاثین من شعبان وإن لم یکن علة أی علی القول بعدم اعتبار اختلاف المطالع لجواز تحقق الرؤیة فی بلدة أخرٰی وأما علٰی مقابله فلیس بشک ولایصام أصلا، آه. (۱) فقط واللّٰه أعلم

۱۰/رمضان ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۱۷۴) (امداد الفتاوی: ۹۵/۲)

ہلال عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا:

سوال: عید الفطر کا چاند ۲۹/کو عام نہیں ہوا، ۳۰/تاریخ کو شہادت کی وجہ سے دوپہر کو روزہ افطار کیے گئے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے عید اس روز مانی جائے گی، جس روز روزے افطار کئے گئے ہیں، یا اگلے دن جب نماز ہوئی ہے، عید مانی جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً

اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹/رمضان کو چاند نظر نہیں آیا، اس بنا پر روزہ رکھا گیا، یہ تصور کرتے ہوئے کہ ۳۰/رمضان ہے؛ مگر بعد شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہوگیا اور روزہ افطار کردیا گیا اور ثابت ہوگیا کہ یکم شوال ہے تو وہی دن عید کا دن ہے، اسی دن عید کی نماز پڑھی جائے؛ لیکن اگر شہادت دیر میں پہونچی اور عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تو نماز عید ۲/شوال کو پڑھی جائے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۱۰ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰۴/۱۰-۱۰۵)

---

(۱) الدرالمختار علی ردالمحتار، سبب صوم رمضان: ۳۸۱/۲، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) (وتؤخر بعذر) کمطر (إلی الزوال من الغد فقط). (الدرالمختار) (قوله: بعذر کمطر) دخل فیه ما إذا لم یخرج الأم وما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحیث لایمکن جمع الناس، أو صلاها فی یوم غیم وظهر أنها وقعت بعد الزوال. (ردالمحتار، باب العیدین: ۵۹/۳، دارعالم الکتب، ریاض)

رمضان اور عیدین کی چاند کے لیے شرائط:

سوال: ترجمہ اردو درمختار، جلد اول، ص: ۵۰۳ میں ہے:

(وشرط للفطر)مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ أشهد) وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد.(۱)

(ترجمہ: اور ہلال عید میں غبار وغیرہ کے ہوتے ہوئے عادل ہونے کے ساتھ نصاب شہادت (یعنی دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں) شرط ہے اور لفظ اشہد اور محدود فی القذف نہ ہونا شرط ہے کیونکہ نفع بندہ کا تعلق ہے۔)

اور عدالت وہ ملکہ ہے کہ ہمیشہ تقوی اور مروت پر قائم رہے اور یہاں ادنیٰ درجہ شرط ہے؛ یعنی کبائر کا ترک اور عدم اصرار صغائر پر مروت کے خلاف سے بچنا اور لازم ہے کہ مسلمان عاقل بالغ ہو۔

یہاں پر دیہات میں عدالت بالکل مفقود ہے؛ یعنی اکثر لوگ داڑھی منڈے ہیں اور جو داڑھی والے ہیں، ان کی یہ حالت ہے کہ جوا کھیلتے ہیں اور ناچ دیکھنے والے اور تعزیہ دیکھنے والے اور قوالی سننے والے ہیں، اگرچہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور وعظ بھی سنتے ہیں، یہاں پر چار مسجدیں اور عیدگاہ بھی ہے؛ لیکن کسی مسجد میں کوئی امام ومؤذن مقرر نہیں ہے، جمعہ وعیدین اور پنج وقتہ نماز میں آپس میں لوگ خود ہی امام ومؤذن بن جاتے ہیں، مغرب وعشا کی جماعت ہوتی ہے، بقیہ وقتوں میں اگر آدمی جمع ہو گئے تو جماعت ہوگئی، ورنہ لوگ اپنی اپنی نمازیں پڑھ کر چلے جاتے ہیں، کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے۔ غرض کہ یہ لوگ مستورالحال بھی نہیں ہیں؛ بلکہ ان کی بھلائی برائی نظروں کے سامنے ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ اگر ان لوگوں میں سے کوئی عید کا چاند دیکھے تو بوجہ عدالت نہ ہونے کے ان کی شہادت رد کر کے رمضان شریف کے تیس روزے پورے کر کے عید کریں، یا شہادت قبول کرنے میں شرعاً کوئی گنجائش ہے؟

لفظ أشهد کی جو شرط ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ مثلاً چاند دیکھنے والا یوں کہے کہ اشہد میں چاند دیکھا ہے، یا یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں، یا شہادت دیتا ہوں کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ شہادت لینے کا طریقہ کیا ہے؟

(المستفتی: مولوی عبدالرؤف خاں، جگن پور، ضلع فیض آباد)

الجواب

ان لوگوں میں سے کسی کا صادق ہونا قاضی کے نزدیک متحقق ہو اور وہ شہادت قبول کرلے تو اسے اس کا حق ہے۔(۲) اشہد عربی لفظ کہنا ضروری نہیں؛ بلکہ میں شہادت دیتا ہوں، یا گواہی دیتا ہوں کافی ہے۔ رمضان کے چاند کے لیے ایک

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۵۳/۳، دار عالم الکتب، ریاض

(۲) یعنی اگر قاضی اس کی گواہی قبول کر کے رمضان کا حکم دے تو سب کو روزہ رکھنا لازم ہوگا۔

”ولو شهد فاسق وقبلها الإمام وأمر الناس بالصوم، فأفطر هو، وواحد من أهل بلدة قال عامة المشائخ: تلزمه الکفارة.(الفتاویٰ الهندية، کتاب الصوم، باب رؤية الهلال: ۲۱۸/۳، دار الکتب العلمية بیروت)

آدمی کی شہادت بھی کافی ہے یہ آدمی مستور الحال بھی ہو تو بھی گواہی مقبول ہے۔(۱) عیدین کے لیے دو ثقہ آدمیوں کی لفظ شہادت سے حلفیہ ہونی چاہیے، اس میں ظاہر الفسق، یا مستور کی شہادت کافی نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۸/۴-۲۲۹)

ایک شہادت سے رمضان کا ثبوت اور تیس رمضان کو چاند کا نظر نہ آنا:

سوال: ابر کی وجہ سے قاضی نے ثبوت رمضان کے لیے ایک شہادت کو تسلیم کر کے رمضان کا اعلان کر دیا اور لوگوں نے تیس روزے رکھ لیے؛ مگر عید کا چاند نظر نہ آیا، اب اکتیسواں روزہ رکھنا چاہیے، یا عید کرنی چاہیے؟

الجواب

اگر تیس رمضان کو بھی گرد وغبار اور ابر ہو تو افطار کر کے عید کر لینی چاہیے؛ لیکن اگر مطلع صاف ہو اور رؤیت ہلال نہ ہو، امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اب روزہ نہ رکھے؛ لیکن امام صاحب اور ابو یوسف رحمہما اللہ کا مسلک ہے کہ اکتیسواں روزہ بھی رکھا جائے گا۔حموی شارح اشباہ ذخیرہ میں فرماتے ہیں:

فی الذخیرة: الواحد إذا شهد علٰی هلال رمضان عند القاضی وقبل شهادته وأمر الناس بالصوم فلما أتموا ثلٰثین یوماً غم هلال شوال،قال أبو حنیفة وأبو یوسف: یصومون من الغد وإن كان یوم الحادی والثلٰثین یعنی لكونه خروجاً عن العبادة فیحتاط فیه وقال محمد یفطرون،قال شمس الأئمة الحلوانی:هٰذا الاختلاف فیما إذا لم یروا هلال شوال والسماء مصحیة فأما إذا كانت متغیمة فإنهم یفطرون بلاخلاف،انتهٰی. (۱) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۳۶) ☆

---

(۱) وقبل بلا دعوی،ولفظ أشهدللصوم مع علة كغیم خبرعدل،أومستورعلٰی ما صححه بزازی علٰی خلاف ظاهرالروایة،لافا سق اتفاقاً،إلخ.(الدرالمختار،كتاب الصوم: ۳۸۵/۲،طبع سعید)

(۲) (وشرط للفطر)مع العلة،والعدالة (نصاب الشهادة،ولفظ أشهد)وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد.

قوله:(ونصاب الشهادة) أی علٰی الأموال وهورجلان،رجل،وامرأتان ... أما الفطرفهونفع دنیوی للعباد، فأشبه سائرحقوقهم،فیشترط فیها.(الدرالمختارمع رد المحتار،كتاب الصوم:۳۵۳/۳،دارعالم الكتب،الریاض)

(۳) غمز عیون البصائر،كتاب الصوم: ۷۷/۲،دارالكتب العلمیة بیروت،انیس

☆ **دو شہادتوں سے رمضان کا ثبوت اور تیس کو چاند کا نظر نہ آنا:**

سوال: اگر دو شخصوں نے بحالت ابر وغبار گواہی دی اور سب نے تیس روزے رکھ لیے؛ مگر شوال کا چاند نہیں ہوا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

الجواب

افطار کر کے صبح کے وقت عید کے مناسک وافعال کرنے چاہئیں خواہ تیس تاریخ کو ابر ہو، یا مطلع صاف ہو۔حموی شارح اشباہ بیان کرتے ہیں: **وأما إذا شهد هلال رمضان شاهدان والسماء متغیمة وقبل القاضی شهادتهما وصاموا ثلٰثین یوماً فلم یروا الهلال إن كانت السماء متغیمة یفطرون من الغد بالإتفاق وإن كان مصحیة فكذلك یفطرون إلیه أشاره فی القدوری والمنتقی وقیل فی فوائد القاضی للإمام ركن الدین علی السعدی إنهم لایفطرون والأول أصح،انتهٰی.** (غمز عیون البصائر،كتاب الصوم: ۷۷/۲،دارالكتب العلمیة بیروت،انیس) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو: ۲۳۶)

ہلال رمضان کی شہادت کے لیے عادل ہونا:

سوال: ہلال رمضان کے ثبوت میں اگر ایک شاہد ہو تو اس کا عادل ہونا ضروری ہے, یا نہیں؟

الجواب

ظاہرالروایۃ میں عادل ہونا شرط ہے۔اورحسن روایت کرتے ہیں امام صاحبؒ سے کہ عدالت شرط نہیں ہے۔ایک مجہول اورنا معلوم الحال انسان کی شہادت بھی مقبول ہو جائے گی۔طحاوی اورشمس الائمہ حلوانی کا بھی یہی مذہب ہے اورمتأخرین نے بھی اسی کوصحیح مانا۔درمختار میں ہے:

(وقيل بلا دعوىٰ و) ... (لفظ أشهد) ... (للصوم مع علة كغيم) وغبار (خبرعدل) أومستورعلىٰ ما صححه البزازى علىٰ خلاف ظاهرالرواية لا فاسق اتفاقاً،انتهىٰ ملخصاً. (۱)

اورحمادیہ میں ہے:

وأما إن كان مستورالحال فالظاهرأن لاتقبل شهادته وروى الحسن عن أبى حنيفة:يقبل شهادته وهوالصحيح،انتهىٰ.

ابوالمکارم شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں:

ولم يشترط الطحاوى العدالة قيل مراده أن العدالة الحقيقة ليست بشرط بل يكتفى بالظاهرية فى النوادرأن شهادة المستورمقبولة فى ذلك وبه أخذ الحلوانى،انتهىٰ.

اوررسائل الارکان میں ہے:

ونحن نقول إن شروط العدالة فى أمثال هٰذا فى زماننا يحل بأكثرالأعمال لاسيما فى الصيام فالأحرىٰ أن يفتى عن الإمام أبى يوسف إن كان الشاهد ذا مروة بحيث يغلب على الظن صدقة يقبل قوله لئلايخيل أمرالصائم،انتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۵)

عید کا چاند دیکھ کرروزہ افطار کر لینا:

سوال: اگر تیس رمضان کوغروب آفتاب سے پہلے چاند نکل آئے توروزہ فوراً افطار کر لینا چاہیے، یا غروب آفتاب تک انتظار کرنا ضروری ہے؟

الجواب

یہ چاند آنے والی رات کا شمار ہوگا،روزہ غروب آفتاب پر ہی افطار کرنا چاہیےاورآنے والی صبح عید ہوگی۔

رسائل الارکان میں ہے: **وإن رأى الهلال فى نهار ثلٰثين ولم ير قبله فالهلال لليلة الآتية ويتموا صوم يوم رأى فيه الهلال سواء رأى قبل الزوال أوبعده،انتهىٰ.** (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۷)

---

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصوم:۳۵۲/۳،دارعالم الكتب،رياض،انيس

ثبوت رویت ہلال عید کے واسطے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے:

سوال: رنگون کے قریب وسٹی ایک مقام ہے، وہاں ۲۹ تاریخ کو ۱۰ ر بجے کے قریب تار آیا کہ آج رنگون میں عید ہے، اس بنا پر بعض اشخاص نے یعنی نصف لوگوں نے روزہ توڑ دیا اور نصف لوگوں نے تار کا اعتبار نہیں کیا اور روزہ بدستور شام کو افطار کیا اور ۳۰ تاریخ کو روزہ ختم کر کے اتوار کو عید کی۔ خلاصہ یہ کہ رنگون والوں نے کل ۲۹ ر روزے رکھ کر شنبہ کو عید کی اور یہاں بعض شخصوں نے ۲۹ ر روزہ کامل کئے اور ایک تیس کا ناقص توڑ دیا اور بعضوں نے پورے تیس کئے؛ لیکن عید پورے ۳۰ کر کے ہوئی۔ اب سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے تیس تاریخ کو روزہ توڑ دیا ہے، کیا ان پر قضا وکفارہ واجب ہے، یا نہیں؟ دوسری یہ بات قابل دریافت ہے کہ امسال اکثر جگہ سنا گیا ہے کہ شنبہ کو عید ہوئی، اگر یہ بات متحقق ہو جائے تو اس حالت میں قضا واجب ہے، یا نہیں؟ اور اس کے متحقق ہونے کے لیے کیا کیا شرائط ہیں؟ افواہ کا کوئی اعتبار ہے، یا نہیں؟

الجواب

ثبوت رویت ہلال عید کے واسطے جب کہ مطلع صاف نہ ہو، دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے، تار میں بظن غالب کمی بیشی اور غلطی ہو جاتی ہے؛ اس لیے تار ثبوت رویت ہلال کے لیے کافی نہیں۔

وإن كان بالسماء علة لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة، كذا في خزانة المفتين، وتشترط العدالة، هٰكذا في النقاية، انتهى مختصراً. (الهندية: ۱/۲۱۰)(۱)

پس جو شخص کہ صرف تار کی خبر پر روزہ توڑ ڈالے، اس پر قضا وکفارہ دونوں واجب ہوں گے؛ لیکن اگر بعد میں بہ شہادت شرعیہ معتبرہ ثابت ہو جائے کہ چاند ۲۹ ر رمضان کا ہوا تھا تو حکم قضا ساقط ہو جائے گی۔

"ولا عبرة لاختلاف المطالع في ظاهر الرواية، كذا في فتاوى قاضي خان، وعليه فتوى الفقيه أبي الليث وبه كان يفتي شمس الأئمة الحلوائي، قال: لو رأى أهل مغرب هلال رمضان يجب الصوم علىٰ أهل مشرق، كذا في الخاصة. (الهندية: ۱/۲۱۱)(۲)

اور اس مسئلے کی پوری تفصیل رسالہ " **البيان الكافي في حكم الخبر التلغرافي**" میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(کفایت المفتی: ۴/۲۰۹-۲۱۰)

عید کے چاند کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہ ضروری ہیں:

سوال (۱) فی زماننا چوں کہ عدالت کالعدم ہے، پس ہلال رمضان وشوال کے لیے کیسے آدمی کی شہادت معتبر ہے؟

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۱۹۸، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۲۲۲، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) انتیس رمضان ۱۳۳۴ھ کو آسمان پر ابر تھا اور سوائے تین شخصوں کے کسی نے ہلال نہیں دیکھا، انہوں نے تین عالموں کے پاس آ کر شہادت دی کہ ہم نے ہلال شوال دیکھا ہے، ان میں سے ایک گواہ نے کہا کہ میں نماز ہمیشہ پڑھتا ہوں اور دو گواہوں نے کہا کہ ہم کبھی نماز پڑھتے ہیں اور کبھی نہیں پڑھتے، اس پر دو عالموں نے کہا کہ چوں کہ عدالت شرط ہے اور وہ یہاں پائی نہیں جاتی، پس شرع میں ان کی گواہی کا عتبار نہیں ایک عالم نے کہا کہ اس زمانے میں اسی پر فتوی ہے کہ اگر طبعیت کا رجحان گواہوں کی سچائی پر ہو تو ان کی گواہی معتبر ہے، ورنہ نہیں، بعد ازاں دو عالموں نے کہا کہ ہمارے خیال میں یہ لوگ سچے معلوم ہوتے ہیں اور ایک عالم نے کہا کہ میں نہ سچا سمجھتا ہوں نہ جھوٹا، کسی جانب کو ترجیح نہیں دیتا ہوں، بعد ازاں چوں کہ دو عالموں کی رائے میں یہ لوگ سچے ٹھہرے، اس واسطے اعلان کیا گیا کہ کل صبح کو عید الفطر ہے، اس بنا پر شہر کے اکثر مسلمانوں نے علما کی اتباع کا خیال کر کے دوگانہ ادا کیا اور تھوڑے لوگوں نے بایں خیال کہ ان علما کا حکم مطابق شرع شریف نہیں ہے، عید نہیں کی اور روزہ رکھا، پس اس صورت میں کون غلطی پر ہے؟

(المستفتی: فقیر بلدار خاں الملقب بہ نبی بخش چشتی، مالیگاؤں)

الجواب

(۱-۲) عید الفطر کے چاند کے ثبوت کے لیئے دو عادل گواہوں کی ضرورت ہے، بغیر ایسی گواہی کے افطار صحیح نہیں، صورت مذکورہ فی السوال میں شہادت معتبرہ نہیں تھی اور حکم افطار صحیح نہیں تھا اور اس بنا پر جن لوگوں نے افطار نہیں کیا اور عید کی نماز نہیں پڑھی، ان پر کوئی شرعی الزام نہیں، شہر کا مفتی، یا بڑا عالم جو قاعدہ شرعیہ کے موافق حکم صوم، یا افطار کرے، اس بارے میں قاضی کے قائم مقام ہوسکتا ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرس مدرسہ امینیہ دہلی سنہری مسجد

الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ، مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند، ۲۷/شعبان ۱۳۳۳ھ۔ (کفایت المفتی: ۲۲۶/۴-۲۲۷)

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے:

سوال: اگر کسی شہر میں مطلع صاف نہ ہو اور دو ضعیف البصر غیر عدل جن کو عوام الناس غیر معتبر سمجھیں، شہادت دیں اور امام جامع مسجد ان کی شہادت پر فتوی بھی دے دے کہ نماز عید الاضحیٰ پنج شنبہ کو ہوگی عوام الناس ان دونوں شہادتوں کو غیر معتبر اور غیر عدل سمجھتے ہیں اور بیان کرتے ہیں اور امام صاحب کہتے ہیں کہ عدالت کی شرط نہیں ہے، محض دو کلمہ گو کلمہ پڑھ کر حلف سے شہادت دیں گے تو ہم مان لیں گے، شہادت دو فاسقوں کی بھی معتبر ہے، یہ لوگ پھر

---

(۱) (وشرط للفطر) مع العلة، والعدالة (نصاب الشهادة، ولفظ أشهد) وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد. (الدر المختار) قوله: (ونصاب الشهادة) أي علٰى الأموال وهو رجلان، رجل، وامرأتان ... أما الفطر فهو نفع دنيوي للعباد، فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيها. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۵۳/۳، دارعالم الكتب، رياض، انيس)

دوسرے عالم سے فتوی طلب کریں دوسرا عالم جمعہ کی عید کا فتوی دے اور شہر میں دو عیدیں ہوں ایک فریق دسویں ذی الحجہ پنج شنبہ کو سمجھے اور ایک جمعہ کو اور اس شہر کے صدر کیمپ میں عام طور پر علمانے جمعہ کی دسویں قرار دی تو اس صورت میں پنج شنبہ کی نماز عید اور قربانیاں جائز ہوں گی، یا نہیں؟ اور یہ امام شرعاً مفتی ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں ہلال عید کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے، جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے غلطی پر ہے۔

"وإن كان بالسماء علة لاتقبل إلاشهادة رجلين أورجل وامرأتين ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة كذا في خزانة المفتين، وتشترط العدالة، هكذا في النقاية. (الهندية)(۱)

اور جب کہ عدالت شہود شرط ہے، پس ایسے لوگوں کی شہادت سے جو غیر معتبر تھے، پنج شنبہ کی عید کا حکم صحیح نہیں اور نہ اس روز کی قربانی جائز اور درست ہوئی، تاوقتیکہ کسی صحیح شرعی طریقہ سے یہ ثابت ہو جائے کہ جمعرات کی عید ٹھیک تھی، اس وقت تک ان لوگوں کو یہی حکم دیا جائے گا کہ تمہاری قربانی جائز نہیں ہوئی۔ (کفایت المفتی: ۴/۲۱۰-۲۱۱) ☆

(۱) الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۲۲۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

☆ **مطلع صاف نہ ہو تو ہلال عید کے لیے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے:**

سوال: ہندوستان کے بعض بلاد میں عید الفطر کا چاند انتیسویں رمضان کو یوم شنبہ کو نہیں دیکھا گیا اور نہ مقامات رویت کی ان بلاد میں شرعی شہادت پہنچی بناء علیہ بفحوائے حدیث "فإن غم عليكم الهلال فأكملوا ثلاثين" (عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "صوموا الهلال، لرؤيته وأفطروا لرؤيته فإن غم عليكم، فأكملوا العدة ثلاثين (نسائي، كتاب الصوم، اكمال شعبان ثلاثين إذا غم، ص: ۲۳۲، ط سعيد) اتوار کی عید کی گئی، اس کے بعد چوں کہ مسلسل بارش ہوئی ابر اکثر آسمان پر محیط رہا، مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ذی قعدہ اور ذی الحجہ کی رویت ۲۹ کو نہ ہو سکی اور نہ مقامات رویت سے شہادت پہنچی، اب ان بلاد کے رہنے والوں کے واسطے عید الاضحیٰ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا یہ لوگ بدون رویت اور بدون شہادت معتبرہ شرعیہ مقامات رویت کا اتباع کر کے یوم جمعہ کو عید الاضحیٰ کر سکتے ہیں، یا حدیث مذکورہ کی بنا پر "اکمال ثلاثین" لازم ہوگا (جس کے اعتبار سے سنیچر کو عید الاضحیٰ کرنا چاہیے) صورت اولیٰ میں مقامات رویت کا اتباع بدون شہادت شرعی معتبرہ کے جو حدیث مذکورہ کے قطعا خلاف ہے، کسی حجت شرعی کی بنا پر ہے؟ صورت ثانیہ میں جن لوگوں نے یوم جمعہ کو نماز عید الاضحیٰ پڑھی اور اسی دن قربانی کی جو بالکل قبل از وقت ہے، ایسی حالت میں ان سے وجوب صلوۃ اور وجوب اضحیہ ادا ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

مطلع صاف نہ ہو تو ثبوت رویت ہلال عید کے لیے دو عادل گواہوں کی شہادت شرط ہے، کسی ایسی جگہ کے باشندوں کو جہاں کسی وجہ سے چاند نظر نہ آئے، صرف افواہ کا اعتبار کر کے عید کر لینا جائز نہیں، اگر ایسا کریں گے تو ان کی قربانی وغیرہ کو تاوقتیکہ شرعی طریقے سے جمعہ کی عید کا ثبوت نہ ہو جائے، حکم عدم جواز ہی کا دیا جائے گا۔

"وإن كان بالسماء علة لاتقبل إلا شهادة رجلين أورجل وامرء تين ويشترط فيه الحرية و لفظ الشهادة كذا في المفتيين، وتشترط العدالة كذا في النقاية. (الهندية مختصرًا) (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصوم: الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱/۲۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

==

بادل کی صورت میں افطار کے لیے دو آدمیوں کی گواہی معتبر ہے:

سوال: ایک شہر میں انتیس ذی قعدہ کو پیر کے روز منگل کی شب کو رویت ہلال ذی الحجہ ہوئی، ایسی حالت میں کہ مطلع صاف نہ تھا؛ بلکہ ابر غلیظ محیط تھا دیکھنے والوں میں سے دو آمیوں نے آ کر معززین شہر کی موجودگی میں چاند دیکھنے کی شہادت دی اور ان کی شہادت کی تائید میں اور بھی شہر کے مختلف محلوں سے خبریں آئیں کہ پیر کے روز فلاں فلاں شخص نے چاند دیکھا، جن میں سے بعض ثقہ اور بعض مستور الحال ہیں، مفتی صاحب نے ایسی حالت میں کہ علت فی السماء موجود تھی، ثبوت رویت کے لیے ان دو شہادتوں کو کافی سمجھ کر اعلان کرا دیا کہ عید اضحیٰ حسب شہادت پنج شنبہ کو ہوگی، حسب اعلان کل شہر میں پنج شنبہ کو عید ہوئی؛ مگر چند آدمیوں نے جن کی تعداد تیس یا چالیس سے زیادہ نہیں تھی، اس شہادت کو غیر معتبر سمجھ کر پنج شنبہ کو عید نہیں کی، جن لوگوں نے اس شہادت پر عید کی تو ان کے حساب سے محرم کی پہلی تاریخ بھی پنج شنبہ کو ہوتی ہے؛ مگر چہار شنبہ کو محرم کا چاند دیکھا نہیں گیا؛ بلکہ پنج شنبہ کو ہوا اور جمعہ کے روز محرم کی پہلی تاریخ قرار پائی، اب وہ لوگ کہ جنہوں نے خلاف حکم مفتی وشہادت دوسرے روز عید کی تھی، طعن وتشنیع کرتے ہیں کہ کیا اکتیس کا چاند ہوا؟ جمعرات کے روز کی عید قربانی کچھ بھی نہیں ہوئی، کیا ان کا یہ قول صحیح ہے، فی الواقع جمعرات کی عید نہیں ہوئی؟ باوجودیکہ اس کا دارومدار حجت شرعی؛ یعنی شہادت معتبرہ شرعیہ پر ہے، یا کہنے والے غلطی پر ہیں؟ علاوہ ازیں شاہدوں پر غیر واقع بہتان لگاتے ہیں، حالاں کہ ان میں صفت عدالت (اجتناب عن الکبائر وعدم اصرار علی الصغائر وغیرہ) موجود ہے، پس ثبوت رؤیت ہلال از روئے شہادت یقین کی حد کو پہنچا، جن لوگوں نے اس شہادت کے حکم کے خلاف کیا، وہ مورد ملامت ہیں، یا دیگر جملہ اہل شہر کہ جنہوں نے حسب الشہادۃ حکم شرعی کی تعمیل کی؟ جو لوگ کہ شاہدوں پر بہتان باندھتے ہوں، ان کے واسطے شرعاً کیا حکم ہے؟ بالفرض اگر کسی شخص سے کسی زمانے میں کسی ناجائز امر کا صدور ہو تو بعد تائب ہونے کے بھی مقبول الشہادۃ ہوگا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

مفتی صاحب کا حکم اس صورت میں کہ آسمان پر ابر غلیظ موجود تھا اور دو آدمیوں نے جو معتبر اور عادل تھے، رؤیت کی

== حدیث "فإن غم عليكم، إلخ" کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی طریقے سے بھی چاند کا ثبوت نہ ہوسکے، تیس روزے پورے کرنے چاہیے؛ لیکن اگر کسی طرح ثبوت ہوجائے، مثلاً: کسی دوسری جگہ کی رویت کی شہادت گزر جائے، یا خبر رؤیت کا تواتر، یا شہرت ہوجائے تو پھر یہ حکم نہیں رہے گا۔

پس صورت مسئولہ میں جن لوگوں نے جمعہ کی عید بدون ثبوت شرعی کے کرلی ہے، نہ ان کی نماز ہوئی نہ قربانی ادا ہوئی؛ (قربانی اور عید کی نماز عید کے دن کی وجہ سے واجب ہوتی ہے، جب عید ہوئی ہی نہیں تو نماز بھی واجب نہیں ہوئی اور وجوب سے پہلے ادا درست نہیں) مگر یہ حکم عدم صحت صلوۃ وعدم جواز قربانی کا اسی وقت تک رہے گا، جب تک کہ ان کے یہاں رویت کا ثبوت شرعی نہ ہوجائے اور جب ثبوت شرعی ہوجائے تو ان کی نماز کی صحت اور قربانی کے جواز کا حکم دیا جائے گا۔ (کفایت المفتی: ۴/ ۲۱۱-۲۱۲)

شہادت دی، صحیح تھا،(۱) اوراس کا اعتبار اوراس پر عمل کرنا لازم تھا، جن لوگوں نے اسکے خلاف کیا وہ خود مورد ملامت ہیں نہ کہ مفتی صاحب اوران کے حکم کے موافق عمل کرنے والے؛ کیوں کہ علم کا مبنی حجت شرعیہ ہے، عدالت شہود کی معتبر تعریف یہ ہے کہ کبائر سے مجتنب ہواور صغائر پر مصر نہ ہو،(۲) اوراس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں، اگر کسی وقت کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہوجائے اوراس سے توبہ کرلے تو بعد توبہ اس کی شہادت مقبول ہے اور پچھلا گناہ جس سے توبہ کرلی ہے، اس کی عدالت میں مضر نہیں سوائے محدود فی القذف کے،(۳) چہارشنبہ کو محرم کا چاند نہ ہونا کچھ مضر نہیں؛ مگر تاریخ پہلی جمعرات کی ہوگی؛ کیوں کہ تیس دن پورے کرنے سے دوسرا مہینہ شروع ہوجائے گا، خواہ کسی وجہ سے رویت نہ ہو۔(۴) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۲۱۳/۴-۲۱۴)

مطلع ابرآلود ہونے کی صورت میں ایک شخص کی شہادت:

سوال: اگر مطلع ابرآلود ہوتو ایک شخص کی شہادت کافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

کافی ہے۔رسائل الارکان میں ہے:

ثم يكفى فى الصوم روية واحد إذا كان فى السماء علة فالشهادة تلزم الصيام على المكلفين لما روى عن ابن عمر قال تراى الناس -الهلال فأخبرت رسول الله صلى الله عليه وسلم إنى رأيته فصام وأمر الناس بصيامه،رواه أبو داؤد،انتهٰى. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۳۵)

---

(۱) (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة، (نصاب الشهادة، ولفظ أشهد) وعدم الحد فى قذف لتعلق نفع العبد.(الدر المختار)قوله:(ونصاب الشهادة) أى على الأموال وهورجلان،أورجل،وامرأتان ... أماالفطرفهونفع دنيوى للعباد، فأشبه سائرحقوقهم،فيشترط مايشترط فيها.(الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصوم:۳۵۳/۳،دارعالم الكتب الرياض)

(۲) قوله:(خبرعدل)العدالة ملكة تحمل علٰى ملازمة التقوى،والمرؤة الشرط أدناها،وهوترك الكبائر، والإصرار على الصغائر،ومايخل بالمروءة،ويلزم مسلمًاعاقلاً بالغًا،بحر.(ردالمحتار، كتاب الصوم:۳۵۲/۳، دارعالم الكتب الرياض)

(۳) (وشرط للفطر)مع العلة والعدالة(نصاب الشهادة،ولفظ أشهد)،وعدم الحد فى قذف لتعلق نفع العبد.(الدر المختار)قوله:(ونصاب الشهادة أى على الأموال وهورجلان،أورجل،وامرأتان ...أماالفطرفهونفع دنيوى للعباد،فأشبه سائرحقوقهم،فيشترط مايشترط فيها.(الدرالمختارمع رد المحتار، كتاب الصوم:۳۵۳/۳،دارعالم الكتب،الرياض)

(۴) کیوں کہ اسلامی مہینے ۲۹، یا ۳۰ دن کے ہوتے ہیں، تیس دن سے زائد کا کوئی ماہ نہیں۔عن ابن عمر رضى الله تعالٰى عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ذكررمضان، فضرب بيده،فقال الشهرهٰكذا وهٰكذا ثم عقد ابهامه فى الثالثة صوموا لرؤيته،وأفطروا لرؤيته فإن أغمى عليكم،فاقدروا له ثلاثين.(الصحيح لمسلم :كتاب الصيام.باب وجوب رمضان لرؤية الهلال: ۳٤۷/۱،قديمى)

وإذا شهد علٰى هلال رمضان شاهدان،والسماء متغيمة وقبل القاضى شهادتهما وصاموا ثلا ثين يومًا،فلم يروا هلال شوال إن كانت السماء متغيمة يفطرون من الغد بالاتفاق وإن كانت مصحية يفطرون أيضاً على الصحيح،كذا فى المحيط.(الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصوم،باب رؤية الهلال: ۱۹۸/۱، كوئٹہ)

جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہے، وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو:

سوال: جہاں آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے، چاند نظر نہیں آتا، سورج سال کے مخصوص مہینے میں نظر آ جاتا ہے وہاں کے باشندہ ''لاتصوموا حتٰی تروہ، ولاتفطروا حتٰی تروہ'' (۱) حدیث کے مطابق روزہ رکھیں گے۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مہینوں کا تعین جنتری اور قریبی مقامات کی تحقیق سے ہوسکتا ہے، جہاں چاند نظر آتا ہے۔ (۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۲۴-۱۲۶)

معتبر داڑھی منڈھے اور دھوتی باندھنے والے کی گواہی:

سوال (۱) اس زمانے میں جب کہ ڈاڑھی منڈوں کی کثرت ہے، پس اگر کوئی ڈاڑھی منڈانے والا رؤیت کی شہادت دے اور وہ عرفاً ثقہ اور معتمد سمجھا جاتا ہو، پس آیا شرعاً اس کی گواہی مان لی جائے، اسی طرح داڑھی والا نمازی جب کہ تہبند، یا دھوتی باندھے ہوئے ہو۔

شرعی قاضی نہ ہونے کی صورت میں مفتی، یا امام مسجد چاند کی گواہی لے:

(۲) جب کہ اس زمانے میں حاکم مسلم نہیں ہے تو آیا مفتی، یا امام مسجد عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے چاند میں بلا لفظ شہادت گواہی کو مان لے تو کیا حرج ہے؟

---

(۱) مشکاة المصابیح، کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال: ۱/۱۷٤، قدیمی

(۲) خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے ملک میں بھی دنیا کے ہر گوشہ سے ریڈیو کے اعلانات برابر آتے ہوں گے، بس آپ کے وہاں کی ۲۹ر تاریخ کو ان مذکورہ بالا ضابطوں کے مطابق مذکورہ بالا الفاظ میں دنیا کے جس خطہ سے ریڈیو پر یہ اعلان آ جائے کہ شرعی ثبوت سے رؤیت ہلال ثابت ہونے کی بنیاد پر اعلان کیا جاتا ہے تو ان اعلانوں کے مطابق بلا تردد عمل کرلیا جائے، البتہ یہ شق رہ گئی کہ دنیا کے کسی ایک خطہ میں ۲۹ر تاریخ کو کبھی چاند نظر ہی آتا ہو، وہاں کا مطلع ہمیشہ ناصاف ہی رہتا ہوں تو وہاں ۲۹ر تاریخ کا تعین کس طرح کریں گے، پھر اس اعلان شرعی پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟

اس کا حل یہ ہے کہ ۲۹ر شعبان، یا ۲۹ر رمضان کو جس ملک کے ریڈیو سے مذکورہ بالا شرعی اصول وضوابط کے مطابق اعلان ہوتا ہو، اس ملک کے ریڈیو سے اعلان کی تلاش ہر ماہ میں جاری رکھیں اور جس تاریخ کا وہ اعلان کریں، وہی تاریخ اپنے یہاں متعین رکھیں تو ۲۹ر شعبان خود بخود متعین ہوتے رہیں گے اور عمل کرنا آسانی سے ہوتا رہے گا۔ ۲۹ر شعبان کو شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ہوجانے کا اعلان ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردیں، ورنہ ۳۰ر دن پورے کرکے روزے رکھنا شروع کریں، پھر ۲۹ر رمضان کو اگر چاند ہونے کا اعلانِ شرعی مذکورہ ضابطہ کے مطابق آجائے تو عید منالیں''۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الصوم، عنوان: محض سائنسی، یا حسابی تخمینے کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا درست نہیں: ۱/۱۳۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغبر) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب، کما مر. (الدر المختار، کتاب الصوم، قبیل باب ما یفسد الصوم وما لایفسده: ۲/۳۹٤، سعید)

مختلف خطوط سے اگر چاند کا یقین ہو جائے:

(۳) جب کہ دو خط ایسے آجائیں، جن میں اشتباہ نہ ہو اور دل کو اطمینان ہو جائے تو آیا ان دو خطوں کی بنا پر عید الاضحیٰ بحساب ۲۹ ہوسکتی ہے؟ مثلاً برما کے شہر ٹانگو میں ایک خط رنگون کے دارالافتاء سے بنام امام مسجد جواباً گیا کہ یہاں عید کلکتہ وغیرہ کی رؤیت کی بنا پر روز دوشنبہ بحساب انتیس ہوگی اور دوسرا خط اسی امام مسجد ٹانگو کے نام جواباً امام جامع مسجد مانڈلے کی طرف سے گیا کہ یہاں باہر کے دو معتمد گواہوں کی شہادت رویت کی بنا پر بروز دوشنبہ عید الاضحیٰ ہوگی، پس آیا ان دونوں معروضہ بالا خطوط کی بنا پر شہر ٹانگو کے مسلمانوں کو عید کرنا جائز تھا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۸۶، مولانا عبدالخالق صاحب رنگون، ۲/صفر ۱۳۵۳ھ، مطابق ۷/مئی ۱۹۳۴ء)

الجواب

(۱) ڈاڑھی منڈانے والا اگرچہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو، اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے؛(۱) لیکن اگر قاضی قبول کرلے اور حاکم کردے تو حکم صحیح ہو جائے گا۔(۲)

(۲) نمازی اور داڑھی والا شخص اگر دھوتی باندھے تو اس کی گواہی قابل قبول ہے۔(۳)

(۳) بوجہ حاکم مسلم نہ ہونے کے امام یا مفتی قائم مقام قاضی کے تو ہوسکتا ہے؛(۴) لیکن باقی ان تمام امور کی رعایت کرنی ہوگی، جو خود قاضی کے لیے واجب الرعایۃ تھے اور لفظ شہادت عید الفطر وعید الاضحیٰ کے لیے ضروری ہیں، (۵) اگر گواہ ناواقفیت کی بنا پر خود نہ کہے تو اس سے کہوا لیے جائیں۔

(۴) خطوط کی بنا پر ذاتی طور پر عمل تو کیا جاسکتا ہے، جب کہ خطوط پر اعتماد ہو؛ لیکن حکم کے لیے خطوط اگرچہ قابل اعتماد ہوں کافی نہیں ہیں۔(۶) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۶/۴-۲۱۷)

---

(۱) سئل فی شهادة محلوق اللحية هل تقبل، أم لا؟ الجواب، لم أجد، فحيث أدمن علىٰ فعل هٰذا المحرم يفسق إلخ. (فتاوى تنقيح حامدية، الشهادة إذا بطلت، إلخ: ۱/۳۵۱، مكتبة حاجى عبد الغفار، قندهار، أفغانستان)

(۲) فلو قضىٰ بشهادة فاسق نفذ وأثم قوله بشهاد ة فاسق نفذ، قال فى جامع الفتاوى، وأما شهادة الفاسق، فإن تحرى القاضى الصدق فى شهادته تقبل، وإلا لا. آه. وفى فتاوىٰ القاعدية، هٰذا إذا غلب علىٰ ظنه صدقه، إلخ. (ردالمحتار كتاب الشهادات: ۵/۴۶۶، ط: سعيد)

(۳) دھوتی باندھنا کوئی گناہ نہیں؛ اس لیے شہادت میں کوئی خلل نہیں آتا۔

(۴) والعالم الثقة فى بلدة لاحاكم فيه قائم مقامه. (عمدة الرعاية علىٰ شرح الوقاية، كتاب الصوم: ۱/۲۴۶، سعيد كمپنى لاهور)

(۵) أما فى العيد فيشترط لفظ الشهادة. (البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۲۸۳، بيروت)

(۶) کیوں کہ یہ شرعاً حجت نہیں اور کتاب القاضی الی القاضی کے شرائط مفقود ہیں۔

کسی شخص کی شہادت پر بغیر حکم قاضی روزہ رکھنا:

سوال: اگر گاؤں میں کسی شخص نے رمضان کا چاند دیکھا اور شہادت دینے شہر نہ گیا اور نہ اس جگہ کوئی حاکم اور قاضی ہے تو بستی والوں کو اس شخص کی شہادت پر روزہ رکھنا ضروری ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ

بستی والوں کو روزہ رکھنا چاہیے۔ سراجیہ میں ہے:

رجل رأى هلال رمضان برستاق ليس هُناک قاضي ولا وال ولم يأت المصر ليشهد فعليهم أن يصوموا بقول هٰذا الرجل إن كان ثقة، انتهٰى. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۳۵-۲۳۶)

کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رؤیتِ ہلال کے لیے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے:

سوال: عیدین، یا رمضان، یا کسی دوسرے مہینہ کے چاند دیکھنے والوں پر یہ لازم ہے کہ مفتی کے پاس آ کر گواہی دیں، یا خود مفتی کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ محلّہ محلّہ، گھر گھر؛ بلکہ دیہات جا کر گواہیاں حاصل کرے؟ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ خود مفتی کے فرائض میں سے ہے۔ مفتی کا بیان یہ ہے کہ جب عام طور سے گواہی کا وجوب لوگوں کو بتلا دیا ہے تو اب خود لوگوں کا فرض ہے کہ وہ آ کر گواہیں دیں، بحوالۂ کتاب تحریر کیا جائے کہ کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

(نجم الحسن خیرآبادی، ۱۷/ذی قعدہ ۱۳۶۷ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

مفتی کا بیان صحیح ہے، یہاں تک کہ اگر صرف کوئی پردہ دار چاند دیکھے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ آ کر گواہی دے۔

"ويجب على الجارية المخدرة أن تخرج في ليلتها بلا إذن مولا وتشهد، اه. (الدر المختار)

(قوله: ويجب على الجارية المخدرة): أى التى لا تخالط الرجال، وكذا يجب على الحرة أن تخرج بلا إذن زوجها، وكذا غير المخدرة والمزوجة بالأولٰى، قال: والظاهر أن محل ذلک عند توقف اثبات الرؤيه عليها وإلا فلا، اه". (ردالمحتار: ۲/ ۱۲٤)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/۱۱/۱۳۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۳۳)

رؤیت ہلال کمیٹی اگر فتوی کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے:

سوال: رؤیت ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبہ آرا میں دب کر رہ جائے اور خلافِ فتوائے مفتی رؤیت ہلال کمیٹی شہر کی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہیے؟

---

(۱)　رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸٦، مبحث فى صوم يوم الشک، سعيد

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

رؤیت ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتویٰ کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے، ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلان شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالمِ دین کی بات جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو، تسلیم نہ کرے تو عالم دین کو کمیٹی سے علاحدہ ہو کر اعلان کر دینا چاہیے کہ یہ لوگ حکم شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں، اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علاحدہ ہوتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۹۵)

رؤیت ہلال سے متعلق شبہات کے جوابات:

حامداً و مصلیاً و مسلماً مناسب حکم فرما کر سوالات ذیل کا جلد جواب عنایت ہو۔

(۱) محض امارت شرعیہ مطبوعہ اعلان پر عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز ایسی جگہ پڑھنی جائز ہے، جہاں کسی نے چاند نہ دیکھا ہو، نہ کوئی باہر سے شہادت شرعی پہنچی ہو؟

(۲) کیا امارت شرعیہ کے ایسے مبلغ کے بیان پر جس کو امارت شرعیہ نے رویت کی اطلاع کے لیے بھیجا ہو، محض اس شخص واحد کے بیان پر عید الفطر، یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنی باوجود عدم رویت کے جائز ہے؟

(۳) کیا کسی جگہ قاضی جس نے رؤیت کا فیصلہ شرعی کی بنا پر عید الافطر، یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھنی جائز ہوگی؟

(۴) کیا یہ خیال صحیح ہے کہ اہل رؤیت کے ثبوت کے لیے تو شرعی شہادت کی ضرورت ہے؛ مگر اس کے ثبوت کے بعد دوسری جگہ کی اطلاع کے لیے شہادت کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ چونکہ اس کی حیثیت خبر کی ہے، اس کے اعتبار کے لیے راوی ذات میں ان امور کا فقط لحاظ کرنے کی ضرورت ہے، جس کا حدیث کی روایت میں اعتبار ہے اور اس بنا پر اگر چہ خبر واحد ہو، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کا ثبوت اس سے ہو جائے گا؟

(نوٹ) عنایت فرما کر ہر ایک کے متعلق فقہی ماٰخذ تحریر فرما جائے؛ کیوں کہ اہل علموں کا اختلاف ہے، پھر مکرر التماس ہے کہ جلد سے جلد جواب فرمایا جائے، یہاں اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ ہرگز توقف نہ ہو۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

مختصراً جواب یہ ہے کہ رویت ہلال کی شہادت بمعنیٰ عند مجلس القضاء فی الخصومات نہیں ہے، باتفاق ائمہ حنفیہ وغیرہم؛ اس لیے شہادت ہلال میں شہادت کے تمام شروط ہی مشروط نہیں ہیں، حالاں کہ شہادت کے شروط نصوص سے ثابت ہیں، جو غیر منسوخ ہیں اور فقط شہادت ہی شرط نہیں ہے، خلافاً للشافعی۔ پس تحقیق عند الاحناف یہ ہے کہ اس باب میں شہادت بمعنیٰ خبر موجب للعلم وغلبۃ الظن، اگر چہ خبر آحاد ہو، صرف شرط یہ ہے کہ غلط اور کذب کا گمان غالب نہ ہو، درایۃً یا بدلالۃ المحل اور مناط یہ ہے کہ ثبوت سے ہلال سے متعلق احکام محض امور دینیہ محضہ ہیں، مثلاً: صوم، صلوٰۃ، وعیدین

،فطرہ،قربانی،جس طرح اوقات طلوع،غروب،زوال غیوبت شمس ومثلین سے نماز پنج گانہ متعلق ہے،ان تمام احکام کی تکلیف اسی وقت ہو جاتی ہے،جس وقت اس کے اوقات کا علم ہو،اگر چہ خبر واحد سے ہو،جس طرح احکام طہارت ونجاست الماء کی تکلیف عائد ہوتی ہے۔ہاں شرط یہ ہے کہ مخبر مسلم عادل،یا مستور الحال ہو اور خبر مظنہ غلط وکذب سے بعید ہو۔ائمہ حنفیہ فقہاء حنفیہ کی کتب سے مع لحاظ اصول مسلمہ حنفیہ یہی امر ثابت ہے اور یہی ظاہر الروایہ ہے۔مبسوط سرخسی ، زیلعی ،شامی ،رحمتی ، بدائع وغیرہا بنظر امعان فرمائے،اس میں سب کچھ ہے،ان میں تعارض معلوم ہوگا؛لیکن باصول جمع وتطبیق وہ مؤول ہیں،یا مردود مرجوح ہیں۔پس ہر چہار سوالوں میں نمبر:۴رکا جواب یہی ہے اور یہی اصول ہے،اس کے بعد بقیہ تین سوالوں کا جواب بھی اثبات میں ہے؛یعنی مرکزی نظام شرعی کا اعلان واشتہار ہی معتبر ہے،اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے،جس طرح توپ کی آواز اور منارہ کی روشنی دیکھ کر صوم وافطار وغیرہ جہاں کہ یہ مقرر کیا گیا ہو، خط وکتابت کا امور دینیہ محضہ میں اعتبار ہے،فی الخصومات عند القضاء عموماً بلا توثیق معتبر نہیں۔قاضی بلد آخر کی خبر بھی قابل عمل اور مبلغ،یا غیر مبلغ کی خبر بھی،بشرطیکہ عادل ہوں اور خبر مظنہ غلط وکذب سے خالی ہوں۔

چوں کہ آپ لکھتے ہیں کہ اہل علموں کا اختلاف ہے؛اس لیے میں لکھتا ہوں کہ **"إرشاد أهل الملة إلى إثبات الأهلة"** کا صرف مطالعہ کافی ہوگا،اس کتاب میں ائمہ اربعہ کے مسلک مع نقل عبارات فقہیہ واضح طور پر لکھا گیا ہے اور جامعیت کے ساتھ مصر میں چھپی،غالباً ۲رروپے قیمت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ،۵/۱۱/۱۳۴۴ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۷۸-۸۰)

امارت شرعیہ پھلواری شریف کے اشتہار کی خبر سے عید کرنا:

سوال(۱) کیا امارت شرعیہ،پھلواری شریف کا اپنی جگہ پر شرعی اصول پر ہلال عید،یا اضحیٰ کی شہادت لے کر بذریعہ اشتہار کے لوگوں کو نماز عید اور افطار،یا نماز اضحیٰ،یا اضحیہ کی خبر دینی صحیح ہے؟اور لوگوں کو محض اس اشتہار پر افطار اور قربانی کرنا صحیح ہے؟

امارت شرعیہ کا عید کی اطلاع کے لیے ایک آدمی کا بھیجنا کافی ہے:

(۲)　امارت شرعیہ پھلوراری شریف کا عید الاضحیٰ وغیرہ کی رؤیت کی خبر کے لیے ایک مبلغ کا کسی جگہ پر بھیج دینا وہاں کے لوگوں کی نماز وقربانی کے لیے حجت ہوسکتا ہے،یا نہیں اور اس کا محض یہاں آکر یہ بیان کرنا کہ امیر صاحب کے روبرو رویت کی مستند شہادت گزر چکی ہے،رؤیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے،یا نہیں؟

(المستفتی:(مولانا) عبد الصمد رحمانی،مونگیر)

الجواب

(۱)　اگر اشتہار ایسی صورت سے طبع کرایا جائے،جس میں جعل وتزویر کا احتمال باقی نہ رہے؛یعنی اس قسم کا

اشتہار کوئی دوسرا شخص عادۃً وقانوناً نہ چھپوا سکتا ہو تو وہ اشتہار لوگوں کے لیے غلبہ ظن کے حصول کا موجب ہوسکتا ہے اور اس پر عمل کرنا جائز ہوسکتا ہے، اگر چہ وہ حجت قطعیہ کا درجہ اس وقت بھی نہیں رکھتا۔

(۲)　ایک مبلغ کا ارسال کافی نہیں ہے؛ بلکہ دو آدمی بھیجنے چاہئیں اور **کتاب القاضی إلی القاضی** کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔(۱) (کفایت المفتی: ۲۱۴/۴-۲۱۵)

مختلف فیہ مسئلے میں بادشاہ کا حکم نافذ ہوگا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰/جنوری ۱۹۳۶ء)

سوال:　جس ملک میں ہم سائلان مقیم ہیں، یہ سارا ملک مذہب اسلام امام شافعیؒ کے پیرو ہیں، سلطان بھی مسلم ہے؛ لیکن انتظامی حکومت ڈچ ہے؛ تاہم سلطان اپنی خاص رعایا کے مقدمات شرعی وغیر شرعی خود ہی فیصل کیا کرتا ہے، صرف ہم غیر حکومت کی رعایا کا مقدمہ ڈچ حکومت کرتی ہیں اور بارش قریب قریب ہمیشہ ہوا کرتی ہے، اگر بارش نہیں بھی ہوتی تو ابر کثرت سے رہتا ہے، جس کی وجہ سے چاند دیکھنا امر محال ہے، بایں وجہ رمضان شریف کے روزے کے لیے سلطان اپنے عالموں سے جو کہ حساب فلکی کے ماہر ہوتے ہیں، ان سے دریافت کرتے ہیں کہ چاند کس تاریخ کو ہوگا، لہذا ہمیشہ علما ۲۹/تاریخ ہونا بتلاتے ہیں، چوں کہ علما کے بتائے ہوئے دن کو سلطان دو چار روز پہلے ہی اعلان کر دیتا ہے کہ فلاں روز روزہ رکھنا ہوگا، اسی اعلان پر لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ اب ہم سائلان کو یہ دشواری ہے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ کے پیرو ہیں اور امام صاحب کا حکم ہے کہ بغیر دیکھے رمضان شریف کا روزہ رکھنا حرام ہے، اگر ہم ۳۰/تاریخ کو چاند قرار دے کر روزہ رکھتے ہیں تو ہماری عید ایک روز بعد ہوگی، جس روز یہاں والے عید کریں گے، ہم لوگ روزے سے ہوں گے، لہذا حسب ذیل جوابات نمبر وار عطا فرمائیے:

(۱)　کیا ہم سلطان کے اعلان پر روزہ رکھیں؟

(۲)　اور یہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے خلاف ہوگا، یا نہیں؟

(۳)　اگر امام صاحب کے خلاف ہو تو ہم گناہ گار تو نہیں ہوں گے؟

(۴)　اگر ہم بروئے مذہب حنفیہ تیس کا چاند قرار دے کر روزہ رکھیں تو کیا ہمارا روزہ حرام ہوگا؟

(۵)　بالفرض ان کی عید کے دن ہمارا روزہ حرام نہ بھی ہو تو کیا اس تفریق کے مرتکب ہم لوگ نہ ہوں گے؟

الجواب

(۱)　ہاں سلطان کے اعلان کے موفق روزہ رکھنا چاہیے۔(۲)

---

(۱)　اور **کتاب القاضی إلی القاضی** میں دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔ "**ولا یقبل الکتاب إلا بشهادة رجلین أو رجل وامرأتین.** (الهداية، كتاب أدب القاضي، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ۱۳۹/۳، إمدادية، ملتان)

(۲)　**وأما الأمیر فمتٰی صادف فصلاً مجتهدًا فیه نفذ أمره.** (الدر المختار) وفی الشامية: فقول الشارح (نفذ أمره) بمعنٰی وجب امتثاله، تأمل، إلخ. (كتاب القضاء: ۹۹/۸، طبع، دار عالم الكتب، رياض، انيس)

(۲)　اس صورت میں صاحب الامر یعنی سلطان کے حکم کی اطاعت حنفی مذہب کے خلاف نہیں۔(۱)

(۳)　گناہ گار نہیں ہوں گے۔(۲)

(۴)　نہیں ایسا اختلاف نہیں کرنا چاہئے سب کو روزہ اور عید میں متفق رہنا چاہیے۔(۳)

(۵)　یہ تفریق صحیح نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۴/۲۲۷-۲۲۸)

رؤیت ہلال اور شہادت وغیرہ کے چند ضروری مسائل:

سوال(۱) ایک مفتی صاحب کے پاس چند گواہوں نے شوال کے چاند دیکھنے کی گواہی دی اور مفتی نے ان کی گواہی سن کر حکم دیا کہ روزہ افطار کیا جائے، پھر اگر سامعین جنہوں نے مفتی صاحب کا حکم سنا، وہ اگر دوسرے شہر میں دوسرے مفتی کے پاس گواہی دیں تو ان کی کتنی تعداد ہونی چاہیے؟

(۲)　اگر مفتی صاحب نے ناقلین کی کم تعداد پر افطار کرنے کا فتوی دیا تو ان کے حکم کو ماننا چاہیے، یا نہیں؟ مفتی صاحب نے کسی معتبر شخص کے ہاتھ دوسرے شہر میں دوسرے مفتی کے پاس، یا اہل باشندوں کے پاس فتوی روانہ کیا اور اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ بذریعہ گواہوں کے شوال کا چاند ثابت ہوا ہے اور آج عید کا دن ہے، آج روزہ رکھنا حرام ہے، جس کسی نے روزہ رکھا ہو وہ افطار کردے، اس مفتی کے حرف بھی پہنچانے جاتے ہیں کہ برابر اس کے حروف ہیں تو کیا اس پر عمل درآمد ہوگا، یا نہیں؟ اگر اس فتوے کو دیکھ کر مفتی صاحب نے، یا خواص اہل باشندوں نے حکم کردیا کہ روزہ افطار کردو، پس افطار کردیا، بعد میں معلوم ہوا کہ مفتی ہی کے حروف تھے اور مفتی نے خود اقرار کیا ہے کہ میں نے فتوی روانہ کیا تھا، یا مفتی فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں لکھا تو کیا قضا لازم آئے گی۔"**الخط یشبه الخط**" پر معترض اعتراض کرتے ہیں کہ کوئی مفتی شرعی فتوی کرکے روانہ کرے اور اس کے حروف بھی برابر طور پر پہنچانے جاتے ہوں تو وہ اس صورت میں "**الخط یشبه الخط**"، میں داخل نہیں ہے تو کیا یہ اعتراض صحیح ہے، یا غلط؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر قاضی شرعی نے دو گواہوں کی گواہی پر افطار کا حکم کیا ہے تو دوسرے شہر میں اس حکم پر شہادت دینے کے لیے دو گواہ کافی ہیں اور اس شہر کے قاضی ومفتی کو ان کی گواہی پر حکم کرنے کا اختیار ہے، بشرطیکہ گواہ ثقہ اور عادل ہوں۔

(۱)　کیوں کہ احناف کے ہاں بھی مسئلہ مجتہدی فیہا میں سلطان کا حکم رفع اختلاف کا فائدہ دیتا ہے۔

وأما الأمیر فمتٰی صادف فصلاً مجتهدًا فیه نفذ أمره. (الدرالمختار) وفی الشامیة: فقول الشارح (نفذ أمره) بمعنٰی وجب امتثاله، تأمل، إلخ. (کتاب القضاء: ۸/۹۹، طبع، دارعالم الکتب، ریاض، انیس)

(۲)　جب خلاف نہیں تو گناہ گار بھی نہیں۔

(۳)　اختلاف کی ضرورت باقی نہیں۔

لما فی الهندية: ولو شهدوا أن قاضی بلدة كذا شهد عنده إثنان برویة الهلال فی ليلة كذا وقضٰی بشهادتهما جاز لهٰذا القاضی أن يحكم بشهادتهما؛ لأن قضاء القاضی حجة وقد شهدوا به، كذا فی فتح القدير. (۱)

یہ حکم قاضی کا ہے، فتوی کا یہ حکم نہیں، پس اگر کسی مفتی صاحب نے جو کہ قاضی شرعی نہ ہو، دو گواہوں کی گواہی پر کوئی فتوی دیا ہے تو اس حکم پر خواہ کتنے ہی شاہد موجود ہوں، دوسرے شہر میں افطار کا حکم دینا جائز نہیں ہے۔

لما فی الهندية: ثم إنما يلزم الصوم علٰی متأخری الرؤية إذا ثبت عندهم روية أولٰئک بطريق موجب حتٰی لو شهد جماعة أن أهل بلدة كذا قد رؤا هلال رمضان قبلكم بيوم فصاموا وهٰذا اليوم ثلاثون بحسابهم ولم يرهٰؤلآء الهلال لايباح فطر ولا يترک التراويح فی هٰذه الليلة؛ لأنهم لم يشهدوا بالروية ولا علٰی شهادة غيرهم وإنما حكوا روية غيرهم. (۲)

البتہ جن گواہوں کی شہادت پر مفتی صاحب نے حکم دیا ہے، اگر چند لوگوں نے ان کی گواہی کو سنا ہے تو دوسرے شہر میں اس کی گواہی پر گواہی دینا تین شرطوں کے ساتھ جائز و معتبر ہوگا۔

(۱) اصل گواہ بھی عادل و ثقہ ہوں اور ان کی گواہی کو نقل کرنے والے گواہ بھی ثقہ ہوں اور اصل گواہوں کے ثقہ ہونے کے لیے ان ناقلین شہادت کا قول کافی ہے، **كذا فی شهادات الدر والشامی من باب الشهادة علی الشهادة.**

(۲) یہ نقل کرنے والے شاہد اس کی شہادت دیں کہ ہمارے سامنے مسلمانوں نے فلاں مفتی، یا قاضی کے سامنے اپنے چاند دیکھنے کی شہادت دی ہے، محض ان کے چاند دیکھنے، یا روزہ رکھنے کی حکایت کرنا کافی نہ ہوگا، **كما مر فی عبارة الهندية.**

شہادت پر شہادت دینے والے دونوں گواہوں نے اصل شاہدین میں سے ہر ایک کے کلام کو پوری طرح سنا ہو اور ہر ایک گواہ کے کلام پر جدا جدا دونوں شخص گواہی دیں اور ایک گواہ کی گواہی دو آدمیوں نے سنی؛ مگر دوسرے گواہ کی گواہی انہوں نے نہیں سنی تو دوسرے گواہ کی شہادت پر شہادت دینے کے لیے ان کے علاوہ اور دو ثقہ مسلمان ہونا ضروری ہے، **كذا فی الدرالمختار، كتاب الشهادة وباب الشهادة علی الشهادة.**

(۳) شرط مندرجہ کے خلاف اگر کسی شخص نے حکم افطار کا کر دیا تو اس کے حکم کو مان کر افطار کرنا جائز نہیں۔

(۴) اس صورت میں دوسرے شہر کے مفتی اور عام باشندوں کو مفتی اول کی تحریر پر افطار کا حکم کرنا، یا افطار کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ قطع نظر اس بات کے کہ خط کا اعتبار شہادت میں کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اس صورت میں تو اگر وہ مفتی صاحب خود بھی اگر دوسرے شہر کے قاضی، یا مفتی کے پاس اپنا فتوی بنا بر شہادت زبانی بیان کریں، جب بھی ان کو قول پر افطار کا حکم دینا اور افطار کرنا کسی کے لیے جائز نہیں؛ کیوں کہ دوسرے شہر میں ان مفتی صاحب کی حیثیت ایک گواہ سے زائد

(۱،۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤية الهلال: ۲۲۲/۱، دارالكتب العلمية بيروت

نہیں، وہ بھی شہادت علی الشہادت کے طور پر سوا ایک گواہ کی شہادت علی الشہادت پر افطار کا حکم کرنا جائز نہیں؛ بلکہ دو گواہ شرط ہیں، جیسا کہ نمبر:۱، میں گزر چکا ہے اور جب مفتی کو ان کے زبانی بیان پر حکم افطار کا ناجائز ہے تو تحریر اور خط پر بدرجہ اولیٰ ناجائز ہے؛ کیوں کہ اول تو اس خط میں کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط موجود نہیں۔ ثانیاً یہ شخص مفتی ہے، قاضی نہیں۔ ثالثاً اگر قاضی مان بھی لیا جائے تو ہر قاضی کو یہ اختیار ہی نہیں کہ وہ اپنا فیصلہ دوسرے قاضی، یا مفتی کے پاس بطور کتاب القاضی الی القاضی کے لکھ بھیجے اور دوسرے قاضی پر اس کا نافذ کرنا لازمی ہوجائے؛ بلکہ یہ اختیار صرف اس قاضی کو حاصل ہوتا ہے، جو امام اور خلیفہ کی جانب سے مقرر ہو، جو قاضی عامۃ الناس کے بنانے سے بن گیا ہو، اس کو یہ اختیار نہیں۔

لما في الدر المختار والشامي: ولا يقبل كتاب من القاضي الحكم بل من قاضي مولىٰ من قبل الإمام. أفاد أن هٰذا شرط في الكتاب فقط، قال في المنح: فلا يقبل من قاضي رستاق إلىٰ قاضي مصر وإنما تقبل من قاضي مصر إلىٰ قاضي مصر أخر. (۱)

آج کل ظاہر ہے کہ قاضی مولی من الامام کا وجود اکثر بلاد اسلامیہ میں بھی مشکل ہے، ہندوستان میں تو کیا ہوتا، الغرض کسی شہر کے مفتی کی تحریر، یا زبانی بیان متعلقہ فیصلہ برشہادت پر دوسرے شہر میں افطار کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے افطار کرایا تو اگر افطار کرنے والا عالم ہے تو اس پر قضا وکفارہ دونوں لازم ہوں گے اور اگر عام آدمی ہے اور کسی عالم مفتی کے کہنے سے اس نے افطار کیا ہے تو اس پر کفارہ نہ آئے گا، صرف قضا لازم ہوگی، **وذلك ظاهر؛ لأن قول المفتي شبهة في حق العامي لا في العالم وبالشبهة تسقط الكفارة. والله أعلم**

نمبر:۴، صورت مسئولہ میں تو "**الخط يشبه الخط**" پر مدار ہی نہیں، جیسا کہ نمبر:۳ میں معلوم ہو چکا، باقی فی نفسہ خط کے متعلق فیصلہ یہی ہے کہ جس خط سے کسی دوسرے پر کسی حق کا الزام ہوتا ہو، وہ خط حجت نہیں، جب تک خود کاتب اقرار نہ کرے کہ یہ خط میرا ہے، یا دو گواہ عادل گواہی دیں کہ یہ خط اسی شخص کا ہے، ہمارے سامنے لکھا ہے، البتہ جہاں الزام کی صورت نہ ہو، وہاں خط معتبر ہے۔ درمختار میں ہے:

(ولا يقبله) ... (إلا بحضور الخصم وشهوده) ... (إلا إذا أقر الخصم فلا حاجة إليهم) أي الشهود (بخلاف الكتاب الأمان) في دار الحرب (حيث لا يحتاج إلىٰ بلية)؛ لأنه ليس بملزم. (۲)

وفي الأشباه: لا يعمل بالخط إلا في مسئلة كتاب الأمان ويلحق به البرائت ودفتر بياع وصراف وسمسار، وجوزه محمد لراو وقاض وشاهد، إن تيقن به، قيل: وبه يفتي، انتهىٰ. (۳)

وتفصيل هٰذه المسئلة في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية بما لا مزيد عليه. والله تعالىٰ أعلم

(امداد المفتین: ۴۰۲/۲)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القاضي إلى القاضي: ۵ / ۲۵۲، مصری

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ۱۳۴/۸-۱۳۵، دار عالم الكتب العلمية بيروت

(۳) الدر المختار علىٰ رد المحتار، كتاب القاضي إلى القاضي: ۱۳۵/۸-۱۳۸، دار عالم الكتب، رياض، انيس

رؤیت ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبول شہادت کی صورتیں:

سوال (۱) جب کہ مطلع صاف نہ ہوتو ایسی صورت میں عیدین کہ ہلال کے لیے مجمع کثیر کی شہادت لی جائے گی، یا دو چار شخصوں کی؟

(۲) اگر دو چار شخصوں کی شہادت لی جاسکتی ہے تو ان کا عادل وثقہ ہونا ضروری ہے، یا جس طرح کے لوگ میسر آویں، ان کی شہادت قابلِ قبول ہوگی؟

(۳) عدل وثقاہت کی تعریف اور اس کے معنی کیا ہیں؟ عادل وثقہ کے الفاظ، جو کتب احادیث وفقہ میں بکثرت آئے ہیں، ان سے کیسے لوگ مراد ہیں؟

(۴) موجودہ زمانہ میں عادل وثقہ لوگ بہ آسانی مل سکتے ہیں، یا نہیں؟

(۵) شریعت نے جن لوگوں کو عادل کہا ہے، اگر وہ نہ ملیں تو کیا غیر عادل وغیر ثقہ کی گواہی رؤیت ہلال کے باب میں جائز ہوگی، یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو عید اور رمضان دونوں کے لیے، یا کسی ایک کے لیے؟

(۶) (الف) مجمعِ کثیر سے کم ازکم کتنے لوگ مراد ہیں؟

(ب) اگر دو تین بستیوں سے ایک ایک آدمی رؤیت ہلال کی گواہی دیں تو ایسی صورت میں مجمعِ کثیر کا اطلاق ان پر ہوگا، یا نہیں؟ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ان کی گواہی کافی ہے، یا نہیں؟

(۷) کیا ایسی صورت میں (جب کہ دروغ گو، مفتری اور منافق لوگوں کی موجودہ زمانہ میں کثرت ہے اور اہل ایمان اور بے ایمان میں تفاوت مشکل ہے) شریعت نے قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر دریافت اور تحقیقِ حال جس کو چاہے عادل وثقہ سمجھ لے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی اس پر اور اس کی شہادت پر اعتماد کلی کرتے ہوئے ۲۹ر کی رؤیت ہلال کی اعلان کردے؟

(۸) اگر کسی قصبہ یا شہر کے باشندوں نے ۲۹ر تاریخ کو چاند دیکھا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے ۲۹ر کو چاند نہیں دیکھا اور قاضی نے ۳۰ر کے چاند کا اعلان کیا تو ایسی صورت میں جنہوں نے ۲۹ر کو چاند دیکھا ہے، عیدین کی نماز اپنی رؤیت کے اعتبار سے پڑھیں، یا قاضی کے حکم کے مطابق ۳۰ر کے حساب سے نماز ادا کریں؟

(۹) (الف) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیت ہلال عید الضحیٰ کے لیے پورا پورا اہتمام کرنے کے باوجود دور نزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹ر کا چاند نہیں دیکھا؛ مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵، ۶ر تاریخ کو ۲۹ر کی رؤیتِ ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰ر ذی الحجہ کو نماز وقربانی ادا کیا تو ایسی صورت میں فریضۂ صلوٰۃ واضحیہ ادا ہوجاویں گے، یا نہیں؟

(ب) اور اگر بعد کو بالتحقیق معلوم ہوا کہ چاند ۳۰ر کو ہوا تو ۲۹ر کے حساب سے صلوٰۃ واضحیہ کرنے والوں کے صلوٰۃ واضحیہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(ج) اور اعلانِ قاضی کا وثوق نہ کرکے ۳۰ر کے چاند کے مطابق صلوٰۃ واضحیہ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟

(المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، ضلع پٹنہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) مجمع کثیر کی۔(۱)

(۲) عادل ثقہ ہونا ضروری ہے۔''لایقبل خبر فاسق اتفاقا''.(۲)

(۳) ''العدل فی اصطلاح الفقهاء: من اجتنب الكبائر، ولم يصر على الصغائر، وغلب صوابه، واجتنب الأفعال الخسيسة كالأكل فی الطريق والبول، آه''.(تعريفات الجرجانی، ص:۹۸)(۳)

(۴) ''الثقة هی التی يعتمد عليها فی الأقوال والأفعال، آه''.(تعريفات الجرجانی، ص:۴۹)(۴)

(۵) غیر عادل اگر مستور الحال ہو تو اس کی گواہی (موقع خبر واحد میں) مقبول ومعتبر ہے، اگر ظاہر الفسق ہو تو معتبر نہیں۔

''وقول الطحاوی: ''أو غير عدل'' محمول على المستور كما هو رواية الحسن؛ لأن المراد بالعدل من تثبت عدالته، ولا ثبوت فی المستور، أما تبين الفسق فلا قائل له به عندنا، آه''. (رد المحتار: ۱۴۵/۲)(۵)

رمضان وعیدین سب کا یہی حکم ہے۔

(۶) (الف) مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی عدد متعین نہیں؛ بلکہ رائے امام پر محمول ہے۔

''وهو مفوض إلٰى رأی الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب''.(الدر المختار)(۶)

(ب) اس کا جواب ''الف'' سے ظاہر ہوتا ہے۔

(۷) بس اتنا اختیار ہے کہ زیادہ کنج وکاؤ(۷) نہ کرے؛ بلکہ ظاہر عدالت، یا ستر حال پر اکتفا کرے، فاسق کو عادل قرار

---

(۱) (قُبل بلا علة جمع عظيم يقع العلم) الشرعی وهو غلبة الظن بخبرهم.(الدر المختار)

وفی رد المحتار: (وقوله: وقيل بلا علة):أی إن شرط القبول عند عدم علة فی السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، كما فی الامداد، آه.(۳۵۵/۳-۳۵۶، كتاب الصوم، دار عالم الكتب، الرياض)

(۲) رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم سعيد

(۳) كتاب التعريفات للجرجانی، ص:۱۰۶، باب العين، مير محمد كتب خانة كراتشی

(۴) كتاب التعريفات للجرجانی، ص:۵۳، مير محمد كتب خانه

(۵) رد المحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، بحث فی صوم يوم الشک، سعيد

(۶) الدر المختار: ۳۲۲/۲، فصل فی رؤية الهلال، مصطفٰی البابی الحلبی مصر

(۷) ''کنج وکاؤ: تفتیش''۔(فیروز اللغات، ص:۹۸۴، لفظ: کاؤ، فیروز سنز، لاہور)

دینا درست نہیں، جیسا کہ جواب نمبر: ۵ میں گزرا؛ لیکن اگر قرائن سے صدق معلوم ہو تو اس کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے۔(۱)

وإذا أخبر رجلان في هلال شوال في السواد، والسماء متغيمة، وليس فيه وال ولا قاض، فلا بأس للناس أن يفطروا، كذا في الزاهدي.(۲)

(۸)　اگر یہ قصبہ، یا شہر جس میں ۲۹ر کی رؤیتِ عامہ ہے، اس دوسری جگہ (جس میں قاضی نے ۳۰ر کا اعلان کیا ہے) کے تابع نہیں؛ بلکہ مستقل ہے تو یہاں کے لوگوں کے ذمہ قاضی کے اعلان کی پابندی لازم نہیں۔(۳)

(۹) (الف) اگر شہادتِ شرعیہ پر قاضی نے اعلان کیا ہے، تو نماز وقربانی سب صحیح ہوگی۔

(ب)　سب درست ہوگئی، کسی کا اعادہ واجب نہیں؛ کیوں کہ یہ اختلافِ مطالع پر مبنی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ رؤیت ہوئی ہو، دوسری جگہ نہ ہوئی ہو اور مسائل اضحیہ اور صلوٰۃ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے۔(كما في رد المحتار: ۱۵٤/۲، قبيل مفسدات الصوم)(۴)

(ج)　جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار رہوں گے، (۵) اور جو قربانی ایامِ اضحیہ کے بعد کی ہے، وہ درست نہیں، اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے۔(۶) اس حساب سے ۱۰ر ذی الحجہ کو اگر نماز عید ادا نہیں کی؛ بلکہ گیارہ کو ادا کی تو وہ ادا ہوگئی۔(۷)

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم جمادی الاٗولیٰ ۱۳۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۱۱۹-۱۲۴)

---

(۱)　والشرط هو العدالة الظاهرية عند أبي حنيفة رحمه الله، وأما الحقيقية وهي الثابتة بالسؤال عن حال الشهود بالتعديل، والتزكية ليست بشرط. (الفتاویٰ الهندية: ٤٥٠/۳، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيدية)

(۲)　الفتاویٰ الهندية، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال: ۱۹۸/۱، رشيدية

(۳)　''اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلاعیدین بطریق شہاداتِ شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدود ولایت تک معتبر ہے۔ حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں''۔ (احسن الفتاوی ۴۲۱/۴، رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۴)　يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شيء لو ظهر أنه رؤي في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلاة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان علىٰ رؤيا غيرهم هو الرابع عشر. (رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۹۳/۲-۳۹٤، سعيد)

(۵)　أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلا فلا. (الدر المختار) أي يتبع ولا تجوز مخالفته ... أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب. (ردالمحتار: ٤۲۲/۵، مطلب: إطاعة الإمام واجبة، سعيد)

(۶)　ما فات وقتها قبل ذبحها ولو لم يضح ما وجب علىٰ نفسه ... لزم التصدق بعين المنذورحية ... لو أكل فعليه قيمة ما أكله؛ لأن سبيلها التصدق. (مجمع الأنهر: ۵۱۹/۲، كتاب الأضحية، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۷)　لٰكن هنا: أي في الأضحى يجوز تأخيرها إلىٰ آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة. (رد المحتار على الدر المتار: ۱۷٦/۲، باب العيدين، سعيد)

رؤیت ہلال اور کتاب القاضی الی القاضی کی تفصیل:

سوال: ۲۹/رمضان المبارک/۱۳۶۹ھ، یوم یک شنبہ کو خیرآباد مطلع پر اَبر محیط تھا؛ اس لیے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف ونواح سے شہادت بھی نہ گزری، البتہ لکھنؤ میں ثبوت رؤیت ہوجانے کی وجہ سے ۱۲/بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کردیا گیا۔ سیتاپور (جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے) کے ذمہ دار حضرات نے فون سے معلوم کرکے رات ہی کو بذریعۂ موٹر دو ثقہ آدمی روانہ کردیے جو علی الصباح مفتی صاحب فرنگی محلی کی تحریر لے آئے، جس کی بناپر سیتارپور میں عید کا اعلان کردیا گیا۔ خیرآباد میں جہاں کا نظام افتاء سیتارپور سے علاحدہ ہے، جب صبح ۶/بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دو آدمی فوراً لکھنؤ روانہ کیے، جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل لکھنؤ کا خط لائے، جس کے بعد فوراً روزہ توڑنے کا اعلان کردیا گیا، وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔

یہاں سے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی اعلان کردیا جائے؛ لیکن یہاں کے مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی صاحب کے نام تھا نا قابل عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا؛ اس لیے کہ کتب فقہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب خط عام نہ ہو، مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لیے قابل عمل نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی، شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) کتاب القاضی الی القاضی جب کہ کسی خاص قاضی کے نام ہو، دوسرے کے لیے قابل عمل اس وقت ہوسکتی ہے، جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کردیا گیا ہو، جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے:

(و) كذا (بموت المكتوب إليه) وخروجه من الأهلية. (الدر المختار)

قال رد المحتار: (إلا إذا عمم، إلخ) بأن قال: إلٰى فلان قاضي بلد كذا وإلٰى كل من يصل إليه كتابي هٰذا من قضاة المسلمين وحكامهم. (۱)

یہ عموم صرف اسی شہر کے لیے ہے، جہاں کے لیے خط لکھا گیا ہے، یا جس جگہ بھی یہ خط مع ان گواہوں کے پہنچ جائے کافی ہے؟ نیز ''وحکامہم'' سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی وہی درجہ حاصل ہے، جو قاضی کو ہے، جب عموم کردیا جائے۔

(۲) سیتارپور کے مفتی صاحب کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے، اب اگر سیتاپور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ ''لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس

---

(۱) رد المحتار، كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ۱۳۹/۸، ۱۴۰، دارعالم الكتب الرياض

بشہادتِ شاہدین آگئی ہے، جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادتِ رویتِ ہلال گزرگئی ہے''۔ اب دوسرے مقام کے مفتی کے لیے سیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر جو ثبوتِ رؤیت پر نہیں؛ بلکہ جس مفتی کے پاس ثبوت رؤیت ہوا ہے، اس کی تحریر کی تصدیق ہے۔ قابل عمل ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا، یا تیسرے کو چوتھے، علی ہذا القیاس سلسلہ بسلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے؟ کتب فقہ میں کوئی اس کی نظیر، یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہے تو بحوالۂ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

(۳)　فتاویٰ شامی میں ہے: **''وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ: إن کان فی مکان لو غدا لأداء الشهادات لایستطیع أن یبیت فی أهله، صح الإشهاد والکتابة''.** (۱)

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر:۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتار پور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیر آباد، یا کوئی دوسرا مقام جو سیتاپور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے، جس کا عبارتِ مذکورہ بالا میں بیان ہے، تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی؟ نیز خود اگر سیتاپور میں شہادت علی الرؤیۃ گزر جائے تو خیر آباد کا مفتی وہاں کے مفتی کے بیان پر کس طرح عمل کرے؟ جب کہ قول مفتی بہ مسافت مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لیے ضروری ہے۔

قال فی الدرالمختار: ''وجوزهما الثانی إن بحیث لایعود فی یومه، وعلیه الفتوی''. (۲)

یہ بھی تحریر فرمایئے کہ شہادت علی القضاء کے لیے تو مسافت شرط نہیں ہے؟

(۴)　مفتی خیر آباد نے اعلانِ عید کے بارے میں لکھنؤ کے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا۔ یہ فعل شرعاً صحیح تھا، یا غلط؟ اور بغیر اس کے محض سیتاپور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کردینا (جب کہ یہاں کا نظامِ افتاء جداگانہ ہے) جائز تھا، یا نہیں؟

(۵)　خیر آباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کیے بغیر روزہ توڑ ڈالا، یا نماز عید ادا کی، یہ گنہ گار ہوئے، یا نہیں؟ اور نماز صحیح ہوئی، یا اعادہ ضروری ہے؟

(۶)　خیر آباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت، یا دوسری ضرورت سے سیتار پور گئے ہوئے تھے، وہاں کے اتباع میں انہوں نے نماز بھی ادا کی، روزہ بھی توڑا، اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟

(۷)　بعض باشندگانِ خیر آباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لیے سیتاپور گئے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ خیر آباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا؟

۸۔　پاکستان اور حیدرآباد میں ۲۹ر کی رؤیت رمضان کی ہوئی تھی؛ یعنی یہاں سے ایک روز قبل روزہ رکھا تھا،

---

(۱)　**ردالمحتار، باب کتاب القاضی إلی القاضی، مطلب فی دفتر البیاع و الصراف والسمسار: ۵/۴۳۷، سعید**

(۲)　**الدرالمختار، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی: ۵/۴۳۷، سعید**

بعض لوگ جو وہاں موجود تھے، عید کے لیے یہاں آ گئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا؛ اس لیے انہیں روزہ رکھنا چاہیے تھا، یا ترک کر دینا چاہیے تھا؟

(۹)　رؤیت ہلال میں تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی اطلاع معتبر، یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چوں کہ مسلم سلطنت ہے؛ اس لیے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہیے؟

(۱۰)　اگر جس قاضی کے پاس شہادت گزری ہے، مفتی خود جائے، یا اپنا نائب بنا کر بھیج دے، تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی، قاضی خود آ کر مفتی سے زبانی کہہ دے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کر لی، بلا شہادت یہ قول صحیح ہے، یا نہیں؟

(۱۱)　سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے، رؤیت سے نہیں ہوئی ہے، اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آ کر عید ہونا بیان کر دیں، یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر دیکھ آئیں اور مفتی سے آ کر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دینے کے لیے کافی ہے، یا نہیں؟ جب کہ فقہا نے مجرد شیوع کو بے اصل قرار دیا ہے؟

(۱۲)　عید میں جب شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے؛ کیوں کہ وہ مستور الحال ہیں؟ حالاں کہ شہادتِ اہل الشرق لاہل الغرب کو رؤیت میں معتبر مانا گیا ہے، اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں، صرف تعداد کافی ہے، کیوں کر معتبر ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر جب کہ متعدد جگہوں سے ہو، یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان عملہ کی زیر نگرانی ہو، کیوں غیر معتبر ہے؟

(۱۳)　اگر ہلال رمضان محض ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے عید کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ خصوصاً جب کہ مطلع صاف ہو اور تیس کو چاند نظر نہ آئے؟ بینوا توجروا۔

پوری توجہ اور غور وفکر کے بعد جواب تحریر فرمایئے گئے، معاملہ بہت اہم اور وقت نازک ہے۔

(مورخہ ۲۲/شوال/۶۹ ۱۳ھ۔ رشید احمد بھینڈھ ضلع حیدرآباد، سندھ)

الجواب ــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

آج کل شرعی قاضی تو یہاں موجود نہیں اور مفتی وقاضی میں جو فرق ہے، وہ ظاہر ہے؛ یعنی اول مخبر حکم ہے اور ثانی ملزم ہے، جس جگہ حاکم ملزم نہ ہو، وہاں مفتی کا فتوی ہی عامی کے حق میں بمنزلۂ حکمِ حاکم کے ہے، اس بنا پر مفتی کی تحریر کو کتاب القاضی کا حکم دیا جاتا ہے۔

"ولا فرق بین المفتی والحاکم إلا أن المفتی مخبر بالحکم والقاضی ملزم به، آه". (شرح عقود رسم المفتی)(۱)

(۱)　شرح عقود رسم المفتی، ص: ٦٧، سعید

(۱)　اگر قاضی کاتب نے کسی خاص قاضی مکتوب الیہ کے نام خط لکھ کر عموم کر دیا ہو تو تمام قضاۃ وحکام کے لیے وہ قابل عمل ہے، اگر ابتداہی عموم کر دیا ہو، تب بھی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابل عمل ہے اور بہت سے مشائخ کے نزدیک بھی وہ قابل عمل ہے، یہ ہی اوجہ ہے، اسی پر عمل ہے۔ مسائل قضاء وشہادت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

(إلا إذا عمم بعد تخصيص)إسم المكتوب إليه (بخلاف ما لوعمم ابتداء)،وجوزه الثاني، (و)عليه العمل،خلاصة،آه". (الدر المختار)

وفي رد المحتار: (قوله:بخلاف ما لوعمم ابتداء) بأن قال:إلٰى كل ما يصل إليه كتابي هٰذا من قضاة المسلمين و حكامهم. (قوله:وجوزه الثاني)،وكذا الشافعي وأحمد،فتح (قوله:وعليه العمل)قال الزيلعيَ و استحسنه كثيرمن المشائخ في الفتح:وهوأوجه؛لأن إعلام المكتوب إليه وإن كان شرطاً فبالعموم يعلم كما يعلم بالخصوص،وليس العموم من قبيل الإجمال و التجهيل، فصارقصديته و تبعيته سواء. نهر،١ه.". (شامي)(١)

"وفي القنية من باب المفتي:الفتوى علٰى قول أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالى فيما يتعلق بالقضاء ...زاد في شرح البيرى على الأشباه:أن الفتوى علٰى قوله أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالٰى أيضاً في الشهادات،آه". (شرح عقود رسم المفتي)(٢)

اگر کسی خاص شہر کے قضاۃ کو مکتوب الیہم قرار نہیں دیا؛ بلکہ عموم رکھا ہے تو کسی خاص شہر کی تعیین نہیں ہوگی اور مفتی کی طرح ہر وہ شخص اس صورت میں مکتوب الیہ سمجھا جائے گا، جس کی طرف عوام ایسے مسائل میں رجوع کرتے ہوں اور وہ ذمہ دار ہو، بشرطیکہ شہادت شرعیہ کے ساتھ یہ تحریر اس کے پاس پہنچ جائے۔

(۲)　یہ جزئیہ اور اس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں۔

"ويجوز للقاضي المكتوب إليه أن يكتب كتاباً إلٰى قاضي آخرإذا تعذرحضوره عنده،وكذا للمكتوب إليه ثانيه أن يكتب إلٰى آخرما لايتناهي؛لأن الشهادة الواقعة عند الأول صارت منقولة إلى المكتوب إليه حكما فصاروا كأنهم شهدوا عنده حقيقة،فجازله أن ينقلها إلٰى غيره،إذ الحاجة إلٰى نقلها مراراً ماسة،وهي المجوزة للنقل،آه". (زيلعي شرح الكنز)(٣)

---

(١)　باب كتاب القاضي إلى القاضي،مطلب في دفترالبياع و الصراف والسمسار: ١٣٩/٨-١٤٠،دارعالم الكتب،الرياض،انيس

(٢)　شرح عقود رسم المفتي،ص: ١١١،مطلب في قواعد الترجيح التسعة،الفتوى علٰى قول أبي يوسف في القضاء وما يتعلق بها،مير محمد كتب خانة

(٣)　تبيين الحقائق،باب كتاب القاضي إلى القاضي: ١٠٥/٥،دارالكتب علمية بيروت

"(فرع)لو سمع الحصم بوصول كتاب القاضي إلٰى قاضي بلدة،فهرب إلٰى بلدة أخرٰى، كان للقاضي المكتوب إليه أن يكتب إلٰى قاضي تلك البلدة مما ثبت عنده من كتاب القاضي، كما جوزنا للأول الكتابة نجوز للثاني والثالث وهلم جراً للحاجة،آه". (فتح القدير)(۱)

(۳) امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے قاضی ہونے کی بنا پر مفتی بہ قرار دیا گیا ہے؛ لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی اور بعض فقہا نے امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

"ثم لابد من مسافة بين القاضيين حتٰى يجوز كتاب القاضي،واختلفوا في تلك المسافة، منهم من قال:هي معتبرة بالشهادة على الشهادة،وهي مسيرة ثلا ثة أيام في ظاهر الرواية وعن أبي يوسف رحمه اللّٰه تعالٰى أنه إن كان في مكان لوغدا لأداء الشهادة لايستطيع أن يبيت في أهله، صح الاشهاد وعن محمد رحمه اللّٰه تعالٰى أنه تجوز الشهادة على الشهادة،وإن كان الأصل صحيحاً في المصر.وذكر الكرخي رحمه اللّٰه تعالٰى في اختلاف الفقهاء:أن كتاب القاضي إلى القاضي مقبول وإن كان في مصرواحد فكأنهما اعتبراه بالتوكيل ،وفي الظاهر اعتبر بالعجز، آه". (زيلعي)(۲)

"في الخصاف:وروى عن محمد أنه قال في مصرفيه قاضيان في كل جانب قاضي،يكتب أحد هما إلى الآخر كتاباً:يقبل كتابه،ولو أتى أحدهما إلٰى صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه،لم يقبل قوله؛لأن في الوجه الأول كان الأول خاطبه في موضع القضاء وفي الثاني خاطبه في غيرموضع القضاء، آه". (شامي)(۳)

اس قول کی بنا پر مسافتِ مذکور فی الدر المختار سے کم کی صورت میں بھی تحریر قابلِ عمل ہوسکتی ہے۔

(۴) مفتی خیر آباد کا عمل صحیح رہا، روزہ توڑنا جائز نہیں تھا۔

(۵) یہ روزہ توڑنا اور عید پڑھنا خلافِ شرع ہوا، پھر اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے نماز عید پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت نہیں ہوا تو اس کو آئندہ روز جب کہ اور آدمیوں نے ثبوت ہونے پر پڑھی ہے، ان کے ساتھ پڑھنا چاہیے، پہلی دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں اور اگر یہ سمجھتے ہوئے پہلی دفعہ پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت ہوگیا تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

"صلى الفرض وعنده أن الوقت لم يدخل،فظهر أنه كان قد دخل،لايجزيه؛لأنه عنده إن فعله غير جائز،آه. (كبيرى)(۴)

---

(۱) فتح القدير،كتاب القاضي إلى القاضي:۷/۲۹۵،مصطفى البابي الحلبي مصر

(۲) تبيين الحقائق،باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره:۵/۱۰۳ ،دارالكتب علمية،بيروت

(۳) حاشية الشبلي علٰى تبيين الحقائق: ۵/۱۰۳،كتاب القضاء،باب كتاب القاضي إلى القاضي وغيره، دارالكتب العلمية بيروت

(۴) الحلبي الكبير،الشرط الرابع،ص:۲۲۲،سهيل اكيڈمی لاهور

(۶)　نہیں کوئی حرج نہیں۔

(۷)　ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

(۸)　ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیے، جیسے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھ لے؛ مگر اس کا قول قبول نہ کیا جائے تو اس کو عید کرنا درست نہیں؛ بلکہ روزہ رکھنا چاہیے؛ تاہم اگر روزہ نہیں رکھا، یا رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں۔(۱)

(۹)　جن مسائل میں شہادتِ شرعیہ ضروری ہے، ان میں تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع معتبر نہیں، خواہ پاکستان سے یہ اطلاع آئے، خواہ عربستان سے اور جن مسائل میں خبر بھی کافی ہے، ان میں اگر متعدد تار، ریڈیو، ٹیلیفون کی اطلاع سے ظنِ غالب حاصل ہو جائے تو ان مسائل میں معتبر ہے، خواہ پاکستان سے اطلاع ملے، خواہ کسی اور جگہ سے، پاکستان کی اسلامی حکومت کا ہندوستان پر ایسے مسائل میں کوئی اثر نہیں، جیسے کہ عرب وغیرہ کی حکومت کا کوئی اثر نہیں۔

(۱۰)　جواب نمبر:۳ کے اخیر میں شلبی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاضی خود آ کر دوسرے قاضی سے معاملہ بیان کرے تو اس کا قول قبول نہیں، والعلۃ مذکورۃ ثم۔

(۱۱)　جب کہ خیر آباد کا نظام افتاء جداگانہ ہے، سیتاپور کے ماتحت نہیں تو صورتِ مسئولہ میں عید کا حکم صحیح نہیں۔

(۱۲)　جی ہاں! مستور الحال کی شہادت رؤیت ہلال عید کے متعلق معتبر نہیں، شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے، خواہ وہ مقامی ہو، خواہ باہر سے آنے والا ہو، جو فائدہ شہادت سے حاصل ہوا، وہ فائدہ خبر مستفیض سے بطریق اتم حاصل ہو جاتا ہے؛ اس لیے یہاں بھی خبر مستفیض معتبر ہے۔

(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب، آه. (الدر المختار)

وفی رد المحتار: کأن یتحمل إثنان الشهادة أویشهدا علٰی حکم القاضی أویستیفض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة کذا رأوه؛ لأنه حکایة،اه. (شامی)(۲)

(و)قبل(بلا علة جمع عظیم یقع العلم) الشرعی، وهو غلبة الظن بخبرهم،اه. (الدر المختار)

وفی رد المحتار: "(قوله: وقبل بلا علة): أی إن شرط القبول عند عدم علة فی السماء لهلال الصوم أو الفطر أوغیرهما ... (قوله: وهو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل، آه. (شامی)(۳)

ریڈیو اور ٹیلیفون اور تار کی شہادت کا نہ ہونا، تو ظاہر ہے، دو چار خبریں اگر آ بھی جائیں تو وہ حد استفاضہ تک نہیں

---

(۱)　رأی مکلف (هلال رمضان أو الفطر)ورد قوله (بدلیل شرعی صام)مطلقاً وجوباً،وقیل ندبا.(الدر المختار، کتاب الصوم: ۳۸۴/۲، سعید)

(۲)　کتاب الصوم،مطلب فی اختلاف المطالع،قبیل باب ما یفسد الصوم ومالایفسده: ۳۶٤/۳،انیس

(۳)　کتاب الصوم، مطلب: ما قاله السبکی من الاعتماد علٰی قول الحساب مردود: ۳۵۵/۳-۳۵٦،انیس

پہنچتی، ریڈیو کا نظام مسلمان عملہ کے زیر نگرانی اگر ہو، تب بھی اس کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاتا؛(۱) لأن النغمة تشبه النغمة، ہر مسلمان عادل مقبول الشہادۃ ہی نہیں ہوتا۔

(۱۳) ایسی صورت میں عید کرنا جائز نہیں۔

"وإذا تم العدد: أي عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد برؤيته، ولم ير هلال الفطر، والسماء مصحية، لايحل الفطر اتفاقاً علىٰ ما ذكره شمس الأئمة، ويعزر ذلك الشاهد، كذا في الدر، وفي التجنيس: إذا لم ير هلال شوال، لايفطرون حتىٰ يصوموا يوماً آخر، وقال الزيلعي: والأشبه أن يقال: إن كانت السماء مصحية لايفطرون لظهور غلطه، وإن كانت متغيمة يفطرون لعدم ظهور الغلط، آه. (مراقي الفلاح)(۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم ذی قعدہ ۱۳۶۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۷-۵۵)

ایک قاضی کی دوسرے قاضی کو چاند کی اطلاع، کب قابل تسلیم ہے:

سوال: قاضی بصرہ نے بنام قاضی کوفہ بذریعہ تار برقی یہ خبر بھیجی کہ ہم نے حکم عید کا دیا ہے، اس خبر کے آنے سے قاضی کوفہ کو حکم عید کرنے کا دینا اہل شہر کو جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجة شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزور، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجة بالإجماع، ولكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط؛ البينة، حتىٰ أن القاضي المكتوب لايقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه. (الفتاویٰ الهندية، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي: ۳۸۱/۳، رشيدية)

وفي التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغزه" (تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت)

"إلا إذا كان في الداخل وحده، وعلم الشاهد أنه ليسا فيها غيره، ثم جلس على المسلك، وليس له المسلك غيره، فسمع إقراره الداخل ولايراه؛ لأنه يحصل به العلم". (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

"وينبغي للقاضي إذا فسرله أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرىٰ شخصها وقت الاقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده إثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لم سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآى شخصها حال ما أقرت، فحينئذٍ يجوز أن يشهد علىٰ اقرارها برؤية شخصها، لارؤية وجهها، آه. (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"كان يتحمل إثنان الشهادة أو يشهد علىٰ حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، آه. (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۹۴/۲، قبيل باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(۲) مراقي الفلاح علىٰ نور الإيضاح، ص: ۶۵۵، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي

الجواب

اگر قاضی بصرہ نے یہ تار دیا کہ عدلین کی شہادت پر رویت ہلال ہوئی اور اس پر ہم نے حکم افطار دے دیا ہے تو قاضی کوفہ اس خبر پر کوفہ میں حکم عید کا دیوے تو جائز ہے کہ خبر کتاب القاضی کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (فتویٰ نقل بدست مولانا عبد الحکیم، پھلاؤدہ، موجود در ذخیرۂ نور)

دفع استدلال بر رمضانیت از خسوف شوال:

سوال: آپ نے شاید عید کے متعلق غور نہیں فرمایا، چاند گرہن دوشنبہ کی شب کو ہوا؛ یعنی اتوار کی ۱۳ر تاریخ تھی تو عید جمعرات کی ہوئی اور ٹھیک ہوئی، جن لوگوں نے بدھ کی عید کی ان کے حساب سے چاند گرہن پندرہویں شب کو ہوا، جو کسی طرح ممکن نہیں؟

الجواب

فی شرح الچغمینی (ص: ۹۰): وإذا بعد عن الشمس مقداراً قریباً من إثنٰی عشر جزء وأقل منه بقلیل أو أکثر کذٰلک علٰی اختلاف أوضاع المساکن فإن المسکن إذاکان مدار القمر فیه أقرب إلٰی انتصاب یکون رؤیة الهلال فیه أسرع بل الرؤیة تختلف فی مسکن واحد أیضاً بسبب قرب القمر وبعده عروضه وکونه فی أجزاء مختلفة من فلک البروج وغیر ذلک.

وأیضاً فیه (ص: ۹۲): وإنما لایختلف حد القرب والبعد فی الخسوف باعتبار جهتی العقدة وإختلاف البقاع کما یختلف فی الکسوف؛ لأن الخسوف أمر عارض للقمر فی ذاته بخلاف الکسوف فإنه أمر یعرض للشمس بالنسبة إلی الأبصار، آه.

وفی الحاشیة للإمام لایختلف وجوداً وعدماً بحسب البقاع وإن اختلف قدراً بسبب وقوع کله أو بعضه فی دائرة مخروط ظل الأرض.

عبارت اولیٰ میں تصریح ہے کہ رؤیت قمر باختلاف مساکن مختلف ہوتی ہے اور عبارت ثانیہ میں مصرح ہے کہ جس وقت قمر اختلاف مساکن سے مختلف نہیں ہوتا اور تاریخ کا مدار رویت پر ہے۔ پس فرض کرنا چاہیے کہ ایک جگہ شام یکشنبہ کو رؤیت ہوئی اور غرہ دوشنبہ کا ہوا اور دوسری جگہ شام دوشنبہ کو رویت ہوئی اور غرہ سہ شنبہ کو ہوا اور اس کا ممکن ہونا اوپر مذکور ہو چکا تو اگر چاند گرہن شب دوشنبہ کو ہوا تو لامحالہ وہ اسی وقت سب جگہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ شب غرہ دوشنبہ والوں کے حساب سے پندرھویں ہوگی اور غرہ سہ شنبہ والوں کے نزدیک چودھویں ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ ہیئت کے قاعدہ سے بھی چاند گرہن پندرہویں شب کو ہونا ممکن ہے۔ پس اس بنا پر خسوف واقع ہونا کسی تاریخ کی تعیین کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ پس خسوف کی بنا پر تو شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، البتہ یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جب رویت دوسری جگہ معتبر نہ ہونا چاہیے۔ سو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ بعض ائمہ مجتہدین نے ہر جگہ کی رویت اسی جگہ کے لیے معتبر رکھی ہے، جیسا قیاس کا

مقتضی ہے، البتہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ نے اس کا اعتبار نہیں کیا، سو اعتبار کی نفی سے وقوع کا انکار لازم نہیں آتا۔ باقی یہ کیوں نہیں اعتبار کیا، سو وہ ادلہ شرعیہ سے شارع کی غرض یہی سمجھے۔ وہ ادلہ یہ ہیں:

"صوموا الرؤية وأفطروا لرؤيته". (۱)

اور

"نحن أمة أمية لانكتب ولانحسب" (۲) ونحو ذلك.

سو یہ ایک انتظامی امر ہے، اس میں کسی حقیقت کا انکار نہیں کیا گیا۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے نصف النہار ہر جگہ کا مختلف ہے؛ مگر انتظامی سہولت کے واسطے ہندوستان بھر کی ریلوی گھڑیوں کو ایک خاص نصف النہار کے مطابق رکھ کر حساب وغیرہ میں اسی کا اعتبار ولحاظ کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

۲۶/ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ (امداد: ۱/۴/۱۷) (امداد الفتاوی: ۲/۹۷)

اختلاف مطالع کا اعتبار:

سوال: ایک جگہ چاند دیکھنے سے دوسری جگہ بھی ثبوت ہوجائے گا، یا اختلاف مطالع کا اعتبار ہوگا؟

الجواب

اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے اور اگر ایک جگہ چاند دیکھنے کی خبر مشہور ہوجائے تو دوسری جگہ بھی حکم ثابت ہوجائے گا۔ درمختار میں ہے:

اختلاف المطالع غيرمعتبرعلىٰ ظاهرالرواية وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوىٰ،بحرعن الخلاصة. (۳)

اور مجمع البرکات میں ہے:

لوصام أهل بلدة ثلثين يوماً للرؤية وأهل بلدة أخرىٰ تسعاً وعشرين يوماً للرؤية فعلم من صام تسعاً وعشرين يوماً فعليهم قضاء يوم،انتهىٰ.

اور درمختار میں ہے:

لواستفاض الخبر فی البلدة الأخرىٰ لزمهم على الصحيح من المذهب،مجتبىٰ وغيره، انتهىٰ.

اور جامع الرموز میں ہے:

وحكم أحد البلدتين بالروية لايلزم الأخرىٰ وعن محمد إنه يلزم و الصحيح من مذهب أصحابنا أنه يلزم إذا استفاض الخبرفی البلدة الأخرىٰ،انتهىٰ. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ اردو: ۲۳۶-۲۳۷)

---

(۱) الصحيح لمسلم،كتاب الصيام،باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤيته برقم: ۱۰۸۱،انيس

(۲) صحيح البخاری،باب قول النبی صلى الله عليه وسلم :لانكتب ولانحسب،رقم الحديث: ۱۹۱۳،انيس

(۳) الدر المختارعلى ردالمحتار: ۳/۳۶۳،دارعالم الكتب،الرياض

احناف کے نزدیک اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں:

سوال: رؤیت ہلال کی شہادت بذریعہ تار اور خطوط نیز ٹیلی فون سے معتبر ہے، یا نہیں؟ اختلاف مطالع کا اعتبار ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو ایک مطلع کی حد، یا رقبہ کتنے میل کا شمار ہوگا؟

(المستفتی:۳۹۲،محمد امیر، پالن پور،۲۰/جمادی الاول ۱۳۵۳ھ،مطابق یکم ستمبر۱۹۳۴ء)

الجواب

رؤیت ہلال میں تار ٹیلی فون کی خبر معتبر نہیں؛ یعنی حکم کے لیے کافی نہیں، اختلاف مطالع کا حنفیہ کے نزدیک اعتبار نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۱۹/۴)

حنفیہ کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر نہیں:

سوال (۱) اختلاف مطالع شرعاً معتبر ہے، یا نہیں؟ اور اس میں قول صحیح ظاہر الروایت مفتی بہ کیا ہے؟

خط، ٹیلی فون اور تار وغیرہ سے اگر چاند ہونے کا یقین ہوجائے:

(۲) اگر کسی شہر میں رویت صحیح ثابت نہ ہوئی ہو، بس دوسرے شہروں سے کہ جہاں رؤیت تحقیقی ثابت ہو، اخبارات، یا خطوط متواترہ، یا تار برقی، یا ٹیلی فون کے ذریعہ خبر منگا کر روزہ افطار کرنا شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی دو عادل گواہوں کی شہادت قبول کرنا جائز ہے:

(۳) باوجود بالکل مطلع صاف ہونے کے اس زمانہ میں دو عادل آدمیوں کی شہادت شرعاً معتبر ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو عبارت ذیل درمختار وشامی کا کیا جواب ہے؟

"وعن الإمام أنه يكتفى بشاهدين واختاره فى البحر". (الدرالمختار)

"حيث قال: وينبغي العمل علىٰ هٰذه الرواية فى زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائى الأهلة، إلخ، أقول: وأنت خبير بأن كثيرًا من الأحكام تغيرت لتغير الأزمان ولو اشترط فى زماننا الجمع العظيم لزم أن لا يصوم الناس إلا بعد ليلتين أو ثلاث لما هو مشاهد من تكاسل الناس بل كثيرًا ما رأيناهم يشتمون من يشهد بالشهر ويؤذونه حينئذٍ فليس فى شهادة الإثنين تفرد من بين الجم الغفير حتىٰ يظهر غلط الشاهد فانتفت علاة ظاهر الرواية فتعين الافتاء بالرواية الأخرىٰ. (شامی:۱۰۱/۲)(۲)

(المستفتی:۱۳۲۰،مولانا محمد شفیع صاحب مدرس مدرسہ جامعہ اسلامیہ شہر ملتان،۱۶/ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ،۳۰/مارچ ۱۹۳۷ء)

---

(۱) واختلاف المطالع، ورؤيته نهارًا قبل الزوال، وبعده غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة. (الدرالمختار، كتاب الصوم: ۳۶۳/۳-۳٦٤، ط، دار عالم الكتب، الرياض)

(۲) رد المحتار، كتاب الصوم: ۳۸۸/۲، ط: سعيد

الجواب

(۱) اختلاف مطالع شرعاً معتبر نہیں اور حنفیہ کے نزدیک صحیح اور محقق یہی ہے۔(۱)

(۲) دوسرے شہروں کی رویت کی شہادت بطریق شرعی آجائے تو مقام موصول الیہ میں بھی صوم، یا فطر کا حکم دیا جائے گا، اخبارات اور خطوط اور تار برقی اور ٹیلی فون اتنی کثرت سے آجائیں کہ غلبۂ ظن کو مفید ہوں تو صوم اور افطار کا حکم دیا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر اتنی کثرت اس حد تک نہ پہنچے تو ان پر حکم دینا جائز نہ ہوگا اور اگر کسی شخص کو کسی خاص خبر، یا خط سے غلبۂ ظن حاصل ہو جائے، وہ اپنے حق میں اس پر عمل کرسکتا ہے؛ لیکن عام طور پر ان ذرائع سے حاصل شدہ خبر پر حکم نہیں دیا جاسکتا۔(۲)

(۳) دو آدمیوں کی جب کہ وہ عادل ہوں اور ان کی شہادت کے ساتھ قرائن صدق بھی ہوں، شہادت بول کر لینا جائز ہے اور اس پر حکم کر دینا بھی درست ہے، خواہ شہادت رؤیت ہلال صوم کے متعلق ہو، یا ہلال فطر کے متعلق۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴/۲۲۰-۲۲۱)

اختلاف مطالع واقع ہے؛ مگر شریعت میں اس کا اعتبار نہیں:

سوال: متعلقہ اختلاف مطالع؟

الجواب

جناب محترم مکرم دام مجدہم بعد سلام مسنون

میں آپ کے تمام خطوں کا جواب مرسلہ کتابوں کی تفصیل، حمائل میرٹھی نہ ہونے کی اطلاع سب لکھ چکا ہوں، صرف رؤیت کے متعلق جو امر آپ نے دریافت فرمایا تھا، وہ لکھنا باقی تھا، جواب لکھ رہا ہوں۔

حنفیہ نے احکام میں اختلاف مطالع کا شرعاً اعتبار نہیں کیا،(۴) نہ یہ کہ وہ درحقیقت اختلاف مطالع کے منکر ہیں۔

---

(۱) واختلاف المطالع، ورؤيته نهارًا قبل الزوال، وبعده غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة. (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۹۳، ط: سعيد)

(۲) ولايشهد علىٰ محجب بسماعه منه إلا إذا تبين لقائل بأن لم يكن في البيت وغيره ... أويرىٰ شخصها أي للقائلة مع شهادة إثنين بأنها فلانة ابن فلان، الخ. (الدر المختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۶۸، طبع سعيد)

(۳) وعن الإمام، أنه يكتفي بشاهدين، واختاره في البحر، إلخ، حيث قال، وينبغي العمل علىٰ هٰذه الرواية في زماننا، لتكاسل الناس ... فانتفت علة ظاهر الرواية، فتعين الإفتاء بالرواية الأخرىٰ، إلخ. (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۸، ط: سعيد)

(۴) واختلاف المطالع غير معتبر علىٰ المذهب، فيلزم أهل المشرق لرؤيته أهل المغرب. (تنوير الأبصار، كتاب الصوم: ۲/۳۹۳-۳۹۴، طبع سعيد)

فی الواقع مطالع میں اختلاف ہوتا ہے؛ لیکن احکام شرعیہ میں اس کا اعتبار نہیں ہے۔(۱) حنفیہ کا استدلال حدیث: ”صوموا لرؤیته“ (۲) سے ہے۔ یہ حدیث ترمذی وغیرہ کتب حدیث میں موجود ہے اور صحیح ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ چاند دیکھنے پر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو۔ ”صوموا“ کا خطاب عام ہے، تمام مکلفین اس میں داخل ہیں اور رؤیت کا لفظ ”لرؤیته“ میں مصدر ہے، جس کا فاعل مذکور نہیں کہ کس کے دیکھنے پر روزہ رکھو۔ پس اگر مخاطبین کو ہی فاعل مانا جائے اور معنی یہ ہوں کہ جو دیکھے، وہ روزہ رکھے تو یہ خرابی ہے کہ بہت سے مکلفین بھی روزے سے بچ جائیں گے، جنہوں نے باوجود شہر میں رہنے اور شہر میں رؤیت ہونے کے بھی چاند نہیں دیکھا، حالاں کہ یہ بالا جماع باطل ہے کہ، جو اپنی آنکھ سے چاند نہ دیکھے، اس پر روزہ نہ ہو۔ پس لامحالہ رؤیت کا فاعل بھی عام لینا ہوگا کہ کسی دیکھنے والے کے دیکھنے پر روزہ رکھو، خواہ وہ مشرق میں ہو، یا مغرب میں، جب کہ رؤیت کا ثبوت ہو جائے کہ کسی نے چاند دیکھا ہے، خواہ کہیں دیکھا ہو، تمام مکلفین پر روزہ فرض ہو گیا، اس حدیث میں جیسے رؤیت کا فاعل مذکور نہیں، ایسے ہی محل رؤیت بھی مذکور نہیں؛ اس لیے وہ بھی عام ہے کہ کہیں دیکھا جائے، صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ دیکھنا ثابت ہو جائے اور ثبوت کا طریق شہادت شرعیہ ہے، جو رمضان کے چاند کے لیے ایک شخص کی بھی کافی ہے اور عید کے لیے دو آدمیوں کی ضروری ہے، یہ جب کہ مطلع صاف نہ ہو، ابر غبار وغیرہ ہو اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں رمضان وعید دونوں کے لیے جم غفیر شرط ہے۔(۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا واقعہ کہ انہوں نے خبر رؤیت قبول نہ کی، حنفیہ کے مخالف نہیں ہے کہ اول تو وہ حسب قاعدۂ شرعیہ شہادت نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ جب تک وہ امام کے سامنے پیش نہ ہوتی اور امام حکم نہ کرتا، اس وقت تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ فرمانا کہ ”فلا نزال نصوم حتیٰ نراہ أو نکمل ثلاثین یومًا“ (۴) بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی کے مکلّف ہیں اور اگر چہ ایک شخص کی شہادت معتبر ہے؛ لیکن

---

(۱) اعلم أن نفس اختلاف المطالع لانزاع فیه بنعنی أنه قد یکون بین البلدتین بعد،یطلع الهلال لیلة کذا فی أحد البلدتین،وأم الخلاف فی اعتبار اختلاف المطالع بمعنی أنه هل یجب علیٰ کل قول اعتبار مطلعهم، إلخ.(رد المحتار، کتاب الصوم: مطلب فی اختلاف المطالع: ۳۹۳/۲،سعید)

(۲) جامع الترمذی، کتاب الصوم،باب ماجاء أن الصوم لرؤیة الهلال والافطار له: ۱۴۸/۱،سعید

(۳) وشرط للفطر نصاب الشهادة ولفظ أشهد ... وبلا علة جمع عظیم یقع العلم بخبرهم،وهو مفوض إلیٰ رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد،إلخ.(تنویر الأبصار، کتاب الصوم: ۳۸۶/۲-۳۸۸،طبع محمد سعید)

(۴) أخبرنی کریب،أن أم الفضل بنت الحارث بعثته إلیٰ معاویة بالشام،فقضیت حاجتها واستهل علیٰ هلال رمضان، وأنا بالشام، فرأینا الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینة فی آخر الشهر،فسألنی ابن عباس،لم ذکر الهلال فقال متیٰ رأیتم الهلال،فقلت رأیناه لیلة الجمعة فقال :أنت رأیته لیلة الجمعة،فقلت رآه الناس،وصاموا،وصام معاویة ،قال لکن رأیناه لیلة السبت،فلا نزال نصوم حتیٰ نکمل ثلثین یومًا،أو نراه فقلت،إلا تکتفی برؤیة معاویة وصیامه، قال: لاهٰکذا أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم.(سنن الترمذی،أبواب الصوم، باب ماجاء لکل أهل بلد رؤیتهم: ۱۴۸/۱،طبع سعید)

جب کہ امام کے سامنے پیش ہو اور وہ قبول کر کے حکم دے دے اور یہ بات ابھی تک حاصل نہ ہوئی تھی، جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ تذکرہ کر رہے تھے۔

علاوہ ازیں شریعت میں کوئی حد اس امر کی مقرر نہیں کی گئی کہ کتنی مسافت کی رؤیت معتبر ہے اور کس قدر فاصلے کی معتبر نہیں، اگر کوئی فاصلہ ایسا ہوتا کہ اس کی رویت کا اعتبار نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ اس کو بیان کیا جاتا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی فقط 'لا' اور'' ھٰکذا أمرنا'' إلخ، (۱) کے سوا اور کچھ ثابت نہیں ہوتا اور یہ اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ فاصلے کی کوئی تحدید کی جاسکے اور اگر عام چھوڑ دیا جائے تو لازم آتا ہے کہ وہ تین کوس کے فاصلے کی رؤیت بھی معتبر نہ ہو، وھٰذا باطل جداً. فقط

محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ، سنہری مسجد دہلی (کفایت المفتی: ۲۲۳/۴-۲۲۵)

مطلع میں ۲۴ رگھنٹہ کا فرق ہو تو روزہ کا کیا حکم ہے:

سوال: ہوائی جہاز سے ہوائی کھیل ایجاد ہے۔ وہاں سے کھلاڑی گیند کھیلتے ہیں تو گیند اسی جگہ لڑھک کر جاتا ہے، وہاں کے مطلع میں ۲۴ رگھنٹہ کا فرق ہو جاتا ہے۔ اگر ہوائی والے شنبہ کو روزہ رہیں تو کیا قریبی ملک والے کو اسی دن روزہ رکھنا ضروری ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر وہاں رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہو جائے تو دن میں روزہ کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں۔ (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمد غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳/۱۰)

مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے:

سوال: شرعاً کتنے فاصلے پر واقع بلاد کا مطلع ایک سمجھا جاتا ہے اور کتنے بُعد میں مطلع بدل جاتا ہے؟ مسئلہ کی پوری شرح فرمائیں؟ جن دو شہروں یا ملکوں کا مطلع ایک ہو اور رؤیت کی خبر صحیح ہو تو اس رؤیت کی اطلاع پر دوسرے شہر والے روزہ، یا عید مناسکتے ہیں، یا نہیں؟ کبھی اگر رؤیت کی کہیں سے غلط خبر نشر ہوگئی تو پھر کبھی وہاں کے رؤیت کی خبر کو قبول نہیں

(۱) فیلزم لأھل المشرق برؤیة أھل المغرب إذا ثبت عندھم رؤیة أولٰئک بطریق موجب. (الدر المختار، کتاب الصوم: ۳۹٤/۲، سعید)

(۲) وفی القدوری: (إذا کان بین البلدتین تفاوت لایختلف المطالع لزم حکم أھل إحدی البلدتین البلدة الأخریٰ، فأما إذا کان تفاوت یختلف المطالع لم یلزم حکم إحدی البلدتین البلدة الأخریٰ وذکر الشیخ شمس الأئمة الحلوانی أن الصحیح من مذھب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فیما بین أھل إحدی البلدتین، یلزمھم حکم أھل البلدة. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب الصوم، الفصل السادس فیما یتعلق برؤیة الهلال: ۲٦۹/۲، قدیمی)

کی جائے گی۔جنتریوں اور کلینڈروں میں جو غروبِ آفتاب کے اوقات لکھے ہوتے ہیں،اس کے کتنے دیر بعد اذانِ مغرب دی جائے؟ منٹ کی وضاحت کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

ایک ہزار میل کے بُعد پر مطلع بدل جاتا ہے۔ (۱)اگر رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو روزہ اور عید کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں۔ (۲)جنتریوں اور کلینڈروں میں خود ہی اختلاف رہتا ہے۔

آج کل عامۃ طلوع غروب استقرا کا مشاہدہ کرکے جنتریوں کو مرتب نہیں کیا جاتا ہے،زیادہ تر نقل ہی پر اعتماد ہوتا ہے، پھر مرتب کرنے والے اپنے مزاج کے اعتبار سے احتیاط کی بھی رعایت رکھتے ہیں،کوئی کم کوئی زیادہ گھڑیوں میں سستی اور تیزی کا فرق ہوتا رہتا ہے؛اس لیے کوئی حتمی تعین نہیں کی جاسکتی،بس اتنا ہے کہ غروب متعین ہونے کے بعد اذان کا وقت ہے، نہ یہ کہ ہر جگہ ہر موسم پر گھڑی کا پابند کردیا جائے۔ (۳)فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۱۲/۲۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۳۳/۱۰-۳۵)

---

(۱) وقدر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر،وقد نبه التاج البریزی علیٰ أن اختلاف المطالع لایمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً،وأفتیٰ به الوالد،والأوجه أنها تحدیدیة، کما أفتیٰ به أیضاً.(رد المحتار،کتاب الصوم، مطلب اختلاف المطالع: ۳۹۳/۲،سعید)

(۲) ولو صام أهل بلد ثلاثین یوماً،وصام أهل بلد آخر تسعة وعشرین، فإن صوم أهل ذلک البلد برؤیة الهلال،وثبت ذلک عند قاضیهم أوعدوا شعبان ثلاثین یوماً،ثم صاموا رمضان،فعلیٰ أهل البلد الآخر قضاء یوم؛لأنه أفطروا یوماً من رمضان...هٰذا إذا کانت المسافة بین البلدین قریبة لا تختلف فیها المطالع".(بدائع الصنائع،کتاب الصوم،فصل فی شرائطها: ۵۷۹/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وقبل بلا دعوی) وبلا لفظ "أشهد"وبلا حکم ومجلس قضاء؛لأنه خبر لا شهادة (للصوم مع علة کغیم) و غبار (خبر عدل) ... (ولو)کان العدل(قنا أو أنثیٰ أومحدوداً فی قذف تاب) ...آه.

(وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصاب الشهادة ولفظ "أشهد"وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد،لٰکن (لا) تشترط(الدعوی)...(و)بلا علة جمع عظیم یقع العلم الشرعی وهوغلبة الظن (بخبرهم وهومفوض إلیٰ رأی الأم من غیرتقدیربعدد).(الدرالمختار،کتاب الصوم : ۳۸۵/۲-۳۸۸،سعید)

(۳) عن عمررضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا أقبل اللیل من هٰهنا وأدبرمن هٰهنا، وغربت الشمس،فقد أفطر الصائم". متفق علیه.(مشکاة المصابیح،کتاب الصوم،باب الفصل الأول: ۱۷۵/۱، قدیمی)

قلت:ومتقضی قوله:(لابأس بالفطربقول عدل) أنه لایجوزإذا لم یصدقه،ولا بقول المستور مطلقاً ... فلابد حینئذٍ من التحری،فیجوز،لأن ظاهرمذهب أصحابنا جوازالافطاربالتحری،کما نقله فی المعراج عن شمس الأئمة السرخسی؛لأن التحری یفید غلبة الظن،وهی کالیقین ... وفی البحرعن البزازیة:ولا یفطرمالم یغلب علیٰ ظنه الغروب وإن أذن المؤذن.(رد المحتار،کتاب الصوم،باب ما یفسد الصوم وما لایفسده: ۴۰۷/۲،سعید)

چاند کودیکھنے میں اختلاف مطالع کا اثر کن مہینوں پر پڑے گا:

سوال: اختلاف مطالع رؤیت ہلال رمضان شریف، یا شوال، یا ذی الحجۃ وغیرہ میں معتبر ہے، یانہیں؟ اور تحریر خط، یا تار معتبر کہ اپنے قرائن سے تصدیق ہوجاوے اور شبہ مطلق نہ رہے، ایسے معاملہ میں معتبر ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اختلاف مطالع صوم وافطار میں معتبر نہیں اور سوائے اس کے معتبر یہ ہے کہ یہ ظاہر روایت ہے اور بعض علماء حنفیہ کے نزدیک صوم وافطار میں بھی معتبر ہے اور تار مثل خط کے ہے، اگر تار خط میں ذرائع عدول ہوں گے تو اعتبار ہوگا، ورنہ نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۰)

کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانعِ رؤیت ہلال ہے:

سوال: رؤیت ہلال کے متعلق حیلولۃ الجبال علۃ فی السماء کا حکم رکھتا ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

رؤیت ہلال کے متعلق احکام مختلف ہیں۔ شعبان، رمضان، عیدین میں اختلافِ کثیر ہے۔ حیلولۃ الجبال وغیرہ کو بعض احکام میں اختلافِ مطالع کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے۔

”وحکی عن أبی عبد اللّٰہ بن أبی موسیٰ الضریر، أنه استفتیٰ فی أهل الأسکندریة أن الشمس تغرب بها، ومن علیٰ منارتها یری الشمس بعد ذلک بزمان کثیر؟ فقال: یحل لأهل البلد الفطر، ولایحل لمن رأس المنارة إذا کان یری غروب الشمس؛ لأن مغرب الشمس یختلف کما یختلف مطالعها، فیعتبر فی أهل کل موضع مغربه، آه“. (۱)

”وأما إذا جاء من مکان آخر خارج المصر، فإنه تقبل شهادته إذا کان عدلاً ثقة؛ لأنه یتیقن فی الرؤیة فی الصحاری ما لم یتیقن فی الأمصار، لما فیها من کثرة الغبار، وکذا إذا کان فی المصر فی موضع مرتفع“. (۲)

”وذکر الطحاوی أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر، وکذا إذا کان علیٰ مکان مرتفع“. (کذا فی الهدایة) (۳)

”وعلیٰ قول الطحاوی اعتمد الإمام المرغینانی وصاحب الأقضیة والفتاویٰ الصغری، لکن فی ظاهر الروایة: لا فرق بین خارج المصر، کذا فی معراج الدرایة“. (فتاویٰ عالمگیری: ۱/۱۹۶) (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۲۲۵، کتاب الصوم، اختلاف المطالع، دار الکتب العلمیة بیروت

(۲) البحر الرائق، کتاب الصوم: ۲/۴۷۰، رشیدیة

(۳) الهدایة: ۱/۲۱۶، کتاب الصوم، مکتبة شرکة علمیة، ملتان

(۴) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۸، رشیدیة

علت فی السماء کے وقت ہلال رمضان واحد عدل کی خبر سے ثابت ہوجاتا ہے اور ہلالِ عید عدلین حرین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے، (۱) جن حضرات کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں، ان کے نزدیک ایک جگہ کا ثبوت سب جگہ کے لیے کافی ہے، لہٰذا اگر پہاڑ کے اوپر، یا کسی ایسی جگہ حیلولۃ الجبال نہ ہو، ثبوتِ ہلال ہوجائے تو دامنِ کوہ میں رہنے والوں کے لیے بھی ثبوت کا حکم دیا جائے گا اور جن مشائخ کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر ہے، جیسے صاحبِ تجرید وغیرہ، (۲) ان کے نزدیک ثبوت نہ ہوگا۔ زیلعی نے اس کو اشبہ کہا ہے، (۳) اور اول ظاہر الروایۃ ہے۔ شیخ ابن ہمام نے اس کو احوط کہا ہے اور خلاصہ میں ہے:

"ظاهر المذهب، وعليه الفتوىٰ". (فتح: ۵۳/۲، والبحر: ۲۷۰/۲) (۴) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرہ مظاہر علوم، ۱/۱۱/۱۳۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۲۶/۱۰-۱۲۷)

چاند کے معاملہ میں ایک شہر کی خبر سے دوسرے شہر پر کیا اثر پڑے گا:

سوال: خبر رؤیت الہلال رمضان اگر کہیں سے آوے، مثلاً کلکتہ سے تو مطابق اس کے ایک روزہ کی قضا لازم ہوگی، یا نہیں؟ ایک شخص کہتا ہے کہ دور کی خبر کی سند نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روزہ رکھو اور افطار کرو چاند دیکھ کر، لہٰذا یہ قول صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

شہادت معتبرہ سے چاند ہونا انتیس شعبان کا ثابت ہے۔ اگر روزہ نہ رکھا ہو تو ایک روزہ قضا کرلینا اس شخص کا یہ کہنا محض غلطی ہے، وہ حدیث کا مطلب نہیں سمجھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۶۹)

---

(۱) إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحد علىٰ هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً (إلىٰ قوله) في الفطر وإن كان بالسماء علة، لا تقبل إلا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثاني في رؤية الهلال: ۱۹۷/۱-۱۹۸، رشيدية)

(۲) ومختار صاحب التجريد وغيره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع. (فتح القدير: ۳۱۴/۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ الباب الحيلي، مصر)

(۳) والأشبه أن يعتبر (اختلاف المطالع) لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار. (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية: ۱۶۵/۲، بيروت)

(۴) خلاصة الفتاوى، كتاب الصوم، الفصل الأول في الشهادة علىٰ هلال رمضان وما يتعلق به: ۲۴۹/۱، امجد اكادمی لاهور

"والأخذ بظاهر الرواية أحوط". (فتح القدير، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحبلي: ۳۱۴/۲، مصر) / البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲۷۱/۲، رشيدية

ایک شہر میں چاند نظر آئے تو دوسرے شہر میں کیا کیا جائے:

سوال: اختلاف مطالع معتبر ہے، یا نہیں؟ یعنی اگر ایک بلدہ میں رؤیت الہلال ہوجاوے اور دوسرے میں اس کی خبر محقق طور پر بطریق موجب مثل تحریر خطوط معتبر اس درجہ کی کہ ظن حاصل ہوجاوے اور شبہ باقی نہ رہے، قرائن سے صداقت ہوجاوے؛ کیوں کہ "**غلبة الظن حجة موجبة للعمل**" فقہا لکھتے ہیں، یا خبر تار میں کہ جو ایسے ہی درجہ کی ہو اور خواہ رؤیت الہلال رمضان المبارک ہو، یا شوال یا ذی الحجہ کی، یا دیگر کسی ماہ کی؟

الجواب

اختلاف مطالع صوم اور افطار میں تو ظاہر روایت میں معتبر نہیں۔ مشرق کی رؤیت غرب والوں پر ثابت ہوجاوے گی۔ اگر حجت شرعیہ سے ثابت ہوئے؛ مگر قربانی اور صلوٰۃ عید ذی الحجہ اور حج میں معتبر ہوگا۔ (**كما حققه في ردالمحتار**) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۶۹-۳۷۰)

عید کا چاند ایک شہر میں نظر آئے اور دوسرے میں نظر نہ آئے، تو کیا کیا جائے:

سوال: رمضان یا عید کا چاند، اگر ابر وغیرہ کے سبب سے، ایک شہر میں نہ معلوم ہو اور دوسرے شہر والوں کو معلوم ہو تو حنفیہ کا مفتی بہ مسئلہ کیا ہے؟

فقہ کی مشہور کتابوں میں یہ فتویٰ لکھا ہے کہ دوسری جگہ کی سچی خبر کا اعتبار کرنا چاہیے، اگر چہ بہت دور کی خبر ہو؛ مگر اس ملک میں بعض علما یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ زیادہ دور کی خبر معتبر نہیں ہے، جہاں تک سفر کرنے میں قصر واجب نہیں ہے فقط، وہاں تک کی خبر معتبر ہے تو صحیح اس مسئلہ میں قول اول ہے، یا قول ثانی؟ اگر قول ثانی صحیح ہے تو اس قول کو حنفیہ نے کس کتاب میں ترجیح دی ہے؟ اکثر فقہاء حنفیہ کے نزدیک قول اوّل کو ترجیح معلوم ہوتی ہے اور امام نووی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ قول ثانی شافعیہ کا مذہب ہے، حنفیہ میں سے کس فقیہ نے اس مذہب کو اختیار کیا ہے؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک رمضان اور شوال کا چاند اگر مشرق میں دیکھا گیا تو غرب میں بھی بشرط ثبوت اس پر عمل واجب ہے، یہ ظاہر الروایۃ ہے اور اکثر فتویٰ اس پر ہی ہے۔ دوسری روایت ظاہر روایت نہیں، اگر چہ وہ بھی بعض حنفیہ کا مفتیٰ بہ ہے اور زیلعی شارح کنز کا یہ فتویٰ ہے۔ فقط

(فرخ آباد، ص:۳۹-۴۲) (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۵)

عید کی خبر دوسری جگہ سے آنے پر روزہ رکھنے والے کیا کریں:

سوال: جوانب واطراف سے خبریں عید ہونے کی بروز پیپر کے معتبر ویقینی سن کر چند آدمیوں نے روزہ ظہر کے

وقت توڑ دیا، زید کہتا ہے کہ ان آدمیوں کے ذمہ کفارہ روزہ کا لازم ہوگیا، بکر کہتا ہے کہ کفارہ لازم نہیں ہوا، قضا واجب ہوگئی کہ جن آدمیوں نے روزہ توڑا، اس نیت سے توڑا کہ عید کے دن روزہ منع ہے، کچھ خواہش نفس سے نہیں توڑا، جن شخصوں نے روزہ توڑا شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا کفارہ لازم ہوگیا یا قضا کا روزہ رکھے، یا نہ رکھے؟

الجواب

جب دلیل شرعی سے ثابت ہوگیا کہ اتوار کے دن چاند ہوگیا تو پیر کے دن افطار واجب ہوگیا۔ افطار کرنے والوں پر نہ قضا ہے، نہ کفارہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۴۷۵)

ایک مقام پر اگر چاند نظر آ جائے تو دوسرے مقام والوں کو بھی روزہ رکھنا ضروری ہے:

سوال: شہر اوجین میں ۲۹/شعبان المعظم کو مطلع بالکل صاف تھا اور باوجود پوری کوشش سے دیکھنے کے چاند نظر نہیں آیا؛ مگر دوسرے مقامات سے اب یہ اطلاعات پہنچ رہی ہیں کہ وہاں چاند دیکھا گیا، مثلاً جریدہ الجمعیۃ، مورخہ ۹/دسمبر ۱۹۳۶ء، مطابق ۲۳/رمضان المبارک ۱۹۵۵ء میں موضع کھرالہ کی عینی شہادت پر حضرت مفتی صاحب نے دہلی میں دوشنبہ کی پہلی تاریخ قرار دے کر تعین لیلۃ القدر اور ایک روزہ قضا رکھنے کا اعلان شائع فرمایا ہے، اسی طرح اسی اعلان کے نیچے امارت شرعیہ پھلواری شریف کا ایک اعلان شائع ہوا ہے، ان ہر دو مقامات پر ابر ہونا بھی تصدیق ہوتا ہے؛ مگر جہاں مطلع بالکل صاف ہو اور ہزاروں میں سے ایک شخص کو بھی چاند نظر نہ آیا ہو، ایسی صورت میں کیا مندرجہ صدر تصدیقات پر روزہ قضا رکھا جائے؟　　(المستفتی: ۱۲۵۶، ۲۸ رمضان ۱۳۵۵ھ، ۱۳ دسمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

رؤیت کی شہادت اگر معتبر ہو تو پھر اس کا اعتبار ہوگا، (۱) اور نہ دیکھنے والے خواہ کتنے ہی کثیر ہوں، ان کو بھی روزہ رکھنا ہوگا۔
محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی: ۴/۲۲۰)

اہل مشرق کی رؤیت اہل مغرب کے لیے:

سوال (۱) فقہ حنفی کی رو سے ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہروں والوں کے لیے حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا فاصلہ کیوں نہ ہو، ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہنچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا۔ (درمختار ورد المحتار) (۲) ابتدائے مغرب کی رؤیت انتہائے مشرق کے لیے حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟

---

(۱) واختلاف المطالع غير معتبر على المذهب، فيلزم أهل المشرق لرؤيته أهل المغرب. (تنوير الأبصار، كتاب الصوم: ۲/۳۹۳-۳۹۴، طبع سعيد)

(۲) فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئک بطريق موجب". (الدر المختار) ==

(۲) عرب ملک کی خبر چاند کی جو ریڈیو کے ذریعہ سے سرکاری طور پر ساری دنیا میں پہونچادی جاتی ہے تو کیا ہمارے لیے وہ خبر حجت ہوگی؟ مشرق میں اس دن رؤیت ممکن ہی نہیں۔

(۳) رؤیت کی شہادت، یا خبر کس حد تک معتبر ہے ریڈیو سے، یا ٹیلیفون سے؟

(۴) پاکستان ریڈیو کی سرکاری خبر ہمارے لیے حجت ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

اصل یہ ہے کہ ہر شہر والے اپنے اپنے مطلع کے مکلّف ہیں، جیسے کہ اوقاتِ نماز کا حال ہے، ایسے ہی صوم وافطار کا حال ہے: ''صوموا لرؤیته، وأفطروا لرؤیته''. (الحدیث)(۱) یوم الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہو تو تیس دن پورے کرنے کا حکم ہے، یوم الشک ۲۹؍تاریخ کے بعد والا دن ہے، جس میں احتمال ہے کہ اسی مہینہ کا تیسواں دن ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کا پہلا دن ہو، اس دن کی جو رات ہوتی ہے یعنی)۲۹؍تاریخ کے بعد والی شب، یہ لیلۃ الشک ہے؛ کیوں کہ احتمال ہے کہ یہ اسی مہینہ کی تیسویں شب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کی پہلی شب ہو۔

لیلۃ الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں کسی جگہ چاند نظر نہ آیا اور دوسری جگہ نظر آگیا، وہاں سے جب بھی لیلۃ الشک میں، یا رات گزرنے کے بعد یوم الشک میں شہادت پہونچے گی، جو کہ قواعدِ شرعیہ کے مطابق مکمل اور قابل قبول ہے تو وہ شہادت قبول کرلی جائے گی، خواہ نزدیک سے آئے، یا دور سے حتی کہ مغرب کی شہادت مشرق میں اور بالعکس سب جگہ تسلیم کرلی جائے گی۔(۲)

تنبیہ: قبولِ شہادت کے لیے ضروری ہے کہ یوم الشک میں ایسا نہ ہو کہ شہادت قبول کرنے سے مہینہ ۲۸؍کا رہ جائے، یا ۳۱؍کا ہوجائے، ایسی صورت میں محل شہادت ہی نہیں۔ (بدائع، زیلعی، بحر)(۳)

== (قوله: فیلزم) فاعله ضمیر یعود إلیٰ ثبوت الهلال: أی هلال الصوم أو الفطر، وأهل المشرق مقوله ... بطریقه موجب کان یتحمل إثنان الشهادة، أو یشهدا علیٰ حکم القاضی، أو یستفیض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة کذا رأوه؛ لأنه حکایة''. (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب فی اختلاف المطالع: ۳۹۴/۲، سعید)

(۱) الصحیح لمسلم: ۳۴۷/۱، کتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان، إلخ، قدیمی)/ ومشکاة المصابیح: ۱۷۴/۱، کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال، قدیمی

(۲) الدر المختار مع تنویر الأبصار، کتاب الصوم: ۳۹۳/۲، سعید

(۳) وقد روی عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه أنه قال: لأن أفطر یوماً من رمضان، ثم أقضیه أحب إلیٰ أن أزید فیه ما لیس منه''. (بدائع الصنائع، کتاب الصوم: ۵۶۲/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

وفیه أیضاً: ''لأن الشهر قد یکون ثلاثین یوماً، وقد یوکن تسعة وعشرین یوماً؛ لقول النبی صلی اللّٰه علیه وسلم: ''الشهر هٰکذا وهٰکذا''. وأشار إلیٰ جمیع أصابع یدیه، ثم قال: ''الشهر هٰکذا وهٰکذا''. ثلا ثاً، وحبس ابهامه فی المرأة الثالثة، فثبت أن الشهر قد یکون ثلا ثین یوم وقد یکون تسعة وعشرین''. (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی شرائطها: ۵۷۹/۲، دار الکتب العلمیة بیروت)

اگر عرب ممالک، یا کسی اور جگہ سے ۲۸/ کا رہ جائے گا۔شہادت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد حاضر ہو کر شہادت دے، لہٰذا ریڈیو، تار، ٹیلیفون، خط کے ذریعہ سے آنے والی خبر شرعی شہادت نہیں،(۱) اگر کسی جگہ رؤیت ہلال کمیٹی، یا قاضی شرعی، یا حاکم مسلم ذی علم باشرع شہادت شرعیہ باقاعدہ حاصل کر کے ریڈیو پر اعلان کرے، یا کرائے کہ یہاں شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، لہٰذا فلاں روز عید ہے تو مذکورہ بالا طریق پر یہ اعلان قابل تسلیم ہوگا، رؤیت ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے۔(۲)

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:''آلات جدیدہ کے شرعی احکام''،ص: ۱۷۷، باب:''ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت''۔(۳)

مگر اس اعلان پر عوام کو چاہیے کہ خود جلدی سے عمل نہ کرلیں؛ بلکہ اہل علم اور ذمہ دار حضرات کی طرف رجوع کریں، جب وہ شرعی قواعد کے موافق اس کو قابلِ اطمینان سمجھ کر تسلیم کرلیں، تب عوام اس پر عمل کریں؛اس لیے کہ عوام پوری حدود وقیود کا نہ علم رکھتے ہیں، نہ پابندی کرتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۳/۱۱/۱۳۸۵ھ۔(فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۱۲-۱۱۵)

دوسرے شہر میں چاند کا نظر آنا، جب تک شرعی شہادت سے ثابت نہ ہو، مقامی رؤیت ہی کا اعتبار ہوگا:

سوال: اکثر عام طور پر تو رؤیت ہلال ماہ رمضان چہارشنبہ کو ہوئی ہے اور پہلا روزہ جمعرات کا ہوا؛ لیکن بعض بعض جگہ کی خبریں رؤیت ہلال بروز منگل اور پہلا روزہ بدھ کا سننے میں آئی ہیں، نہ معلوم پہلا روزہ بدھ کا صحیح ہے، یا یوں ہی غل غپاڑہ ہے۔اب یہ بات دریافت طلب ہے کہ آپ کو شہادت پختہ کون سی پہنچی ہے، آپ نے شہادت بدھ کے روزہ کی قبول فرمالی ہے، یا نہیں؟ اگر واقعی پہلا روزہ بدھ کا ہے تو تیس رمضان کو جمعرات ہوتی ہے، اگر تیس تاریخ بروز جمعرات گرد وغبار، یا ابر ہو، یا مطلع صاف بھی ہوا اور پھر چاند شوال کا نظر نہ آیا تو اس صورت میں جمعہ کو عید کی جائے، یا روزہ رکھا جائے؟　　　(المستفتی: فیض الحسن، از: جونڈلہ، ضلع کرنال)

---

(۱) لوسمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد،لاحتمال أن يكون غيره؛إذا النغمة تشبه النغمة.(تبيين الحقائق، كتاب الشهادة،دارالكتب العلمية: ۵/ ۱۶۰،بيروت)

(۲) لوسمع...الخ.(تبيين الحقائق: ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة،دارالكتب العلمية بيروت)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی فرماتے ہیں:''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے، تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔(آلات جدیدہ کے شرعی احکام،ص:۱۷۷: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف)

(۲) اسی طرح احسن الفتاوی:۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید

الجواب

یہاں دہلی میں معتبر شہادت پر پہلا روزہ بدھ کا رکھا گیا، آپ اپنے یہاں کی رؤیت پر جب تک شرعی ثبوت اس کے خلاف نہ ہو عمل کریں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۵/۴)

روزہ کا سبب رؤیت ہلال ہے، یا شہودِ رمضان:

سوال: رؤیت ہلال رمضان میں سب کا اتفاق ہے، اس پر کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہو جاتا ہے، بعض نے حدیث حضرت کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلیل بنایا اور بعض دوسری دلیل پیش کرتا ہے اور بعض اسی کو حق اور مطابق نص قرآنی بتاتے ہیں؛ کیوں کہ قرآن شریف میں ہے:

﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾(۱) أى رمضان إلخ".

اور اس کا ترجمہ کرتا ہے کہ ''جو شخص ماہ رمضان پاوے، یا داخل ہو، اس پر روزہ واجب ہے''۔

اور یہی مذہب حق اور ٹھیک ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں، اگر مشرق والا ہلالِ رمضان کی خبر دے اہل مغرب کو تو اہل مغرب پر روزہ واجب ہوگا، یا اس کا عکس، یہ مذہب کے خلاف حدیث اور نص قرآنی معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ کبھی یہ صورت واقع ہوگی، ایک ملک میں آج شعبان ہے تو دوسرے ملک میں رمضان جیسے امریکہ میں رات اور یہاں دن؛ بلکہ لندن اور ہندوستان میں بھی بہت فرق ہے؛ کیوں معظم کا خبر انتقال یہاں ہندوستان کو دیا ہے۔ ایک جگہ رات کے دس بجے ایک جگہ دن کے دس بجے اور بلغار کی خبر مشہور ہے اور فقہ کی کتاب میں ہے کہ اہل بلغار پر صلوٰۃ عشا واجب نہیں ہے، مغرب کے بعد فجر ہو جاتی ہے۔

الغرض جس پر ماہ رمضان حاضر ہوئے، پھر اس پر روزہ واجب کس طرح ہوتا ہے؟ کیوں کہ وجوب صوم کا سبب حاضر ماہ رمضان میں ہونا، یا ماہ رمضان میں پانا ہے اور ہر گاہ مشرق میں رؤیت ہلال ہوا ہے، اہلِ مغرب حاضر ماہِ رمضان نہیں ہے، پھر وہاں کی خبر سے روزہ کس طرح واجب ہوگا؟ مثلاً: اگر ایک ملک میں وقت ظہر ہوا ہے اور دوسرے ملک میں وقت فجر ہوا ہے، اگر کوئی خبر ظہر کی وہاں سے لاوے تو اس وقت دوسرے ملک کے باشندوں پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا، یا فجر پڑھنا واجب ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے ماخذ قرآنی اور حدیث اور قیاس اور اجماع ہے۔

الغرض رؤیت ہلال کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے کہ رویت ہلال کے مسئلہ کے مطابق شریعتِ غراء اور ملتِ بیضاء ہے؟ دلائل سے مزین فرماویں۔

---

(۱) سورة البقرة: ۱۸۵

الجواب ــــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

یہ کہنا کہ علمائے مجتہدین سب کے سب رؤیتِ ہلال رمضان شریف کے بارے میں متفق ہیں کہ اختلاف مطالع سے حکم صوم مختلف ہوجاتا ہے،ان کے مذہب سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ان کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

''نیل المآرب''فقہ حنبلی میں لکھا ہے:

''یجب صوم رمضان برؤیة هلاله علیٰ جمیع الناس،وحکم من لم یره حکم من رآه،ولو اختلف المطالع، آه''.(۱)

فقہ حنبلی کی دوسری کتاب ''الروض المربع''میں اورزیادہ واضح طور پر ہے:

''إذا رآه أهل بلد:أی مت ثتت رؤیته ببلد،لزم الناس کهم الصوم،لقوله علیه السلام: ''صوموا لرؤیته'' وهو خطاب للأمة کافة،فإن رآه جماعة ببلد،ثم سافروا البلد بعید،فلم یر الهلال به فی الشهر،أفطروا، آه''.(۲)

یہ تو حنابلہ کا مذہب ہوا۔

فقہ مالکیہ کی ''شرح الکبیر لدردیر''میں ہے:

''عم الصوم سائر البلاد قریباً أو بعیداً،ولا یراعی فی ذلک مسافة قصر،ولا اتفاق المطالع و لا عدمها،فیجب الصوم علیٰ کل منقول إلیه (إن نقل) ثبوته (بهما):أی بالعدلین أوالمستفیضة (عنهما):أی عن العدلین،آه''.(۳)

یہ مالکیہ کا مسلک ہوااورحنفیہ کا قول راجح معلوم ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے میں ائمہ ثلاثہ متفق ہیں،حنفیہ منفرد نہیں،شافعیہ البتہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہیں۔(۴)

---

(۱) قوله (وإذا رأی الهلال أهل بلد،لزم الناس کلهم الصوم)لاخلاف فی لزوم الصوم علیٰ من رآه،وأما من لم یره،فإن کانت المطالع متفقة، لزمهم الصوم أیضاً،وإن اختلفت المطالع،فالصحیح من المذهب لزوم الصوم أیضاً. قدمه فی الفروع،والفائق،والرعایة،وهومن المفردات وقال فی الفائق:والرؤیة ببلد تلزم المکلفین کافة ... وقال فی الرعایة الکبریٰ:یلزم من ألم یره حکم من رآه ... قوله:وقبل فی هلال رمضان قول عدل واحد.(الإنصاف فی معرفة الراجح من الخلاف،کتاب الصیام:۲۷۳/۳،دارإحیاء التراث العربی،بیروت)

(۲) الروض المربع، کتاب الصوم: ۱۳۷/۱،دارالکتب العلمیة بیروت

(۳) الشرح الکبیر،باب ذکر فیه حکم الصیام وما یتعلق به: ۵۱۰/۱، دارالفکر بیروت

(۴) وأما الشافعیة فقالوا:إذا رؤی الهلال ببلد لزم حکمه البلد القریب لا البعید،بحسب اختلاف المطالع فی الأصح،واختلاف المطالع لا یکون فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً''. (الفقه الإسلامی وأدلته،المطلب الثالث اختلاف المطالع: ۱۶۵۹/۳،رشیدیة)

لیکن ان کے یہاں بھی یہ تفصیل ہے:

"وثبتت الرؤية فی حق من لم يره:أی ممن مطلعه موافق مطلع محل الرؤية بأن يكون غروب الشمس والكواكب وطلوعها فی البدلين فی وقت واحد،فإن غرب شیء من ذلک،وطلع فی أحد البلدين قبله فی الاخرأوبعد،لم يجب علٰی من لم يره برؤية البلد الآخر،حتٰی لوسافرمن أحد البلدين فوجدهم صائمين أومفطرين،لزم الشهرموافقتهم،سواء فی أول الشهرأوآخره، و هٰذا أمرمرجعه إلٰی طول البلد وعرضها،سواء قربت المسافة أوبعدت،ولا نظرإلٰی مسافة القصر وعدمها،نعم!امتٰی حصلت الرؤية للبلد الشرقی لزم رؤيته فی البلد الغربی،وعليه كما فی مكة المشرقة ومصرالمحروسة،فيلزم من رؤيته بمكة لا فی عكسه،آه". (حاشية شرح الإقناع)(۱)

تو درحقیقت ائمہ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور شافعیہ ایک طرف۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعی **"رحمة الأمة فی اختلاف الأئمة"**، میں لکھتے ہیں:

"واتفقوا علٰی أنه إذا رُئی الهلال فی بلد رؤية فاشية،فإنه يجب علٰی سائرأهل الدنيا،إلا أن أصحاب الشافعی صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البلد البعيد، آه". (۲)

یہاں تک تو مذاہب معلوم ہوئے۔ رہا دلائل کا قصہ،سومقلد عامی کو دلائل کی ضرورت نہیں، نہ دلائل اس کی سمجھ میں آئیں گے اور نہ کچھ نفع ہوگا؛ بلکہ عجب نہیں کہ قصورفہم اور عدم علم کی بنا پر کچھ الجھن پیدا ہو،لہٰذا اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر جو مسائل استخراج کیے ہیں،ان پر کرلینا کافی ہے،البتہ اہل علم کو اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا ہے،انہوں نے آیت سے استدلال نہیں کیا؛ بلکہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا ہے۔

میں اولاً آیت کا مطلب لکھتا ہوں،اس کے بعد حدیث کے متعلق عرض کروں گا۔

اس میں شک نہیں کہ روزہ کی فرضیت موقوف ہے شہود شہر رمضان پر: ﴿**فمن شهد منكم الشهرفليصمه**﴾ (۳)

مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت ہلال پر موقوف ہے: **"صوموا لرؤيته"**. (الحديث)(۴)

---

(۱) ما وجدنا فی حاشية شرح الاقناع؛ لكن الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلی بين تفصيل هٰذه المسئلة فی مذهب الشافعية حيث قال:"وإذا لم نوجب علی البلد الآخر وهو البعيد،فسافرإليه من بلد الرؤية من صام به،فالأصح أنه يوافقهم وجوباً فی الصوم آخراً،وإن كان قد أتم ثلاثين،لأنه بالانتقال إلٰی بلدهم صار واحدا منهم فيلزمهم حكمهم... إلخ". (الفقه الإسلامی وأدلته،كتاب الصيام،المطلب الثالث إختلاف المطالع،:۱۶۵۹/۳،رشيدية)

(۲) رحمة الأمة فی اختلاف الأمة،كتاب الصيام،ص:۹۴،مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر

(۳) سورة البقرة:۱۸۵،انيس

(۴) عن ابن عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم ذكر رمضان،فضرب بيديه، فقال: "الشهر هٰكذا وهٰكذا" ثم عقد ابهامه فی الثالثة:"صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته،فإن أغمی عليكم فاقدروا له ثلثين".

"عن أبی هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أن النبی صلی اللّٰه تعالٰی عليه وسلم قال:"صوموا لرؤيته،وأفطروا==

اس لیے جمع کی صورت یہ ہے کہ شہودِ شہر کو موقوف کیا جائے رؤیت ہلال پر، اب رؤیتِ ہلال کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہر شخص کے حق میں خود اسی کی رؤیت معتبر ہو، کسی دوسرے کی رؤیت کافی نہ ہو، تب اندھے ضعیف البصر، مستورات، جو کسی بلند مقام سے پہلی شب کو چاند نہ دیکھ سکیں، ابر وغبار ودخان والی جگہ کے رہنے والے یہ سب لوگ صوم سے مستثنیٰ ہو جائیں گے، بعض کچھ وقت کے لیے، بعض مدت العمر کے لیے، اس کا بطلان تو بدیہی اور مجمع علیہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کی رؤیت سب کے حق میں معتبر اور کافی ہو جائے (بشرطیکہ شرعی طریق پر قابل قبول شہادت حاصل ہو جائے) یہی حق ہے۔ اب جس کو بھی رؤیت کا علم (شرعی شہادت سے) حاصل ہو گیا۔ دیکھنے والے کی طرح اس کے حق میں بھی شہودِ شہر ہو گیا۔

یہ کہنا کہ ''مشرق کی رؤیت سے (باوجود شرعی شہادت پہنچنے کے) مغرب میں شہودِ شہر نہیں ہوا، غلط ہے، جس طرح نزدیک کی شہادت پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں اسی طرح دور کی شہادت پر بھی جاری ہوتے ہیں، دور ونزدیک کی تفریق حدود وقصاص (جن کو ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر ساقط کر دینے کا حکم ہے) میں بھی نہیں؛ بلکہ شریعت میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ پس مذہب حنفیہ نص قطعی، یا حدیث، یا اجماع، یا قیاس سے بالکل خلاف نہیں؛ بلکہ عین موافق ہے۔

تفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہے:

﴿فمن شهد﴾: أی علم ﴿منكم الشهر﴾ باسكتمال شعبان أو برؤية عدل الهلال (فليصمه) آه.

صاوی شرح جلالین میں ہے:

''﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ إن كان المراد به الأيام، فالمعنى: شهد بعضه، وإن كان المراد به الهلال فالمعنى: علمه، أما أن يكون رآه أو ثبت عنده، آه''. (۱)

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کا امام علامہ شوکانیؒ حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ حدیث بھی کریبؓ رضی اللہ عنہ کا جواب دیتے ہیں، حدیث کریب جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، یہ ہے:

''حدثنا موسى بن إسماعيل، نا إسماعيل يعنى ابن جعفر، أخبرنى محمد بن أبى حرملة، أخبرنى كريب رضى الله تعالىٰ عنه: أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلىٰ معاوية بالشام، فقال: قدمت الشام فقضيت حاجتها، فاستهل رمضان وأنا بالشام، فرأينا الهلال ليلة الجمعة ثم قدمت المدينة فى آخره الشهر، فسألنى ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال: ''متىٰ رأيتم الهلال''؟ قلت: رأيته ليلة الجمعة، قال: ''أنت رأيته'' قلت: نعم، ورآه الناس وصاموا وصام

== لرؤيته، فإن غمى عليكم فأكملوا''. (الصحيح للإمام مسلم: ۳۴۷/۱، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال، إلخ، قديمى)/(وصحيح البخارى: ۲۵۶/۱، كتاب الصوم، باب قول النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ''إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا''. قديمى)

(۱) حاشية الصاوى علىٰ تفسير الجلالين: ۱۱۲/۱، دار الكتب العلميه بيروت

معاوية، قال: ”لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه“. فقلت: ”أفلا نكتفي برؤية وصيامه“ ؟ قال: لا،هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم“.(۱)

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ:

”واعلم أن الحجة إنما هي في المرفوع من رواية بن عباس رضي اللّٰه تعالٰى عنهما،لا في اجتهاده الذي فهم عنه الناس. والمشارإليه بقوله: ”هٰكذا أمرنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم“.وهوقوله:”فلا نزال نصوم حتٰى نكمل ثلاثين“. والأمرالكائن من رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالٰى عليه وسلم هوما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: ”لا تصوموا حتٰى تروا الهلال،ولا تفطروا حتٰى تروه،فإن غمّ عليلكم فأكملوا العدة ثلٰثين“.وهٰذا لايختص بأهل ناحية علٰى جهة الانفراد،بل هوخطاب لكل من يصلح له من المسلمين،فالاستدلال به علٰى لزوم رؤية أهل بلد لغيرهم من أهل البلاد أظهرمن الاستدلال به علٰى عدم اللزوم،لأنه إذا رآه أهل بلد، فقد رآه المسلمون،فيلزم غيرهم ما لزمهم.

ولوسلم توجه الأشرة في كلام ابن عباس رضي اللّٰه تعالٰى عنهما إلٰى عد لزور رؤية أهل بلد اٰخرفكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل،وهوأن يكون بين القطرين من البعد ما يجوزمعه اختلاف المطالع،وعدم عمل ابن عباس رضي اللّٰه تعالٰى عنهما برؤية أهل الشام مع عدم البعد الذي يمكن معه الاختلاف عمل بالاجتهاد،وليس بحجة.ولوسلم عدم لزوم التقييد بالعقل،فلا يشك عالم أن الأدلة قاضية بأن أهل الأقطاريعمل بعضهم بخبربعض وشهادته في جميع الأحكام الشرعية،والرؤية من جملتها.وسواء كان بين القطرين من البعد ما يجوزمعه اختلاف المطالع أم لا،فلا يقبل التخصيص إلا بدليل،ولوسلم صلاحية حديث كريب رضي اللّٰه تعالٰى عنه هٰذه للتخصيص،فينبغي أن يقتصر فيه علٰى محل النص إن كان النص معلوماً،أوعلى المفهوم منه إن لم يكن معلوماً لوروده علٰى خلاف القياس.

ولم يأت ابن عباس رضي اللّٰه تعالٰى عنهما بلفظ النبي صلى اللّٰه تعالى عليه وسلم ولابمعنى لفظه،حتٰى تنظر في عمومه وخصوصه،إنما جاء نا بصيغة مجملة أشار بها إلٰى قصة هي عدم عمل أهل المدينة برؤية أهل الشام علٰى تسليم أن ذلك المراد،ولم نفهم منه زيادة علٰى ذلك،حتٰى نجعله تخصيصاً لذلك العموم،فينبغي الاقتصارعلى المفهوم من ذلك الوارد علٰى خلاف القياس،وعدم الالحاق به،فلا يجب علٰى أهل المدينة العمل برؤية أهل الشام دون غيرهم،ويمكن أن يكون في ذلك حكمة لا نعقلها،آه.(۲)

(۱) سنن أبي داؤد،باب:إذا رؤى الهلال في بلد قبل الآخرين بليلة: ۳۲۶/۱،إمدادية ملتان

(۲) نيل الأوطار للشوكاني: ۲۶۸/٤-۲٦۹،باب الهلال إذ رآه أهل بلدة هل يلزم بقية البلاد الصوم، دارالنشر والتوزيع،مكة المكرمة

معلوم ہوا کہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شوکانی کے نزدیک بھی قابل استدلال نہیں اور حنفیہ جو جوابات دیتے ہیں ان کو، نیز حنفیہ کے نقلی وعقلی استدلالات کو مفصلاً دیکھنا ہو تو ''**أوجز المسالک شرح الموطأ للإمام مالک**'' جلد ثالث دیکھئے۔(۱)

اوقات صلوٰۃ اور بلغار کا تذکرہ سوال میں استطراداً آیا ہے، اصل مقصود رؤیت ہلال رمضان کا ہے اور استدلال آیت: ﴿**فمن شهد منكم الشهر**﴾ (۲) اور حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ پس نفس مسئلہ اور اس کا استدلال اچھی طرح واضح ہوگیا اور حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بقدر ضرورت جواب دے دیا گیا۔ امور استطرادیہ کو بھی بالقصد اگر دریافت کرنا ہو تو تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۱۳۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی الحجہ/۱۳۵۸ھ۔ صحیح: عبداللطیف۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۴۰-۴۶)

اختلافِ رؤیت ہلال کا سوال:

سوال: گزارش خدمت یہ ہے کہ پاکستان میں ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے قائم ہے، وہ کمیٹی بذریعۂ ریڈیو چاند دیکھنے کا اعلان کرے تو ہندوستان والوں کو ان کی خبر کو ماننا چاہیے، یا نہیں؟

ہندوستان کے ریڈیو سے دہلی کے مقامی مفتی صاحب جو اعلان کرتے ہیں، وہ قابلِ اعتبار ہے، یا نہیں؟ اور اس کو مانا جائے، یا نہیں؟

اس زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹیلی فون کا زمانہ ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے، جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے، یا نہیں کی جاسکے، نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان کمیٹی خواہ کراچی کی ہو، یا لاہور کی، راولپنڈی، اسلام آباد کی ہو، بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لیے قابل حجت بن سکتی ہے، یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر نشر کے لکھنؤ، کانپور، دہلی، حیدرآباد سے معلوم تو تسلیم کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اور نیز مطلع فرمادیں کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا، یا سنیچر کو ہوا؟

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرونِ مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے؛ اس لیے کہ:

پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی ۲۹/ کو نظر آتا ہے، کبھی ۳۰/ کو۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے، ہر

---

(۱) أوجز المسالک، باب ما جاء من الروايات والآثار في رؤية الهلال: ۳/۳-۱۵، إدارہ تاليفات أشرفيه، ملتان

(۲) سورة البقرة: ۱۸۵، انيس

جگہ کا مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف؟ کہیں غبار آلود؛ اس لیے کہیں نظر آیا، کہیں نظر نہیں آیا۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عینِ مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی سب کی نظر ایک نہیں، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔ ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہوجائیں، جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔ آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیت ہلال کمیٹی موجود نہیں، نہ بنانے کے لیے تیار ہیں، باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔ نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے، وہاں بھی اس کے تمام ارکان مسائل شرع کے ماہر واحکامِ سنت کے پابند نہیں۔ دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ پابندی عائد کی جاسکے کہ اعلان کی جائے، یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ عالم کو اس کا مکلّف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف بتائیں گول مول نہیں جس سے سب کو اطمینان ہوجائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات آٹھ ذی الحجہ ہو اور مکہ معظّمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔(۱) نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل ایک رسالہ ہے،(۲) ریڈیو کے مسئلہ پر بھی مدد مل سکتی ہے۔ یہاں ۲۹ رشعبان جمعرات کو چاند نہیں آیا؛ اس لیے تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جمعہ کو روزہ نہیں ہوا؛ مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہوگیا اور اعلان کردیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ جمعہ کے روزہ کی قضا بعد عید لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۸/۹/۱۶ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۲-۷۰/۱۰)

---

(۱) آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف، کراچی

(۲) تنبیه الغافل والوسنان علی أحکام هلال رمضان (رسائل ابن عابدین): ۲۳۳/۱، سهیل اکادمی لاهور

☆ **ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ:**

سوال: استفتاء: آپ کا ادارہ دارالعلوم دیوبند اور اس کا شعبۂ دارالافتاء عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کے فیصلے اور فتوے ہند اور بیرونِ ہند بھی ہر جگہ مقبول ومسلم ہیں، ساری نگاہیں آپ کی طرف مرکوز ہیں، اس کی بنا پر اگر آپ کی سمع خراشی نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ گستاخی کی معافی بھی ہوتی چلے تو چند باتیں عرض کرنے کی آپ سے جرأت کر رہا ہوں، امید ہے کہ توجہ دیں گے اور اس کا اولین فرصت میں معتبر اور معتمد اور معقول جواب دیتے ہوئے دل کو مطمئن فرمائیں گے۔ ==

"أمة أمية" کی تحقیق اور رؤیت ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کا قول:

سوال (۱) زید کہتا ہے کہ اہل عرب ستاروں کی چال سے ناواقف تھے؛ اس لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رؤیت ہلال سے مہینوں کی ابتدا مانی جائے، چناں چہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

== رؤیت ہلال رمضان المبارک میں اور عید الفطر میں اکثر گڑ بڑ ہوتی ہے اور کوئی صحیح فیصلہ اس بارے میں علمائے کرام کی جانب سے صادر نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی معقول انتظام ہوتا ہے۔ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو اس قدر ذرائع شائع ہیں کہ عوام ان ہی کی خبروں پر اعتماد اور اعتبار کر لیتے ہیں اس وقت مقامی علما کی کوئی نہیں سنتا، مجبوراً مقامی علما کو بھی عوام کے فیصلہ شدہ نظریہ کی طرف جھکنا پڑتا ہے، اسی اختلاف میں دو دو (۲،۲) عیدیں ہوجاتی ہیں اور پہلا روزہ افطار، عدم افطار کی کشمکش میں پڑ جاتا ہے۔ علمائے کرام سے اگر فتویٰ منگایا جاتا ہے تو وہ ایسی گول مول بات لکھ کر شروط سے مقید کر دیتے ہیں کہ خود مستفتی اور عوام صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اب موجودہ دور کا حال یہ ہے کہ کہیں دہلی سے مفتی صاحب کا اعلان آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا جارہا ہے تو کہیں لکھنؤ فرنگی محلی سے اعلان شائع کیا جارہا ہے، ادھر کانپور سے کوئی صاحب بول رہے ہیں اور دیکھئے ریڈیو کا بینڈ بدل کر پاکستان لگایا جارہا ہے اور وہ وہاں سے اور کراچی کی موجودہ ہلال کمیٹی کی جانب سے چاند ہوجانے کی خبر دی جارہی ہے، ادھر فتاوی عبدالحیؒ اور فتاوی دارالعلوم دیوبند، بہشتی زیور جیسے معتبر فتاویٰ کھنگالے جارہے ہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر ہلال رمضان ہلال عید کی معتبر نہیں ہے اور اگر معتبر بھی ہے تو بایں شرط کہ اعلان کرنے والا معتبر مسلمان ہو، یا عالم۔

اس وقت نہ کوئی عالم بولتا ہے، نہ مفتی؛ بلکہ ان کی جانب سے اعلان پہ اعلان کیے جاتے ہیں، خود بولنے والے کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہے، یا کوئی اور قوم، اگر مسلمان بھی ہے تو قابلِ اعتبار ہے، یا نہیں؟ بہر نوع! کوئی صحیح پوزیشن اعلان کرنے والے کی واضح اور ظاہر نہیں ہوتی۔ اب اس صورت میں مقامی علما اور عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے، جو جس پر غالب آجائے، بس وہیں فیصلہ قابل تسلیم ہوتا ہے، خواہ غلط ہو، یا صحیح۔

علمائے کرام کو خود اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے خود ریڈیو اسٹیشن آکر رؤیت ہلال کی اطلاع دیتے ہوئے شرعی فیصلہ سنائیں؛ تاکہ عوام اس پر کاربند ہوں اور قبل اعلان اپنا تعارف کرائیں اور اگر اعلان کرنے والا عالم کے علاوہ کوئی اور مسلمان ہو تو اس کو اپنا تعارف کرانا چاہیے؛ تاکہ ان کی خبروں پر اعتماد کیا جاسکے۔

اب عرض مدعا یہ ہے کہ اس بارے میں موجودہ دور کے مطابق جب کہ لوہالنگر (ریڈیو، ٹیلیفون) کا دور ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے، جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے، یا نہ کی جاسکے۔ نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان ہلال کمیٹی، خواہ کراچی کی ہو، یا لاہور کی، راولپنڈی کی یا اسلام آباد کی بذریعہ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لیے حجت ہے، یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر ریلی کر کے لکھنؤ، کانپور، یا دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہوت تسلیم کی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

اب اخیر میں یہ عرض کرنا ہے کہ امسال بھی یہی گڑبڑ رہا، اگر تصدیق ہوگئی ہو تو براہ کرام اطلاع دی جائے کہ پہلا روزہ جمعہ کو، یا شنبہ کو؟

نوٹ: اگر واقعی ریڈیو کی خبر معتبر نہیں تو برائے کرم آل انڈیا جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ چاند کی خبر ریڈیو سے نشر نہ کی جائے کہ عوام گڑبڑ میں پڑ جائیں، صرف رؤیتِ دہلی پر اعتماد کریں۔ (المستفتی: اختر علی، مقام کرست ضلع اناؤ، یوپی، ۲۹/نومبر/۱۳۶۸ء)

الجواب ———————— حامداً و مصلیاً

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی اور اور ہمیشہ رہے گی، قرون شہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لیے کہ پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ کبھی چاند انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف کہیں غبار آلود، اس لیے کہیں نظر آیا کہیں نہیں آیا۔ ==

’’نحن أمة أمية لانكتب و لانحسب، الشهر هٰكذا و هٰكذا‘‘ يعني مرة تسعة و عشرين، و مرة ثلاثين‘‘. (صحيح البخاري، كتاب الصوم)(۱)

اب زید کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ مہینوں کی ابتداء کو رؤیت ہلال پر موقوف مانتے ہیں، وہ دراصل رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے منشاء اور غایت وغرض سے ناواقف و بے خبر ہیں، چوں کہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ستاروں کی چال سے اور ان کے حساب سے خوب واقف ہیں، لہٰذا زید کا یہ قولِ مذکورہ آپ کے نزدیک صحیح ہے، یا نہیں؟

(۲) ’’أمة أمية‘‘ کے کیا معنی ہیں، اَن پڑھ، یا جاہل، یا کچھ اور؟

(۳) ’’أمة أمية‘‘ سے کون لوگ مراد ہیں؟

(۴) اہل عرب کیا جاہل تھے اور ان میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا؟ اور ان میں کچھ لوگ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے تو ’’أمة أمية‘‘ سے اہل عرب مراد لینا صحیح ہوگا، یا نہیں؟

(۵) بقولِ زید اگر اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ

== تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک، کبھی موٹا۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عین مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سب کی یکساں نہیں ہوتی، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے، کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں ہوتے، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔ ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہو جائیں جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔ آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیت ہلال کمیٹی موجود نہیں نہ بنانے کے لیے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔ نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی ہر جگہ اس کے تمام ارکان مسائل شرعی کے ماہر اور احکام سنت کے پابند نہیں۔ اور دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ ان پر پابندی عائد کی جائے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ کے عالم کو اس کا مکلّف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیش نظر آپ ہی بتائی کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف صاف بتائیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ اور مکہ مکرمہ میں حج ہو رہا ہو، تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے (آلات جدیدہ، ہلال کے معاملہ میں آلات جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ادارہ المعارف، کراچی)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلہ کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے، میری درخواست ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ شامیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے اس میں بھی کافی تفصیل موجود ہے جس سے ریڈیو کے مسئلہ پر مدد مل سکتی ہے (تنبیہ الغافل والوسنان علی أحکام ہلال رمضان، (مجموعہ رسائل ابن عابدین): ۲۳۲/۱، سہیل اکیڈمی، لاہور)۔ یہاں انتیس ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، اس لیے تراویح نہیں پڑھی گئی، جمعہ کو روزہ رکھنا نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے، جمعہ کے روزے کی قضا بعد عید لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ: ۷۲/۱۰-۷۵)

(۱) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لانكتب ولانحسب: ۲۵٦/۱، قديمي

علیہ وسلم نے ان کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کران کو کیوں نہیں تعلیم فرمائی؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے کے عرب کوتاہ عقل تھے تو العیاذ باللہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادی مسائل سب نا قابل اعتبار ہو جائیں گے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

(۱) ”**ولا عبرة بقول المؤقتين ولوعدولا على المذهب،الخ**“.(الدرالمختار)

أى فى وجوب الصوم على الناس،بل فى المعراج:لايعتبرقولهم بالإجماع،ولايجوزللمنجم أن يعمل بحساب نفسه.وفى النهر:فلايلزم بقول المؤقتين أنه:أى الهلال يكون فى السماء ليلة كذا،وإن كانوا عدولاً فى الصحيح،كما فى الإيضاح،إلخ“.(ردالمحتار:۱۴۰/۲)(۱)

احکام اور ارکانِ اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے، جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب، یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا ہے، جن کے سمجھنے کے لیے بڑے آلات وتکلفات کی ضرورت پیش آئے، اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی بھی وحی آتی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔ علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہل توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے؛ مگر خود شوافع: ابن حجر، رملی، شہاب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ہی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ”معراج“ سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہل توقیت کا قول معتبر نہیں۔(۲)

(۲) **مجمع بحار الأنوار**(۴۹/۱) میں اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے:

”**يعنى علىٰ أصل ولادة أمهم لم يتعلموا الكتاب والحساب،فهم علىٰ جبلتهم الأولىٰ**“.(۳)

جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو، وہ امی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی امی تھے؛ یعنی آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی تمام ضروری اشیا اور شانِ نبوت کے لائق اتنے علوم عطا فرمائے کہ کسی کو نہیں ملے، لہٰذا اس موقع پر امی کا ترجمہ ”جاہل“ کرنا جہالت ہے۔

(۳) ”**﴿بعث فى الأميين رسولاً﴾ قيل:نسبة إلىٰ أم القرى،فإن قلت:العرب فيهم الكاتب و أكثرهم كانوا يعرفون الحساب،قلت:إن أكثرهم أميون،والحساب حساب النجوم،وهم لا يعرفونه،إلخ**“.(مجمع بحارالأنوار:۴۹/۱)(۴)

---

(۱) الدرالمختارمع رد المحتار،مطلب:لا عبرة بقول الموقتين:۳۸۷/۲،سعيد

(۲) (لاعبرة بقول الموقتين)أى فى وجوب الصوم على الناس بل فى المعراج: لا يعتبر قولهم بالاجماع ولايجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه... وللإمام السبكى الشافعى رحمه اللّٰه تعالىٰ تاليف مال فيه إلىٰ اعتماد قولهم؛لأن الحساب قطعى ... قلت: ما قاله السبكى رده متأخروا أهل مذهبه: منهم ابن حجروا الرملى فى شرح المنهاج.(ردالمحتار،مطلب:لاعبرة بقول الموقتين:۳۸۷/۲،سعيد)

(۳،۴) مجمع بحارالأنوار،باب الهمزة مع الميم:۱۰۷/۱،مكتبة دارالإيمان المدينه المنورة

(۴) ان میں پڑھے لکھے بھی تھے، اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کولکھوادیا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، حدیثیں بھی وہ حضرات لکھا کرتے تھے؛ مگراس کا عمومی رواج نہیں تھا۔(۱)

(۵) اس کا جواب نمبر:۱رمیں آ گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۴/۳/۱۳۸۹ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۰/۱۱۶-۱۱۹)

انتیس رمضان کوتیس تاریخ بتانا:

سوال: انتیس رمضان کو چند اشخاص نے گواہی دی کہ ہم نے رمضان کا چاند موجودہ حساب سے ایک روز قبل دیکھا تھااور ہمارے حساب سے آج تیس رمضان ہے۔کیاان کی گواہی معتبر ہوگی ، یانہیں؟

الجواب

اگر یہ گواہ اسی شہر میں موجود رہتے ہوئے پورے رمضان خاموش بیٹھے رہےاور انتیس رمضان کو گواہی دینے بیٹھ گئے تو یہ گواہی مقبول نہ ہوگی اور اگر سفر طویل سے آرہے ہیں تو پھر مقبول ہوگی۔

مجمع البرکات میں ہے:

إذا شهد الشهود وعلٰى هلال رمضان فى اليوم التاسع والعشرين إنهم رأوا الهلال قبل صومكم بيوم إن كانوا فى هٰذا المصر ينبغى أن لايقبل شهادتهم؛لأنهم تركوا الحسبة وإن جاؤا من مكان بعيد جازت شهادتهم لانتفاء التهمة، كذا فى الخلاصة. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۳۷)

اٹھائیس رمضان کوچاند کی شہادت:

سوال: ایک گاؤں میں دس آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ ہم نے مورخہ ۲۸ر رمضان المبارک ۱۳۵۷ھ کوشام

---

(۱) وفى حديث كعب بن مالك الذى رواه الإمام مسلم تصريح بأنه كان كاتباً، حيث قال ... إذا نبطى من نبط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول:من يدل على كعب بن مالك؟ قال فطفق الناس يشيرون له إلٰى حتٰى جاء نى فدفع إلٰى كتاب من ملك غسان وكنت كاتبا فقرأته". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة،باب حديث توبة كعب بن مالك: ٣٦٢/٢،قديمى)

"أبوبكر،وعمر،وعثمان،وعلى فالذبير،وعامر بن فهيرة،وعمروبن العاص،وأبى بن كعب،وعبد الله بن الأرقم، و ثابت بن قيس بن شماس،وحنظلة بن الربيع الأسيدى،والمغيرة بن شعبة، وعبد الله بن رواحة، وخالد بن الوليد، و خالد بن سعيد بن العاص. وقيل: انه أول من كتب له معاوية بن أبى سفيان، وزيد بن ثابت، وكان الزمهم لهٰذا الشان و أخصهم". (زاد المعاد، فصل فى كتابه صلى الله تعالٰى عليه وسلم،ص: ٤٥،دارالفكر بيروت)

"قيل:إنما سموا أميين؛لأنهم كانوا لايكتبون ولا يقرأون الكتاب،وأراد الأكثر الأعم وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ٦٦٣/٣،قديمى)

أكثرهم لا يكتبون ولا يقرأون.(روح المعانى: ٩٣/٣٠،دارإحياء التراث العربى بيروت)

چاند بچشم خود دیکھا ہے، لوگوں کے روزے چھوڑوانے اور جو آدمی چاند دیکھنے والے ہیں، ان میں پانچ بالغ اور پانچ نابالغ، ایک چمار، باقی نومسلم ہیں، گاہے گاہے نماز پڑھتے ہیں؛ لیکن ہیں مسلمان۔ چاند دیکھنے والوں کا کیا حکم ہے اور مفطرین کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

مہینہ ۲۹ روز کا ہوتا ہے یا تیس کا، اٹھائیس کا نہیں ہوتا، وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جب نمازی نہیں، تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں، فاسق ہیں، ان کی شہادت ہرگز مقبول نہیں۔

"وقبل بلا دعوی وبلا لفظ "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبر عدل أو مستور علٰى ما صححه البزازی علٰی خلاف ظاهر الرواية، لا فاسق اتفاقا بين أهل المذهب، وما نسبه الأكمل إلى الطحاوی من أن شهادة الفاسق فی هلال رمضان تقبل، فهی نسبة غير صحيحة، كما أوضحه صاحب النهر، وفی البحر: قول الفاسق فی الديانات: التی يمكن تلقيها من العدول غير مقبول كالهلال، ورواية الاخبار ولو تعدد كفاسقين فأكثر". (الدر المختار والطحطاوی: ۱/ ۴۴۶)(۱)

ایسے لوگوں کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ افطار کرنا ہرگز درست نہیں، خصوصاً جب کہ چاند کا عمل بھی نہیں جس میں شک اور شبہ کی گنجائش ہو، لہٰذا جن لوگوں نے ان کے کہنے سے روزہ نہیں رکھا، ان کے ذمہ قضا لازم ہے۔ (۲)

فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ شوال/ ۱۳۵۷ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۱۲۷-۱۲۸)

شہادت معتبرہ سے اگر ثابت ہوجائے کہ جس دن روزہ رکھنا چاہیے تھا، نہیں رکھا گیا، کیا کیا جائے:

سوال: یہاں پر پہلا روزہ رمضان شریف کا جمعرات کے روز ہوا۔ رؤیت ہلال شوال کی جمعرات کی ہوئی اور عید بروز جمعہ ہوئی اور انتیس روزے ہوئے۔ بعض مقامات شملہ وکوہ منصوری ونینی تال وبھوپال میں سنا گیا کہ روزہ بدھ کا ہوا اور ان مقامات مذکورہ کے باشندگان کے پورے تیس روزے ہوئے زیادہ تر خارجاً یہاں یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت مولانا صاحب عم فیضہ نے بدھ کے روز کی بابت تحقیق فرمالی ہے اور انتیس روزے رکھنے والوں کو ایک روزہ رکھنے کے واسطے حکم فرمادیا ہے، لہٰذا گزارش ہے کہ آیا ہم لوگوں کو جنہوں نے انتیس روزے رکھے ہیں، ایک روزہ رکھنا چاہیے، یا نہیں؟ اور کوہ

---

(۱) حاشية الطحطاوی على الدر المختار، كتاب الصوم: ۱/ ۴۴۶، دار المعرفة، بيروت

"اتفقوا علٰى أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهادة، وفی الصغيرة إن كان معلنا بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلک فاسقاً مطلقاً، لاتقبل شهادته (الفتاویٰ الهندية، الفتاویٰ الثانی فيمن لاتقبل شهادته لفسقه: ۳/ ۴۶۶، رشيدية

(۲) لو أفطر أهل الرستاق، لم يكفروا. (ردالمحتار، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری: ۲/ ۴۰۷، سعيد)

شملہ ومنصوری ونینی تال جو بلندی پر آباد ہیں، وہاں کی رویت ہلال ہمارے واسطے لازم ہے، یانہیں؟ اور یہ بھی ظاہر کرنا ضروری ہے کہ ہم نے جب کہ یہ خبر سنی کہ پہلا روزہ بدھ کا ہوا ہے تو یہاں علی العموم منگل کے روز اپنی ۱۳ر رمضان کو اور ان لوگوں کی ۱۴ر رمضان کو چاند شام کے وقت اس نیت سے دیکھا کہ اگر چاند منگل کو ہوا ہے تو ضرور ہے کہ منگل کے روز ۱۴ رتاریخ کو چاند بیٹھ جاوے گا اور دیر سے نکلے گا؛ مگر چاند ۱۳رتاریخ ہی کے موافق نظر آیا اور دن سے موجود تھا۔ اگلے روز ہم نے اپنے حساب کے موافق ۱۴رتاریخ بروز بدھ کے چاند کو دیکھا تو فی الواقع بدھ کے ہی روز مضان کی ۱۴رتاریخ تھی اور اس بدھ کے دن چاند بیٹھ گیا تھا؛ یعنی دیر سے نکلا صورت ہائے مفصلہ ومعروضئ بالا میں ہر ایک بات پر خیال فرما کر جو حکم شرعی ہو فوراً آگاہی بخشیں۔ چاند کے بیٹھنے کی طرف ضرور خیال فرمالیا جاوے۔ ہمیشہ چاند ۱۴رتاریخ کو بیٹھتا ہے اور ۱۴ر تاریخ بدھ کو ہوئی اور شملہ ومنصوری وغیرہ مقامات کی روایت ہمارے واسطے قابل تسلیم ہے، یانہیں؟

الجواب

شہادت معتبرہ سے یہ امر پورے طور سے ثابت ہو گیا ہے کہ پہلا روزہ چہارشنبہ کو ہوا، یہاں بھی اس روزہ کی قضا کی گئی ہے، وہ لوگ کہ جنہوں نے چہارشنبہ کو روزہ نہیں رکھا، وہ لوگ ایک روزہ بہ نیت قضائے رمضان رکھ لیویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۷۳-۳۷۴)

تیس رمضان کو غروب سے کچھ دیر قبل چاند دیکھا تو وہ آئندہ شب کا ہوگا:

سوال: اگر رمضان شریف کی انتیسویں تاریخ کو باوجود مطلع صاف ہونے کے اور انتہائی کوشش کے عید کا چاند نظر نہ آئے اور تیس تاریخ کو سورج غروب ہونے سے آدھ گھنٹہ پہلے نظر آجائے تو آیا روزہ اسی وقت چاند دیکھ کر افطار کر دینا چاہیے، یا وقت افطار کا انتظار کرنا چاہیے؟

(المستفتی: ۲۹۴، سید جمال الدین، پھگواڑہ، ۲۸ر رمضان ۱۳۵۴ھ، ۲۵ر دسمبر ۱۹۳۵ء)

الجواب

غروب آفتاب کے کچھ پہلے چاند نظر آجائے، تو وہ چاند آئندہ شب کا چاند قرار دیا جائے گا گزشتہ شب کا نہ ہوگا اور قبل غروب دیکھنے والے کو جائز نہیں کہ وہ غروب آفتاب سے پہلے روزہ افطار کرلے روزہ آفتاب غروب ہونے پر حسب قاعدہ افطار کرنا چاہیئے اگر پہلے افطار کرلیا جائے تو یہ روزہ نہ ہوگا، (۱) اور اس کی قضا رکھنی ہوگی۔

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۲۱۹/۴-۲۲۰)

---

(۱) اور کفارہ بھی دینا ہوگا۔

رأى هلال الفطر وقت العصر فظن انقضاء مدته، وأفطر، قال في المحيط: اختلفوا في لزوم الكفارة والأكثر على الوجوب. (الفتاوىٰ البزازية علىٰ هامش الهندية، كتاب الصوم، فصل فيما يفسد وما لايفسده: ۱۰۰/٤، ط: كوئٹہ)

عید کا چاند دن میں دیکھ لیا، تو روزہ افطار کرنا حرام ہے:

سوال: زید ایک گاؤں کا امام مسجد ہے، اس میں رمضان میں عید ۲۹؍تاریخ کا تھا زید امام مسجد نابینا ہے، مقتدیان زید نے وقت عصر چاند دیکھ لیا، زید نے اسی وقت روزہ توڑ دیا اور تمام مقتدیان نے حسب الحکم زید کے توڑ دیا، امام مسجد زید نے دعوی کیا کہ اس مسئلہ کا میں ذمہ دار ہوں کہ جس وقت چاند دیکھو روزہ توڑ دیا جائے، یہ میرا پکا مسئلہ ہے۔ آیا یہ مسئلہ درست ہے، یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو زید اور مقتدیان پر کفارہ روزہ ہے، یا نہیں؟ کیا کفارہ ہونا چاہیے؟ حکم شرعی سے مشکور فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں جو چاند عصر کے وقت دیکھا، وہ آئندہ کا تھا روزہ افطار کرنا اور حکم افطار کا دینا شرعاً صحیح نہیں ہوا اور زید پر قضا اور کفارہ دونوں لازم ہیں اور عوام الناس جو مسائل سے ناواقف ہیں، انہوں نے زید کے مسئلہ بتلانے پر روزہ افطار کیا ہے، ان پر صرف قضا لازم ہے کفارہ لازم نہیں اور کفارہ روزہ کا یہ ہے کہ ساٹھ روزے پے در پے رکھے۔

درمختار میں ہے:

(ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقاً على المذهب ذكره الحدادي) أي سواء رئي قبل الزوال أوبعده (إلى أن قال) **والأصل عنده أنه لا يعتبر رويته نهاراً وإنما العبرة لرؤيته بعد غروب الشمس لقوله صلى الله عليه وسلم: صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، إلخ.** (شامی)(۱) **والله تعالىٰ أعلم**

کتبہ مسعود احمد عفا اللہ عنہ (امداد المفتین: ۲/۴۰۵)

زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کر دینا:

سوال: اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے رکیاب میں ابر کی وجہ سے انتیس رمضان کو رؤیت ہلال نہ ہوئی؛ مگر تیس تاریخ کو چھ سات بجے تقریباً دوسری جگہ سے ٹیلیفون اور تار آیا اور قریب دس بجے چاند بھی دیکھا گیا، بناء علیہ بعض لوگوں نے صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے رؤیت ہلال کے قبل روزہ توڑ ڈالا اور بعضوں نے چاند دیکھ کر توڑا؛ مگر قبل زوال اور بعضوں نے چاند دیکھ کر بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے چاند دیکھا قبل زوال اور روزہ بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے اپنی خوشی سے رکھ لیا تھا؛ مگر کسی مولوی صاحب کے کہنے پر توڑا۔ چاند کے یقین تار ٹیلیفون پر اعتماد کر کے کہ انتیس پر چاند ہوا اور آج عید کا دن ہے، عید کے روزہ روزہ رکھنا حرام ہے، پھر ایک دو روز کے بعد یقینی طور پر ثابت ہو گیا کہ انتیس تاریخ کو چاند ہوا ہے۔ اب ان لوگوں کا روزہ توڑنا بحکم شرع شریعت صحیح ہے، یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کفارہ بھی ہے، یا صرف قضا ہے؟ ہر ایک فرقہ کا حکم بالدلیل تحریر فرمائیں بحوالۂ کتب معتبرہ کے تعین صفحہ جات؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) ردالمحتار، سبب صوم رمضان: ۲/۳۹۲، دارالفکر بیروت، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعی شہادت نہیں، لہٰذا اس پر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے،(۱) قریب ۱۰/ بجے چاند دیکھنا بھی روزہ توڑنے کے لیے ظاہر مذہب کے موافق شرعی حجت نہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑنا بھی منع ہے۔

"ورؤيته نهاراً قبل الزوال وبعده غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. بحر عن الخلاصة". (الدر المختار)

"ومعنى عد اعتبارها أنه لايثبت بها حكم من وجوب صوم أفطر، فلذا قال في الخانية: فلايصام له ولايفطر". (۲)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواہ چاند قبل الزوال دیکھا جاوے، خواہ بعد الزوال، دونوں صورتوں میں اس دن کے حق میں یہ رؤیت معتبر نہ ہوگی، لہٰذا دونوں صورتوں میں روزہ توڑنا درست نہ ہوگا، خواہ روزہ قبل الزاول توڑے، خواہ بعد الزوال، ہر حال میں ممنوع ہوگا، یہی قول مختار اور مفتی بہ ہے۔(والمسئله مبسوطة في رد المحتار: ۱۴٦/۲)(۳)

صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کرکے روزہ توڑنا نہ خود جائز ہے، نہ کسی دوسرے مولوی صاحب وغیرہ کے کہنے سے جائز۔ یہ صحیح ہے کہ عید کے روزہ رکھنا حرام ہے؛ لیکن عید کا روزہ چاند دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، یا رمضان شریف کے یقینی طور پر تیس دن گزرنے سے، یا شرعی شہادت مہیا ہوجانے سے،(۴) اور صورت مسئولہ میں چاند دیکھا نہیں ہے، رمضان شریف کے پورے تیس دن ہوئے نہیں، شرعی شہادت موجود نہیں، پھر عید کا روز ہونا کیسے ثابت ہوا؟ البتہ جس نے ناواقفیت کی بنا پر کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے وہ گنہگار نہیں۔

جن لوگوں نے چاند دیکھ کر قبل الزوال توڑا ہے، یا قبل الزوال دیکھ کر بعد الزوال توڑا ہے، اس کے ذمہ کفارہ نہ ہونا ظاہر ہے؛ کیوں کہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چاند قبل الزوال دیکھا جاوے تو وہ شب گزشتہ کا ہوگا، لہٰذا یہ دن اس قول کے مطابق عید کا دن ہے، گو اس مسئلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے؛ تاہم اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی صوت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

"(ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقاً): أي سواء روى قبل الزوال أو بعده (وقوله: على

---

(۱) لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة. (تبيين الحقائق، كتاب الشهادة: ۱٦٠/٥، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) رد المحتار على الدر المختار، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً: ۳۹۳/۲، سعيد

(۳) رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً: ۳۹۲/۲، سعيد

(۴) (يثبت رمضان برؤية هلاله) لقوله صلى الله عليه و سلم: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (أو بعد شعبان ثلاثين يوماً) ... (وإذا كان بالسماء علة من غيم أو غبار ونحوه) قبل القاضي بمجلسه (خبر واحد عدل) (أو) خبر (مستور). (مراقي الفلاح علىٰ نور الايضاح، ص: ٦٤٦، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

المذهب): أی الذی هو قول أبی حنیفة ومحمد، قال فی البدائع: فلا یکون ذلک الیوم من رمضان عندهما وقال أبو یوسف: إن کان بعد الزوال فکذلک، وإن کان قبله فهو للیلة الماضیة و یکون الیوم من رمضان. وعلیٰ هٰذا الخلاف هلال شوال، فعندهما یکون للمستقبلة مطلقاً ویکون الیوم من رمضان، وعنده لو قبل الزوال یکون للماضیة ویکون الیوم یوم الفطر؛ لأنه لا یُری قبل الزوال عادة إلا أن یکون للیلتین، فیجب فی هلال رمضان کون الیوم من رمضان، وفی هلال شوال کونه یوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤیته نهار... والمختار قولهما، آه". (شامی: ۲/ ۱٤٦)(۱)

چوں کہ ان دونوں فریقوں نے قبل الزوال چاند دیکھ لیا ہے، لہٰذا اگر یہ عادل ہیں اور شہادت دیں تو ان کا دیکھنا گویا کہ سب کا دیکھنا ہے اور ان کے حق میں شبہ پیدا ہوتا ہے، پس جس فریق نے بعد الزوال چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو درحقیقت اس نے بھی اسی چاند کو دیکھا ہے، جس کو دو فریق نے قبل الزوال دیکھا ہے، کوئی نیا چاند نہیں دیکھا تو جو اثر پہلے دو فریق جنہوں نے چاند نہیں دیکھا، نہ قبل الزوال نہ بعد الزوال؛ بلکہ کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے، یا صرف تار ٹیلیفون پر اعتبار کر کے توڑا ہے، سوان دونوں کا حکم بھی وہی ہے، جو پہلے ان تین فریق کا ہے؛ کیوں کہ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لیے ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہیں۔

اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا تو پہلے دو فریق کی رؤیت سب کے حق میں کافی ہوتی؛ یعنی وہ ان سب کے حق میں عید کا دن ہوتا اور سب کو روزہ توڑنا واجب ہوتا، ہر ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہ تھا، لہٰذا ان دونوں فریق پر بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز بعد میں اس روز کا روزِ عید ہونا یقینی طور پر ثابت بھی ہوگیا۔

"رآی مکلف هلال رمضان أو الفطر، ورد قوله بدلیل شرعی، صام مطلقاً وجوباً، وقیل: ندباً، فإن أفطر قضیٰ فقط فیهما لشبة الرد". "علة لما تضمنه قول: (فقط من عدم لزوم الکفارة): أن القاضی لما رد قوله بدلیل شرعی أورث شبهة، وهٰذه الکفارة تندرئ بالشبهات، هدایة. ولا یخفی أن هٰذه علة لسقوط الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال الفطر فلکونه یوم عید عنده، کما فی النهر وغیره، وکأنه ترکه لظهوره (واختلف فیما إذا أفطر قبل الرد لشهادته) وکذا لو لم یشهد عند الإمام، فصام ثم أفطر کما فی السراج. (والراجح عدم وجوب الفکارة، وصححه غیر واحد؛ لأن ما رآه یحتمل أن یکون خیالاً، لا هلالا) إنما یصلح تعلیلاً لعدم الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال شوال، فإنما لا تجب؛ لأنه یوم عید عنده علیٰ نسق ما تقدم". (الدر المختار: ۲/ ۹۰، مکتبه نعمانیة، وشامی: ۲/ ۱۳۸)(۲)

دیکھیے اس صورت میں ایک شخص نے خود اپنی آنکھ سے رمضان شریف کا، یا عید کا چاند دیکھ لیا؛ لیکن قاضی نے اس کے

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصوم، مطلب فی رؤیة الهلال نهاراً: ۲/ ۳۹۲، سعید

(۲) تنویر الأبصار مع الدر المختار ورد المحتار، کتاب الصوم، مبحث فی صوم یوم الشک: ۲/ ۳۸٤، سعید

قول کو فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کر دیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا (گو ایسی حالت میں روزہ رکھنا چاہیے) تو اس کے ذمہ کفارہ واجب نہیں، اگر رمضان شریف کا چاند دیکھ کر ایسا کیا ہے تو اس نے ایسا روزہ توڑا ہے، جو اس کے نزدیک رمضان کا روزہ ہے اور اگر عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو قاضی اور تمام اہل شہر کے نزدیک وہ رمضان کا روزہ ہے اور اگر قاضی کے رد کرنے سے پہلے روزہ توڑا ہے، یا قاضی کے پاس شہادت ہی نہیں دی اور پھر روزہ رکھ کر توڑ دیا، تب بھی راجح یہ ہی ہے کہ کفارہ واجب نہیں، ہلال رمضان میں قاضی کے رد کرنے، یا واقعۃً اس کے ہلال نہ ہونے؛ بلکہ خیال ہونے سے اور ہلال عید میں خود اس کے نزدیک یوم عید ہونے سے شبہ پیدا ہو گیا اور اتنا شبہ سقوطِ کفارہ کے لیے کافی ہے۔

”**قال في البحر: وإنما لم تجب الكفارة بإفطاره عمداً بعد أكله أو شربه أو جماعه ناسياً؛ لأنه ظن في موضع الإشتباه بالنظير وهو الأكل عمداً؛ لأن الأكل مضاد للصوم ساهياً أو عامداً، فأورث شبهة، وكذا في شبهة اختلاف العلماء، فإن مالكاً رحمه اللّٰه تعالىٰ يقول بفساد صوم من أكل ناسياً، وأطلقه فشمل ما لو علم أنه لم يفطره بأنه بلغه الحديث أو الفتوىٰ أولا، وهو قول أبي حنيفة، وهو الصحيح، وكذا لو ذرعه القيئ وظن أنه يفطره، فأفطر فلا كفارة عليه، لوجود شبهة الاشتباه النظير، فإن القيئ والاستقاء متشابهان؛ لأن مخرجهما من الفم، كذا لو احتلم للتشابه في قضاء الشهوة، وإن علم أن ذلك لايفطره فعليه الكفارة؛ لأنه لم توجد شبهة الاشتباه، ولو شبة الاختلاف**“. (ردالمحتار: ۲/ ۱۵۷) (۱) **فقط واللّٰه سبحانه وتعالىٰ أعلم.**

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۱۲۸-۱۳۲)

اگر تیس دن گزرنے پر شوال کا چاند نہ نظر آئے:

سوال: اگر رؤیت ہلال رمضان المبارک بہ ثبوت شہادت واحدہ ہوئی تو بعد گزرنے تیس دن کے رویت ہلال شوال بسبب غبار ابر نہ ہو تو افطار درست ہے، یا نہیں؟ اور درصورت عدم غبار و مطلع صاف کے کہ تیس دن پورے ہو چکے کہ کوئی مہینہ اکتیس کا نہیں ہوتا اور شہادت بھی بطور موجب شرعیہ ہو چکی تھی اور موافق امام محمد علیہ الرحمۃ بھی ہے تو افطار درست ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

ایسی حالت میں بعد تیس کے غبار ابر اگر ہو تو افطار با تفاق درست ہے اور مطلع صاف اگر ہو تو شیخین رحمہا اللہ کے قول پر عمل کرے اگر کسی نے امام محمد رحمہ اللہ کے مذہب پر عمل کیا تو وہ ملام نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی مذہب حنفیہ کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۷۰)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستنماء بالكف: ۲/ ۴۰۱-۴۰۲، سعيد

تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا:

سوال: شرعی شہادت کی بنا پر قاضی شہر نے رؤیت ہلال کی تصدیق کردی اور عام اعلان بھی کردیا اور اس اعلان کے مطابق عوام وخواص نے روزے رکھنا بھی شروع کردے، تیس روزے پورے ہونے کے بعد جب تیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی نوبت آئی تو مطلع بالکل صاف تھا؛ مگر اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صبح عید منائی جائے، یا نہیں؟ (حافظ محمد حمید اللہ، خطیب مسجد ہمایوں کانپور)

الجواب ـــــــــــــــ حامداً و مصلیاً

اگر ہلال رمضان کی رؤیت کے وقت مطلع صاف نہیں تھا؛ بلکہ ابر تھا اور قاضی کے پاس دو گواہوں نے اپنی رؤیت بیان کی جس پر قاضی نے ثبوتِ رمضان کا اعلان کردیا اور تیس روزے پورے ہونے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود عید کا چاند نظر نہیں، حالاں کہ یہ اکتسویں شب ہے تو عید نہ کی جائے؛ بلکہ روزہ رکھا جائے ،اگر ایک شخص کی خبر پر ثبوتِ رمضان کا اعلان کیا گیا تھا، پھر تیس روزے ہوجانے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اس شخص کو جس کی خبر پر رمضان کا اعلان کیا گیا تھا، شرعی سزا دی جائے؛ کیوں کہ اس نے ہلال رمضان کی خبر غلط دی تھی۔(رد المحتار:۹۴/۲)(۱) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ (فتاویٰ محمودیہ:۱۳۴/۱۰)

بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں:

سوال (۱) اگر کوئی شخص بلا چاند دیکھے صرف ریڈیو کی خبر پر ۳۰/ رمضان کو عید کرے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟

بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا:

(۲) قریبی شہر کلکتہ سے بذریعہ ریڈیو اگر یہ خبر پہنچے کہ اگرچہ کلکتہ میں چاند نہیں دیکھا گیا؛ لیکن چوں کہ ڈھاکہ، دہلی وغیرہ شہر سے چاند کی خبریں بذریعہ ریڈیو آرہی ہیں، اسی بنا پر کلکتہ میں عید ہورہی ہے،اس خبر پر کلکتہ والوں کو اور کلکتہ کی خبر پر دیہاتوں میں عید کرنا جائز ہوگا، یا نہیں؟

---

(۱) وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حل الفطر ... ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز غم هلال الفطر لايحل.(الدر المختار)

قلت: وفي الفيض على حل الفطر ووافق المحقق ابن الهمام ... لو قال قائل: إن قبلهما في الصحو:أي في هلال رمضان وتم العدد،لايفطر،وإن قبلهما في غيم أفطروا ...(قوله لايحل):أي الفطر إذا لم ير الهلال.

قال في الدرر:ويعذر ذلك الشاهد:أي لظهور كذبه.(ردالمحتار، كتاب الصوم،مبحث صوم يوم الشک:۳۹۰/۲-۳۹۱،سعيد)

(۳) اگر ۳۰/ رمضان کو ایسی خبر پر عید کرے اور بعد کو اگلے روز چاند ہونے کی تحقیق ہو جائے تو ان کو عید بلاتحقیق کرنا جائز ہوا، یا نہیں؟

(۴) اور اگر چہ بعد میں چاند کی تحقیق ہوئی؛ لیکن چوں کہ وہ لوگ ۳۰/ رمضان کو آٹھ بجے تک روزہ میں تھے، ریڈیو کی ایسی خبر پر کلکتہ کے مسلمان آکر دیہات میں کہیں اور وہ لوگ روزہ توڑ کر عید کرلیں تو قضا وکفارہ؛ یعنی ۶۰/ روزے لازم ہوں گے؟

(۵) یا صرف ایک روزہ رکھے؟

(۶) یا کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟

(۷) اور جو لوگ ایسی خبروں کو غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کرکے پورا ۳۰/ روزہ رکھ کر اگلے دن عید کریں تو وہ حق پر تھے، یا نہیں؟

(۸) اگر چہ بعد میں ۲۹/ رمضان کے چاند کا تحقق ہو، تب بھی کیا ہوگا؟

(۹) چونکہ صرف ریڈیو کی خبر تھی، جس کے مشتہر غیر مسلم ہوتے ہیں۔

(۱۰) یا ڈھاکہ کی خبر جو مسلمین دے رہے ہیں، ان کے احوال معلوم نہیں کہ متقی ہیں، یا نہیں؟

(۱۱) اور دہلی چوں کہ کلکتہ سے قریب ہزار میل ہے، جس کا طلوع وغروب کلکتہ کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا کہ وہاں ۲۹/ رمضان کو چاند ہوا ہو اور یہاں نہیں؛ اس لیے اس کو غیر معتبر سمجھ کر۔

(۱۲) اور چوں کہ کلکتہ والے خود چاند نہیں دیکھے، صرف ڈھاکہ، یا دہلی کی خبر عید کررہے ہیں۔

(۱۳) لہٰذا اس خبر کو بھی معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کریں، بلکہ روزہ رکھیں تو ان کا یہ روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہوگا؟

(۱۴) نیز امسال دیوبند وسہارن پور میں روزہ کتنے ہوئے؟

(۱۵) عید کب ہوئی؟

(۱۶) اچھا! شریعت میں کوئی ایسی حد متعین ہے کہ اگر مثلاً پانچ سو میل کے اندر والے کے لیے حجت ہو، اس سے اگر دور ہو تو حجت نہیں؟

یہ کل سولہ سوالات ہیں، امید ہے کہ ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، حقیقت میں سوال ایک ہی ہے، اس لیے آپ کے قانون کے خلاف نہیں ہوا۔

ضروری گزارش:

چوں کہ اس مسئلہ پر پوری مغربی بنگال میں اختلاف ہے اور شدید اختلاف ہے؛ اس لیے برائے کرم ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں؛ کیوں کہ اس کا ہر سوال حقیقی اور واقعی ہے، مخترعہ نہیں، جس کا جواب نہیں آئے گا، پھر اسی کو

لے کر جھگڑا ہوگا، ۲۲ر شوال کو ہمارا ایک اجلاس ہوگا، جس میں یہی مسئلہ لے کر گہری بات ہوگی، لہٰذا قبل اس تاریخ کے اگر جواب پہنچے تو بڑا احسان ہوگا، خط پہنچنے میں چھ روز لگتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً

(۱) اگر ۲۹ر کو مطلع صاف ہوکر نہ بادل ہو، نہ غبار، نہ دھواں، نہ بارش ہو، نہ سرخی ہو تو محض کسی ریڈیو کی اتنی خبر پر کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا، ۳۰ر رمضان کا عید کرنا درست نہیں۔(۱)

(۲) اتنی خبر بھی کافی نہیں۔(۲)

(۳) بلا تحقیق عید کرنا جائز نہیں تھا، اگر چہ بعد میں تحقیق سے حجت کا علم ہوجائے۔

(۴) جب تک شرعی طور پر تحقیق نہ ہوجائے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں؛ لیکن بعد میں تحقیق ہونے پر کہ اسی روزہ عید تھی، قضاو کفارہ کا وجوب نہ ہوگا۔(۳)

(۶،۵) نہ قضا ہے، نہ کفارہ، بلا تحقیق روزہ توڑنے پر استغفار کرے۔

(۷) جب تک تحقیق نہ ہوجائے روزہ رکھنا ہی لازم ہے، عید کرنا درست نہیں، لہٰذا انہوں نے ٹھیک کیا۔(۴)

(۸) انہوں نے ٹھیک کیا، وہ گنہگار نہیں۔

(۱۲،۹) محض یہ خبر کہ چاند ہوگیا، یا عید ہے، کسی کی بھی معتبر نہیں، اگر چہ ریڈیو پر خبر دینے والے مسلم متقی ہوں۔

(۱۳) آپ کی تحریر کردہ صورت میں وہ لوگ گنہگار نہیں۔

(۱۴) ۲۹ر ہوئے۔

(۱۵) عید سنیچر کو ہوئی۔

(۱۶) ایک قول میں اس کا بھی اندازہ کیا گیا ہے۔

وقدر البعد الذی تحتلف فیه المطالع مسیرة شهر فأکثر علٰی ما فی القهستانی. (ردالمحتار)(۴)

شامی نے اس کی دلیل کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔(۵) فقط واللہ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۱۳۹۱ھ۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۹۵-۹۸)

(۱،۲) لوسمع من وراء الحجاب لایسعه أن یشهد لاحتمال أن یکون غیره؛ إذ النغمة تشبه النغمة. (تبیین الحقائق، کتاب الشهادة: ۵/۱٦۰، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۳) لزم نفل شرع فیه قصداً أداء وقضاء إلا فی العیدین وأیام التشریق، فلا یلمم لصیرورته صائما بنفس الشروع، فیصیر مرتکبا للنهی. (رد المحتار علی الدرالمختار، کتاب الصوم، فصل فی العوارض المبیحة: ۲/۴۲۸، سعید)

(۴) وإذا لم تکن بالسماء علة، لم تقبل الشهادة حتٰی یاره جمع کثیر یقع العلم بخبرهم. (الهدایة، کتاب الصوم، ص: ۲۱۵، شرکت علمیة)

(۴) رد المحتار، مطلب فی اختلاف المطالع: ۲/۳۹۳، سعید

(۵) قال ابن عابدین رحمه اللّٰه تعالٰی: "ولایخفی ما فی هٰذا الاستدلال ... وقد نبه التاج التبریزی ==

شب قدر مقامی روزوں کے حساب سے سمجھی جائے:

سوال: دہلی میں اتوار کا روزہ ہوا ہے اور دوسرے بعض مقامات پر ہفتہ کا تو شب قدر یہاں کے روزوں کے حساب سے شمار کی جائے گی، یا دوسرے مقامات کے بیسویں روزہ اکیسویں شب، یا انیسویں روزہ اور بیسویں شب؟
(المستفتی: مولوی محمد رفیق صاحب دہلوی)

الجواب

یہاں کے حساب سے ہی شب قدر سمجھی جائے اور اگر کوئی احتیاطاً دوسری جگہ کی رؤیت کا حساب کر کے ان راتوں کو بھی جاگے اور عبادت کرے تو بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی (کفایت المفتی: ۲۴۵/۴)

عید الفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے:

سوال: ایک شہر میں ہلال عید الفطر کے متعلق مختلف شہادتیں اہل اسلام کے قاضی شہر کے پاس گزاریں؛ لیکن قاضی صاحب نے ان سے ایک ایک علاحدہ بلا کر کہ دوسرا گواہ نہ سنے دقیق جرح کی کہ چاند تم نے کس جگہ دیکھا، اس کے دونوں کنارے کس جانب تھے، اس کے پاس کوئی ستارہ تھا، یا نہیں؟ اوپر نیچے بادل تھا، یا نہیں؟ اور تھا تو کتنے فاصلے پر تھا؟ اور کس رنگ کا تھا، وغیرہ وغیرہ؟ ان سوالات میں جہاں بھی دو شاہدوں کے درمیان ذرا اختلاف ہوا، ان کی شہادت رد کر دی، آخر بکنج وکاؤ چند شہادتیں ہر طرح سالم اور جرح میں بے عیب مضبوط قائم رہیں اور صبح ۷ر بجے قاضی صاحب نے ان شہادتوں کو معتبر قرار دے کر افطار صیام کا فتوی دیا اور ساتھ ہی اس کے یہ فرمایا کہ چوں کہ دیہات میں عام اطلاع ہونا مشکل ہے، لہٰذا دوگانہ عید الفطر کل کو ادا کیا جائے گا، ہر چند کہ بعض اہل اسلام اور اہل علم نے کہا بھی کہ تاخیر بلا عذر صحیح نہیں؛ اس لیے دوگانہ آج ضرور ادا ہونا چاہیے؛ مگر قاضی صاحب نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ تاخیر بلا عذر نہیں؛ بلکہ اطلاع عام کے عذر سے ہے، لہٰذا کل کو دوگانہ عید بلا کراہت صحیح ہے، چنانچہ عام مسلمانان شہر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے؛ مگر بعض لوگوں نے تاخیر کو جائز نہ سمجھ کر عیدگاہ میں اپنا دوگانہ ادا کیا اور سو سوا سو مسلمان اس میں شریک بھی ہوئے، عام اہل اسلام نے یوم آئندہ حسب اعلان قاضی صاحب کے اقتدا میں دوگانہ ادا کیا۔ دریافت طلب امور یہ ہیں کہ قاضی صاحب کو گواہان رویت ہلال سے اس قسم کی باریک جرح کرنے کا

== علٰی أن اختلاف المطالع لا یمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً، وأفتٰی به الوالد، والأوجه أنها تحدیدیة، کما أفتی به أیضا. (رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الصوم، مطلب فی اختلاف المطالع: ۳۹۳/۲، سعید)

(۱) جیسے روزے میں مقامی رویت کا اعتبار کیا جاتا ہے، ایسے ہی شب قدر کے لیے بھی مقامی رویت کا اعتبار ہوگا؛ الا یہ کہ شرعی شہادت سے دوسرے مقام کی رویت ثابت ہو جائے۔

شرعاً کہاں تک حق حاصل ہے؟ صورت مذکورہ میں جوتا خیر ہوئی، وہ شرعاًبعذر رہوئی، یا بلا عذر؟ خصوصاً جب کہ دو گھنٹے کا وقت ملا اور شہر ومتعلقات شہر کی اطلاع کے لیے وہی ہدایت جوافطار صوم کے لیےعمل میں آئی، اطلاع دوگانہ کے لیے بھی کافی تھی، یا کم ازکم بذریعہ منادی دو گھنٹے میں پورا اعلان کیا جا سکتا تھا؟ اہل دیہات کواطلاع دینا، یاان کی رعایت میں صلوٰۃ عیدکوکل پر مؤخر کرنا کہاں تک صحیح ہے؟اس تاخیر کی صورت میں جن مسلمانوں نے قاضی صاحب کےخلاف اپنادوگانہ اسی دن عیدگاہ میں ادا کیا، وہ برسرحق، یا برسر باطل؟اوران کوایسا کرنا جائز تھا، یااتباع قاضی صاحب کا ضروری تھا؟ یوم الغد میں قاضی صاحب اورعام مسلمانوں نے جونماز پڑھی، وہ صحیح ہوئی، یاباطل؟ اورادا ہوئی، یا قضا؟ اورمکروہ ہوئی، یا بےعیب؟

الجواب ـــ

عیدالفطر کی نماز کسی عذر کی وجہ سے دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہےاورلوگوں کومطلع کرنا بھی عذرشرعی ہے۔

وتؤخر صلاة عيد الفطر إلى الغد إذا منعهم من إقامتها عذر بأن غم عليهم الهلال وشهد عند الإمام بعد الزوال أوقبله بحيث لايمكن جمع الناس قبل الزوال. (الهندية: ۱/۱۶۱)(۱)

لیکن اہل دیہات پرعیدین کومطلع کرنا ضروری نہیں اورنہ ان کی وجہ سے تاخیرعذرشرعی میں داخل ہے؛ کیوں کہ اہل دیہات پرعیدین کی نماز واجب نہیں۔

أما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلوٰة العيدين وجوازها من الإمام والمصر. (بدائع: ۱/۲۷۵)(۲)

توجب ان پرعید کی نماز واجب نہیں تو ان کی وجہ سے تاخیر بھی عذرشرعی نہ ہوئی اور جب یہ عذرشرعی نہ ہواتو قاضی صاحب کانمازعیدکومؤخر کرنادرست نہ ہوا،جن لوگون نے اسی روزنماز پڑھ لی،اچھا کیا،اگرگواہ معروف بالصلاح والتقوی نہ ہوں اورقاضی صاحب کوان پرشبہ ہوتوایسی جرح جس سے رویت کا تیقن ہوسکے،کرنا جائز ہے۔(کفایت المفتی:۴/۲۰۸-۲۰۹)

شہادت دیر سے پہنچنے پرنمازعیدکومؤخرکرنا:

سوال: زوال سے ایک دوگھنٹہ پہلے چاند کی خبرآوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دوگھنٹہ میں نہیں ہوسکتا، وضووغیرہ میں بھی کچھ وقت لگتا ہےتو یہ عذر شرعاً معتبر ہے، یانہیں؟ بغیرصفوں کےعید کی نماز پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً

اگرچاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضوکرکےآسکتے ہیں اورزوال سے پہلے نمازادا

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية،الباب السابع عشر فی صلاة العيدين: ۱/۱۵۱،ط:رشيدية، كوئٹة

(۲) بدائع الصنائع،فصل فی العيدين، فصل فی شرائط وجوبها،وجوازها: ۱/۲۷۵،ط:ماجدية، كوئٹة

کر سکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز کے لیے نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضو کے نماز کے لیے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لیے مؤخر کردیا جائے۔

"وتؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغط فقط، آه". (الدر المختار) **(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام، وأما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم وظهر أنها وقعت بعد الزوال، آه".** (شامی: ۳۸۳/۱)(۱) **فقط واللّٰه تعالیٰ أعلم**

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۸۵/۱۰/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/۸۴-۸۵)

ذکر بعض مسائل متعلقہ بشہادت ہلال رمضان وغیرہ:

سوال: ہلال رمضان کی شہادت بقاعدۂ شرعیہ باہر سے غیر قاضی کے پاس آوے اور قضی اس کو تسلیم نہ کرے تو اس شخص کے لیے ۳۰/رمضان کے صوم کا کیا حکم ہے؟ جب کہ قاضی اور عام اہل شہر کے نزدیک وہ ۲۹/تاریخ ہے اور ابر کی وجہ سے رویت نہ ہو، جیسا کہ امسال ہوا اور آیا اس پر ضروری ہے کہ عام اہل اسلام کو اس شہادت معتبرہ کا اور اس کی بنا پر ایک روزے کی قضا کا اعلام کرے، یا عرفی قاضی پر چھوڑ دے کہ مرجع عوام شہر وہی سمجھا جاتا ہے اور اسی پر اعلان اور عدم اعلان کا بار ہے؟ بہر حال قاضی عرفی کے اختلاف پر یہ شخص اپنے اذعان اور شہادت معتبرہ مامون من التزویر میں کن کن باتوں کا مامور ہے؟

الجواب

ظاہراً قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کے ساتھ اختلاف نہ کرے، نہ عملاً، نہ اعلاماً، یا اعمالاً، تعذر کے وقت اس باب خاص میں وہ قائم مقام قاضی شرعی کے ہے، البتہ جب قاضی کی خطا اس کو متیقن ہوجائے تو خاص لوگوں کو حقیقت کی اطلاع ایسے طور سے کردے کہ تشویش وفتنہ نہ ہو۔

۵/شوال ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ۵۵) (امداد الفتاوی: ۱۲۴/۲)

واجب نبودن تحقیق ہلال از دیگر بلاد:

سوال: جس شہر میں بوجہ ابر وغبار، یا مطلع صاف ہونے کی صورت میں ۲۹/شعبان، یا رمضان کو چاند نظر نہ آیا ہو، کیا وہ مکلّف ہیں، یا نہیں کہ کوشش کر کے درسرے شہروں سے خبریں منگائی جاویں؟

الجواب

چوں کہ کوئی حکم بلا دلیل ثابت نہیں ہوتا اور اس کے وجوب کی کوئی دلیل نہیں، لہذا یہ امر واجب نہیں۔ (تتمہ ثالثہ، ص: ۷۹)

(۱) رد المحتار على الدر المختار، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته: ۱۷۶/۲، سعيد

طریق موجب اعتبار خبر ہلال:

تتمہ سوال بالا: اگر مکلّف ہیں تو وہ کون سے ذریعہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے خبریں منگائی جاویں اور وہ قابل اعتبار اور جب معتبر ذرائع سے خبر دوسرے شہروں سے آ جاوے تو اس شہر کے قاضی، یا مفتی کو اس کا ماننا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر قاضی نہ مانے اور مانے اور عمل نہ کرے تو گنہگار ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

اس کے مکلّف تو نہیں؛ لیکن اگر دوسری جگہ سے خبر آ جاوے تو اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں: ایک شہادت بالرؤیۃ، دوسرے شہادت علی الشہادت بالرؤیۃ، تیسرے شہادت علی حکم الحاکم، چوتھے استفاضہ جو حکم حاکم کے حکم میں ہے۔

كذا في الدر المختار: قوله شهدوا أنه شهد إلٰى قولهٖ مجتبى وغيره. وفي ردالمختار: من قوله لأنه حكاية (إلٰى قوله) بمجرد الشيوخ. (٢/١٥٠-١٥١)

وكما في الدر المختار: من قوله فيلزم أهل المشرق إلٰى قولهٖ كما مر. وفي ردالمختار: من قوله بطريق موجب إلٰى قولهٖ؛ لأنه حكاية. (٢/١٥٥)

اور جب ان ذرائع سے خبر آوے گی، اس پر عمل واجب اور خلاف کرنا معصیت ہے، اگر کسی کے اختیار میں وہ طریق موجب نہ ہو تو معذور ہے اور رمضان میں، جس طرح رؤیت پر ایک کی شہادت معتبرہ اسی طرح اس شہادت پر بھی ایک کی شہادت معتبر ہے۔

في الدرالمختار: ويقبل (أى في رمصان) شهادة واحد على آخر، إلخ. (٢/١٤٦)

اور اسی طرح جہاں حاکم نہ ہو، فطر میں عدد تو ضروری ہے؛ لیکن لفظ شہادت ضروری نہیں۔

كذا في الدر المختار: أيضاً ولو كانوا ببلدة لا حاكم فيها صاموا بقول ثقة وأفطروا باخبار عدلين مع العلة. (٢/١٤٦)

وجوب صوم بر رائی ہلال کہ شہادتش نہ شنیدہ باشد:

سوال: ایک شخص نے رمضان کا چاند دیکھا؛ مگر قاضی نے نہ مانا، اس شخص نے روزہ رکھ کر توڑ ڈالا، اس پر کفارہ لازم ہے، یا نہیں؟

الجواب

صرف قضا ہے۔ **في الدر المختار: رائى مكلف هلال رمضان أو الفطر ورد قوله بدليل شرعي صام فإن أفطر قضٰى فقط فيهما، آه.**

۱۴/رجب ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۵۶) (امداد الفتاوی: ۲/۱۰۲)

حکم ابر کہ بر مطلع بود نہ بر باقی آسمان:

سوال: چاندرات کے روز چاند کی جگہ ہلکے ہلکے ابر کے ٹکڑے ہوں اور باقی تمام آسمان صاف ہو تو رؤیت میں ابر کا حکم ہوگا، یا غیر ابر کا؟

الجواب ــ

ابر کا۔

۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:٦٠) (امداد الفتاوی:۱۰۲/۲)

مقدار جم غفیر:

سوال: جم غفیر کی تعداد تخمیناً کس قدر ہے؟

الجواب ــ

ہر جگہ آبادی کی کمی بیشی پر اس کی مقدار بھی متفاوت ہے، حاصل مشترک یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ اتنے آدمی غلط کہتے ہوں گے۔

۲؍شعبان ۱۳۳۱ھ (تتمہ ثانیہ، ص:٦١) (امداد الفتاوی:۱۰۲/۲)

جم غفیر کی مقدار:

سوال: بحالت صاف ہونے مطلع کے ابر وغبار سے ہلال عید اور رمضان کے لئے قاضی کو قبول شہادت کے لیے کس قدر نصاب کی ضرورت ہے اور کتب فقہ میں جو جم غفیر لکھا ہے۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اور اس میں علما کے کیا کیا قول ہیں؟ اور مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب ــ

اقوال مختلفہ سے حدیث صحیح یہ ہے:

يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم وهو مفوض إلٰى رأى الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب. (كذا في الدر المختار: ١٤٨/٢)

(تتمہ ثالیہ، ص:۸۱) (امداد الفتاوی:۱۰۲/۲)

حکم عدم رؤیت ہلال در تاریخے کہ او را ثلاثین شمار کردہ اند بوجہ شہادت بلد دیگر:

سوال: ایک شہر میں ۲۹؍شعبان کو بوجہ ابر وغبار چاند دکھائی نہیں دیا، کسی دوسرے شہر کی شہادت قابل اعتبار گزری کہ ۲۹؍تاریخ کو شعتان کا چاند فلاں مقام پر میں نے دیکھا ہے، جس کو قاضی نے مان لیا اور اس شہادت کے اعتبار

سے رمضان المبارک کل تیس تاریخ کو مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی چاند نظر نہیں آیا تو ایسی صورت میں جب کہ اس شہر کی رویت کے حساب سے ۲۹؍ رہے اور اس شہادت کے حساب سے ۳۰ تاریخ ہوتی ہے۔ پس کیا کرنا چاہیے اور اگر وہ گواہ خاص اسی شہر میں ۲۹ شعبان کو چاند دیکھنا بیان کریں اور فوراً حاضر نہ ہوں تو ایسی صورت میں کچھ فرق ہو جاوے گا، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: ولوصاموا بقول عدل حیث یجوزغم هلال الفطر ،إلخ. وفی رد المختار عن المعراج عن المجتبی: إن حل الفطرهنا (أی فیما إذا غم هلال الفطر) محل وفاق وإنما الخلاف فیما إذا لم یغم ولم یرالهلال فعند هما لایحل الفطر وعند محمد یحل کما قاله شمس الأئمه الحلوانی وحرره الشربنلا لی فی الإمداد قال فی غایة البیان وجه قول محمد وهوالأصح أن الفطر ما ثبت بقول الواحد ابتداء بل بناء وتبعاً فکم من شئی یثبت ضمناً ولایثبت قصداً،إلخ. (۱۵۱/۲)

اس سے معلوم ہو کہ یہ صورت مختلف فیہ ہے؛ مگر علامہ شامی کا رجحان امام محمدؒ کے قول کی تصحیح وترجیح کی طرف ہے کہ باوجود مطلع صاف ہونے کے بھی عید کر لیں گے؛ لیکن جہاں تشویش عوام کا اندیشہ ہو، شیخین کے قول پر فتوی دینا مناسب ہے؛ بلکہ اس گواہ کو تنبیہ بھی کرنا چاہیے۔

فی رد المختار: قال فی الدرر ویعزر ذلک الشاهد أی لظهور کذبه. (۱۵۱/۲)

اور جو گواہ خود شہر میں موجود تھا اور اس وقت حاضر نہ ہوا اور ایک مہینہ کے بعد آکر بیان کرے، اس کا اعتبار نہ کیا جاوے؛ کیوں کہ اس نے ترک واجب کیا؛ اس لیے عادل نہ رہا اور ایسا شخص مقبول الشہادۃ نہیں رہا۔

فی الدرالمختار: وهل له أی للفاسق أن یشهد (إلیٰ قوله) ویجب علی الجاریة المخدرة أن تخرج. (۱٤٥/۲)

البتہ اگر وہ اس توقف کا کوئی عذر جو شرعاً مسموع ہو، بیان کرے تو مقبول ہوگا۔

کما فی رد المختار صف مذکور: وقول الشارح وهل له یفید عدم الوجوب بناء علیٰ عدم علمه باعتقاد القاضی،إلخ.

وفی ردالمختار: علیه تفرع ما لوشهدوا فی آخر رمضان برؤیة هلاله قبل صومهم بیوم إن کانوا فی المصر ردت لترکهم الحسبة وإن جاء ومن خارج قبلت،من الفتح ملخصاً. (۱٤٥/۲)

(تتمہ ثالثہ، ص: ۸۰) (امداد الفتاوی: ۱۰۷/۲)

بیان اشتراط عدالت ومعنے آں درشہادت رؤیت ہلال رمضان وعید:

سوال: ہلال عید ورمضان کی شہادت کے لیے شاہدوں میں عدل کی ضرورت ہے، یا نہیں؟ اور عدل کی کیا

تعریف ہے؛ یعنی رویت ہلال کے بارمیں فاسق فاجر، یا مستورالحال کی شہادت معتبر ہے، یانہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: للصوم مع علة كغيم وغبار خبر عدل أومستور علٰى مما صححه البزازی علٰى خلاف ظاهر الرواية لافا سق اتفاقاً (إلٰی قوله) **وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، إلخ.**

وفی رد المختار العدالة ملكة تحمل علٰى ملازمة التقوى والمروة والشرط أدناها وهو ترک الكبائر والاصرار علی الصغائر وما يخل بالمروة. (۱٤٥/۲)

اور یہ شرط خبر واحد میں ہے اور جمع عظیم مفید تواتر میں یہ شرط نہیں۔ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۲) (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۰۷)

تحقیق اعتبار اختلاف مطالع ومراد حدیث ابن عباسؓ درآں باب:

سوال: رویت ہلال کے بارے میں کس قدر دور دراز کی خبر ایک شہر سے دوسرے شہر میں مانی جاسکتی ہے، اس میں کچھ علما کا اختلاف ہے، یانہیں؟ اور مذہب حنفیہ میں اس کی بابت مفتی بہ قول کیا ہے؟

الجواب

فی الدرالمختار: واختلاف المطالع غير معتبر علٰى ظاهر المذهب وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوٰى، بحر عن الخلاصة فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولٰئک بطريق موجب إلٰى قوله قال الكمال الأخذ بظاهر الرواية أحوط.

۲/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۸۲) (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۰۷)

دوربین سے چاند دیکھنے کی گواہی کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مدرسہ اشرفیہ راندیر کا ایک طالب علم رؤیت ہلال کی گواہی دوربین کی قبل عید الضحیٰ کے نامنظور رکھتا ہے اور موافق ذہن اپنی کے اس پر دلیل عبارت شامی کی جو کہ ذیل میں لکھی گئی ہے پیش کرتا ہے تو یہ موافق شرع شریف کے ہے، یانہیں؟

يفهم من كلامهم فی كتاب الحج إن اختلاف المطالع فيه معتبر فلايلزمهم شیء لوظهر أنه رئی فی بلدة أخرٰی قبلهم بيوم وهل يقال كذلک فی حق الأضحية لغير الحاج لم أره والظاهر نعم، آه مختصراً.

الجواب

قیاس تو مقتضی ہے اس کو کہ اختلاف مطالع معتبر ہو، مگر حنفیہ نے بنا بر قول علیہ السلام "**لانكتب ولانحسب**" (الحدیث) اس کا اعتبار نہیں کیا کہ خالی حرج رعایت قواعد ہیئت سے نہ تھا۔

پس مقتضی حدیث مسطور کا یہ ہے کہ اختلاف مطالع مطلقاً معتبر نہ ہو، نہ قبل وقوع عبادت، نہ بعد وقوع عبادت؛ بلکہ ہر مقام کی رویت ہر مقام کے لیے کافی ہو جائے، چناں چہ قبل وقوع تو کہیں بھی اعتبار نہیں کیا گیا۔ ہاں بعض مواقع میں (۱) جیسے بعض بعض صور حج میں اس کا اعتبار کرنا بظاہر مفہوم ہوتا ہے؛ مگر رائے ناقص میں وہ اعتبار اختلاف مطالع کا نہیں لا طلاق الحدیث؛ بلکہ عمل اس حدیث پر ہے: ''**الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون والأضحى يوم تضحون**''. (**الحديث أو كما قال**) چناں چہ صاحب ہدایہ نے مسئلہ حج میں اسی کو دلیل ٹھہرایا، **حيث قال: ''وفي الأمر بالإعادة حرج''** اور علامہ شامیؒ نے ہر چند کہ بناء عدم قبول شہادت کے اعتبار اختلاف مطلع پر ٹھہرائی ہے؛ مگر اس کو کسی نے صراحۃً نقل نہیں فرمایا؛ بلکہ **يفهم من كلا مهم** کہا، جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے کلام سے یہ اعتبار مستخرج ہوتا ہے تو اصل حنفیہ کے نزدیک کل جگہوں میں عدم اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرا، کما ہو ظاہر من اطلاقاتہم اور استنباط علامہ شامیؒ مسئلہ اضحیہ میں اسی بنا پر ہے کہ انہوں نے عدم قبول شہادت کو بعض مسائل حج میں مبنی بر اعتبار اختلاف مطالع ٹھہرایا، حالاں نکہ عند التامل یہ امر غیر صحیح ہے؛ بلکہ بناء اس عدم قبول کی وہی حرج ہے۔ پس جب بناء ہی صحیح نہیں تو مبنی کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے، خصوصاً جب کہ کتب مذہب کے خلاف ہو۔ پس صورت مسئولہ میں رد شہادت صحیح نہیں۔ واللہ اعلم

۶ ربیع الثانی بروز پنجشنبہ ۱۳۰۵ھ (امداد: ۱/۱۸۶) (امداد الفتاوی: ۲/۱۰۸)

اختلاف مطالع کے باب حضرت ابن عباسؓ کی روایت:

سوال: کیا حدیث ابن عباسؓ سے جو ترمذی و بخاری میں مروی ہے، فقہا نے صرف اختلاف مطالع استنباط کیا ہے۔ حدیث مذکور میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ منقول نہیں۔ صرف ابن عباسؓ نے کریبؓ کی شہادت کو، جو شام سے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، قبول نہیں کیا، کیا استدلال کیا جا سکتا ہے کہ بوجہ اختلاف مطالع، یا تنہا شہادت کی وجہ سے قبول نہیں کیا، جن فقہا نے اختلاف مطالع کو معتبر نہ سمجھا (جیسا کہ درمختار و فتوی عالمگیری میں تحریر ہے) انہوں نے اس حدیث پر عمل کس وجہ سے نہیں کیا، اس حدیث پر بصراحت روشنی ڈالیے۔

الجواب

قائلین باعتبار اختلاف المطالع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث اس کو محتمل ضرور ہے؛ لیکن نافین اعتبار اختلاف المطالع اس کا وہ جواب دے سکتے ہیں، جو امام نووی نے اس حدیث کے ذیل میں بعض شافعیہ سے نقل کیا ہے۔ **وقال بعض أصحابنا: ''تعم الروية في موضع جميع أهل الأرض فعلى هٰذا نقول: إنما لم يعمل ابن عباس نجبر كريب؛ لأنه شهادة فلا تثبت بواحد''** اور حدیث اس کو بھی محتمل ہے، **فإذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**، اسی طرح **هٰكذا أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم** میں دونوں احتمال

(۱) تغییر تصحیح الاغلاط، ص: ۳۲ سے کی گئی ہے۔

ہیں، اس حالت میں نووی کا اس کے بعد کہنا؛ لکن ظاہر حدیث خصم پر حجت نہیں ہوسکتا۔

۱۴/ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۳۷۵) (امداد الفتاوی: ۱۰۹/۲)

دوربین، دریا، یا آئینہ وغیرہ کی رؤیت کا اعتبار ہے، یا نہیں:

سوال: ذیل کے سوالات میں اپنی تحقیق از روئے کتب حدیث وفقہ تحریر ما کر ممنون فرمادیں۔

(۱) ۲۹/تاریخ کو دوسرے شخص کمزور بینائی والے سفر میں جارہے تھے، جنگل میں مغرب کے وقت چشمہ، یا خوردبین سے ان دونوں نے عید الفطر کا چاند دیکھ لیا؛ لیکن بلا مدد چشمہ، یا خوردبین کے نہیں دیکھ سکتے ہیں اور سوائے ان دونوں کے اور لوگوں نے چاند نہیں دیکھا، ایسے حال میں وہ دونوں دوسرے روز روزہ رکھیں گے، یا عید الفطر کی نماز پڑھیں گے اور جن لوگوں نے نہیں دیکھا، ان کے لیے کیا حکم ہے۔

(۲) دو شخص دریا میں جارہے ہیں، ۲۹/رمضان کو پانی میں دونوں کو چاند کا عکس صاف نظر آیا؛ لیکن آسمان پر دیکھنے سے چاند نہیں معلوم ہوا، خواہ نظر کی کمزوری سے خواہ اور کسی وجہ سے اور ان دو شخصوں کے سوا اور کوئی چاند دیکھنا بیان نہیں کرتا ہے، ایسے وقت میں ان کے لیے اور دوسروں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۳) دو شخص کسی جگہ پر ہیں، ۲۹/رمضان المبارک کو آئینہ کے اندر دونوں کو چاند صاف معلوم ہوا؛ لیکن آسمان پر دونوں نہیں دیکھ سکے، ایسی حالت میں وہ کیا کریں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) دوربین، یا خوردبین سے دیکھنے کا کوئی جدا حکم نہیں، بلا آلہ دیکھنے کے جو احکام ہیں، وہی اس کے بھی ہیں۔ پس اگر افق پر ابر وغبار ہے، تب تو ان کی رویت بشرط عدم مانع اوروں کے لیے کافی ہے، سب عمل کریں اور اگر ابر وغیرہ نہیں ہے تو اوروں کو بھی عمل جائز نہیں اور خود ان کو بھی عمل جائز نہیں؛ بلکہ روزہ رکھیں۔

(۲) دریا کو بھی مثل چشمہ وغیرہ کے رویت کا ایک آلہ کہا جاوے گا اور اس کا حکم بھی مثل جواب سوال (۱) کے ہوگا۔

(۳) اس کو بھی مثل دریا کے ایک آلہ رؤیت کہیں گے اور اس میں بھی وہی تفصیل ہوگی جو (۱) میں مذکور ہوئی۔

۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۴ھ (تتمہ رابعہ، ص: ٦٦) (امداد الفتاوی: ۱۱۰/۲) ☆

☆ معتبر بودن رؤیت ہلال از دوربین، یا در دریا، یا آئینہ وغیرہ:

سوال: شخصے در دوربین ماہ ہلال عید الفطر امسال بتاریخ بست ونہم دیدہ است، آیا ایں رویت ہلال صحیح باشد، یا نہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

دروبین محض آلہ تحدید بصرست ورویت ببصر واقع ست، پس حکمش مثل عینک باشد وبریں دیدن رؤیت کہ مدار وجواب احکام ست صادق ست، پس لامحالہ صحیح ومعتبر ومناط احکام باشد، البتہ اگر بدلائل فن ایں امر بہ ثبوت پیوندد کہ خاصیت آں دوربین چنیں ست کہ ہلال باوجود تحت افق بودن بواسطہ آں بنظر می آید حتی کہ شمس ہم باوجود عدم طلوع از افق دراں طالع می نماید آرے صحیح ومعتبر نباشد۔

۱۹/ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۱٦۰) (امداد الفتاوی: ۱۰۹/۲)

حکم شہادت واحد بر قضاء رؤیت ہلال:

سوال: کسی مقام کے قاضی کے حکم کی تصدیق کے لیے دوسرے مقام پر صرف ایک آدمی کی شہادت کی ضرورت ہوگی، یا دو کی؟ اور عدالت کی شرط ہوگی، یا نہیں؟ مثلاً زید نے رویت شوال کی باقاعدہ شہادت لے کر اپنے شہر الہ آباد میں افطار کا حکم دیا، اب بکر جو اس وقت الہ آباد ہی میں مقیم تھا، شہر کانپور میں جا کر اس بات کی خبر دی کہ فلاں شہر میں زید نے باقاعدہ شہادت لے کر افطار کا حکم دیا ہے، اب تم لوگ بھی افطار کرلو تو ایسی صورت میں اگر چہ یہ مسلم ہے کہ قاضی کا حکم حجت شرعی ہے، دوسرے شہر کے لیے بھی؛ مگر اثبات حکم پر؟ سو دریافت طلب یہ امر ہے کہ صرف بکر کی شہادت زید کے حکم کے اثبات کے لیے کانپور والوں کے لیے کافی ہوگی، یا نہیں؟ یا ایک اور شہادت کی ضرورت ہوگی اور زید اگر خود کانپور میں جا کر اپنی باقاعدہ شہادت لینے کی خبر کرے تو کانپور والوں کو افطار کرنا درست ہوگا، یا نہیں؟ اور جنہوں نے صرف بکر کی شہادت پر کانپور میں افطار کرلیا، ان کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

فی الد رالمختارفی أحکام ھلال رمضان: وتقبل شھادۃ واحدۃ علٰی آخر کعبد وأنثٰی ولو علٰی مثلھما إلخ فی رد المختاربخلاف الشھادۃ علی الشھادۃ فی سائر الأحکام حیث لاتقبل مالم یشھد علٰی شھادۃ کل رجل رجلان اورجل وامرأتان ح.

وفی الدرالمختار فی أحکام ھلال الفطر: وشرط للفطر مع العلۃ والعد الۃ نصاب الشھادۃ ولفظ أشھد وعدم الحد فی اقذف لتعلق نفع العبد، لکن لا نشرط الدعوی إلٰی قولہٖ ولو کانوا ببلدۃ لاحاکم فیھا صاموا بقول ثقۃ وأفطروا بأخبارعدلین مع العلۃ للضر ورۃ.

ان روایات سے معلوم ہوا کہ بکر کی شہادت ہلال رمضان میں معتبر ہو جاوے گی۔

لأن الشھادۃ علی القضاء کالشھادۃ علی الشھادۃ لکونھما موجبین.

اور اسی طرح زید کا قول بھی معتبر ہوگا؛ **لأنہ شھادۃ علی الشھادۃ۔**

اور ہلال فطر میں عدد بھی شرط ہے، **کالأصل وإن لسقط لفظ الشھادۃ فی سائر الأحکام: أی فی غیر أحکام ھلال رمضان۔**

اور یہ بھی ان روایات سے ثابت ہوا کہ عدالت ہر حال میں شرط ہے۔

۱۷/ شوال ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: 92) (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۱۱)

عدم اعتبار حکایت رویت بلا طریق موجب:

سوال: یہاں میرے پڑوسی نائب تحصیلدار بحکم گورنمنٹ بصرہ بغداد کو گئے تھے۔ اب وہ رخصت لے کر ۲/ جون کو

بغداد سے دجلہ میں کشتی پر سوار ہوکر چلے تو رمضان المبارک کا چاند بدھ کے روز؛ یعنی پنجشنبہ کی شب میں انہوں نے اور سب ہمراہیوں نے دیکھا اور جمعرات کو روزہ رکھا تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان کا چاند دیکھنا یہاں والوں کے لیے مانا جاوے گا، یانہیں؟ رہا یہ امر کہ ان کی شہادت بھی شرعاً معتبر ہے، یانہیں؟ اس سے بحث نہیں، دیگر کوئی خبر جناب کے یہاں بھی ایسی موصول ہوئی ہے، جو قابل اعتبار ہو اور اس پر عملدرآمد کیا جاوے، اس سے مطلع فرمایا جاوے؟

الجواب ــ

ایک خبر یہاں بھی بجنور سے آئی ہے، بابو مردان علی صاحب لکھتے ہیں کہ بدھ کے روز یہاں بھی چاند نہیں دیکھا گیا؛ مگر جمعرات کے روز صبح کو جہان آباد سے رؤیت ہلال کے گواہ معتبر آ گئے اور ہم نے روزہ رکھ لیا، انتہی ۔ یہ دو خبریں ہیں ۔ قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ ایسی خبر کے معتبر ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ طریق موجب سے پہونچے اور طریق موجب یہ ہیں:

(۱) شہادۃ بالرؤیۃ (۲) شہادۃ علی الشہادۃ بالرؤیۃ (۳) شہادۃ علی حکم الحاکم (۴) استفاضہ، جو حکم حاکم کے حکم میں ہے اور مجرد حکایت معتبر نہیں ہے ۔ (زوال السنہ، ص:۱۵)

اسی طرح خبر واحد کے معتبر ہونے کے لیے علت؛ یعنی ابر وغیرہ شرط ہے، اسی طرح رائی کا ثقہ ہونا شرط ہے ۔ (کذا فی کتب الفقۃ) پس دجلہ کی خبر میں آسمان پر علت ہونا ثابت نہیں اور شہادت دینے والے ایک صاحب ہیں اور اوروں کے دیکھنے کی روایت محض حکایت ہے، جو معتبر نہیں اور اگر یہ صاحب ثقہ نہیں ہیں تو قبول ہدایت سے ایک دوسرا امر بھی مانع ہے اور جہان آباد کی خبر ہم لوگوں تک طریق موجب سے نہیں پہونچی، لہٰذا دونوں خبریں حجت نہیں ہیں ۔

اشرف علی، ۲۷ ؍ رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۳) (امداد الفتاوی:۲؍۱۱۱)

عدم اعتبار قول اہل ہیئت در افطار وصوم:

سوال: علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کیا تحریر فرماتے ہیں کہ اخبار ہمدم لکھنؤ مورخہ ۱۰؍ جولائی ۱۹۱۷ء میں ایک مضمون چھپا ہے، جو لفظ بلفظ درج ذیل کیا جاتا ہے ۔ اس پر شرعاً عمل درآمد کرنا چاہیے، یانہیں؟ اور ان امور کا ماننا درست ہے، یانہیں؟

اوقات صوم وصلوٰۃ:

(۱) ملاحظہ ہو: روزنامہ ہمدم، مورخہ ۲۱؍ جون ۱۹۱۷ء (جس میں ایک مضمون اوقات کے متعلق تھا) جس سے مسئلہ ہذا سے کوئی خاص تعلق نہیں ۔

(۲) مسلمان اگر علم ہیئت سیکھیں تو ان کو معلوم ہو کہ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ کی کس قدر تصدیق ہوتی ہے؟ ملاحظہ ہو: قرآن مجید: ۵۵، سورہ رحمٰن، آیت: ۵ ۔

(۳)　افلاک ارضی وقمری بیضاوی شکل کے ہیں، لہذا حساب واقعی طلوع اور غروب شمس ک بحساب مخروطی کرنا لازم ہوتا ہے۔اشکال مدور اور بیضاوی میں فرق ہوتا ہے۔ ہند میں معیار وقت بلحاظ شمس وسطی ہوتا ہے، لہذا جب واقعی طلوع اور غروب کا وقت کسی جگہ کا نکالنا ہو تو جو فرق شمس وسطی اور شمس واقعی میں ہو، اس کو دفع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اسی سبب سے بعض روز دوایک دقیقہ کی کمی یا زیادتی بغیر تسلسل کے ہوتی ہے۔

(۴)　لیل ونہار ہمیشہ ۲۴ گھنٹے کے ہیں، کبھی طلوع اور غروب میں کمی اور زیادتی ہوئی تو بھی ۲۴ر گھنٹے میں فرق نہیں ہوسکتا۔

(۵)　پنجشنبہ ۵ر جولائی ۱۹۱۷ھ کو ۹ ء ۸ گھنٹہ پر قبل ظہر خسوف: یعنی چاند گرہن تھا، اس وقت عمر قمر کی چودہ روز سے زائد تھی اور اس روز پندرہ رمضان ۱۳۳۵ھ میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا ہے۔

(۶)　غرہ رمضان المبارک میں بوجہ عدم رویت کے فرضیت نہیں ہوسکتی تھی؛ لیکن ہلال اور بدر کے مشاہدہ سے کوئی شبہ نہیں رہتا ہے کہ جمعہ ۲۰ر جولائی ۱۹۱۷ء کو ۳۰ر رمضان المبارک ہے اور اس روز اگر مطلع صاف نہ ہو تو رؤیت کی حاجت نہیں ہے بلحاظ علم ہیئت اور مشاہدہ ۲۱ر جولائی ۱۹۱۷ء کو غرہ شوال ۱۳۳۵ھ ہونا لازم ہے اور اس روز صوم بلاشبہ حرام ہے۔

الجواب

اول تو ان مقدمات ریاضیہ میں بعضے مخدوش بھی ہیں۔ دوسرے قطع نظر اس سے شریعت میں ان کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث "نحن أمة أمية لانکتب ولانحسب الشهر هكذا ا وهكذا" اس کی تصریح نفی کر رہی ہے؛ یعنی ان کے اعتبار کی قطع نظر وقوع سے اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ باوجود کسی امر کے واقع ہونے کے اس پر اپنے احکام کو مبنی نہ کرے، جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم پر بدون ضابطہ کی شہادت کے عمل نہیں کرسکتا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے؛ بلکہ یہ معنی ہیں کہ باوجود واقع ہونے کے اس پر حکم کا مبنی کرنا جائز نہیں رکھا گیا، اسی طرح یہاں سمجھ لیا جاوے۔ اس قانون شرعی پر خلاف عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا اور راز اس کا وہی ہے جس کی طرف حدیث مذکور میں اشارہ کیا گیا ہے: یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر۔ تیسرے ۶ر میں جب عدم فرضیت صوم مان لی گئی تو شنبہ کو غرہ شوال یقینی ماننا اس کے منافی ہے؛ کیوں کہ جمعہ کو ۳۰ر قرار دینا مستلزم ہے پنجشنبہ کے غرہ ہونے کو، گو اس کا ظہور بعد میں ہوا ہو اور پنجشنبہ کا غرہ ہونا مستلزم ہے، اس میں فرضیت صوم کو تو لازم آتا ہے، فرضیت اور عدم فرضیت صوم کا مجتمع ہونا اور یہ اجتماع خود محال ہے اور مستلزم محال کو محال۔ پس یہ فتوی دینا کہ شنبہ کو روزہ رکھنا یقینی حرام ہے، بوجہ مبنی ہونے کے مقدمات مستحیلہ پر یقیناً باطل ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ رائے محض غلط ہے اور اس پر عمل کرنا بالکل حرام ہے، اس کو اچھی طرح شائع کردیجئے۔

کتبہ اشرف علی، ۲۵ر رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۲) (امداد الفتاوی:۱۱۳/۲)

عدم اعتبار حساب جنتری در افطار صوم:

سوال: غرہ ذی قعدہ جنتری کی رو سے تسلیم کیا گیا ہے اور رؤیت نہیں ہوئی، اس حساب سے شوال کے ۲۹/ یوم ہوتے تھے۔ اب ذی الحجہ کی رؤیت بھی نہیں ہوئی اور ۳۰/ یوم پورے کر کے پہلی تاریخ پنجشنبہ کی قرار دی گئی، اب شبہ یہ واقع ہے کہ ذی قعدہ کی رویت ہوئی نہیں۔ جنتری کے اعتبار پر شوال ۲۹ کا قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر اس کو بھی ۳۰/ یوم کا قرار دیتے ہیں تو پہلی جمعہ کی ہونی چاہیے؛ کیوں کہ رویت ذی قعدہ تو ہوئی نہیں تھی۔ اب ارشاد فرمایا جاوے کہ ذی الحجہ کی پہلی قرار دینے کے لیے شوال کے ۳۰/ یوم پورے ماننے پڑیں گے، یا مطابق جنتری کے ۲۹/ یوم جیسے قرار دئیے تھے، سمجھے جائیں گے؟ نیز اگر چند ماہ تک بوجہ ابر وغبار مثلاً چھ ماہ تک رؤیت نہیں ہوئی تو کیا ایسے سب مہینوں کو ۳۰/ یوم کا قرار دینا چاہیے۔ اگر ایسا عمل ہوا ہوگا تو خدشہ ہوتا ہے کہ قمری سال کے ۳۵۵/ دن ہوتے اس میں ضرور زیادتی ہوگی اور اگر سب کو ۳۰/ یوم کا نہ قرار دیا جاوئے تو یہ شبہ ہے کہ جب رؤیت نہیں ہوئی تو ۳۰/ یوم کا کیوں نہ مانا جائے؟

الجواب

شریعت میں یا تو رؤیت حجت ہے، یا شہادت رؤیت، یا تکمیل ثلاثین، اگر اولین نہ ہوں تو ثالث متعین ہے اور جو خدشہ لکھا ہے، یہ اس وقت صحیح ہوتا جب شریعت اس قاعدہ کو تسلیم کرتی کہ قمری سال ۳۵۵/ سے نہیں بڑھنا اس لازم کے بطلان کی کیا دلیل ہے۔

۱۱/ ذی الحجہ ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ، ص: ۱۰۳) (امداد الفتاوی: ۲/ ۱۱۴)

☆ ☆ ☆

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیان کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، و مالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پربدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد، مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر و اشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش و دیگر مفتیان	شعبۂ نشر و اشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۱)	نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبد الحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹیڈ، دریا گنج، نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس، لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبد الحیٰ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحیٰ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
(۴۴) کتاب النوازل	مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، انڈیا

مصادر و مراجع

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿قرآن (مع تفاسیر و علوم قرآن)﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی / جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۸۶۴ھ/۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	شیخ زادہ علی تفسیر البیضاوی	شیخ زادہ، محی الدین بن مصطفیٰ مصلح الدین القوجوی	۹۵۱ھ
(۱۱)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۲)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۳)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	أبوالمعین علی ہامش شرح العقائد	ابوالمعین میمون بن محمد بن محمد بن معتمد بن محمد ابن مکحل۔ الفضل النسفی المکحولی	۵۰۸ھ
(۱۸)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۰)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۱)	مسند ابوحنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۲)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۳)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۴)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابویوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۵)	الزہد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۶)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	موطأ امام مالک رموطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۸)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۹)	مسند الشافعی بترتیب السندی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن	۲۰۴ھ
(۳۰)	السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	عبد مناف الشافعی القرشی المکی	
(۳۱)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۲)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۳)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۴)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۵)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۶،۳۷)	مصنف ابن ابی شیبہ رمسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خوستی	۲۳۵ھ
(۳۸)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راھویہ	۲۳۸ھ
(۳۹)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۴۰)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۱)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابو محمد عبد الحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۴۲)	صحیح البخاری	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۳)	الادب المفرد	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۴)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیر ی بن ور دین النیشا فوری	۲۶۱ھ
(۴۵)	أخبار مکۃ فی قدیم الدھر وحدیثہ	ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۶)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۷)	سنن ابوداؤد درمراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۸)	سنن الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۹)	شمائل الترمذی	ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۵۰)	مسند الحارث	ابو محمد الحارث بن محمد بن داھر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۵۱)	البدع	ابو عبد اللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۵۲)	الآحاد والمثانی	ابو بکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۳)	السنۃ	ابو بکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۴)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بن خلاد بن عبید اللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۵)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۶)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابو عبد اللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۷)	القدر	ابو بکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۸)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۹)	عمل الیوم واللیلۃ	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۶۰)	المسند	حافظ ابو یعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۶۱)	المنتقی	ابن الجارود ابو محمد عبد اللہ بن علی النیشا پوری	۳۰۷ھ
(۶۲)	مسند الرویانی	ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۶۳)	الکنی والأسماء	ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۴)	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسا فوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۵)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرة بن صالح بن بکر السلمی النیسا فوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۶)	السنة لابن ابی بکر بن الخلال	ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ
(۶۷)	مسند السراج/حدیث السراج	ابو العباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۸)	مستخرج ابو عوانہ	ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۹)	شرح معانی الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۰)	شرح مشکل الآثار	ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامة الطحاوی	۳۲۱ھ
(۷۱)	مکارم الأخلاق/مساوی ءالاخلاق	ابو بکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۷۲)	مسند الشاشی	ابو سعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۳)	معجم ابن الأعرابی	ابو سعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درھم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۴)	صحیح ابن حبان	ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۵)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۶)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۷)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابو القاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۸)	عمل الیوم واللیلة	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۹)	سنن الدارقطنی	ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۸۰)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۱)	شرح مذاھب أھل السنة	ابن شاہین، ابو حفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۸۲)	الإبانة الکبریٰ	ابو عبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطة	۳۸۷ھ
(۸۳)	معالم السنن	ابو سلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۴)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسا فوری	۴۰۵ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۸۵)	الإيمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۶)	شرح أصول اعتقادأهل السنة والجماعة	ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۷)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفهانی	۴۳۰ھ
(۸۸)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفهانی	۴۳۰ھ
(۸۹)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مھران البغدادی	۴۳۰ھ
(۹۰)	مسند الشهاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ
(۹۱)	السنن الکبریٰ رالسنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	شعب الإيمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۴)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۵)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیهقی	۴۵۸ھ
(۹۶)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۷)	تفسیر غریب ما فی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۸)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الهمدانی	۵۰۹ھ
(۹۹)	شرح السنة	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۱۰۰)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهزام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۱۰۱)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۱۰۲)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الهندی	۵۷۹ھ
(۱۰۳)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۴)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۵)	منهاج السنة	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۶)	الجوهر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ المارديني ابن الترکمانی	۷۵۰

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۰۷)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۸)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۹)	البدر المنیر رمختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۱۰)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۱۱)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۲)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ
(۱۱۳)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۴)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۵)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۶)	الجامع الصغیر رالفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۷)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۸)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۹)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۲۰)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۱)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۲۲)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۳)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۴)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیرازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۵)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۲۶)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۷)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۸)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۹)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۰)	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۳۱)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور با بن ملک	۸۵۴ھ
(۱۳۲)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۳)	شرح سنن أبي داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۴)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۵)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۶)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۷)	ارشادالساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۸)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۹)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۴۰)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۱)	کنوزالحقائق فی حدیث خیرالخلائق	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۴۲)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۴۳)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۴)	شرح مسند الشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالہادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۵)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۶)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۷)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۴۸)	مظاہر حق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۹)	بذل المجھود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۵۰)	التعلیق الممجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۱)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۲)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۵۳)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۵۴)	التعلیق الحسن علی آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۵)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۶)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۷)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۸)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۹)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۰)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۶۱)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۶۲)	فتح الملھم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۶۳)	التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۶۴)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۵)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۶)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۷)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۸)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۹)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات

﴿سیرت وشمائل﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۷۰)	زادالمعادفی ہدیۃ خیرالانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۷۱)	سبل الہدی والرشادفی سیرۃ خیرالانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۷۲)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجرالکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۷۳)	شرح المواہب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ

﴿کتب فقہ احناف﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۷۴)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقدالشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۵)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقدالشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۶)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقدالشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۷)	مختصرالطحاوی	ابوجعفراحمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۸)	شرح مختصرالطحاوی	ابوبکراحمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۹)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۸۰)	مختصرالقدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ
(۱۸۱)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۸۲)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکرمحمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۳)	شرح السیرالکبیر	شمس الائمہ ابوبکرمحمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۸۴)	تحفۃ الفقہاء	علاءالدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۵)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۶)	المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۷)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاءالدین ابوبکر بن مسعودالکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۸)	فتاویٰ قاضی خان	محموداوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۹)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکرالمرغینانی	۵۹۳ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۰)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۱)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۹۲)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۹۳)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ھاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۹۴)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۵)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجد الدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۶)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۷)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۸)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدید الدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۹)	کنز الدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۲۰۰)	تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق	فخر الدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۲۰۱)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۲)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدر الشریعہ الصغیر، عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۲۰۳)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ
(۲۰۴)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۷۱ھ
(۲۰۵)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۶)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۷)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۸)	السراج الوھاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۹)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۱۰)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۱۱)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۱۲)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۱۳)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۴)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۵)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۶)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلوبغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۷)	دررالحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۸)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۹)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۲۰)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۱)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۲۲)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۲۳)	البحرالرائق فی شرح کنزالدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۲۴)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۵)	تنویرالأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۶)	النہر الفائق شرح کنزالدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۷)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۸)	رمزالحقائق شرح کنزالدقائق	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۹)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۳۰)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصرالدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۳۱)	نورالایضاح ونجاۃ الارواح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۲)	امدادالفتاح شرح نورالایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۳۳)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۳۴)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبدالرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۵)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیرالدین بن احمد بن نورالدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۶)	الدرالمختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۷)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۳۸)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۹)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۴۰)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۴۱)	مالابدمنہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۴۲)	ردالمحتار حاشیۃ الدرالمختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۳)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۴)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۵)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحرالرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۶)	مأۃ مسائل	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۷)	رسالہ الاربعین	ابوسلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۸)	غایۃ الاوطار ترجمہ اردو الدرالمختار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری/مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	۱۲۷۱ھ/--
(۲۴۹)	التحریر المختار حاشیۃ ردالمحتار	عبدالقادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۵۰)	جواہر الإخلاطی	برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر بن محمد بن الحسین الاخلاطی الحسینی	--
(۲۵۱)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابوابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جاراللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۵۲)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبدالغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۵۳)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۴)	السعایۃ فی کشف مافی شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۵)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۶)	حاشیہ علی الہدایہ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۷)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۸)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۹)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۰)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۱)	تحفۃ الاخیار	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۶۲)	علم الفقہ	عبدالشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۶۳)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۴)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۶۵)	رسائل الارکان	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۶)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۷)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبداللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۶۸)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۹)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۰)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۷۱)	اثمار الہدایہ	مولانا محمد ثمیر الدین قاسمی، لندن	مدظلہ

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۲)	المدونہ	امام دارالہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۷۳)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبدمناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۷۴)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۷۵)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۷۶)	بحرالمذہب	ابوالمحاسن عبدالواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۷۷)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۷۸)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۹)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۸۰)	المقنع / الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۸۱)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الحرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۸۲)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۸۳)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۴)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۵)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبدالوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابوالشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ
(۲۸۶)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۷)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۸۸)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۸۹)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبدالعزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۹۰)	ہدایۃ السائل / الانتقاد الرجیع / بدور الاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ الحسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ

فقہ مقارن

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۱)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۹۲)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۹۳)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

اصول فقہ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۴)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۵)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۶)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۷)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۸)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۹)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۳۰۰)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۳۰۱)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۳۰۲)	نور الانوار فی شرح المنار	ملا جیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۳۰۳)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۴)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۳۰۵)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ

﴿تزکیہ واحسان﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۶)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۷)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۸)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۹)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۱۰)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۱۱)	الأذکار للنووی	محی الدین ابوزکریا یحیٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۳۱۲)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۳)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۱۴)	الاِنتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۵)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۶)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۷)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۸)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۹)	کشاف اصطلاحات الفنون والعلوم	محمد بن علی ابن القاضی محمد حامد بن محمّد صابرالفاروقی الحنفی التہانوی	۱۱۵۸ھ
(۳۲۰)	التعریفات الفقہیۃ	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۲۱)	غیاث اللغات	مولوی غیاث الدینؒ	--
(۳۲۲)	فیروزاللغات	الحاج مولوی فیروزالدینؒ	--
(۳۲۳)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی/حامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۲۴)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ

﴿متفرقات﴾

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۲۵)	ماثبت من السنۃ	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۶)	کتاب آداب الصالحین	شیخ ابوالمجد عبدالحق بن سیف الدین دہلوی بخاری	۱۰۵۲ھ
(۳۲۷)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۸)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۹)	عجالۂ نافعہ	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
(۳۳۰)	مفیدالمفتی	شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
(۳۳۱)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ
(۳۳۲)	رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات	مفتی کفایت اللہ دہلوی	۱۳۷۲ھ
(۳۳۳)	اوزان شرعیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۳۴)	القول الکافی فی حکم الخبر التلغرافی	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۳۵)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۳۶)	رؤیت ہلال	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۳۷)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	--
(۳۳۸)	مسائل سجدۂ سہو	مولانا حبیب الرحمٰن خیرآبادی	مدظلہ
(۳۳۹)	رسالہ رکن دین اردو	مولوی رکن الدین الوری	--
(۳۴۰)	سیرت حلبیہ اردو	مولانا اسلم قاسمی	۱۴۴۰ھ
(۳۴۱	رعایۃ البیئۃ فی شریعۃ الإسلام	شیخ یوسف القرضاوی	مدظلہ

نوٹ: ''فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۹'' کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)